مسلم تاریخ کے نازک اور فیصلہ کن موڑ

ہجرتِ مدینہ سے سانحہ 9/11 تک

محمد اجمل

Marfat.com

مسلم تاریخ کے نازک اور فیصلہ کن موڑ

ہجرت مدینہ سے سانحہ ۹/۱۱ تک

محمد اجمل

ایم اے تاریخ، مطالعہ پاکستان، اسلامک سٹڈیز، اکنامکس، ایجوکیشن

استاد شعبہ تاریخ

گورنمنٹ پوسٹ گریجوایٹ کالج بہاولنگر

دارالنوادر

الحمد مارکیٹ، اُردو بازار، لاہور

Marfat.com

بیاد
پروفیسر عبدالجبار شاکرؒ
۱۹۴۷-۲۰۰۹

297.09
201
9136136
ا

جملہ حقوق محفوظ

۱۴۳۲ ہجری ۲۰۱۱ء

نام کتاب : مسلم تاریخ کے نازک اور فیصلہ کن موڑ
تصنیف : محمد اجمل
اہتمام : دار النوادر، لاہور
مطبع : میٹرو پرنٹرز، لاہور

ڈسٹری بیوٹرز

فضلی بک
فضلی بک سپر مارکیٹ
اُردو بازار، نزد ریڈیو پاکستان، کراچی۔
فون: 32212991-32629724

کتاب سرائے
پبلشرز، ڈسٹری بیوٹرز، مشیران کتب خانہ جات
فرسٹ فلور، الحمد مارکیٹ، غزنی سٹریٹ
اُردو بازار، لاہور فون: 37320318 فیکس: 37239884
ای میل: Kitabsaray@hotmail.com

Marfat.com

انتساب

اُن گمنام مجاہدوں کے نام!

جو حق کی خاطر باطل سے ٹکرا گئے

لیکن تاریخ اُن کے نام محفوظ نہ رکھ سکی

Marfat.com

Marfat.com

ترتیب

- کچھ باتیں کتاب کے بارے میں ۷
- تاثرات ۱۲
- ہجرتِ مدینہ ۰۱ھ / ۶۲۲ء ۱۷
- صُلح حدیبیہ ۰۶ھ / ۶۲۸ء ۲۹
- غزوۂ خیبر ۰۷ھ / ۶۲۸ء ۳۸
- فتح مکہ ۰۸ھ / ۶۳۰ء ۴۶
- جنگِ یمامہ ۱۲ھ / ۶۳۳ء ۵۶
- جنگ یرموک ۱۵ھ / ۶۳۶ء ۶۳
- جنگِ قادسیہ ۱۵ھ / ۶۳۶ء ۷۳
- سبائی تحریک ۸۱
- حضرت عثمان غنیؓ پر الزامات کا تحقیقی وتنقیدی جائزہ ۹۱
- جنگِ جمل ۳۶ھ / ۶۵۶ء ۹۷
- جنگِ صفین ۳۷ھ / ۶۵۷ء ۱۰۵
- آغازِ ملوکیت ۱۱۶
- سانحۂ کربلا ۶۱ھ / ۶۸۰ء ۱۲۱
- ابنِ زبیرؓ کے نازک فیصلے ۱۳۱
- ابنِ زبیرؓ کی شہادت ۷۳ھ / ۶۹۲ء ۱۳۷
- فتح اندلس ۹۲ھ / ۷۱۱ء ۱۴۴
- فتح سندھ ۹۳ھ / ۷۱۲ء ۱۵۳
- عظیم جرنیلوں سے بدسلوکی ۱۵۹
- جنگِ تورس ۱۱۴ھ / ۷۳۲ء ۱۶۶
- جنگِ زاب ۱۳۲ھ / ۷۴۹ء ۱۷۵

Marfat.com

- امام نفس زکیہؒ کی شہادت ۱۴۵ھ / ۷۶۲ء ۱۸۱
- محمود غزنوی (۴۲۱ھ-۳۶۰ھ / ۱۰۳۰ء-۹۷۱ء) کی فتوحات ۱۸۶
- جنگِ ملازکرد ۴۶۴ھ / ۱۰۷۱ء ۱۹۵
- جنگ زلاقہ ۴۷۹ھ / ۱۰۸۶ء ۲۰۳
- صلیبی جنگیں ۶۹۰ھ-۴۹۰ھ / ۱۲۹۱ء-۱۰۹۶ء ۲۱۱
- ترائن کی دوسری جنگ ۵۸۸ھ / ۱۱۹۲ء ۲۲۲
- سقوطِ بغداد ۶۵۶ھ / ۱۲۵۸ء ۲۲۸
- جنگِ عینِ جالوت ۶۵۸ھ / ۱۲۶۰ء ۲۳۷
- فتح انطاکیہ ۶۶۶ھ / ۱۲۶۸ء ۲۴۷
- جنگِ انگورہ ۸۰۴ھ / ۱۴۰۲ء ۲۵۳
- فتح قسطنطنیہ ۸۵۷ھ / ۱۴۵۳ء ۲۶۱
- سقوطِ غرناطہ ۸۹۷ھ / ۱۴۹۲ء ۲۶۹
- پانی پت کی دوسری جنگ ۹۶۳ھ / ۱۵۵۶ء ۲۷۹
- معرکہ سَاموگڑھ ۱۰۶۸ھ / ۱۶۵۸ء ۲۸۴
- پانی پت کی تیسری جنگ ۱۱۷۴ھ / ۱۷۶۱ء ۲۹۲
- سقوطِ سرنگاپٹم ۱۲۱۳ھ / ۱۷۹۹ء ۲۹۷
- جنگِ آزادی ۱۲۷۳ھ / ۱۸۵۷ء ۳۰۶
- سلطنتِ عثمانیہ کا زوال ۱۳۴۲ھ / ۱۹۲۴ء ۳۱۵
- اسلامی نظریاتی ریاست کا قیام ۱۳۶۶ھ / ۱۹۴۷ء ۳۲۳
- یہودی نظریاتی ریاست کا قیام ۱۳۶۷ھ / ۱۹۴۸ء ۳۳۹
- سقوطِ ڈھاکہ ۱۳۹۱ھ / ۱۹۷۱ء ۳۴۹
- سانحہ نائن الیون ۱۴۲۲ھ / ۲۰۰۱ء ۳۶۳
- گرم دمِ جستجو ۳۷۰
- مسلم تاریخ کے دیگر اہم واقعات جن کا تذکرہ ان سے منسلک عنوانات کے تحت کیا گیا ۳۸۵
- کتابیات ۳۸۸

Marfat.com

کچھ باتیں کتاب کے بارے میں

سلطنتوں کا عروج وزوال ،حکومتوں کی شکست وریخت اور قوموں کے اتحادوانتشار کا مطالعہ مستقبل کی بہتری کے حوالے سے ایک مخلص رہنما کا کردار ادا کرتا ہے۔مطالعہ تاریخ سے سلطنتوں اور قوموں کی ترقی وتنزلی کے اسباب کی نشاندہی کر کے مستقبل میں ملک وملت کی بقاءاور ترقی سے متعلق بہتر حکمت عملی طے کی جاسکتی ہے۔

دنیا کی ہر قوم نے اپنی تاریخ کو محفوظ رکھنے کی کوشش کی ہے لیکن تاریخ نویسی کے حوالے سے مسلمانوں کو دیگر اقوام پر برتری حاصل ہے۔محدّثین اور سیرت نگاروں نے احادیث اور سیرتِ رسول اکرم ﷺ کو محفوظ رکھنے کے لیے جب قلم اٹھایا تو اُن کے شوقِ تحقیق کا دائرہ پھیلتا چلا گیا اور بہت سے نامور محدّثین ومفسرین نے تاریخ نویسی میں بھی بلند مقام حاصل کیا۔علامہ ابنِ جریر طبریؒ نامور محدّث اور مفسر قرآن ہونے کے ساتھ ساتھ ایک عظیم مؤرخ بھی ہیں،اسی طرح علامہ ابنِ کثیرؒ اور علامہ جلال الدّین سیوطیؒ بھی بلند پایہ مفسر قرآن ہونے کے علاوہ قابل اعتماد مؤرخ ہیں۔مسلم تاریخ نویسی کے حوالے سے علامہ ابنِ خلدون کا نام ایک معتبر حوالہ ہے۔انہوں نے روایت کے ساتھ درایت کے اصول کو اپنا کر تاریخ کو فلسفیانہ رنگ دیا۔

مسلم مؤرخین نے سیرتُ النبی ﷺ اور خلافتِ راشدہ کو تاریخ اسلام کے نام سے محفوظ کیا لیکن جب خلافت کی جگہ ملوکیت کا آغاز ہوا اور خاندانی حکومتیں قائم ہوئیں تو مؤرخین نے اسے تاریخ اسلام کی بجائے مسلم حکمرانوں کی تاریخ کے نام سے موسوم کیا۔مسلم تاریخ پر لکھی گئی کتب عموماً کسی مخصوص زمانے ،خاندان یا جغرافیہ کو سامنے رکھ کر لکھی گئی ہیں،مثلاً خلافتِ راشدہ کی تاریخ یا پہلی صدی ہجری کی تاریخ مخصوص زمانے کے حالات پر روشنی ڈالتی ہے ،تاریخ بنو اُمیہ،تاریخ بنو عباس،تاریخ سلجوقیہ،تاریخ مغلیہ مختلف خاندانوں کے حوالے سے لکھی گئی ہیں،اسی طرح تاریخ اندلس،تاریخ سندھ ،تاریخ پاک وہند مخصوص جغرافیہ کے بارے میں معلومات فراہم کرتی ہیں۔ایسی کتب کا سنجیدہ مطالعہ

Marfat.com

اُس زمانے اور اُس علاقے کے جغرافیہ کے بارے میں تاریخی شعور دیتا ہے لیکن ایسی کتب بہت کم دستیاب ہیں جو کسی مخصوص زمانے، خاندان یا جغرافیہ تک محدود ہونے کی بجائے مسلم تاریخ کا مجموعی طور پر احاطہ کرتی ہوں۔

اگرچہ ایک ہی کتاب میں چودہ سو سالہ مسلم تاریخ کو سمونا بہت مشکل امر ہے، لیکن میں نے اپنے تئیں کوشش کی ہے کہ ''ہجرت مدینہ سے سانحۂ نائن الیون'' تک مسلم تاریخ کے اُن نازک اور فیصلہ کن مراحل کو تاریخی تسلسل کے ساتھ بیان کر دیا جائے جن کے مسلم تاریخ پر بہت گہرے اور دور رس اثرات مرتب ہوئے۔ اس موضوع پر قلم اٹھاتے ہوئے میرے لیے سب سے اہم مرحلہ عنوانات کا انتخاب تھا مثلاً تمام غزواتِ رسالت مآب ﷺ بدر، احد، خندق، خیبر، حنین اور تبوک وغیرہ اپنے نتائج کے اعتبار سے بہت اہم ہیں، لیکن میں نے غزوۂ خیبر کو اس لیے منتخب کیا کہ اس غزوہ کے اثرات آج بھی موجود ہیں، یہ غزوہ یہودیوں کے خلاف لڑا گیا جو آج بھی دنیا کی ایک بڑی معاشی اور عسکری قوت ہیں۔

مسلم تاریخ کے بہت سے اہم واقعات میری نظر میں تھے جو اپنے نتائج کے اعتبار سے اہم ہیں لیکن تمام عنوانات پر لکھنا گویا اپنے ساتھ قاری کو بھی ایک کڑے امتحان سے گزارنا تھا، اس لیے میں نے صرف اُن واقعات کا انتخاب کیا ہے جو مسلم تاریخ کے نازک اور فیصلہ کن موڑ ثابت ہوئے، جہاں سے مسلم تاریخ کی سمت تبدیل ہوئی، جن کے اثرات نے مسلم تاریخ کا ایک نیا رخ متعین کیا مثلاً خلیفۂ راشد سیّدنا عثمان غنیؓ کی المناک شہادت کے نتیجے میں مسلمانوں میں خانہ جنگی کا آغاز ہوا اور مسلم تاریخ میں جنگِ جمل اور جنگِ صفین جیسے افسوسناک باب شامل ہوئے، اگر ۷۳۲ء میں فرانس کے میدانِ ٹورس میں مسلمانوں کو شکست نہ ہوتی تو آج یورپ کے بہت بڑے علاقے پر مسلمانوں کی حکومت قائم ہوتی، سلطان مظفر قطز نے اپنے جرنیل بیبرس کے ساتھ مل کر ۱۲۶۰ء میں تاتاریوں کے سرِ غرور کو عینِ جالوت کی خاک میں ملا دیا ورنہ سقوطِ بغداد کی طرح مسلمانوں کو اور بھی بہت سے صدمات سہنے پڑتے، اگر مسلمان سقوطِ بغداد سے سبق سیکھتے تو غرناطہ کی زمین اُن پر تنگ ہوتی اور نہ ہی برصغیر کی تاریخ میں سقوطِ سرنگا پٹم اور سقوطِ ڈھاکہ جیسے دلفگار سانحات پیش آتے۔

بعض واقعات اپنی تاریخی اہمیت کے حوالے سے اتنے اہم ہیں کہ ان پر الگ عنوانات قائم کیے جا سکتے تھے لیکن طوالت سے بچتے ہوئے اُن کا ذکر اُن سے منسلک عنوانات کے تحت کر دیا گیا مثلاً سلطان

Marfat.com

ملک الاشرف نے ۱۲۹۱ء میں عیسائیوں کوشکست دے کر عکّہ کی ریاست واپس حاصل کر لی جس پر صلیبی جنگوں کا طویل سلسلہ ختم ہو گیا، جو مسلم تاریخ کا ایک اہم موڑ ہے لیکن فتح ٔعکّہ کا الگ عنوان قائم کرنے کی بجائے اس کا فتح ٔانطاکیہ کے تحت ہی ذکر کر دیا گیا ہے۔ اسی طرح سلطان سلیم اوّل نے ۱۵۱۷ء میں معرکہ ٔوردان میں مصر کے مملوک امیر طومان بائے کوشکست دے کر مصر کو خلافت عثمانیہ میں شامل کر لیا تھا۔ وہ مصر سے عباسی خلیفہ متوکل علی اللہ کو اپنے ساتھ اسلامبول (استنبول) لے گیا۔ متوکل علی اللہ نے خلافت' سلطان سلیم کو سونپ دی، اس طرح خلافت عباسیوں سے عثمانیوں کو منتقل ہو گئی۔ یہ بھی مسلم تاریخ کا ایک فیصلہ کن موڑ تھا، لیکن اس پر بھی الگ سے عنوان قائم نہیں کیا بلکہ اس کا ذکر جنگِ عین جالوت کے عنوان کے تحت کر دیا گیا ہے۔ ایسے اہم واقعات کی فہرست کتاب کے آخر میں درج کر دی گئی ہے۔

کچھ واقعات یقیناً مسلم تاریخ کے اہم موڑ تھے لیکن ان کے اثرات پائیدار نہیں تھے اس لیے انہیں شامل نہیں کیا گیا مثلاً بنواُمیہ کی ملوکیت کے دوران عمر بن عبدالعزیزؒ کا دور حکمرانی اندھیری رات میں کسی روشن ستارہ کی مانند تھا، لیکن اُن کی پالیسیوں کے ثمرات کو بنواُمیہ کے مؤخر حکمرانوں نے کھو دیا، اسی طرح کچھ فیصلے مسلم تاریخ کے حوالے سے بہت اہم تھے، لیکن اُن پر عمل درآمد نہ ہو سکا اس لیے انہیں بھی شاملِ کتاب نہیں کیا گیا مثلاً عباسی خلیفہ مامون الرشید نے اپنے بعد امام علی رضاؒ کو اپنا جانشین مقرر کیا تھا لیکن مامون الرشید کی زندگی میں ہی اُن کی وفات ہو گئی۔ عباسی ملوکیت کے دوران امام علی رضاؒ کے منصبِ خلافت پر فائز ہونے سے جو ثمرات ظاہر ہو سکتے تھے اس سے اُمتِ مسلمہ محروم رہی۔

کتاب میں شامل عنوانات کو اس طرح سے تحریر میں لانے کی کوشش کی گئی ہے کہ ایک تاریخی واقعہ کا دوسرے تاریخی واقعہ کے ساتھ ربط قائم ہو جائے تاکہ ان اہم واقعات کو تسلسل کے ساتھ پڑھتے ہوئے قاری کو مسلم تاریخ کا شعوری ادراک ہو جائے اور وہ کسی بھی تاریخی واقعہ کے نتیجے میں ظاہر ہونے والے نتائج کے بارے میں آگاہ ہو سکے۔ اس طرح لکھے گئے عنوانات نہ صرف اس کتاب کا اہم حصہ بن گئے ہیں بلکہ ان کی ایک الگ حیثیت بھی قائم ہو گئی ہے اور اس طرح ہر عنوان خود ایک مکمل مضمون بن گیا ہے۔ کسی بھی عنوان کے تحت لکھتے ہوئے مستند تاریخی کتب سے استفادہ کیا گیا ہے اور ہر عنوان کے آخر میں حوالہ جات درج کر دیے گئے ہیں۔ ہر عنوان کے ساتھ سن ہجری اور سن عیسوی لکھ دیا گیا ہے تاکہ اس کے تاریخی دور کا تعین کیا جا سکے۔ انگریزی حوالہ جات کا ترجمہ شامل کیا گیا ہے تاکہ قارئین

Marfat.com

انگریزی میں لکھنے والے مؤرخین کے نقطہ نظر کو بھی سمجھ سکیں۔

اس امر کا خیال رکھا گیا ہے کہ لفظی تکرار سے ہر ممکن بچنے کی کوشش کی جائے، اس لیے صرف وہی بات دہرائی گئی ہے جس کا متعلقہ مضمون کے حوالے سے لکھنا اشد ضروری تھا۔ اس کتاب میں سیرتُ النبی ﷺ، خلافتِ راشدہ، تاریخ بنواُمیہ، تاریخ بنوعباس، تاریخ اندلُس، صلیبی جنگیں، تاریخ سلجوق، تاریخ عثمانیہ، تاریخ مغلیہ، تاریخ پاک وہند، تاریخ عرب اور تاریخ مشرق وسطٰی میں سے ایسے نازک اور فیصلہ کن واقعات، جن کے مسلم تاریخ پر عمیق اور دوررس اثرات مرتب ہوئے، انہیں زمانی ترتیب کے لحاظ سے تحریر کر دیا گیا ہے۔ اس طرح کتاب پڑھتے ہوئے قاری کو اندازہ ہوگا کہ کسی علاقے میں جب ایک خاص زمانے میں کوئی اہم واقعہ مسلم تاریخ کا رخ موڑ رہا تھا تو اسی زمانے میں ہزاروں میل دور کسی دوسرے علاقے میں مسلمان کسی دوسری صورت حال سے نبرد آزما تھے، مثلاً ۷۱۱ء میں فتحِ اندلُس پڑھنے کے ساتھ ہی جب قاری ۷۱۲ء میں فتح سندھ کے بارے میں پڑھتا ہے یا ۱۰۷۱ء میں ایشیائے کوچک میں جنگِ ملازکرد کے بارے میں آگاہی حاصل کرنے کے ساتھ ہی اگلے عنوان میں ۱۰۸۶ء میں اندلُس کی سرزمین پر ہونے والی اہم جنگِ زلاقہ پر نظر ڈالتا ہے یا ۱۹۴۷ء میں پاکستان کو دنیا کے نقشے پر ابھرتا دیکھنے کے ساتھ ہی ۱۹۴۸ء میں مشرق وسطٰی میں اسرائیل کو قائم ہوتے دیکھتا ہے تو وہ کسی ایک ہی زمانے میں دنیا کے مختلف خطوں میں مسلمانوں کو درپیش حالات کا ادراک کر کے بہتر تاریخی شعور حاصل کر سکتا ہے۔

مسلم تاریخ کے نازک اور فیصلہ کن موڑ تحریر کرتے ہوئے مجھے احساس تھا کہ میں بہت سی اہم مسلم شخصیات، اسلامی تحریکوں، اسلامی اداروں اور انقلابات سے صرف نظر کر رہا ہوں لیکن کتاب کا حجم ان تمام موضوعات کو شامل کرنے میں مانع تھا۔ ''ہجرتِ مدینہ سے سانحہ نائن الیون'' تک اہم تاریخی موضوعات پر لکھنے کے بعد ایک اور عنوان ''گرم دم جستجو'' شاملِ کتاب کیا گیا ہے جس میں مسلم تاریخ پر ایک طائرانہ نظر ڈالتے ہوئے ایسے موضوعات پر بھی بحث کی گئی ہے جو باقاعدہ عنوانات میں شامل نہ ہو سکے۔ جن کے مطالعہ سے محترم قارئین کی تشنگی خاصی حد تک دور ہو جائے گی۔

ڈاکٹر ثمینہ اعوان صاحبہ انچارج شعبہ تاریخ علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد، ڈاکٹر محمد طفیل اسلامک انٹرنیشنل یونیورسٹی اسلام آباد، ڈاکٹر عبدالرشید خان شعبہ تاریخ بہاؤ الدین زکریا یونیورسٹی ملتان، ڈاکٹر اکبر ملک شعبہ تاریخ اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور اور ڈاکٹر آفتاب حسین گیلانی شعبہ تاریخ

Marfat.com

اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور کا تہہ دل سے مشکور ہوں کہ انہوں نے کتاب کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار کیا اور اپنے قیمتی مشوروں سے نوازا۔

کتاب کی تیاری کے سلسلہ میں اپنے بڑے بھائی محترم محمد اختر بھٹی صاحب (ایم۔اے اردو، اقبالیات) کا انتہائی ممنون ہوں جنہوں نے ہر مرحلہ پر میری مدد کی اور حوصلہ بڑھایا، عنوانات کے انتخاب سے لے کر پروف ریڈنگ تک، ہر معاملے میں مجھے ان کی رہنمائی حاصل رہی۔ علمی دوستوں محمد یوسف حنفی، محمد آصف سعید اور حسن ارشاد نے ضروری مواد کی فراہمی کے علاوہ مسودہ کو پڑھنے کے بعد بہت سی اہم باتوں کی طرف بھی توجہ دلائی۔ مسز امتہ الحفیظ سے بعض عنوانات پر مشاورت بہت فائدہ مند رہی۔ راؤ اقتدار علی S.S.S، شہنشاہ بابر خان، پروفیسر تجمل حسین ماجد، پروفیسر شہزادہ بختیار عامر، پروفیسر مظفر حسن بلوچ (لاہور)، پروفیسر اشتیاق حسین چیمہ، پروفیسر راؤ صبغت اللہ، پروفیسر عبدالقدیر، پروفیسر قیصر جمیل، اسرار احمد سینئر ہیڈ ماسٹر، اور یوسف مشتاق کی اہم اور قیمتی آراء کی وجہ سے میں اپنے موضوع کو بہتر انداز میں نبھا سکا۔ عزیز دوستوں اجمل خان، محمد یامین، رانا راشد اقبال اور نوید احمد باجوہ کی دعائیں میرے شامل حال رہیں۔ میں اپنے ان تمام احبابِ گرامی کا تہہ دل سے مشکور ہوں۔

مجھے اُمید ہے کہ تاریخ کے اساتذہ اور طلباء کے ساتھ ساتھ مسلم تاریخ سے دلچسپی رکھنے والے حضرات بھی اس کتاب کو پسند فرمائیں گے۔ کتاب کی بہتری کے لیے تمام اہلِ علم کی قیمتی آرا کا منتظر رہوں گا۔

مجھے تسلیم ہے کہ اگر اس کتاب میں کوئی خوبی کی بات ہے تو یہ میرے رب کریم کا کرم ہے اور اگر کوئی نقص ہے تو اس کی وجہ میری کم علمی ہے۔

میں ہوں صدف تو تیرے ہاتھ میرے گہر کی آبرو
میں ہوں خذف تو تُو مجھے گوہرِ شاہوار کر

محمد اجمل

یکم دسمبر ۲۰۱۰ء

لیکچرر شعبہ تاریخ

گورنمنٹ پوسٹ گریجوایٹ کالج بہاولنگر

28۔ کینال کالونی بہاول نگر

0300.7925598

۱۸ محرم الحرام ۱۴۳۲ھ/25 دسمبر 2010ء

Marfat.com

تاثرات

مسلمانوں کی تاریخ ایسے واقعات اور سانحات سے پُر ہے جو نہ صرف مسلمانوں کی تاریخ کا رخ موڑنے میں مؤثر ثابت ہوئے بلکہ مسلم تاریخ کے بہت سے واقعات نے انسانی تاریخ پر بھی گہرے اثرات مرتب کئے۔ مسلم تاریخ چودہ صدیوں پر محیط ہے جو انسانی تاریخ کا عظیم باب ہے اور مسلمانوں کی جدوجہد سے پُر ہے۔ اس لئے مسلمانوں کی مکمل تاریخ کا بیک وقت مطالعہ مشکل بھی ہے اور بہت سی پیچیدہ مشکلات کا حامل بھی۔ اس لئے مسلم تاریخ کے فیصلہ کن اور چیدہ چیدہ واقعات جمع کرنا ایک لائق ستائش کوشش ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے ہم عصر دانشور مسلم تاریخ کے اس پہلو کو اجاگر کر رہے ہیں۔

''مسلم تاریخ کے نازک اور فیصلہ کن موڑ'' اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے جس میں فاضل مرتب محمد اجمل نے ''ہجرت نبوی'' سے لے کر ''سانحہ نائن الیون'' تک مسلم تاریخ کے بیالیس واقعات بیان کئے ہیں، جو فاضل مرتب کی رائے میں مسلم تاریخ کے ایسے واقعات ہیں جو نہ صرف مسلمانوں کی تاریخ پر اثر انداز ہوئے بلکہ ان واقعات نے مسلم تاریخ کا رخ موڑنے اور نئی جہتیں عطا کرنے میں اہم، مؤثر اور فیصلہ کن کردار ادا کیا اور یہ واقعات مسلم تاریخ کے یادگار لمحات کے طور پر یادر کھے جائیں گے۔

مسلم تاریخ کے بحر ذخائر سے یہ قیمتی موتی جمع کر کے قارئین کرام اور شائقین تاریخ کی خدمت میں پیش کرنا کوئی آسان کام نہیں ہے۔ چنانچہ ان واقعات کے انتخاب، ان کی ترتیب و تدوین، ان کی تاریخی صداقت، ان کے سنین کی صحت اور ان کے اصلی آخذ و مصادر سے من وعن اور پوری صحت کے ساتھ نقل کرنا بہت مشکل اور جان جوکھوں کا کام ہے۔ مسلم تاریخ کے بہت سے واقعات میں ایک سے زیادہ آرا اور مؤرخین میں اختلافات بھی موجود ہیں۔ فاضل مرتب محمد اجمل نے تاریخ شناس کی حیثیت سے اپنی کتاب کے تمام تاریخی واقعات کو صحت کے ساتھ کسی اختلاف کے بغیر بیان کر دیا ہے جو ان کی لائق تحسین کوشش ہے اور جس سے مسلمانوں کی تاریخ کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔

اس کتاب کی زبان اردو ہے جو فاضل مرتب کی اردو زبان سے لگاؤ اور پاکستانی قوم سے محبت کی

Marfat.com

آئینہ دار ہے۔ تاریخ کی زبان سادہ اور تاریخی حقائق کی امین ہوتی ہے۔ جبکہ اس کتاب میں تاریخی حقائق کے ساتھ ساتھ ادبی چاشنی بھی موجود ہے، جس کی افادیت مسلّم ہے۔

کتاب کو حوالہ جات سے مزین کیا گیا ہے، جو کتاب کے معتبر (Authantic) ہونے کی دلیل ہے اور یہ حوالہ جات کتاب کی افادیت اور قدر و قیمت میں گرانقدر اضافہ کا باعث ہیں۔

ڈاکٹر محمد طفیل

بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد

جدید دور میں تاریخ ''علم'' کے ساتھ ساتھ ''تحقیق'' اور سوال اٹھانے کا نام ہے۔ ماضی میں کسی فرد یا واقعہ کی زمانی یا مکانی توجیہ کے ساتھ ساتھ مستقبل میں مماثل واقعات میں فرد یا افراد کے ممکنہ روّیے اور امکانی نتائج پر غور و خوض، موجودہ زمانے کے محققین اور تجزیہ نگاروں کا مرغوب موضوع بن چکا ہے۔ بشری علوم میں تاریخ کے متعلق ہمارے نوجوان عموماً اور ہمارے ''فطری متجسس اذہان'' خصوصاً اپنی دلچسپی اور جائزے کا کما حقہ؛ ثبوت دے رہے ہیں۔

محمد اجمل کی تصنیف ''مسلم تاریخ کے نازک اور فیصلہ کن موڑ'' اسی سلسلے کی ایک کاوش ہے۔ جو ہمعصر قوموں کی جدید اور تیز تر "علمی فزوں کاریوں" کے مقابلے میں ایک مدلّل مطالعہ ہے۔ جس نے نہ صرف "غلط العام" تاریخی تلفظ کو صحیح کیا بلکہ جدید علمی، تاریخی ماٰخذ کے استعمال سے اپنے Thesis کو مکمل تحقیقی جامعیت کے ساتھ پیش کیا۔ واقعات کی تکنیکی ترتیب، مصنف کی اپنے مضمون سے وابستگی اور فطری تجسس کے درمیان مثالی توازن کی مثال ہے۔ مسلمانوں کی تاریخ نویسی اور "تاریخ سازی" کی روایت برقرار رکھتے ہوئے مصنف نے نائن الیون تک کے واقعات کا احاطہ کیا ہے جو شاید اگلے برسوں میں متعلقہ موضوع پر ایک "ثانوی تصنیف" کا درجہ اختیار کر لے۔

ڈاکٹر ثمینہ اعوان

انچارج شعبہ تاریخ

ایڈیٹر، جرنل آف سوشل سائنسز اینڈ ہیومینیٹیز

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

Marfat.com

محمد اجمل کی تصنیف "مسلم تاریخ کے نازک اور فیصلہ کن موڑ" کا مطالعہ کیا۔ مصنف نے نہایت محنت، عرق ریزی اور حقیقی طور پر دلی کیفیات اور توجہ سے یہ تصنیف رقم کی ہے۔ عام اور خواص دونوں اس سے استفادہ کر سکتے ہیں۔ تاریخی حقائق اور سنین وغیرہ کا خصوصی خیال رکھا گیا ہے۔ اُمید ہے کہ دردمندی کے ساتھ اس کتاب کا مطالعہ کرنے سے ہمیں اپنی تاریخ کے مختلف مندرجات کا نہ صرف علم ہو گا بلکہ قومی جذبہ بھی جنم لے گا۔ مصنف کو ہدیہ تبریک پیش کرتا ہوں۔

ڈاکٹر عبدالرشید خان

پروفیسر شعبہ تاریخ

بہاؤالدین زکریا یونیورسٹی، ملتان

محمد اجمل کی کتاب "مسلم تاریخ کے نازک اور فیصلہ کن موڑ" کا مطالعہ کیا۔ موصوف نے اس میں اسلامی تاریخ کی ابتداء سے لے کر اب تک کے حالات کا بہت خوبصورت اور مختصر انداز میں احاطہ کیا ہے اور مختلف اہم واقعات کا ذکر کرتے ہوئے موجودہ حالات کے تناظر میں ان کا موازنہ کیا ہے۔ مؤلف نے مختلف کتابوں اور حوالوں کی مدد سے مسلم تاریخ کی اہمیت کو اجاگر کیا ہے۔ مؤلف کی یہ کاوش معروضی حالات میں اچھا تاثر چھوڑ سکتی ہے۔ میری رائے ہے کہ اگر مؤلف مشق سخن جاری رکھیں تو ان کے قلم میں جان ہے اور یہ تاریخ کے طالب علم کی حیثیت سے تاریخی حقائق کو بڑے اچھے انداز میں قلم بند کر سکتے ہیں۔ میں ان کی آنے والی کامیابیوں اور کامرانیوں کے لیے دعا گو ہوں۔

ڈاکٹر محمد اکبر ملک

ایسوسی ایٹ پروفیسر

شعبہ تاریخ و مطالعہ پاکستان

اسلامیہ یونیورسٹی، بہاول پور

Marfat.com

تاریخ افراد کی ہو یا اقوام کی، اپنے اندر عبرت ونصیحت کے کئی پہلو سموئے ہوئے ہوتی ہے۔ یہی سبب ہے کہ اہل علم ودانش تاریخ کے آئینے میں حال و مستقبل کو سنوارتے اور نکھارتے ہیں، اپنی گذشتہ خامیوں اور کوتاہیوں پر نگاہ رکھتے ہوئے مستقبل میں ان غلطیوں کو دہرانے کی بجائے ترقی کی راہیں تلاش کرتے نظر آتے ہیں۔ وہ قومیں اور افراد جن کا رشتہ تاریخ سے منقطع ہو جاتا ہے، اور وہ تاریخ کو دستہ طاق نسیاں کر دیتے ہیں، ان کا نہ حال بہتر ہو سکتا ہے اور نہ ان کا مستقبل سنہرے خواب کی تعبیر۔ لے سکتا ہے۔

عصر حاضر میں مسلمان اگر چہ معتوب ومحروم قوموں میں شمار کیے جا رہے ہیں۔ اس میں بہت قصور ہمارا اپنا اور اس سے کہیں زیادہ اغیار کی ریشہ دوانیوں کا ہے۔ مگر خوش آئند بات یہ ہے کہ مسلمان قوم کا ہر فرد حالات کا تازیانہ کھا کر بیدار ہو چکا ہے، ہر شعبہ زندگی میں ترقی کی خواہش پیدا ہو چکی ہے، تاریخ سے ہمارا ربط اور سبق آموزی کا رجحان ہمارے حالات ومعاملات کو نیا رخ اور رستہ دکھا رہا ہے۔ خاص طور پر تعلیم یافتہ نوجوان حالات کی بھٹی سے کندن بن کر نکل رہے ہیں۔ ان کی نگاہ ماضی پر بھی ہے اور حال پر بھی۔ اس کے نتیجے میں ان کا تاریخی شعور زیادہ توانا اور متاثر کن صلاحیت کا حامل ہو چکا ہے۔ اس کا بین ثبوت ہماری عصری تصنیفات وتالیفات ہیں۔

جن عصری تصنیفات وتالیفات کے سبب سے ہم قومی بیداری کی لہر کو رواں دواں محسوس کرتے ہیں۔ محمد اجمل کی تالیف "مسلم تاریخ کے نازک اور فیصلہ کن موڑ" ان میں سے ایک ہے۔ مؤلف نے پوری کوشش کی ہے کہ تاریخ اسلام کے ابتدائی دور سے لے کر آج کے لمحے تک کے اہم اور فیصلہ کن واقعات کو اپنی تالیف کا حصہ بنائے۔ کوئی اہم واقعہ جو مسلمانوں کی تاریخ میں قابل قدر اہمیت رکھتا ہے، مؤلف کی نظروں سے اوجھل نہیں رہا۔ میں سمجھتا ہوں کہ مؤلف کی یہی کامیابی ہے کہ اس نے قاری تک تمام واقعات کو پہنچانے کا کٹھن کام کیا ہے۔

عرب کے مسلمانوں کے حالات ہوں یا ہندوستان کے مسلمانوں کی جنگ آزمائی۔ وسط ایشیاء کے مسلمانوں کے خاص رویے ہوں یا صحرائے افریقہ کی بات ہو۔ فلسطین میں مسلمانوں پر ڈھائے جانے والے مظالم ہوں یا انڈونیشیاء کی آزادی کے حالات ہوں، مؤلف کی نگاہ سے اوجھل نہیں رہے۔ بعض مقامات پر تو مؤلف، مؤرخ کے منصب سے آگے بڑھ کر ایک محقق کے طور پر بھی اپنے

Marfat.com

آپ کو منوانے میں کامیاب ہو گئے ہیں۔ بہت سے تاریخی واقعات پر ان کے تنقیدی تبصروں نے جان ڈال دی ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ مؤلف کی یہ کوشش بڑی حد تک ان کی محنت کا ثبوت ہے اور قاری پر تاریخ اسلام کے ہر عہد کے اہم واقعات کی گرہیں کھولنے کا فریضہ ادا کرتی رہے گی۔

ڈاکٹر آفتاب حسین گیلانی
اسسٹنٹ پروفیسر
شعبہ تاریخ و مطالعہ پاکستان
اسلامیہ یونیورسٹی، بہاول پور

Marfat.com

ہجرتِ مدینہ ۱ھ/۶۲۲ء

((وَاللّٰهِ اِنَّكِ لَاَحَبُّ اَرْضِ اللّٰهِ اِلَيَّ وَاِنَّكِ لَاَحَبُّ اَرْضِ اللّٰهِ اِلَى اللّٰهِ وَلَوْلَا اَنَّ اَهْلَكِ اَخْرَجُوْنِيْ مَاخَرَجْتُ مِنْكِ.)) (ترمذی)

''بخدا! اے مکہ کی سرزمین، تو مجھے اللہ کی ساری زمینوں سے زیادہ محبوب ہے اور بے شک اللہ کی تمام زمینوں سے اللہ کو زیادہ پیاری ہے۔ اگر تیرے رہنے والوں نے مجھے یہاں سے نہ نکالا ہوتا، تو میں کبھی تجھ سے نہ نکلتا۔'' (۱)

یہ وہ مبارک الفاظ ہیں جو سیّد عالم ﷺ نے ہجرتِ مدینہ کے وقت مکہ پر آخری نظر ڈالتے ہوئے ارشاد فرمائے۔ وہ مکہ، جس میں ہادی عالم ﷺ نے آنکھ کھولی۔ دورِ یتیمی گزارا، عنفوانِ شباب کا دور بھی گزرا، چالیس سال کی عمر تک وہ مکہ کے اس جاہلانہ معاشرے میں انتہائی صادق وامین، سراپائے شرافت، صالح غریبوں کے خیرخواہ، بیواؤں، یتیموں اور کمزوروں کے غمگسار اور ایک بے عیب شخصیت کے مالک مشہور تھے۔ معاملہ تجارتی منڈیوں میں لین دین کا ہو یا امانتوں کی پاسداری کا، حلف الفضول میں شمولیت فرمائی ہو یا خانہ کعبہ میں حجرِ اسود کی تنصیب کی ہو، آپ ﷺ کے ہر عمل پر داد وتحسین کی گئی۔

چالیس سال کے بعد یہ منظر یکسر بدل جاتا ہے۔ صادق وامین کا لقب پانے والے، اسی پیکرِ حسن وجمال ﷺ پر عرصۂ حیات تنگ کر دیا جاتا ہے۔ کبھی راستے میں کانٹے بچھائے جاتے ہیں، کبھی گالیوں کے نشتر چلائے جاتے ہیں، کبھی اہلِ مکہ کے متعصّبانہ رویّوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے، تو کبھی اہلِ طائف کے پتھروں کا۔ وہی مردِ صالح کہلانے والا رسولِ مکرم ﷺ (نعوذ باللہ) مجنوں، شاعر، دیوانہ اور جادوگر جیسے اخلاق سوز الزامات کا سامنا کرتا ہے۔ آخر یہ سب کیوں ہے؟ چالیس سال تک صادق وامین کہلانے والے اس پاکیزہ صفت مردِ صالح ﷺ نے آخر ایسا کونسا جرم کرلیا ہے، جس نے اس جاہلانہ معاشرے میں آگ بھڑکا دی ہے۔ پورا کفر خم ٹھونک کر اس محسنِ اعظم ﷺ کے مقابلے میں صرف اس لیے کھڑا ہو گیا ہے، کہ اس نے ہبل، لات، منات، عزّیٰ، وَد، یغوث، یعوق اور نسر (۲) جیسے

Marfat.com

خودساختہ خداؤں کی پرستش کی بجائے ایک خدائے لم یزل پر ایمان لانے کی دعوت دی ہے۔ وہ رسول مکرم ﷺ اُن کے عشرت کدوں کو اللہ کے ذکر کی محفلوں سے منور کرنا چاہتا ہے۔ وہ انہیں معرفتِ الٰہی کے جام پلا کر سرمدی بہاروں سے آشنا کرنا چاہتا ہے۔ وہ بیٹیوں کو زندہ درگور کرنے کی بجائے اُن کے سروں پر دستِ شفقت رکھنے کی تلقین کرتا ہے۔ وہ غلاموں اور عورتوں کے حقوق کا محافظ ہے۔ وہ اس جاہلانہ معاشرے کی فرسودہ رسومات کا خاتمہ کر کے اسے ایک پاکیزہ اور صالح معاشرے میں تبدیل کرنا چاہتا ہے۔ وہ گلشنِ انسانیت کو بادِ سموم کے تلخ جھونکوں سے نجات دلانا چاہتا ہے۔ اہلِ مکہ کے نزدیک یہی وہ جرائم ہیں جن کی پاداش میں محسن انسانیت ﷺ کو مکہ چھوڑنے پر مجبور کر دیا گیا۔

وہ خوش نصیب اور سعادت مند روحیں جنھوں نے اس دعوت پر لبیک کہا اور دائرہ اسلام میں داخل ہوئیں، انہیں بھی کفارِ مکہ کی مخالفت کا سامنا کرنا پڑا۔ محسن کائنات ﷺ نے اپنے ساتھیوں کو مکہ چھوڑ کر حبشہ کی طرف ہجرت کی اجازت دی۔ (۳) ہجرتِ حبشہ کا تجربہ بہت کامیاب رہا، نہ صرف صحابہ کرام کو امن و آشتی میسر آئی بلکہ شاہِ حبشہ نجاشی نے بھی (کچھ عرصہ بعد) اسلام قبول کیا۔ اسی تجربہ سے فائدہ اٹھانے کیلئے رسولِ رحمت ﷺ نے مکہ کی بجائے طائف میں دعوت و تبلیغ کے بارے میں سوچا۔ مکہ میں تبلیغ کرتے ہوئے دس سال کا عرصہ بیت چکا تھا، لیکن کفار کے دل مکہ کی سنگلاخ چٹانوں سے بھی زیادہ سخت واقع ہوئے تھے۔ انہوں نے دینِ حق کو قبول کرنے کی بجائے اسے قبول کرنے والوں کے خلاف انتہائی تشدد کا راستہ اختیار کیا۔ آپ ﷺ اور آپ کے ساتھیوں کو شعبِ ابی طالب میں تین سال تک محصور رکھا اور ہر طرح سے معاشی اور سوشل بائیکاٹ کیا۔

وقت مٹھی میں بندریت کی طرح تیزی سے کم ہو رہا تھا، یہ بات ثابت ہو چکی تھی کہ اہلِ مکہ کے تعصب اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے یہاں مزید کوششیں بارآور نہیں ہو سکیں گی، اسی لئے رسولِ مکرم ﷺ نے طائف کے علاقے کا انتخاب کیا اور اپنے ایک آزاد کردہ غلام زید بن حارثہؓ کے ساتھ طائف تشریف لے گئے۔ یہاں آپ ﷺ نے طائف کے تین سردار بھائیوں عبد یالیل، مسعود اور حبیب کے سامنے دعوتِ اسلام پیش کی، لیکن انہوں نے انتہائی درشت رویہ اختیار کرتے ہوئے نہ صرف صریح انکار کر دیا بلکہ شہر کے اوباشوں کو آپ کے پیچھے لگا دیا۔ یہ اوباش لڑکے آپ ﷺ پر پتھر پھینکتے، جس سے جسمِ اطہر سے خون بہہ نکلا اور آپ کے جوتے خون سے بھر گئے۔ طائف کا تجربہ ایسا تھا جس سے

Marfat.com

گزرتے ہوئے رسولِ رحمت ﷺ نے آزمائش کی اس آخری حد کو چھولیا، جس کے بعد مشیّتِ ربّانی کامیابی کے دروازے کھول دیتی ہے۔ گویا طائف کا تجربہ وہ آخری مرحلہ تھا جس کے بعد کامیابیوں کا دور تھا۔(۴)

طائف سے واپسی پر وادیٔ نخلہ میں جنّات کی حاضری اور قبولِ اسلام، گویا اس دورِ کامیابی کا نقطۂ آغاز تھا۔ پھر کچھ عرصہ بعد آپ ﷺ کو شرفِ معراج سے سرفراز فرمایا گیا۔ عبدِ منیب ﷺ کی ان رفعتوں اور بلندیوں کو دیکھنے کے باوجود کفارِ مکہ اپنی ضد اور ہٹ دھرمی پر قائم رہے۔ اللہ بزرگ و برتر نے اب اہلِ مکہ کی بجائے اہلِ یثرب کو اس دین کی طرف متوجہ کردیا۔ گیارہ سالِ نبوت کے موسمِ حج میں جب کچھ اہلِ یثرب مکہ آئے تو آنحضور ﷺ نے اُن کے سامنے دعوتِ اسلام کو پیش کیا۔ چھ خوش نصیب اہلِ یثرب آپ ﷺ پر فوراً ایمان لے آئے۔ یثرب کی سرزمین دینِ حق کے لئے بہت زرخیز ثابت ہوئی۔ بارہ سالِ نبوت کو یثرب سے بارہ آدمی آپکی خدمت میں حاضر ہوئے اور اسلام قبول کیا۔ اس موقع پر عقبہ کے مقام پر پہلی بیعت بھی ہوئی۔

> They accepted his mission, and took a pledge that they would not worship idols, would not steal, nor commit any wicked act, nor kill their chidren, nor slander people.(5)
>
> "انہوں نے آپ ﷺ کا پیغام قبول کرلیا اور اس بات پر بیعت کی کہ وہ آئندہ نہ بتوں کی پوجا کریں گے، نہ چوری کریں گے، نہ ہی کسی دوسری برائی کے مرتکب ہوں گے، نہ بچوں کو قتل کریں گے اور نہ ہی ایک دوسرے کی تضحیک کریں گے۔"

جب یہ یثربی واپس گئے تو آنحضور ﷺ نے حضرت مصعب بن عمیرؓ کو اپنا مبلّغ بنا کر یثرب روانہ کیا۔ آپؓ کی دینِ حق کے لئے سنجیدہ کوششوں کے مثبت نتائج سامنے آنے لگے اور یثرب میں شجرِ اسلام بہت تیزی سے پھل پھول لانے لگا۔ تیرھویں سالِ نبوت کے موسمِ حج کے موقع پر یثرب سے ۷۵ لوگوں نے مکہ آکر عقبہ کے مقام پر دوسری بیعت کی، اس موقع پر اہلِ یثرب نے ہر طرح سے آپ ﷺ کا ساتھ دینے کا عہد کیا اور اس بات کا عزم کیا کہ وہ اپنے جان و مال کی پرواہ نہ کرتے ہوئے تحریکِ اسلامی کو پروان چڑھائیں گے۔

"ابوالہیثم یثربی نے اپنے اس خدشے کا اظہار کیا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ غلبۂ اسلام کے بعد

Marfat.com

آنحضور ﷺ انہیں چھوڑ کر پھر دوبارہ اپنی قوم کے پاس چلے جائیں۔اُن کے اس خدشے کے جواب میں آپ ﷺ نے فرمایا! نہیں، ایسا نہیں ہوگا، جس سے تم لڑو گے اس سے میں لڑوں گا اور جس سے تم صلح کرو گے اس سے میں صلح کروں گا، تمہارا ذمہ میرا ذمہ ہوگا اور تمہاری حُرمت میری حُرمت ہوگی، میرا جینا اور مرنا تمہارے ساتھ ہوگا۔"(٦)

اس دوسری بیعتِ عقبہ کے بعد یثرب کی سرزمین تحریکِ اسلامی کے سپاہیوں کی منتظر رہنے لگی۔سرزمینِ مکہ نے اپنا استحقاق ضائع کر دیا۔مکہ میں رہنے والے صحابہ کرام کو سرزمینِ یثرب پیاری لگنے لگی اور یہ خطۂ زمین انہیں اپنی طرف کشش کرنے لگا۔صحابہ کرام نے رسول اللہ ﷺ کی اجازت سے مکہ سے یثرب کی طرف ہجرت کا آغاز کر دیا۔"اسلام نے کفر کے ساتھ اپنی تیرہ سالہ کشمکش کے نتیجے میں یہ ایک بڑی کامیابی حاصل کی کہ مکہ سے بہت دور ایک اور سرزمین کو اپنا مرکز بنانے کے لئے تلاش کر لیا۔ اسلام، کفر و جہالت کے لق و دق صحرا میں اپنے لیے ایک الگ وطن کی بنیاد رکھنے میں کامیاب ہوگیا۔"(۷)

آنحضور ﷺ نے اپنی حیاتِ مبارکہ کے ۵۳ سال مکہ میں گزارے، آپ کی زندگی کا ایک ایک پہلو مکہ والوں کے سامنے تھا، اس کے باوجود وہ اس چشمۂ صافی سے پیاس نہ بجھا سکے، بلکہ انہوں نے اپنی ضد، ہٹ دھرمی اور تعصب سے اسے گدلا کرنے کی کوشش کی۔اس کے برعکس اہلِ یثرب بہت خوش نصیب ثابت ہوئے۔جب محسن انسانیت ﷺ نے اُن کے سامنے دعوتِ حق کو پیش کیا تو انہوں نے وقت ضائع کئے بغیر فوراً لبیک کہا اور اسلام کے دامنِ رحمت سے وابستہ ہو گئے۔یہود اور اوس و خزرج میں ہمسائیگی اور تجارتی تعلقات کی وجہ سے ان دونوں مشرک قبیلوں کو یہودیوں کی زبان سے مذہبی گفتگو سننے کے مواقع دوسرے عرب باشندوں سے زیادہ ملتے تھے، اسی وجہ سے اُن میں دعوتِ حق کو قبول کرنے کی استعداد دوسرے عربوں سے زیادہ تھی۔

صحابہ کرام کو یثرب کی صورت میں ایک محفوظ پناہ گاہ میسر آ گئی تھی، چنانچہ صحابہ کرام نے آہستہ آہستہ مکہ سے یثرب کی طرف ہجرت کرنا شروع کی۔مکہ سے اُس کا ایک ایک جگر پارہ جدا ہوتا رہا اور کچھ ہی عرصہ میں مہاجرین کی ایک بڑی تعداد یثرب میں اقامت پذیر ہوگئی۔کفارِ مکہ نے تمام ممکنہ اسباب فراہم کر کے اُن صحابہ کو ہجرت سے روکنا چاہا لیکن بے نَیلِ مرام رہے۔اب مکہ میں سرورِ دو عالم ﷺ کے علاوہ ابوبکرؓ اور علیؓ باقی رہ گئے تھے۔صحابہ کرام کو اس طرح مکہ چھوڑتے دیکھ کر رؤساً مکہ کو یہ فکر دامن

Marfat.com

گھیر رہنے لگا کہ کسی روز محمد ﷺ بھی مکہ چھوڑ کر یثرب ہجرت نہ کر جائیں، اگر ایسا ہوا، تو یقیناً قریشِ مکہ کے لئے یہ بات کسی صدمہ سے کم نہ ہو گی، کیونکہ محمد ﷺ کے یثرب چلے جانے سے انصار و مہاجرین آپ کی قیادت میں متحد ہو کر اہلِ مکہ کے لئے ایک بڑا خطرہ بن جائیں گے۔ انہیں اس بات کا بھی احساس تھا کہ یثرب میں ایک بڑی اسلامی قوت وجود میں آ جانے سے اُن کا شام کا تجارتی راستہ محفوظ نہیں رہے گا۔ "ملکِ شام سے مکہ والوں کی سالانہ تجارت ڈھائی لاکھ دینار سونے کے تناسب سے ہوا کرتی تھی۔" (۸)

مکہ والوں کی تمام تر قوّت و رعونت کا انحصار اُن کی تجارت پر تھا، یثرب کے ایک مضبوط ریاست بن جانے کی صورت میں انہیں اپنی تجارت خطرے میں دکھائی دینے لگی۔ مستقبل کے ان خطرات کے بارے میں سوچ کر ہی ان کے ماتھوں پر پسینہ آ جاتا۔ اپنے تجارتی اور مذہبی مفادات کو لاحق خطرات کے پیشِ نظر انہوں نے رسولِ رحمت ﷺ کے خلاف گھناؤنی سازش، کی منصوبہ بندی کے لئے دارُالندوہ میں ایک اہم اجلاس منعقد کیا، جس میں مکہ کے تمام ذہین اور سازشی لوگ سر جوڑ کر بیٹھے اور اللہ کے محبوب ﷺ کے خلاف مختلف تجاویز پر غور کیا گیا۔ اس اجلاس میں ایک نجدی سردار کے بھیس میں ابلیسِ ملعون نے بھی شرکت کی۔ بہت غور و خوض کے بعد ابوالبختری بن ہشام نے رسولِ مکرم ﷺ کو ایک مکان میں قید کرنے کی تجویز پیش کی، جس پر اتفاقِ رائے نہ ہو سکا۔ ابوالاسود ربیعہ بن عمرو العامری نے آپ ﷺ کو شہر بدر کرنے کی تجویز پیش کی، لیکن اس پر بھی تحفظات ظاہر کئے گئے۔ ان دونوں تجاویز کے رد کئے جانے کے بعد جُہلاء کا رئیسِ اعظم عمرو بن ہشام (ابوجہل) دُور کی کوڑی لایا اور اس نے انسانی تاریخ کی سب سے خطرناک تجویز پیش کی۔ اُس نے کہا کہ ہم ہر قبیلے سے ایک نوجوان چنیں، جو بہادر ہو، عالی نسب ہو، اپنے قبیلے کا سردار ہو۔ یہ سب لوگ مل کر محمد ﷺ پر حملہ کر دیں اور انہیں قتل کر دیں۔ اس طرح اُن کا خون تمام قبائل میں منتشر ہو جائے گا، بنو ہاشم سارے قبیلوں سے بیک وقت قصاص نہیں لے سکیں گے۔ آخر کار دیت پر رضامند ہو جائیں گے اور ہم سب بڑی آسانی سے اُن کی دیت ادا کر دیں گے۔ (۹)

Hence, the Quraysh decided that there was really no alternative but to kill Muhammad and get rid of that

Marfat.com

persistent trouble once and for all. (10)

"لہٰذا قریش نے یہ طے کرلیا کہ اس مسلسل مشکل سے ایک ہی بار اور ہمیشہ کے لیے چھٹکارہ پانے کے لیے محمد ﷺ کو قتل کرنے کے علاوہ کوئی دوسرا چارہ نہ ہے۔"

شیخِ نجد(۱۱) اور دیگر رؤسائے قریش نے ابوجہل کی تجویز پر اپنی پسندیدگی کا اظہار کیا۔ اس طرح قریش کی اس پارلیمنٹ کا اجلاس رسولِ محترم ﷺ کے قتل کی تجویز پر اختتام پذیر ہوا۔ آنحضور ﷺ کی ایک معمر رشتہ دار خاتون رقیہ بنتِ ابی صیفی بن ہاشم کو کسی طرح قریش کے اس منصوبے کا علم ہو گیا، انہوں نے آ کر آنحضور ﷺ کو آگاہ کیا کہ قریش نے آپ کے خلاف سازش کی ہے اور وہ یکبارگی آپ پر ٹوٹ پڑنے والے ہیں۔(۱۲)

رسولِ مکرم ﷺ فوراً حضرت ابوبکر صدیقؓ کے گھر تشریف لے گئے اور انہیں صورتِ حال سے آگاہ کیا۔ وہیں ہجرت کا پورا منصوبہ ترتیب دیا گیا۔ رات کو مکہ سے نکل کر تین روز تک غارِ ثور میں قیام کرنے اور پھر ایک ماہر رہنما کی معیّت میں یثرب کی طرف سفر کا فیصلہ کیا گیا۔ اس ماہر رہنما کے لئے بنی الدّیل بن بکر کے ایک فرد عبداللہ بن اریقط سے اُجرت پر معاملہ طے ہوا۔ دو اونٹنیاں اس کے حوالے کی گئیں اور اسے بتا دیا گیا کہ فلاں دن، فلاں وقت اور فلاں جگہ اُن کو لے کر حاضر ہو جائے۔(۱۳)

محسنِ انسانیت ﷺ کے پاس اہلِ مکہ کی کچھ امانتیں تھیں۔ آپ ﷺ نے امانتوں کی پاسداری کرتے ہوئے، انہیں حضرت علیؓ کے سپرد کیا تاکہ وہ اہلِ مکہ کو اُن کی امانتیں واپس کردیں۔ شام ہوتے ہی مشرکینِ مکہ اپنے ناپاک منصوبے کی تکمیل کے لئے اکٹھے ہوئے اور انہوں نے رسولِ اکرم ﷺ کے گھر کا محاصرہ کرلیا۔ آپ ﷺ نے حضرت علیؓ کو اپنے بستر پر لیٹنے کا حکم دیا اور خود سورۃ یٰسین کی تلاوت کرتے ہوئے گھر سے باہر تشریف لائے۔ اللہ مالک ومختار نے دشمنوں کو آپ سے غافل کردیا۔ آپ ﷺ اُن کے پاس سے گزر گئے اور سیدھے ابوبکر صدیقؓ کے گھر پہنچے۔

Then he began to recite the Surah that is named after its opening letters, Ya-Sin; and, when he came to the words; And We have enshrouded them, so that they see not, he went out of the house; and God took away their sight so that they did not see him, and he passed through their midst and

۹۳۶۴۳۶

Marfat.com

went on his way.(14)

"تب انہوں نے اس سورۃ مبارکہ کی تلاوت کی جس کا نام اس کی ابتدائیہ آیات کی وجہ سے یٰسین ہے۔ اور وہ ان الفاظ پر پہنچے: "اور ہم نے ان ﷺ کو ان کی آنکھوں سے اوجھل کر دیا کہ وہ نہ دیکھ سکیں۔ اور وہ گھر سے نکلے اور اللہ نے ان کو دشمنوں کی نظروں سے اوجھل رکھا کہ وہ انہیں دیکھ نہ پائیں۔ اور پھر وہ دشمنوں کے بیچوں بیچ سے گزر کر اپنی منزل پر گامزن ہوئے۔"

ان نازک حالات میں رسول اللہ ﷺ نے بہترین حکمتِ عملی سے کام لیا۔ آپ ﷺ جانتے تھے کہ صبح جب قریش کو معلوم ہوگا کہ محمد ﷺ مکہ چھوڑ کر یثرب کی طرف ہجرت کر گئے ہیں تو وہ پوری جانفشانی سے آپ ﷺ کی تلاش شروع کر دیں گے اور سب سے پہلے جس راستے کی ناکہ بندی کی جائے گی، وہ مدینہ کا کاروانی راستہ ہوگا جو شمال کے رخ پر جاتا ہے، اس لیے آپ ﷺ نے وہ راستہ اختیار کیا جو اس کے بالکل الٹ تھا۔ یعنی یمن جانے والا راستہ، جو مکہ کے جنوب میں واقع تھا۔ (۱۵)

آپ ﷺ نے ابوبکر صدیقؓ کو ساتھ لیا اور رات کے اندھیرے میں مکہ کو الوداع کہا۔ آج مکہ والے اس سیاہ رات کی تاریکی کی طرح کفر و شرک کے اندھیروں میں بھٹکتے رہ گئے۔ وہ مکہ، جس کے ذرّے ذرّے نے رسولِ مکرم ﷺ کے قدموں کے بوسے لیے تھے، وہ مکہ، جس کی فضاؤں میں رسولِ محترم ﷺ کے مبارک سانسوں کی خوشبو بسی تھی، وہ مکہ، جسے سرکارِ دو عالم ﷺ کی جائے ولادت بننے کا شرف حاصل ہوا تھا، وہ مکہ، جہاں اس محسنِ کائنات ﷺ نے اپنی حیاتِ مبارکہ کے ۵۳ سال گزارے تھے، آج اپنے قیمتی اثاثے سے محروم ہو رہا تھا۔ مکہ کے رہنے والوں نے اس چشمۂ صافی سے اپنی پیاس نہ بجھائی اور اس پیکرِ حسن و جمال ﷺ کی تابانیوں سے اپنی قسمت کے ذرّوں کو نہ چمکایا۔ ۳۵۰ میل دور کی ایک بے نام بستی کے رہنے والوں نے اہلِ مکہ سے یہ شرف چھین لیا اور رسولِ رحمت ﷺ کے میزبان بننے کا شرف حاصل کر لیا۔

سرکارِ دو عالم ﷺ اور ابوبکر صدیقؓ مکہ سے نکل کر جنوب کی سمت کوئی ۵ میل کا سفر طے کرنے کے بعد غارِ ثور میں پہنچے۔ اگلی صبح جب کفارِ مکہ نے آنحضور ﷺ کی جگہ حضرت علیؓ کو سوتے ہوئے پایا تو بہت سٹپٹائے۔ انہوں نے فوراً عبدِ منیب ﷺ کی تلاش شروع کر دی۔ آپ ﷺ کی گرفتاری کے لئے ۱۰۰ اونٹ انعام رکھا گیا۔ بہترین کھوجیوں کی خدمات حاصل کی گئیں، لیکن وہ آپ ﷺ کو

Marfat.com

گرفتار کرنے میں ناکام رہے۔ غارِ ثور میں قیام کے دوران خانوادۂ صدیقؓ نے پورے خلوص، رازداری اور ذمہ داری کے ساتھ اپنے فرائض انجام دیئے۔ آپؓ کا غلام عامر بن فہیرہ دن بھر بکریاں چرانے کے بعد شام کو غارِ ثور کے پاس آجاتا اور تازہ دودھ خدمتِ اقدس میں پیش کرتا، عبداللہ بن ابی بکرؓ سارا دن اہلِ مکہ کے باہمی مشوروں اور پروگراموں کی خبریں اکٹھی کرتے اور رات کو غارِ ثور میں آکر بتا جاتے۔ اسماء بنتِ ابی بکرؓ کھانا تیار کر کے بھیجتی رہیں۔ تین دن مسلسل سرتوڑ کوششوں کے باوجود کفارِ مکہ خائب و خاسر رہے۔

تین دن بعد اُن کے دم خم میں خاصی حد تک کمی آگئی تو ہادی عالم ﷺ غارِ ثور سے باہر تشریف لے آئے۔ عبداللہ بن اریقط حسبِ وعدہ حاضرِ خدمت ہو گیا۔ ابوبکر صدیقؓ نے سفری خدمت کے لئے اپنے غلام عامر بن فہیرہ کو بھی ساتھ لے لیا۔ اس طرح عبداللہ بن اریقط کی رہنمائی میں یہ مقدس قافلہ غارِ ثور سے یثرب کے لئے عازمِ سفر ہوا۔ عبداللہ بن اریقط نے اپنے تجربہ کی بنیاد پر عام راستے سے ہٹ کر ایک غیر معروف راستہ اختیار کیا۔ چونکہ قریش کی تمام تگ و دو معروف راستے تک محدود رہی اس لیے وہ آپ ﷺ کو نہ پا سکے۔ کفارِ مکہ نے ہادی کونین ﷺ کی گرفتاری پر ۱۰۰ اونٹوں کے انعام کا اعلان کر رکھا تھا، اس انعام کے لالچ میں بہت سے سورماؤں نے دوڑ دھوپ کی، لیکن اپنی قسمت ہی کھوٹی کی۔ سراقہ بن مالک بن جعشم اردگرد سے ملنے والی اطلاعات کی روشنی میں اس مقدس قافلے تک پہنچنے میں کامیاب ہو گیا، لیکن جتنی بار بھی اُس نے نیتِ بد سے آپ ﷺ کے قریب ہونے کی کوشش کی، اتنی بار ہی اُس کے گھوڑے کے پاؤں زمین میں دھنسے اور وہ بے بس ہو گیا۔ آخر وہ اپنی اس نیتِ بد سے باز آیا اور امان چاہی۔ آپ ﷺ نے عامر بن فہیرہ سے امان نامہ لکھوا کر اُسے دے دیا۔ (۱۶)

راستے کی ہر چیز کو خیر و برکت کی دولت سے مالا مال کرتے اور خاک کے ذرّوں کو رشکِ آفتاب بناتے، ہادی عالم ﷺ اپنے ساتھیوں کے ہمراہ سوئے یثرب رواں رہے۔ یثرب میں آپ کے منتظر اصحاب کا شوق دیدنی تھا۔ صحابہ کرام خورشید کی پہلی کرن کے ساتھ مکہ سے یثرب کے راستے پر آکھڑے ہوتے۔ اُن کی نگاہیں اُسی راستے پر لگی رہتیں، جدھر سے آفتابِ نبوت کی جھلک دکھائی دینی تھی، لیکن شام کو اسی شوق کو آنکھوں میں دبائے واپس گھروں کو لوٹ جاتے۔

ایسا ہی ایک بابرکت اور روشن دن تھا، جب اصحابِ وفا سارا دن سراپائے شوق رہنے کے بعد

Marfat.com

مایوس ہوکر گھروں کو لوٹ رہے تھے کہ ایک یہودی نے بلند ٹیلے پر ہونے کی وجہ سے اس مقدس قافلے کو دیکھ لیا اور بلند آواز سے انصار کو اس مہمانِ اعظم ﷺ کی آمد کی خوشخبری سنائی۔ رسولِ محتشم ﷺ یثرب سے چند میل دور بستی قبا میں بنی عمرو بن عوف کے سردار کلثوم بن الہدمؓ کے گھر ٹھہرے۔ یہاں پر آپ ﷺ نے اپنے دستِ مبارک سے مسجدِ قبا کی بنیاد رکھی اور اس کی تعمیر میں بطور مزدور کام کیا۔

قبا کی اس بستی کو چند دن تک اپنے قدومِ میمنت لزوم سے سرفراز فرمانے کے بعد تاجدارِ کونین ﷺ نے یثرب جانے کا قصد فرمایا۔ مکہ میں کھلنے والے اس پھول کی خوشبو کو دامن میں سمونے کے لیے اہلِ یثرب اپنے گھروں سے نکل آئے۔

The Muslims of Yathrib arrived there from all quarters in order to see the man whom they had not seen, but whom they loved with all their minds and hearts, in whose message they had believed, and whose name they had mentioned many times in their daily prayers.(17)

"یثرب کے مسلمان چپے چپے سے اُن کی زیارت کرنے آئے، جنھیں آج تک انہوں نے دیکھا نہ تھا مگر ان ﷺ کی محبت سے ان کے قلوب دلآویز تھے۔ اور وہی ان کے قلوب و اذہان میں موجزن تھا۔ وہی جس پر وہ ایمان لائے تھے۔ وہی جن کا نام وہ اپنی روزانہ کی نمازوں میں لیتے تھے۔"

مکہ کے اُفق پر طلوع ہونے والے اس آفتاب نبوت ﷺ کی پاکیزہ کرنوں سے مستفید ہونا اہلِ مکہ کے نصیب میں نہ تھا۔ آج خاتم المرسلین ﷺ کی میزبانی کا شرف حاصل کر کے اہلِ یثرب نے سعادتوں اور برکتوں کے خزانے لوٹ لئے مگر کفارِ مکہ اس سے محروم رہے۔

رسول ذی وقار ﷺ نے اپنے بابرکت قدوم سے سرزمینِ یثرب کو اعزاز بخشا، تو یہ یثرب سے مدینۃ الرسول ہوگئی۔ سلام، اے خاکِ مدینہ! مولودِ رسول سے سینکڑوں میل دور ہونے کے باوجود آج تو نے وہ سعادت حاصل کرلی، جو قیامت تک کوئی تجھ سے چھین نہ سکے گا۔

ہجرتِ مدینہ (۱۸) نہ صرف تاریخِ اسلام بلکہ تاریخِ عالم کا بھی ایک نہایت اہم اور فیصلہ کن موڑ ہے۔ تیرہ سالہ مکی دور میں اشاعتِ اسلام کے لیے کی گئی جدوجہد ہجرتِ مدینہ کے بعد بارآور ثابت

Marfat.com

ہوئی۔اگر چہ مکہ پیغمبر اسلام ﷺ اور آپ کے ساتھیوں کا آبائی وطن تھا،لیکن ہجرتِ مدینہ کے بعد اسلام کی پہلی باقاعدہ ریاست بننے کا شرف مدینہ کو حاصل ہوا۔ میثاقِ مدینہ کی شکل میں اس ریاست کا آئین بھی مرتب کیا گیا ،جس میں انصار، مہاجرین، مشرکین اور یہود کو بلا تفریقِ مذہب حقوق دیے گئے ۔مکہ کے تیرہ سالہ دور میں مسلمان ایک بھی مسجد تعمیر نہ کر سکے تھے لیکن ہجرتِ مدینہ کے بعد مسجدِ قبا اور مسجدِ نبوی کی تعمیر کی گئی اور دیگر مساجد بھی تعمیر ہوئیں۔ تیرہ سالہ مکی دور میں مسلمانوں کا قبلہ بیتُ المقدس رہا،لیکن ہجرتِ مدینہ کے چودہ ماہ بعد نبی مکرم ﷺ کی خواہش پر تحویلِ قبلہ کا حکم نازل ہوا اور اب قبلہ بیتُ المقدس کی بجائے بیتُ اللہ قرار پایا۔

The Muslims reckon their era from this year, starting July 16, 622. In that year Islam foud its form, asserting itself not only as a religion but also an organized community. The date also marks a turning point in Life of Muhammad. The preacher now became a military leader as well. The text of a charter that forms the first constitution of Islam has been preserved. It shows remarkable political insight.(19)

"۱۶ جولائی ۶۲۲ء سے ہی مسلمانوں کے دور (کیلنڈر) کا آغاز ہوتا ہے۔اسی سال اسلام نے نہ صرف باقاعدہ مذہب کی شکل اختیار کی بلکہ مسلمانوں کو بھی من حیث القوم تسلیم کیا گیا۔ یہی تاریخ محمد ﷺ کی حیات مبارکہ کا اہم سنگ میل ثابت ہوئی۔اب آپ پیغمبر کے ساتھ ساتھ سپہ سالار بھی بن گئے۔آج بھی وہ میثاق محفوظ ہے جس کو مسلمانوں کے پہلے آئین کی حیثیت حاصل ہے۔جو کہ ان کی سیاسی بصیرت کا مظہر ہے۔"

مکہ میں کفار محسنِ انسانیت ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام کو فرداً فرداً اذیتیں دیتے تھے۔ ہجرتِ مدینہ کے بعد جب انہوں نے ریاستِ مدینہ پر لشکر کشی شروع کر دی، تو مسلمانوں کو بھی جہاد کی اجازت مل گئی۔مکہ اور مدینہ کی ریاستوں کے درمیان جنگوں کا آغاز ہوا۔ ریاستِ مدینہ کو بیرونی محاذ پر کفارِ مکہ اور اندرونی محاذ پر یہودیوں اور مشرکین کی شرانگیزیوں کا سامنا کرنا پڑا۔مدینہ کی نوخیز ریاست کے خلاف قریش اور اہلِ یہود نے سازشوں کے جال بنے۔یہودیوں نے پانچویں کالم (Fifth Column) کا

Marfat.com

کردار ادا کیا (۲۰) لیکن رسولِ رحمت ﷺ نے بہترین حکمتِ عملی کے ساتھ ان تمام منفی قوتوں کا مقابلہ کیا اور انہیں ہر محاذ پر شکستِ فاش دی۔ ہجرتِ مدینہ کے چند سال بعد ہی اسلام اپنی تمام تر رحمتوں اور برکتوں کے ساتھ تمام عرب پر چھا گیا۔ غزوہ خیبر میں یہودیوں کی عسکری اور معاشی قوّت کا خاتمہ ہو گیا۔ ہجرتِ مدینہ کے صرف آٹھ سال بعد رسولِ مکرم ﷺ اپنے صحابہ کے ساتھ مکہ میں فاتحانہ داخل ہوئے۔ اب اگر وہ اپنے اس آبائی شہر میں قیام فرمانا چاہتے تو اُن کے لئے کوئی رکاوٹ نہ تھی، لیکن انہوں نے اپنے مستقل قیام کے لئے اُسی شہرِ مدینہ کو مُشرف کیا، جس کے باسیوں نے اپنے دروازے اس وقت وا کئے تھے، جب کفارِ مکہ نے محسنِ کائنات ﷺ کو مکہ چھوڑنے پر مجبور کر دیا تھا۔

حوالہ جات وحواشی

(۱) ضیاء النبی، الازہری، محمد کرم شاہ، پیر جسٹس، ضیاء القرآن پبلیکیشنز، لاہور، ۱۴۱۵ھ، ج ۳، ص ۶۲، ۱۹۹۴ء

(۲) عمرو بن لُحی نے عربوں میں بت پرستی کو رواج دیا۔ اس نے ہی خانہ کعبہ میں بت رکھوائے۔ عربوں کے بہت سے بت تھے، جن کی مختلف شکلیں تھیں۔ مثلاً یغوث شیر، یعوق گھوڑے اور نسر گدھ کی شکل کا تھا۔ ان میں لات، منات، عزیٰ اور ہُبل زیادہ مشہور تھے۔ سب سے بڑا ہُبل تھا اور خانہ کعبہ میں نسب تھا۔ ملخص از اٹلس سیرت نبوی ﷺ، دارالسلام، لاہور، ص ص ۶۰۔۵۹، فروری ۲۰۰۴ء

(۳) حبشہ کا موجودہ نام ایتھوپیا اور دارالحکومت عدیس ابابا ہے۔ ۱۲ مرد اور چار عورتوں پر مشتمل مسلمانوں کا قافلہ مکہ سے نکل کر جنوب مغرب میں ایک سو کلومیٹر کا سفر طے کر کے بحیرہ روم کی بندرگاہ شُعیبہ پہنچا، اور یہاں سے بحری جہاز پر سوار ہو کر حبشہ پہنچا۔ حبشہ کا قدیم دارالحکومت اکسوم تھا۔ ملخص از اٹلس سیرت نبوی ﷺ، دارالسلام، لاہور، ص ص ۱۲۱۔۱۱۹، فروری ۲۰۰۴ء

(۴) محسنِ انسانیت، نعیم صدیقی، الفیصل ناشران، لاہور، ص ۱۹۳، ستمبر ۲۰۰۱ء

(5) A Short History of the Saracens, Page 9, Syed Ameer Ali, Islamic Book Service, LAHORE.

(۶) سیرت ابن ہشام، عبدالملک ابن ہشام، مقبول اکیڈمی، لاہور، ص ۲۴۹

(۷) الرحیق المختوم، مبارکپوری، صفی الرحمان، المکتبہ السّلفیہ، لاہور، ص ۲۱۹، اکتوبر ۱۹۹۵ء

Marfat.com

(۸)مذکورہ بالا حوالہ، ص ۲۲۳

(۹)ضیاء النبی، الازہری، محمد کرم شاہ، پیر، جسٹس، ضیاء القرآن پبلیکیشنز، لاہور، ج ۳، ص ۴۸، ۱۹۹۴ء

(10) The Life of Muhammad, Page 162, M.Hussain Haikel, Islamic Literature Publications, LAHORE.

(۱۱)شیخِ نجد کی اصطلاح ابلیس ملعون کے لیے استعمال ہوتی ہے۔ مؤلف

(۱۲)اردو دائرہ معارف اسلامیہ، محمد عبداللہ، سید، ڈاکٹر، پنجاب یونیورسٹی، لاہور، ج ۱۹، ص ۴۲

(۱۳)ضیاء النبی، الازہری، محمد کرم شاہ، پیر، جسٹس، ضیاء القرآن پبلیکیشنز، لاہور، ج ۳، ص ۵۲، ۱۹۹۴ء

(14) MUHAMMAD, Page 117, Martin Lings, Suhail Academy, LAHORE.

(۱۵)الرّحیق المختوم، مبارکپوری، صفی الرحمان، المکتبہ السّلفیہ، لاہور، ص ۲۲۹، اکتوبر ۱۹۹۵ء

(۱۶)سیرتُ النبی، شبلی نعمانی، علامہ، ناشران قرآن لمیٹڈ، لاہور، ج ۱، ص ۲۷۹، ۱۹۲۰ء

(17) The Life of Muhammad, Page 171, M.Hussain Haikel,Islamic Literature Publications, LAHORE.

(۱۸)ہجری کلینڈر کا آغاز سیّدنا عمر فاروقؓ کے دورِ خلافت میں ہوا۔ رسول اکرم ﷺ ۱۲ ربیع الاوّل مطابق ۲۴ ستمبر ۶۲۲ء بروز پیر قبا پہنچے۔ یکم محرم اھ ۱۶ جولائی ۶۲۲ء کے مطابق ہے اور یہی ہجری تقویم کی ابتداء ہے۔ اٹلس سیرت نبوی ﷺ، دارالسّلام، لاہور، ص ۱۴۹، ۲۰۰۴ء

(19)Encyclopedia Bretannica, Volume 15, Page 641, Willium Benton, Publisher,1968.

(۲۰)پانچویں کالم کی اصطلاح غدّار کے معنوں میں استعمال ہوتی ہے۔ ۱۹۳۶ء میں جنرل فرانکو نے سپین میں جمہوری حکومت کے خلاف بغاوت کی تو اس نے اپنے جاسوسی گروہ کا نام "پانچواں کالم" رکھا، جو کہ شہر کے اندر سے اس کی مدد کر رہا تھا۔ ماخوذ از اردو انسائیکلو پیڈیا "پانچواں کالم" فیروز سنز، لاہور۔

Marfat.com

صُلح حدیبیہ ۰۶ھ/ ۶۲۸ء

ہجرتِ مدینہ کو چھ سال ہونے کو آئے تھے۔ پہلے پانچ سال تک مکہ اور مدینہ کی ریاستوں کے درمیان مسلسل تناؤ کی صورتِ حال رہی، قریشِ مکہ پوری قوت سے تین بار مدینہ پر حملہ آور ہوئے، لیکن انہیں اپنے مقصد میں کامیابی حاصل نہ ہوئی، اُلٹا ان جنگوں پر اٹھنے والے اخراجات نے انہیں معاشی طور پر دیوالیہ کر دیا۔ اہلِ مکہ کے تجارتی قافلے، یمن سے شام تک کی تجارتی منڈیوں سے منافع کما کر لایا کرتے تھے، جس پر اُن کی معیشت کا انحصار تھا، لیکن ہجرتِ مدینہ کے بعد اُن کی یہ تجارتی شاہراہ مسلمانوں کی زد میں تھی۔ تین بڑی جنگوں کی وجہ سے قریش اپنی تجارت پر توجہ نہ دے سکے اور انہوں نے اپنی جمع پونجی بھی جنگوں پر خرچ کر دی۔

معاشی دیوالیہ کے ساتھ ساتھ مکہ کی سوسائٹی سماجی طور پر بھی تنزلی کا شکار تھی، کوئی خاندان ایسا نہ تھا جس کا کوئی نہ کوئی فرد مسلمان ہو کر مدینہ کی طرف ہجرت نہ کر چکا ہو اور کوئی گھر ایسا نہ تھا جس کا کوئی نہ کوئی فرد جنگوں میں مارا نہ جا چکا ہو۔ ابوجہل، ابوالبختری اور عاص بن وائل جیسے بڑے بڑے سردار قتل ہو چکے تھے، گویا ہر لحاظ سے اہلِ مکہ کی حالت ناگفتہ بہ تھی۔

سرورِ دو عالم ﷺ قریش کی اس معاشی، سماجی اور سیاسی کمزوری سے مکمل طور پر آگاہ تھے۔ خود آنحضور ﷺ پانچ سال تک قریش کے بیرونی حملوں اور یہودیوں کی داخلی سازشوں کے خلاف نبرد آزما رہے۔ جب تک یہودی مدینہ میں رہے آنحضور ﷺ نے صحابہ کرام کی بڑی تعداد کے ساتھ مدینہ چھوڑ کر طویل سفر اختیار کرنا مناسب خیال نہ کیا،، لیکن اب مدینہ اس ففتھ کالم کی شرانگیزیوں سے پاک ہو چکا تھا گویا مسلم تاریخ کے ایک اہم موڑ مڑنے کے لئے حالات انتہائی موزوں اور سازگار تھے۔

مسلمان جبراً مکہ سے نکالے گئے تھے لیکن اُن کے دل سے یہ خیال نہیں گیا تھا کہ کعبہ پر اُن کا کم از کم اتنا حق ضرور ہے جتنا قریش اور دیگر قبائل کا۔ اس کے ساتھ ساتھ مکہ سے مسلمانوں کا ایک خاص قلبی رشتہ تھا، وہ اُن کا قدیم اور محبوب وطن تھا جس کی یاد انہیں ستاتی رہتی تھی۔ (۱)

Marfat.com

اسی اثنا میں سیدِ کائنات ﷺ نے خواب دیکھا کہ آپ اپنے صحابہ کے ساتھ بیت اللہ کا طواف کر رہے ہیں۔ آپ نے صحابہ کو اس خواب کے بارے میں بتایا تو صحابہ خوشی سے سرشار ہو گئے، کیونکہ انہیں اس بات کا یقین تھا کہ رسول اللہ ﷺ کا خواب سچا ہوتا ہے۔ صحابہ کو اس بات کا تو یقین ہو گیا کہ وہ بہت جلد مکہ میں داخل ہونگے، لیکن یہ سب کیسے ممکن ہوگا؟ یہ ایک اہم سوال تھا۔

No one, however, could imagine how that was going to be accomplished. Would they fight and enter Makkah after battle? Would they force the evacuation of Quraysh and pull down its guardianship of the Ka'bah? Or would Quraysh open the road to them in humiliation and acquiescence. (2)

"ان میں سے کسی کو بھی یقین نہیں آ رہا تھا کہ یہ سب کس طرح ممکن ہوگا؟ کیا وہ جنگ وجدل کے بعد مکہ میں داخل ہو پائیں گے؟ کیا قریش کو مکہ سے انخلاء اور ان سے کعبہ کا انتظام و انصرام بزورِ قوت واپس لیا جائے گا؟ یا قریش اپنی شکست تسلیم کرتے ہوئے بادل نخواستہ ان کے لیے تمام راستے کھول دیں گے۔"

ایک دن آپ نے صحابہ کرام کو یہ خوشخبری سنائی کہ ہم بہت جلد عمرہ کرنے کے لئے مکہ جائیں گے۔ صحابہ کرام نے فوری طور پر تیاریاں شروع کر دیں۔ آپ نے عمرہ کے لئے ذیقعد کے مہینے کا انتخاب کیا، کیونکہ یہ حرمت والا مہینہ تھا، اس لیے اس بات کا امکان کم تھا کہ مکہ والے مسلمانوں سے جنگ کریں گے۔ سرکارِ دو عالم ﷺ اپنے ۱۴۰۰ اصحابہ کرام کے ساتھ یکم ذیقعد ۶ ھ کو عمرہ کی غرض سے مدینہ سے مکہ کے لیے روانہ ہوئے۔ قربانی کے جانور ساتھ تھے جنھیں "ذوالحلیفہ" کے مقام پر نشان زدہ کیا گیا۔ ایک خزاعی بشیر بن سفیان کو حالات کی آگاہی کے لئے مکہ کی طرف بھیجا گیا۔ مقامِ عسفان پر اُس نے آ کر اطلاع دی کہ قریش کو مسلمانوں کی روانگی کی اطلاع ہو چکی ہے، وہ مکہ سے نکل کر ذی طویٰ میں خیمہ زن ہو چکے ہیں اور مسلمانوں کا رستہ روکنے کے لئے خالد بن ولید بھی دو سو سواروں کے ساتھ "کراع الغمیم" میں تیار کھڑا ہے۔ اس اطلاع پر حضور ﷺ نے فرمایا "یہ قریش کی بدبختی ہے، جنگوں نے انہیں تباہ کر دیا ہے۔ کیا حرج ہے کہ وہ بیچ سے ہٹ جائیں اور مجھے اور عرب قبائل کو نپٹ لینے دیں۔ اگر وہ مجھے ختم کر دیں تو قریش کی مراد پوری ہوئی، اگر مجھے غلبہ حاصل ہو جائے تو وہ چاہیں تو اپنی کثیر تعداد

Marfat.com

کے ساتھ دائرہ اسلام میں داخل ہو جائیں۔ورنہ وہ اس وقت لڑ لیتے کیونکہ وہ اس وقت طاقت میں ہوتے۔ایسا نہ ہوتو پھر خدا کی قسم میں اس حق کو لے کر جو خدا نے مجھے دیا ہے آخر دم تک لڑوں گا۔یہاں تک کہ یا تو خدا اس حق کو غلبہ دیدے یا میری یہ گردن کٹ جائے۔"(۳)

سرورِ دوعالم ﷺ کسی صورت بھی جنگ نہیں چاہتے تھے اسی لیے آپ نے "کراع الغمیم" کا مرکزی راستہ چھوڑ کر ایک ایسا راستہ اختیار کیا جس سے خالد بن ولید کے گھڑسوار دستے سے ٹکراؤ کا خدشہ ختم ہوگیا۔آپ نے آگے بڑھتے ہوئے حدیبیہ میں قیام کیا۔قریش کو رسولِ رحمت ﷺ کی حدیبیہ میں آمد کی اطلاع ہوئی تو انہوں نے سفارتی کوششوں کا آغاز کیا اور بدیل بن ورقاء، حلیس بن علقمہ اور عروہ بن مسعود ثقفی کو یکے بعد دیگرے اپنا نمائندہ بنا کر بھیجا۔آپ ﷺ نے بڑی شائستگی کے ساتھ اپنا مؤقف بیان کیا۔اُن تینوں نے قریش کے سامنے رسول اللہ ﷺ کے مؤقف کی وضاحت کی۔عروہ بن مسعود ثقفی نے دربارِ نبوی میں حاضری کے دوران صحابہ کرام کی رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جس تعظیم اور قلبی وابستگی کا مشاہدہ کیا تھا، اُسے واپس جا کر قریش کے سامنے بیان کرتے ہوئے کہا"اے قوم! بخدا میں قیصر و کسریٰ اور نجاشی جیسے عظیم بادشاہوں کے درباروں میں جا چکا ہوں، لیکن میں نے کسی بادشاہ کو نہیں دیکھا کہ اُس کے ساتھی اس کی اتنی تعظیم کرتے ہوں جتنی محمد ﷺ کے ساتھی اُن کی کرتے ہیں۔"(۴)

سرورِ دوعالم ﷺ نے اپنے مقصد و مؤقف کی وضاحت کے لیے اپنا نمائندہ قریش کے پاس بھیجنے کا فیصلہ کیا، چونکہ قریش کا سردار ابوسفیان' خاندانِ اُمیہ سے تعلق رکھتا تھا، اس لیے آنحضور ﷺ نے بنواُمیہ کے ممتاز صحابی عثمانِ غنیؓ کو مکہ بھیجا۔انہوں نے مکہ جا کر سربراہان قریش کو نبی محتشم ﷺ کا پیغام پہنچایا۔قریش نے فیصلے کے لئے کچھ وقت حاصل کرنے کی غرض سے عثمان غنیؓ کو مکہ میں ہی روک لیا جس سے حدیبیہ میں موجود صحابہ کرام انتہائی مضطرب و بے چین ہوگئے۔اس بے چینی کی فضا میں یہ افواہ پھیل گئی کہ عثمان غنیؓ شہید کر دیے گئے ہیں۔شہادتِ عثمان کی افواہ پھیلتے ہی صحابہ کرام کے کرب اور بے چینی میں اضافہ ہوگیا اور شہادتِ عثمان کا بدلہ لینے کے لئے آوازیں بلند ہونے لگیں۔

محسنِ انسانیت ﷺ نے صحابہ کی تسلی و تشفی اور قریش پر دباؤ بڑھانے کے لیے صحابہ کرام کو ایک درخت کے نیچے اکٹھا کیا اور اس بات پر بیعت لی کہ شہادتِ عثمان کا بدلہ لیے بغیر اس جگہ سے نہیں جائیں

Marfat.com

گے۔ان بیعت کرنے والوں کو قرآن میں اللہ تعالیٰ نے اپنی خوشنودی سے نوازا،اسی بیعت کو تاریخ اسلام میں بیعت رضوان کہا جاتا ہے۔ارشاد ربانی ہے۔

"اللہ تعالیٰ مومنوں سے راضی ہو گیا جب کہ وہ درخت کے نیچے آپ ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کر رہے تھے۔"سورۃ فتح،آیت نمبر ۱۸

اس بیعت کا بہت مثبت اثر ہوا،قریش مرعوب ہو گئے،انہوں نے نزاکتِ حالات کے پیش نظر آنحضور ﷺ سے صلح کرنے میں عافیت سمجھی۔صلح نامہ کے لیے سہیل بن عمروؓ حدیبیہ آیا۔سہیل کو آتا دیکھ کر آپ نے صحابہ سے ارشاد فرمایا"تمہارا کام سہل کر دیا گیا،اس شخص کو بھیجنے کا مقصد ہی یہ ہے کہ قریش صلح چاہتے ہیں۔"(۵)

نبی مکرم ﷺ اور سہیل بن عمرو کے درمیان گفت وشنید کے بعد ایک صلح نامہ پر اتفاق ہو گیا،لیکن اس صلح نامہ کو تحریر کرنے سے پہلے سہیل نے حالات کشیدہ کرنے کی کوشش کی۔پہلے اُس نے معاہدہ کے شروع میں بسم اللہ لکھنے پر اعتراض کیا،پھر محمد (ﷺ) کے ساتھ رسول اللہ لکھنے پر معترض ہوا۔صحابہ کی بے چینی کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ حضرت علیؓ جو یہ معاہدہ لکھ رہے تھے،انہوں نے محمد (ﷺ) کے ساتھ لکھا گیا رسول اللہ کا لفظ مٹانے سے انکار کر دیا۔فخر انسانیت ﷺ نے خود ہی اپنے نام کے ساتھ لکھا رسول اللہ کا لفظ مٹا دیا۔اسی بے چینی کی فضا میں صلح نامہ تحریر کیا گیا جس کی شرائط درج ذیل ہیں۔

(۱) مسلمان اس سال واپس چلے جائیں،اگلے سال عمرہ کے لیے آ جائیں لیکن صرف تین دن قیام کر سکتے ہیں۔

(۲) جنگی ہتھیار ساتھ لانے کی اجازت نہ ہوگی۔صرف تلواریں ساتھ لائیں اور وہ بھی نیام میں ہوں۔

(۳) جو مسلمان پہلے ہی مکہ میں مقیم ہیں اُن میں سے کسی کو اپنے ساتھ لے جانے کی اجازت نہیں ہے لیکن مسلمانوں میں سے کوئی مکہ میں رہ جانا چاہے تو اس کو نہ روکیں۔

(۴) کافروں یا مسلمانوں میں سے کوئی مکہ چھوڑ کر مدینہ چلا جائے تو وہ واپس کر دیا جائے گا لیکن اگر کوئی مسلمان مدینہ چھوڑ کر مکہ آ جائے تو اسے واپس نہیں کیا جائے گا۔

(۵) قبائلِ عرب کو اختیار ہوگا کہ وہ فریقین میں سے جس کے ساتھ چاہیں معاہدہ ٔصلح میں شریک ہو

Marfat.com

جائیں۔

(۶) فریقین کے درمیان دس سال تک جنگ نہیں ہوگی۔(۶)

صلح حدیبیہ کی ان شرائط پر غور کرنے سے یہ حقیقت آشکار ہوتی ہے کہ قریشِ مکہ کو محمد ﷺ کے مقابلے میں اپنی کمزوری کا احساس ہو چکا تھا۔انہوں نے اپنی ضد اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے اس سال تو مسلمانوں کو حرم شریف میں داخل نہ ہونے دیا لیکن اگلے سال داخلے کی خود ہی اجازت دے کر اپنی کمزوری کا اعتراف کر لیا۔

جنگوں کے شوقین قریش نے خود ہی دس سال تک جنگ نہ کرنے کا معاہدہ کر کے مسلمانوں کے مقابلے میں اپنی شکست تسلیم کر لی، حالانکہ ہجرتِ مدینہ کے بعد صرف پانچ سالوں کے دوران انہوں نے تین بار مدینہ پر چڑھائی کی تھی۔ان جنگوں میں نہ صرف اُن کے بڑے بڑے سردار قتل ہوئے بلکہ اُن کی معیشت بھی تباہی کے دہانے پر پہنچ گئی۔معاہدہ کی سب سے سخت شرط یہ تھی کہ اگر مکہ کا کوئی فرد اسلام قبول کر کے مدینہ چلا جائے تو اسے مکہ والوں کے حوالے کر دیا جائے گا اور اگر مدینہ سے کوئی مسلمان مرتد ہو کر مکہ چلا جائے تو اسے واپس نہیں کیا جائے گا، یہ شرط قریشِ مکہ کی نفسیاتی شکست کو عیاں کرتی ہے۔ قریشِ مکہ دیکھ چکے تھے کہ تمام تر دھمکیوں، سختیوں اور سازشوں کے باوجود تحریکِ اسلامی زور پکڑتے جا رہی تھی اور اہلِ مکہ کی ایک بہت بڑی تعداد دائرہ اسلام میں داخل ہو چکی تھی۔قریشِ مکہ نے آنحضور ﷺ کو چند رعائتیں دے کر صرف یہ ایک سخت شرط تسلیم کروائی، کیونکہ انہیں چند ہی سالوں میں اپنے جاہلی معاشرہ کی عمارت زمین بوس ہوتی دکھائی دے رہی تھی۔اُن کی یہ شرط اپنے نظام کو بچانے کی آخری کوشش تھی۔سرورِ کونین ﷺ نے اس شرط کو تسلیم کر لیا، کیونکہ آپ کو اپنی تربیت اور نظام پر پورا اعتماد تھا۔مختلف قبائل نے ہوا کے بدلتے ہوئے رُخ کو دیکھتے ہوئے ریاستِ مدینہ سے اپنے دوستانہ تعلقات استوار کرنا شروع کر دیے تھے، اس لیے قریش نے معاہدہ میں اس شرط کو تسلیم کر لیا کہ کوئی بھی قبیلہ اپنی مرضی سے مکہ یا مدینہ سے اپنے دوستانہ تعلقات قائم کر سکتا ہے۔یہ شرط بھی قریش کی مایوسی کی طرف واضح اشارہ تھا۔

صلحِ حدیبیہ کی بظاہر ان سخت شرائط نے صحابہ کرام کے قلوب کو گھائل کر دیا' اُن کی قلبی کیفیت، اُن کے چہروں سے عیاں تھی۔فضا میں موجود مایوسی اس وقت تلخی میں بدل گئی، جب نمائندہ قریش سہیل بن

Marfat.com

عمرو کے صاحبزادے ابوجندلؓ پابجولاں مکہ سے بھاگ کر حدیبیہ آ پہنچے اور سراپائے رحمت ﷺ سے دینی حمایت کے خواستگار ہوئے۔ سہیل بن عمرو نے معاہدہ کی رو سے اُن کی حوالگی کا مطالبہ کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا، ابھی تو معاہدہ لکھا جارہا ہے، اس پر تو ابھی دستخط بھی نہیں ہوئے، لیکن سہیل نہ مانا۔ پھر آپ نے فرمایا، اسے میری خاطر ہی میرے ساتھ بھیج دو۔ لیکن سہیل نے بضد ہو کر دھمکی دی کہ اگر اسے میرے حوالے نہ کیا گیا تو سارے معاہدہ کو کالعدم سمجھئے۔

رسول کریم ﷺ اس معاہدہ کی تنسیخ نہ چاہتے تھے، آپ ﷺ نے ابوجندل کو صبر کی تلقین کرتے ہوئے، انہیں اُن کے باپ سہیل کے حوالے کر دیا۔ اس بات سے آپ کے تمام رفقاء کے چہرے مغموم تھے (۷) لیکن یہ سب پیکرانِ تسلیم ورضا سرِ تسلیم خم کیے ہوئے تھے۔

حدیبیہ سے واپسی پر سورۃ فتح کی ابتدائی آیات نازل ہوئیں، جن میں صلح حدیبیہ کو مسلمانوں کیلئے فتح مبین قرار دیا گیا۔

﴿ انا فتحنا لك فتحا مبينا ﴾ (سورۃ فتح، آیت ۱)

(ہم نے آپکو فتح مبین عطا فرمائی۔)

The new Revelation left no doubt that the expedition from which they were now returning must bed considered as a victorious one, for it opened with the words; Verily We have given thee a clear victory. It also spoke of the recent pact of allegiance; God was well pleased with the believers when they pledged allegiance unto thee beneath the tree. He Knew what was in their hearts, and sent down the Spirit of peace upon them, and hath given them the meed of a near victory.(8)

"نئی وحی کے نزول سے اب اس بات میں شک نہیں رہا تھا، کہ جو (معاہدہ) یہ طے کر کے آئے تھے اللہ کی نظر میں فتح مبین ہے۔ کیونکہ یہ وحی ان آیات سے شروع ہوتی ہے: ''بے شک! ہم نے آپ کو فتح مبین عطا فرمائی۔'' اس میں اس معاہدے کے بارے میں مزید اللہ نے فرمایا: ''اللہ ان کے اس کام سے بہت راضی ہوا کہ جب وہ اس درخت کے نیچے وہ معاہدہ کر رہے

Marfat.com

تھے۔ اللہ خوب دلوں کے حال کو جاننے والا ہے۔ اور اللہ نے ان پر اپنی رحمت کی اور ان کو ایک عظیم فتح کی بشارت دی۔"

صلحِ حدیبیہ کی سخت شرائط کی وجہ سے صحابہ کے دل مغموم تھے، لیکن ان آیات کا نزول اُن کے لئے مژدۂ جانفزا تھا، جس میں ان بظاہر سخت شرائط کو فتح عظیم قرار دیا گیا تھا۔ " علامہ ابنِ ہشام نے زہری کے حوالے سے لکھا ہے کہ حدیبیہ کی صلح سے بڑھ کر اس سے پہلے اسلام میں کوئی فتح نہیں ہوئی۔ "(۹)

صلحِ حدیبیہ کے صرف دو سال بعد تبدیل شدہ حالات سے ثابت ہو گیا کہ یہ صلح مسلمانوں کے لئے واقعتاً ایک بہت بڑی فتح تھی۔ ان دو سالوں میں پہلے سے دوگنی تعداد میں لوگ دائرہ اسلام میں داخل ہوئے۔(۱۰)

اللہ تعالیٰ نے ابو جندلؓ اور اُن کے ساتھیوں کے لیے ایسے اسباب پیدا فرما دیے کہ قریش نے خود ہی آنحضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اس سخت شرط کی تنسیخ کا مطالبہ کیا۔ ابو بصیرؓ مکہ سے بھاگ کر مدینہ چلے آئے۔ قریش کے مطالبہ پر آنحضور ﷺ نے انہیں اہلِ مکہ کے حوالے کر دیا، لیکن وہ اُن کے چنگل سے نکلنے میں کامیاب ہو گئے۔ ابو بصیرؓ نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ مل کر ساحلِ سمندر پر ڈیرہ ڈال لیا اور اہلِ مکہ کے تجارتی قافلوں کو ہراساں کرنے لگے۔ اُن کی کارروائیوں سے تنگ آ کر خود ہی قریش نے آنحضور ﷺ سے درخواست کی کہ اس شرط کو معاہدہ سے نکال دیا جائے تا کہ مکہ سے آنے والے مسلمان ابو بصیرؓ کے پاس جانے کی بجائے مدینہ چلے جائیں۔ اس طرح قریش کی طرف سے رکھی گئی اس سخت ترین شرط کا یہ حال ہوا۔

There was hence no reason to doubt that the Hudaybiyah Treaty was a victory for the muslims. History has shown that this pact was the product of profound political wisdom and foresightedness and that it brought about consequences of great advantage to Islam and indeed to Arabia as a whole.(11)

"اس میں ذرا بھی شک کی گنجائش نہ ہے کہ صلح حدیبیہ مسلمانوں کی ایک بہت بڑی کامیابی

Marfat.com

تھی۔تاریخ نے بعدازاں ثابت کیا کہ یہی کامیابی مسلمانوں کی بے پناہ بصیرت اوردوراندیشی کا ثبوت تھی۔اور یہی کامیابی بالعموم اسلام (مسلمانوں) کے لیے اور بالخصوص پورے عرب کے لیے بہت بارآورثابت ہوئی۔"

قریشِ مکہ سے دس سال تک جنگ بندی ہوچکی تھی۔رسول مکرم ﷺ کو کفار مکہ کی طرف سے کافی اطمینان حاصل ہوگیا تھا۔اب آنحضور ﷺ اپنے دوسرے شاطر دشمن کی طرف متوجہ ہونا چاہتے تھے اور یہ یہود تھے جو مدینہ سے نکل کر خیبر چلے گئے تھے اوراب خیبر کو سازشوں کا مرکز بنا کر ریاستِ مدینہ پر حملے کی تیاریوں میں مصروف تھے،اس لیے رسولِ رحمت ﷺ کو جلد اس دشمن کے خلاف عسکری کارروائی کے لیے خیبر جانا تھا۔

حوالہ جات وحواشی

(۱) سیرت النبی،شبلی نعمانی،علامہ،ناشران قرآن لمیٹڈ،لاہور،ج ا،ص ۴۵۹،۱۹۲۰ء

(۲) The Life of Muhammad, Page 343, M.Hussain Haikel, Islamic Literature Publications, LAHORE.

(۳)محسنِ انسانیت،نعیم صدیقی،الفیصل ناشران،لاہور،ص ۴۸۲،ستمبر ۲۰۰۱ء

(۴)الرّحیق المختوم،مبارکپوری،صفی الرحمان،المکتبہ السّلفیہ،لاہور،ص ۴۶۳،اکتوبر ۱۹۹۵ء

(۵)حوالہ مذکورہ بالا،ص ۴۶۵

(۶)سیرت النبی،شبلی نعمانی،علامہ،ناشران قرآن لمیٹڈ،لاہور،ج ا،ص ۴۶۷،۱۹۲۰ء

(۷)معاہدہ صلح کے بعد آپ ﷺ نے صحابہ کرام سے فرمایا،اٹھواوراپنے قربانی کے جانور ذبح کرو،لیکن تمام صحابہ خاموش بیٹھے رہے۔آپ ﷺ نے اُمّ سلمہؓ سے صحابہ کے طرزِعمل کا ذکر کیا۔اُم المومنینؓ نے عرض کی کہ آپ ﷺ چپ چاپ اپنا جانور ذبح کردیجیے اور حجام کو بلا کر سر منڈا لیجیے۔آپ ﷺ نے ایسا ہی کیا،جب صحابہ کرام نے آپ ﷺ کو ایسا کرتے دیکھا تو انہوں نے بھی اپنے جانور ذبح کردیے اوراپنے اپنے سر منڈوائے۔ملخص از الرحیق المختوم،مبارکپوری،صفی الرحمان،المکتبہ السّلفیہ،لاہور،ص ۴۶۷،۱۹۹۵ء

(8) MUHAMMAD, Page 255, Martin Lings, Suhail Academy,

Marfat.com

LAHORE.

(۹) سیرت ابن ہشام، عبدالملک ابنِ ہشام، مقبول اکیڈمی، لاہور، ص ۵۲۳

(۱۰) اردو دائرہ معارف اسلامیہ، محمد عبداللہ، سید، ڈاکٹر، پنجاب یونیورسٹی، لاہور، ج ۱۹، ص ۲۰۱

(11) The Life of Muhammad, Page 355, M.Hussain Haikel, Islamic Literature Publications, LAHORE.

Marfat.com

غزوۂ خیبر ۷ھ/ ۶۲۸ء

مدینہ کے یہودی ایک بڑی معاشی اور عسکری قوت تھے۔ شریعتِ موسوی کے دعویداروں نے سودی کاروبار سے پورے معاشرے کو اپنے استحصالی پنجوں میں دبوچا ہوا تھا۔ مکہ سے ہجرت کے بعد آنحضور ﷺ اپنے صحابہ کی ایک بڑی تعداد کے ساتھ مدینہ میں آبسے تو ان یہودیوں نے اس نئی قوت سے کوئی خاص خطرہ محسوس نہ کیا، اُن کا خیال تھا کہ وہ بہت جلد مسلمانوں کو بھی اپنی سودی پالیسیوں میں جکڑ لیں گے۔ جب انہوں نے دیکھا کہ مسلمان بھی انہیں کے مقدس شہر بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز ادا کرتے ہیں تو دینِ اسلام سے متعلق اُن کے تمام خدشات دور ہو گئے اور وہ خیال کرنے لگے کہ کچھ ہی عرصہ بعد ہم مسلمانوں کو بھی شریعتِ موسوی پر عمل کے لیے تیار کر لیں گے۔ جب مسلمانوں سے متعلق اُن کی یہ امیدیں بر نہ آئیں تو اُن کے اندر کی خباثت ظاہر ہونے لگی۔ ہجرتِ مدینہ کے چودہ ماہ بعد جب اللہ تعالیٰ کے حکم سے مسلمانوں نے مسجدِ اقصیٰ (بیت المقدس) کی بجائے مسجدِ حرام (مکہ) کو اپنا قبلہ بنایا تو یہود کو پہلی بار شدید جھٹکا لگا۔ غزوۂ بدر میں جس طرح مٹھی بھر مسلمانوں نے کفارِ مکہ کو ناکوں چنے چبوائے اور بڑے بڑے رؤسائے قریش کو واصل جہنم کیا، اس سے یہود کے حسد و عناد میں مزید اضافہ ہو گیا اور پہلی بار یہودی قبیلہ بنوقینقاع نے میثاقِ مدینہ کی صریحاً خلاف ورزی کی۔ (۱) مسلمانوں نے بنوقینقاع کا محاصرہ کر لیا، یہ قبیلہ مجبوراً جلاوطنی پر آمادہ ہو گیا اور اپنی جانیں بچا کر خیبر چلا گیا۔

غزوۂ احد میں مسلمانوں کو کچھ نقصان پہنچا تو یہودِ مدینہ نے گھی کے چراغ جلائے۔ یہ خیال کرتے ہوئے کہ شاید اب مسلمان کمزور پڑ چکے ہیں، انہوں نے سازشوں کے جال بننے شروع کر دیے، یہاں تک کہ یہودی قبیلہ بنونضیر نے رحمتُ اللعالمین ﷺ کے قتل کا ناپاک منصوبہ تیار کیا اور آپ ﷺ پر چکی کا پاٹ پھینک کر قتل کرنے کی کوشش کی، لیکن اللہ تعالیٰ نے عبدِ منیب ﷺ کی حفاظت فرمائی۔ اس انتہائی جرم کی پاداش میں قبیلہ بنونضیر کو مدینہ سے جلاوطن ہونا پڑا۔ یہ یہودی بھی مدینہ سے نکل کر خیبر میں آباد ہو گئے۔ اب خیبر بھی سازشوں کا ایک بڑا گڑھ بن گیا، جہاں سے ریاستِ مدینہ کے خلاف سازشوں

Marfat.com

کے تانے بانے بنے جانے لگے۔ یہودِ خیبر نے کفارِ مکہ کے ساتھ مل کر مسلمانوں سے اپنی جلاوطنی کا بدلہ لینے کی کوشش کی۔ اُن کے سرکردہ افراد کا ایک وفد جو سلام بن ابی الحقیق، حُیَیّ بن اخطب اور کنانہ بن ابی الحقیق وغیرہ پر مشتمل تھا، خیبر سے مکہ آیا اور مکہ والوں کو مسلمانوں کے خلاف برانگیختہ کیا۔ (۲)

خیبر کے ان یہودیوں کی کوششوں سے بہت سے گروہوں نے غزوۂ خندق میں منظم ہو کر مدینہ پر حملہ کیا، لیکن بے مراد رہے۔ غزوۂ خندق میں جب ایک طرف کفارِ مکہ، یہود اور دیگر قبائل ریاستِ مدینہ پر دباؤ بڑھا رہے تھے، ایسے نازک حالات میں مدینہ میں موجود یہودی قبیلہ بنو قریظہ نے بھی عہد شکنی کرتے ہوئے مسلمانوں کے خلاف ہتھیار اٹھائے، گویا غزوۂ خندق میں ریاستِ مدینہ کے خلاف اندرونی اور بیرونی محاذ پر یہودیوں کی شرانگیزی کام دکھا رہی تھی۔ بنو قریظہ نے مسلمانوں کو تباہ و برباد کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔ اس انتہائی سفاکانہ اقدام اور میثاقِ مدینہ کی صریح خلاف ورزی کی پاداش میں اُن کے خلاف اب کارروائی ضروری تھی۔ یہودیوں نے اپنے بارے میں فیصلے کے لیے سعد بن معاذؓ کو اپنا حکم تسلیم کیا۔ سعد بن معاذؓ نے تورات کی روشنی میں فیصلہ کرتے ہوئے اُن کے مردوں کے قتل کا حکم دیا۔ بنو قریظہ کے قتل کیے جانے کی خبر جب یہودِ خیبر کے پاس پہنچی تو وہ بدلے کی آگ میں جلنے لگے۔ قریشِ مکہ کے ساتھ چونکہ مسلمانوں کا معاہدۂ صلح ہو چکا تھا اور وہ ویسے بھی اس پوزیشن میں نہ تھے کہ مسلمانوں کے خلاف کسی جنگی کارروائی میں حصہ لے سکتے، اس لیے یہودیوں نے بنو غطفان کے ساتھ مل کر مسلمانوں کے خلاف جنگی محاذ بنانے کا منصوبہ تیار کیا، چنانچہ اُن کا ایک وفد جو چودہ افراد پر مشتمل تھا، بنو غطفان کے پاس پہنچا اور ان کو اس مہم میں شریک ہونے کی دعوت دی اور اُن سے وعدہ کیا کہ وہ انہیں اس تعاون کے بدلے اپنے نخلستانوں کی پیداوار کا نصف دیں گے۔ (۳)

اس طرح یہودِ خیبر نے بنو غطفان کو ساتھ ملا کر مسلمانوں کے خلاف ایک مؤثر قوت حاصل کر لی۔ اس کے علاوہ وہ مشرکین و منافقینِ مدینہ سے بھی مسلسل رابطے میں رہے۔ مدینہ اور خیبر کے درمیان اس تناؤ کی کیفیت میں عبداللہ بن ابی کی تمام تر ہمدردیاں یہودِ خیبر کے ساتھ تھیں، اُس نے اہلِ خیبر کو پیغام بھیجا کہ محمد ﷺ تم پر حملہ کرنا چاہتے ہیں لیکن تم اُن سے بالکل بھی خوفزدہ مت ہونا۔ وہ مٹھی بھر لوگ ہیں جن کے پاس ہتھیاروں کی بھی کمی ہے۔ (۴)

War with Mecca having been suspended, the prophet turned

Marfat.com

to destroy the last stronghold of Jewry in Western Arabia, that of the wealthy oasis of Khaybar, where the exiled Banu-Nadir were allegedly inciting the neighbouring Arab tribes against the Muslims.(5)

"اہل مکہ سے جنگ مؤخر ہونے کے بعد آپ ﷺ نے عرب کے مغرب میں یہودی اثر ورسوخ کے حامل علاقے پر توجہ دی۔ جو کہ وادی خیبر کے نام سے جانا جاتا تھا۔ یہیں جلاوطن بنونضیر ہمسایہ علاقوں میں واقع عرب قبائل کو مسلمانوں کے خلاف بھڑکا رہے تھے۔"

یہودِ خیبر نے مسلمانوں کے خلاف بھرپور جنگی تیاریاں شروع کردیں۔ دس ہزار جنگجو ہر روز میدان میں نکل کر جنگی طاقت کا بھرپور مظاہرہ کرتے اور کہتے کہ ہم دیکھیں گے کہ محمد (ﷺ) ہم پر کس طرح فتح حاصل کرتا ہے(۶) بنوغطفان نے اپنے ایک ہزار جنگجو خیبر بھیج دیے اور یہود سے وعدہ کیا کہ اگر محمد (ﷺ) نے خیبر پر حملہ کیا تو بنوغطفان اپنے چار ہزار جنگجوؤں کے ساتھ مسلمانوں پر عقب سے حملہ آور ہو جائیں گے۔ اس طرح یہودِ خیبر اور بنوغطفان مل کر مٹھی بھر مسلمانوں کو بآسانی ختم کردیں گے۔(۷)

یہود خیبر اور بنوغطفان کے گٹھ جوڑ سے اُن کی شرانگیزیوں میں بہت اضافہ ہوگیا۔ ایک دن بنو غطفان کے کچھ لوگ ذی قرد کی چراگاہ سے مسلمانوں کی بیس اونٹنیاں پکڑ کر لے گئے اور ابوذر غفاریؓ کے صاحبزادے کو بھی قتل کر گئے۔ سلمہ بن الاکوعؓ نے اُن کا پیچھا کیا اور سب اونٹنیاں تو آزاد کروالیں لیکن دشمن فرار ہونے میں کامیاب ہوگیا۔ بنوغطفان کی یہ حرکت ریاستِ مدینہ کے خلاف براہِ راست اقدام تھی۔ حدیبیہ سے واپسی پر جب آپ کو خیبر اور بنوغطفان کی پراسرار سرگرمیوں کی اطلاع ملی تو آپ نے بھی اس جنگی مہم کی تیاری شروع کردی۔ ہادیٔ عالم ﷺ مدینہ سے خیبر کی طرف روانہ ہوئے تو اس بات کی اطلاع بنوغطفان کو بھی ہوگئی، انہوں نے اپنے چار ہزار جنگجوں کے ساتھ اہلِ خیبر کی مدد کے لیے تیاری شروع کردی، لیکن رسولِ کریم ﷺ نے ایک ایسی حکمت عملی اختیار کی کہ یہودیوں اور بنوغطفان کے تمام منصوبے دھرے کے دھرے رہ گئے اور اُن کے درمیان فوجی اتحاد قائم نہ ہوسکا۔ آپ نے مقام رجیع پر لشکر کو پڑاؤ کا حکم دیا۔ یہ مقام بنوغطفان کی آبادی سے صرف ایک دن اور ایک رات کی مسافت پر تھا، یہاں سے بآسانی اُن پر حملہ کیا جاسکتا تھا۔ ابھی بنوغطفان اپنے لشکر کے ساتھ چلے ہی تھے کہ انہیں

Marfat.com

آنحضور ﷺ کی مقامِ رجیع میں آمد کی اطلاع ملی، جس سے انہیں یہ خطرہ لاحق ہوا کہ اگر وہ خیبر گئے تو مسلمان اُن کی بستی پر حملہ کر دیں گے، چنانچہ وہ فوراً پلٹ آئے۔ اس طرح یہودِ خیبر تنہا رہ گئے۔(۸) آنحضور ﷺ نے انتہائی رازداری کے ساتھ خیبر کی طرف پیش قدمی کی اور شمالی جانب سے اُن کا محاصرہ کرلیا۔

In the morning, when the Khaybar workmen went out of their homes to go to their plantations, they saw the muslim army for the first time and ran away shouting to one another, "There is Muhammad and his army." When Muhammad(S.A.W) heared them, he said,"Khaybar is doomed; whenever we enter the enemy's land, the fate of that enemy is sealed." (9)

" صبح جب اہل خیبر اپنے باغات کو جانے کے لیے اپنے گھروں سے نکلے تو انہوں نے پہلی دفعہ مسلمان فوج کو دیکھا تو ایک دوسرے کی طرف یہ کہتے ہوئے بھاگے "دیکھو محمد (ﷺ) اور ان کی فوج کو دیکھو!" جب آپ نے یہ سب سنا تو فرمایا کہ: سمجھو خیبر فتح ہو گیا کیونکہ جب بھی لشکر اسلام دشمن کی سرزمین پر قدم رکھتے ہیں تو ان کے مقدر پر مہر لگا دی جاتی ہے۔"

یہودیوں نے خیبر (۱۰) میں اپنے مضبوط قلعے بنائے ہوئے تھے، مسلمانوں کے خوف سے وہ قلعوں میں محصور ہو گئے۔ مسلمانوں نے سب سے پہلے قلعہ "ناعم" فتح کیا، جس میں دشمن کا بہت سامال واسباب جمع تھا، جس سے عسکری حوالے سے فائدہ پہنچا۔ ناعم کے بعد مضبوط ترین قلعہ "قموص" فتح کیا گیا، اس قلعہ کی فتح میں حضرت علیؓ نے بے مثال شجاعت اور بہادری کا مظاہرہ کیا۔(۱۱)

مسلمانوں نے بے مثال بسالت کا مظاہرہ کرتے ہوئے یکے بعد دیگرے تمام قلعے فتح کر لیے۔ صرف دو قلعے "وطیح" اور "سالم" باقی رہ گئے۔ یہودی ان قلعوں میں محصور ہو گئے، رحمت عالم ﷺ نے اُن پر منجنیق سے سنگ باری کا ارادہ فرمایا۔ جونہی اس بات کی اطلاع یہود کو ہوئی، اُن کے حوصلے پست ہو گئے۔ کنانہ بن ابی الحقیق صلح کی غرض سے بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوا، رسولِ رحمت ﷺ نے کمال شفقت فرماتے ہوئے قلعوں کے اندر موجود تمام یہودیوں کو معاف کر دیا۔ اس کے بدلے میں

Marfat.com

یہودیوں نے خیبر سے نکل جانا منظور کرلیا، انہیں اس بات کی اجازت دی گئی کہ وہ اپنے ساتھ اتنا کپڑا لے جاسکتے ہیں جو اُن کی پشت پر لدا ہو۔(۱۲)

The jews of Khaybar conculted together, and sent a deputation to the prophet, suggesting that since they were skilled in the management of their farms and their orchards he should allow them to remain in their homes, and they would pay him a yearly rent of half the produce. To this the prophet agreed; but he stipulated that in the future he decided to banish them they must go.(13)

"خیبر کے یہودیوں نے باہمی مشاورت کے بعد آپ کی خدمت میں ایک وفد بھیجا جس نے ملاقات کے بعد رائے دی کہ چونکہ وہ کھیتی باڑی اور باغات کی دیکھ بھال میں مہارت رکھتے ہیں اس لیے انہیں اُن کے گھروں میں رہنے دیا جائے۔ اس کے بدلے میں وہ اپنی سالانہ پیداوار کا نصف حصہ مسلمانوں کو دیں گے۔ حضور اکرم ﷺ نے اس تجویز کو مان لیا لیکن یہ شرط رکھی کہ اگر مستقبل میں انہیں جلاوطن کیا گیا تو انہیں جانا ہوگا۔"

یہودِ خیبر کے ساتھ رسولِ رحمت ﷺ کے اس درجہ حسن سلوک کے باوجود اُن کی شرانگیزیوں میں کمی نہ آئی۔ ایک یہودی عورت زینب نے رسول اللہ ﷺ کو کھانے میں زہر ملا کر دے دیا، لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب بندے کی حفاظت فرمائی، اسی طرح ایک دفعہ صحابیٔ رسول عبداللہ بن سہلؓ قحط سالی کے دنوں میں خیبر گئے تو یہودِ خیبر نے انہیں بے دردی سے قتل کر ڈالا۔ یہود کی یہ شرانگیزیاں سیّدنا عمر فاروقؓ کے دورِ خلافت تک جاری رہیں۔ یہود نے فاروق اعظمؓ کے صاحبزادے عبداللہ کو سوتے ہوئے کوٹھے سے گرا دیا، جس سے اُن کا ہاتھ اور پاؤں ٹوٹ گیا۔ یہود کی ان مفسدانہ سرگرمیوں کی وجہ سے خلیفہ ثانیؓ نے انہیں مدینہ سے شام کی طرف جلاوطن کر دیا۔(۱۴)

غزوہ خیبر' دوسرے غزواتِ رسالتمآب ﷺ سے اس لحاظ سے منفرد حیثیت رکھتا ہے کہ یہ ایک ایسی قوم کے خلاف جنگ تھی، جو خود ایک الہامی مذہب کی پیروکار ہونے کی دعویدار تھی، ان حاملانِ شریعتِ موسوی سے اس بات کی زیادہ توقع تھی کہ وہ کفار کے برعکس دعوتِ محمدی ﷺ کو قبول کر لیں

Marfat.com

گے، لیکن وہ مخالفت اسلام میں ان بت پرستوں سے کسی طور پیچھے نہ رہے بلکہ بداخلاقی کے میدان میں ان کفار سے دو قدم آگے ہی نکل گئے۔

یہودیوں نے اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ کے خلاف گھناؤنی سازشوں کے جال بنے، کبھی آپ ﷺ پر پتھر پھینک کر اور کبھی زہر دے کر ہلاک کرنے کی کوشش کی۔ ریاستِ مدینہ کے خلاف کبھی کفارِ مکہ اور کبھی بنو غطفان کے ساتھ اتحاد قائم کیا، اُن کے اِن جرائم کے باوجود رسولِ رحمت ﷺ نے اُن کے ساتھ نرمی کا معاملہ فرمایا، انہیں خیبر سے جلاوطن نہیں کیا اور اُن کی زرعی زمینیں اور باغات انہیں کے قبضے میں رہنے دیئے۔

They chose, not for the first or last time, the path of consistency and danger; they rejected Muhammad(S.A.W) as they had rejected Jesus, and were exposed to the eternal enmity of the two religions which had themselves sprung from the soil of Judaism.(15)

"انہوں نے خطرے، مصائب اور آلام کے راستے کو پہلی مرتبہ نہیں چنا تھا۔ انہوں نے محمد (ﷺ) کو بھی اسی طرح ماننے سے انکار کر دیا جس طرح انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نہ مانا تھا۔ اسی سے دو مذاہب کے درمیان ازلی دشمنی ظاہر ہو گئی جن کا ظہور سرزمین یہود سے ہوا تھا۔"

زمانۂ نبوی میں جو قومیں اسلام سے متصادم رہیں، اُن میں قوم یہود ہی ایسی ہے جو آج بھی نہ صرف معاشی لحاظ سے دنیا کی طاقتور ترین قوم ہے بلکہ مخالفتِ اسلام میں بھی دوسری قوموں سے سبقت لے گئی ہے۔ اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ کے خلاف اُن کے دل بغض و عناد کے ناسور بنے ہوئے ہیں، حالانکہ تاریخ شاہد ہے کہ مسلم حکومتوں نے ہمیشہ یہودیوں کے ساتھ حسنِ سلوک کیا۔ یہ یہودی ہمیشہ عیسائیوں کے ہاتھوں ذلیل ہوتے رہے لیکن آج اسلام دشمنی میں یہود و نصاریٰ متحد ہو چکے ہیں۔ ۱۹۱۷ء میں برطانوی وزیر خارجہ آرتھر بالفور نے خطۂ فلسطین میں یہودیوں کے لیے الگ وطن کے قیام کا اعلان کیا۔ دوسری جنگ عظیم میں یہودیوں کی شر انگیزیوں کی وجہ سے جرمن ڈکٹیٹر ہٹلر نے ان یہودیوں کا قتلِ عام کیا، جسے یہودیوں نے ہولوکاسٹ کا نام دیتے ہوئے اپنے آپ کو دنیا کی مظلوم

Marfat.com

ترین قوم ثابت کیا۔ دنیا کے منصفوں نے ہٹلر کے جرائم کی سزا فلسطین کے مسلمانوں کو دی اور ارض فلسطین میں ایک یہودی ریاست اسرائیل کے نام سے قائم کر دی۔ اسرائیل ایک نظریاتی یہودی ریاست ہے۔ اسی لیے دنیا کی واحد ایٹمی اور اسلامی نظریاتی ریاست پاکستان اس کی آنکھوں میں خار بن کر کھٹکتی ہے۔ اسرائیل ساری دنیا کے مسلمانوں کو اپنا دشمن سمجھتا ہے، یہ یہودی ریاست مسلمانوں سے اپنی تاریخی شکست خیبر کا بدلہ لینے کے لیے ایک مستقل ایجنڈے پر عمل پیرا ہے۔ یہود و نصاریٰ باہمی اتحاد کر کے مسلمانوں سے تاریخِ انسانی کی عظیم ترین جنگ آرمیگاڈان لڑنا چاہتے ہیں تاکہ آرمیگاڈان کے نتیجے میں گریٹر اسرائیل قائم ہو سکے۔ گریٹر اسرائیل کے لیے یہودی منصوبہ شیطان کی آنت کی طرح وقت کے ساتھ ساتھ وسیع ہوتا جا رہا ہے۔ پہلے یہودی کہتے تھے کہ فرات تک کا علاقہ ہمارا ہے اور اب کہتے ہیں کہ دریائے دجلہ بھی ہمارا ہے۔ (۱۶)

خیبر میں یہود کی شکست سے اسلام کے ایک نئے سیاسی دور کا آغاز ہوا۔ مسلمان، یہودیوں کی مکارانہ سرگرمیوں سے محفوظ ہو گئے تھے اور اب انہیں بس ایک ہی دشمن سے واسطہ تھا اور وہ تھے کفارِ مکہ۔ کفار مکہ براہِ راست متصادم ہو جانے والے دشمن تھے، اُن میں یہود کی سی مکاری، عیاری اور شرانگیزی نہ تھی۔ کفارِ مکہ کے ساتھ صلح حدیبیہ میں دس سال تک جنگ بندی کا معاہدہ تھا، لیکن صلح کے صرف دو سال بعد کفارِ مکہ نے ایک اہم شق کی خلاف ورزی کی اور بعد میں پورے معاہدۂ صلح کو کالعدم کرنے کا اعلان کر دیا، اس طرح جنگ بندی ختم ہو گئی۔ یہودیوں کو شکست دینے کے بعد اب کفارِ مکہ سے اُن کے مظالم اور بداعمالیوں کا حساب لینے کا وقت آ گیا تھا۔ اللہ کی مدد و نصرت کے ساتھ فتحِ خیبر کے صرف ایک سال بعد رسول معظم ﷺ اپنے صحابہ کے ساتھ فتحِ مکہ کے لیے آگے بڑھ رہے تھے۔

حوالہ جات وحواشی

(۱) ایک باپردہ خاتون بنوقینقاع کے بازار میں گئی۔ ایک یہودی نے انہیں زبردستی بے نقاب کر دیا۔ اس کی چیخ و پکار پر ایک صحابی رسول ﷺ برداشت نہ کر سکے اور اس یہودی سے الجھ پڑے۔ لڑائی کے دوران وہ یہودی قتل ہو گیا۔ یہودیوں نے حملہ کر کے اس مسلمان کو بھی قتل کر دیا۔ یہ میثاقِ مدینہ کی صریح خلاف ورزی تھی۔ ماخوذ از الرّحیق المختوم، مبارکپوری، صفی الرحمان، المکتبہ السّلفیہ، لاہور۔ ۱۹۹۵ء۔ ۳۲۷۔

Marfat.com

(۲)ضیاء النبی، الازہری، محمد کرم شاہ، پیر، جسٹس، ضیاء القرآن پبلیکیشنز، لاہور، ج ۴، ص ۲۱۵، ۱۹۹۴ء
(۳)مذکورہ بالا حوالہ، ص ۲۱۶
(۴)سیرت النبی، شبلی نعمانی، علامہ، ناشران قرآن لمیٹڈ، لاہور، ج ا، ص ۴۹۰، ۱۹۲۰ء
(۵)A History of Medieval Islam, Page 30, J.J.Saunders, Routledge and Kegan Paul, LONDON.
(۶)اردو دائرہ معارف اسلامیہ، محمد عبداللہ، سید، ڈاکٹر، پنجاب یونیورسٹی، لاہور، ج ۱۹، ص ۲۰۲
(۷)مذکورہ بالا حوالہ
(۸)الرحیق المختوم، مبارکپوری، صفی الرحمان، المکتبہ السّلفیہ، لاہور، ص ۴۹۲، اکتوبر ۱۹۹۵ء
(۹)The Life of Muhammad, Page 763, M.Hussain Haikel, Islamic Literature Publications, LAHORE.
(۱۰)بعض مورخین کی رائے میں خیبر کے یہودیوں کی زبان میں "خیبر" قلعے کو کہتے تھے۔ یاقوت نے ایک روایت بیان کی ہے کہ یہ اس کے بانی خیبر بن قانیہ بن مہلا ئیل کے نام سے منسوب ہے۔ خیبر مدینہ سے ۱۸۴ کلومیٹر شمال میں واقع ہے۔ ماخوذ از اٹلس سیرت نبوی ﷺ دارالسّلام، لاہور، ص ۳۳۰
(۱۱)سیرت ابن ہشام، عبدالملک ابن ہشام، مقبول اکیڈمی، لاہور، ص ۵۳۱
(۱۲)ضیاء النبی، الازہری، محمد کرم شاہ، پیر، جسٹس، ضیاء القرآن پبلیکیشنز، لاہور، ج ۴، ص ۲۴۲، ۱۹۹۴ء
(13) MUHAMMAD, Page 267, Martin Lings, Suhail Academy, LAHORE.
(۱۴)سیرتُ النبی، شبلی نعمانی، علامہ، ناشران قرآن لمیٹڈ، لاہور، ج ا، ص ۸۰۷
(۱۵)A History of Medieval Islam, Page 31, J.J.Saunders, Routledge and Kegan Paul, LONDON.
(۱۶)اسرار احمد، ڈاکٹر، میثاق، لاہور، جنوری ۲۰۰۵، ص ۱۹

Marfat.com

فتح مکہ ۰۸ھ/۶۳۰ء

معاہدۂ حدیبیہ میں دس سالہ جنگ بندی سے ریاستِ مدینہ اور مکہ کے درمیان چھ سالہ جنگی کشمکش کا خاتمہ ہو گیا۔ قریش سے صلح کے بعد آنحضور ﷺ نے یہود کے سازشی مرکز خیبر کو زیر کیا، کیونکہ یہودِ خیبر بنو غطفان کے ساتھ عسکری معاہدہ کر کے ریاستِ مدینہ پر حملہ کی تیاری کر رہے تھے۔ چنانچہ ہادی عالم ﷺ نے خیبر کو فتح کر کے یہود کی سازشی سرگرمیوں کا قلع قمع کر دیا۔ حدیبیہ کی صلح کے بعد حالات کسی قدر پرامن ہو گئے تو رسول اللہ ﷺ نے مختلف ممالک کے سلاطین کو دعوت اسلام کے لیے خطوط ارسال کیے۔ صحابیٔ رسول حارث بن عمیرؓ ایک خط لے کر شاہِ بُصریٰ کی طرف روانہ ہوئے، راستہ میں علاقہ بلقاء کے رئیس شُرحبیل بن عمرو غسانی نے انہیں گرفتار کر کے شہید کر دیا۔

اُن کا بدلہ لینے کے لیے سرورِ دو عالم ﷺ نے زید بن حارثؓ کی قیادت میں تین ہزار صحابہ کرام کو شام کی طرف روانہ کیا۔ شُرحبیل کو بھی اسلامی لشکر کی پیش قدمی کی اطلاع ملی تو اس نے ایک لاکھ کا لشکر تیار کر کے مسلمانوں کا راستہ روک لیا۔ موتہ (۱) کے مقام پر یہ عظیم معرکہ لڑا گیا، جس میں تین ہزار صحابہ کرام نے ایک لاکھ سے زیادہ رومی فوج کا مقابلہ کیا۔ اس معرکہ میں مسلمانوں کا کافی زیادہ نقصان ہوا اور تین جرنیل صحابہ زید بن حارثؓ، جعفر بن ابی طالبؓ اور عبداللہ بن رواحہؓ نے بھی جام شہادت نوش کیا۔ کفارِ مکہ کو جب مسلمانوں کے اس جانی نقصان کی اطلاع ملی تو وہ خوشی سے بغلیں بجانے لگے۔

جس طرح غزوۂ اُحد میں مسلمانوں کو پہنچنے والے نقصان کے بعد رجیع اور بئر معونہ کے دلفگار واقعات پیش آئے تھے، بعینہ جنگِ موتہ میں جرنیل صحابہ کی شہادت کو کفار مکہ نے مسلمانوں کی کمزوری پر محمول کرتے ہوئے صلحِ حدیبیہ کی خلاف ورزی شروع کر دی۔ صلحِ حدیبیہ میں ایک شق یہ بھی تھی کہ مختلف عرب قبائل اس فیصلے میں آزاد ہوں گے کہ ریاستِ مدینہ یا کفار مکہ کے ساتھ حلیفانہ تعلقات قائم کر لیں اور وہ جس فریق کے ساتھ بھی تعلق قائم کریں گے، انہیں تحفظ اور مکمل حقوق حاصل ہوں گے۔ بنو خزاعہ نے ریاست مدینہ کے ساتھ اور بنو بکر نے کفار مکہ کے ساتھ حلیفانہ معاہدہ کر لیا، بنو خزاعہ اور بنو بکر

Marfat.com

کے درمیان قبائلی دشمنی موجود تھی، بنو بکر ماضی میں بنو خزاعہ سے ہزیمت اٹھا چکے تھے اور یہ خلش اب تک ان کے دل میں موجود تھی۔

جنگِ موتہ کے بعد کفار مکہ نے ریاستِ مدینہ کے خلاف راست اقدام کا منصوبہ بنایا، پہلے مرحلے میں بنو خزاعہ کا قتلِ عام کرنا تھا، تاکہ وہ ریاستِ مدینہ کی مدد کرنے کے قابل نہ رہ سکیں اور نہ ہی قریش کی جنگی تیاریوں کی اطلاع مدینہ پہنچا سکیں۔ بعد ازاں تیاری کر کے دوبارہ مدینہ پر یلغار کرنے کا منصوبہ تھا۔(۲) منصوبے کے پہلے مرحلے کو عملی جامہ پہناتے ہوئے ایک رات بنو بکر نے بنو خزاعہ پر شب خون مارا۔ بنو خزاعہ اپنی جانیں بچانے کے لیے حرم میں داخل ہو گئے، لیکن حرم کی حرمت کو بھی پامال کرتے ہوئے بنو خزاعہ کا خون بہایا گیا۔ صلح حدیبیہ کی خلاف ورزی کرتے ہوئے بنو خزاعہ کے اس بہیمانہ قتلِ عام میں رؤسائے قریش نے بھی بنو بکر کی مدد کی۔ عکرمہ بن ابی جہل، صفوان بن اُمیہ اور سہیل بن عمرو وغیرہ نے راتوں کو بھیس بدل کر بنو بکر کے ساتھ تلواریں چلائیں۔(۳)

In the fighting which ensued, some of which took place inside the sacred territory, Quraysh helped their allies with weapons; and one or two men of Quraysh took part in the fighting under cover of darkness.(4)

"اس لڑی جانے والی جنگ کا کچھ حصہ ان مقامات پر لڑا گیا جو کہ مقدس تھے۔ (یعنی وہاں جنگ نہ لڑی جا سکتی تھی۔) قریش نے اپنے حلیفوں کو نہ صرف ہتھیار دے کر مدد کی بلکہ اندھیرے کا فائدہ اٹھا کر قریش کے ایک یا دو لوگوں نے جنگ میں باقاعدہ حصہ بھی لیا۔"

بنو خزاعہ کا ایک شخص عمرو بن سالم خزاعی اپنی جان بچا کر مدینہ پہنچا اور بنو خزاعہ کے ساتھ پیش آنے والی خونچکاں داستان سناتے ہوئے چند اشعار پڑھے، جن میں اس واقعہ کی تفصیلات کے ساتھ ساتھ مدد کی اپیل کی گئی تھی۔

ان قریشا اخلفوك موعدا و نقضو ميثاقك الموكدا

وجعلو لی فی كداء رصدا فانصر رسول الله نصرا اعتدا

ترجمہ۔ بیشک قریش نے جو آپ کے ساتھ وعدہ کیا تھا، اس کی خلاف ورزی کی اور وہ پختہ عہد جو

Marfat.com

انہوں نے آپ سے کیا تھا اس کو توڑ دیا۔ وہ کداء کی گھاٹی میں چھپ کر میری گھات لگائے بیٹھے تھے، یارسول اللہ ہماری ایسی مدد کیجئے، جو بہت قوّت والی ہو۔(۵)

عمرو خزاعی کے ان اشعار کو سماعت فرمانے کے بعد رحمتِ عالم ﷺ نے فرمایا، "اے عمرو بن سالم! تیری مدد کی گئی۔" بنوخزاعہ چونکہ آنحضور ﷺ کا حلیف قبیلہ تھا، اس لیے اس مشکل وقت میں اُن کا ساتھ دینا ریاستِ مدینہ کی ذمّہ داری تھی، چنانچہ تاجدار مدینہ ﷺ نے اپنے ایک صحابی ضمرہؓ کو کفارِ مکہ کے پاس بھیجا۔ ضمرہؓ نے سرکار دوعالم ﷺ کی طرف سے قریشِ مکہ کے سامنے تین تجاویز پیش کیں کہ وہ ان میں سے کسی بھی ایک تجویز کو قبول کرلیں۔

ا۔ بنوخزاعہ کے مقتولوں کا خون بہا ادا کریں۔

۲۔ قریش؛ بنوبکر سے اپنی دوستی کا معاہدہ ختم کردیں۔

۳۔ اعلان کردیا جائے کہ حدیبیہ کا معاہدہ ٹوٹ گیا ہے۔

بنوخزاعہ کے قتلِ عام میں چند قریش نے بنوبکر کا ساتھ دیا تھا، اس لیے قریش کے لیے یہ بات بہت آسان تھی کہ وہ بنوبکر سے لاتعلقی کی تجویز قبول کرلیتے، پھر مسلمان خود ہی بنوبکر سے نپٹ لیتے یا پھر قریشِ مکہ بنوخزاعہ کے مقتولوں کا خون بہا ادا کردیتے، لیکن اس صورت میں اُن کی معیشت کو شدید جھٹکا لگتا۔ ان دونوں تجاویز میں سے کسی ایک پر عمل کرنے سے انہیں وقتی نقصان تو پہنچتا لیکن حدیبیہ کا معاہدہ بہرحال قائم رہتا۔ لیکن تاریخ کے اس فیصلہ کن موڑ پر قریش کی مت ماری گئی، انہوں نے رعونت بھرے لہجے میں آخری تجویز منظور کرتے ہوئے معاہدۂ حدیبیہ کو کالعدم کرنے کا اعلان کردیا۔ جب انہوں نے اپنے اس فیصلے کے نتائج پر غور کیا تو انہیں اپنی غلطی کا شدید احساس ہوا، لیکن تیر کمان سے نکل چکا تھا۔

ابوسفیان نے تجدید معاہدہ کے لیے خود مدینہ جانے کا فیصلہ کیا۔ مکہ کا سردار جب مدینہ پہنچا تو اس نے یہاں کی فضا کو یکسر بدلا ہوا پایا۔ وہ اپنی بیٹی اور زوجۂ رسول اُمّ حبیبہؓ کے گھر بڑے تفاخر کے ساتھ داخل ہوا، جب وہ رسول اللہ ﷺ کے بستر مبارک پر بیٹھنے لگا تو اُمّ حبیبہ نے دوڑ کر بستر کو تہہ کردیا تاکہ وہ اس پر بیٹھ نہ سکے۔ ابوسفیان نے کہا، بیٹی! کیا تم نے اس بستر کو میرے لائق نہیں سمجھا؟ انہوں نے جواب دیا، یہ رسول اللہ ﷺ کا بستر ہے اور آپ ناپاک مشرک آدمی ہیں۔ ابوسفیان کہنے لگا، خدا کی قسم! میرے بعد تجھے شر پہنچ گیا ہے۔(۶)

Marfat.com

ابوسفیان نے حضور ﷺ کی خدمت میں حاضری دی اور تجدید صلح کے لیے گفتگو کی، آپ نے اسے کوئی جواب نہ دیا۔ اس نے سفارش کے لیے ابوبکرؓ، عمر فاروقؓ، علی المرتضٰی اور سیّدہ فاطمہؓ سے رابطہ کیا، لیکن اُن میں سے کوئی بھی اس کی سفارش کے لیے تیار نہ ہوا۔ ابوسفیان کو حالات کی سنگینی کا اندازہ ہو چکا تھا۔ اس نے سیّدہ فاطمہؓ سے یہاں تک عرض کی کہ آپؓ اپنے بیٹے حسنؓ کو حکم دیں کہ وہ لوگوں کے درمیان پناہ دینے کا اعلان کر کے ہمیشہ کے لیے عرب کا سردار ہو جائے، سیّدہ فاطمہؓ نے جواب دیا، بچوں کا ان معاملات میں کیا دخل؟۔ (۷)

ابوسفیان تجدیدِ معاہدہ کے بغیر مکہ واپس جانا نہ چاہتا تھا، چنانچہ وہ ایک بار پھر حضرت علیؓ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا کہ مجھے کوئی راستہ بتایئے کہ کیا کروں۔ حضرت علیؓ نے کہا کہ تم بنو کنانہ کے سردار ہو، لہٰذا کھڑے ہو کر لوگوں کے درمیان امان کا اعلان کر دو۔ بالآخر ابوسفیان نے خود ہی مسجد نبوی میں جا کر اعلان کر دیا کہ میں نے معاہدۂ حدیبیہ کی تجدید کر دی ہے۔ رسول اللہ ﷺ سے اس معاہدہ کی تجدید کرائے بغیر ہی وہ مکہ لوٹ گیا۔ اہلِ مکہ کے پوچھنے پر جب اس نے مدینہ کے حالات پر روشنی ڈالتے ہوئے بتایا کہ وہ خود ہی تجدید معاہدہ کر آیا ہے تو لوگوں نے کہا' تیری تباہی ہو، علی نے تجھ سے مذاق کیا ہے۔ ابوسفیان نے کہا، خدا کی قسم، اس کے علاوہ کوئی صورت نہ بن سکی۔ (۸)

آنحضور ﷺ نے صحابہ کرام کو جنگی تیاری کا حکم دے دیا، لیکن اس بات کو راز میں رکھا کہ یہ جنگی تیاری کس قوم کے خلاف ہے۔ آپ ﷺ نے ابوقتادہ بن ربعیؓ کی قیادت میں آٹھ آدمیوں کو بطنِ اضم کی طرف روانہ کیا تا کہ عام خیال یہ پیدا ہو کہ آپ بھی جنگی تیاری کے بعد بطنِ اضم کی طرف ہی کوچ کریں گے۔ حاطب بن ابی بلتعہؓ کے اہل وعیال مکہ میں رہ رہے تھے، انہوں نے سوچا کہ اگر میں اہلِ مکہ کو مدینہ کی جنگی تیاریوں کا احوال لکھ بھیجوں اور انہیں حملہ سے پہلے ہی خبردار کر دوں تو اہلِ مکہ میرے اس احسان کے بدلے میں میرے اہل وعیال کا خیال رکھیں گے، چنانچہ اس غرض سے انہوں نے آنحضور ﷺ کی جنگی تیاریوں کا احوال لکھ کر ایک عورت کو دیا اور اسے مکہ روانہ کر دیا، آپ کو وحی کے ذریعے اس خفیہ خط کی خبر ہو گئی۔ آپ ﷺ کے حکم پر حضرت علیؓ اور اُن کے ساتھیوں نے روضۂ خاخ کے مقام پر اس عورت کو پکڑ لیا اور اس کی چوٹی سے خط برآمد کر لیا۔ چونکہ حاطب مخلص اور بدری صحابی تھے اور بتقاضائے بشریت اُن سے یہ خطا سرزد ہوئی تھی اس لیے رسول اللہ ﷺ نے انہیں معاف کر

Marfat.com

دیا۔(۹)

تاجدارِ کونین ﷺ اپنے دس ہزار صحابہ کے ساتھ مدینہ سے روانہ ہوئے۔مرّ الظہران کے مقام پر جب شب بسری کے لیے پڑاو ڈالا گیا تو رسول اُمّی ﷺ نے دشمن کو نفسیاتی طور پر مرعوب کرنے کے لیے حکم دیا کہ ہر سپاہی اپنے لیے الگ آگ روشن کرے تاکہ اگر دشمن کے کچھ لوگ جاسوسی کے لیے ادھر آئیں اور ہر طرف آگ روشن دیکھیں تو انہیں یہ بہت بڑا لشکر معلوم ہو۔آپ ﷺ کی یہ حکمتِ عملی کامیاب رہی، اسی رات ابوسفیان حکیم بن حزام اور بدیل بن ورقاء بھی تحقیقِ احوال کے لیے ادھر آ نکلے، کیونکہ انہیں بھی لشکرِ اسلام کی آمد کی بھنک پڑ گئی تھی۔جب انہوں نے بلندی پر کھڑے ہو کر دس ہزار چولہوں میں آگ روشن دیکھی تو وہیں پر نفسیاتی جنگ ہار گئے اور آپس میں چہ میگوئیاں کرنے لگے۔حضرت عباسؓ بھی پاس سے گزرے تو اُن کی آوازیں پہچان کر انہیں پکارا اور انہیں بتایا کہ محمد ﷺ ایک بہت بڑا لشکر لے کر آ پہنچے ہیں، اب قریش کی خیر نہیں۔ابوسفیان انتہائی مرعوب ہو چکا تھا، اس نے عباسؓ سے کہا کہ مجھے کوئی راستہ بتاؤ کہ کیا کروں۔عباسؓ نے کہا کہ میرے پیچھے خچر پر سوار ہو جاؤ اور حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر بات چیت کرو۔چنانچہ مکہ کا سردار امان حاصل کرنے کے لیے عباسؓ کے خچر پر سوار ہو کر رسول رحمت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتا ہے۔ابوسفیان کو لشکر سے گزرتے ہوئے فاروق اعظمؓ نے دیکھ لیا، وہ رسول اللہ ﷺ کی طرف دوڑے، تاکہ ابوسفیان کے قتل کی اجازت حاصل کریں۔لیکن عباسؓ پہلے پہنچ کر عرض کرتے ہیں کہ اے رسول اللہ ﷺ میں اسے پناہ دے کر لایا ہوں۔عباسؓ کی یہ بات سن کر آپ ﷺ نے بھی ابوسفیان کو پناہ دے دی۔آپ ﷺ کی اجازت سے عباسؓ نے ابوسفیان کو رات اپنے خیمے میں رکھا اور اگلی صبح اسے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر کر دیا۔مختصر گفتگو کے بعد سردارِ مکہ ابوسفیان نے اسلام قبول کر لیا۔مکہ کا سردار، جس نے مزاحمت کے لیے فوج جمع کرنا تھی اور اپنے شہر کا دفاع کرنا تھا، حالات کی گرفت میں آ کر نفسیاتی جنگ ہار گیا اور لشکرِ اسلامی کے مکہ میں داخلے سے قبل ہی مُشرف بہ اسلام ہو گیا۔اس کو ذہنی اور نفسیاتی طور پر مزید مرعوب کرنے کی غرض سے نبی اُمّی ﷺ نے عباسؓ کو حکم دیا کہ ابوسفیان کو لے کر ایسی جگہ کھڑے ہو جائیں، جہاں سے وہ پورے لشکرِ اسلام کا مشاہدہ کر سکے۔اسلامی لشکر کے چاک و چوبند، زرہ پوش، ہتھیاروں سے لیس فوجی دستے اس کے سامنے سے گزرتے رہے، انہیں دیکھ دیکھ کر سردارِ مکہ کا دل

Marfat.com

بیٹھتا گیا۔ جب وہ دستہ جس کی قیادت سعد بن عبادہؓ کر رہے تھے گزرا تو سعد بن عبادہؓ نے ابوسفیان کی طرف دیکھ کر نعرہ لگایا۔

الیوم یوم الملھمة　　　الیوم تستحل الحرمة

آج خون ریزی کا دن ہے، آج حرمت حلال کر دی جائیگی۔

ابوسفیان اس قدر ڈرا ہوا تھا کہ سعد بن عبادہؓ کے اس نعرے کو سن کر اس نے رسول اللہ ﷺ سے اُن کی شکایت کی۔ آپ ﷺ نے ابوسفیان کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا۔

الیوم یوم المرحمة (آج کا دن رحمت کا دن ہے)۔ چونکہ سعدؓ نے آنحضور ﷺ کی اجازت کے بغیر یہ الفاظ کہے تھے، اس لیے آپ ﷺ نے اُن سے جھنڈا لے کر اُن کے بیٹے قیسؓ کے حوالے کر دیا۔ پھر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا، جو کوئی بھی مسجد حرام میں داخل ہو جائے گا، یا ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو جائے گا، یا اپنا دروازہ بند کر لے گا، اسے امان دی جائے گی۔ بشرطیکہ کسی قابلِ تعزیر جرم کا مجرم نہ ہو۔ (۱۰)

رسول اللہ ﷺ کے اس عفو و درگزر کے باوجود مکہ کے چند کوتاہ اندیش اوباشوں نے عکرمہ بن ابی جہل، صفوان بن اُمیہ اور سہیل بن عمرو کے ساتھ مل کر مزاحمت کی کوشش کی، لیکن خالد بن ولیدؓ نے معمولی لڑائی کے بعد اس چھوٹے سے گروہ کو منتشر کر دیا، کچھ قتل ہوئے باقی فرار ہو گئے، کسی اور طرف سے کوئی خاص مزاحمت نہ ہوئی۔

An army of 10,000 men marched on Mecca; Abu Sufyan offered his submission, and apart from a minor clash, no blood was shed, and the prophet took possession of his birthplace in placid triumph.(11)

"دس ہزار لوگوں پر مشتمل لشکر نے مکہ کی طرف پیش قدمی شروع کر دی۔ ابوسفیان نے اپنی اطاعت کا اظہار کیا۔ ماسوائے ایک معمولی جھڑپ کے کوئی خونریزی نہ ہوئی اور آقائے دو عالم ﷺ نے اپنے آبائی وطن کا قبضہ امن و آشتی سے حاصل کر لیا۔"

اسلامی لشکر مختلف اطراف سے مکہ میں داخل ہوا۔ وہ مکہ، جس کی سرزمین نے ۵۳ سال تک محسن کائنات ﷺ کے قدم مبارک چومنے کا شرف حاصل کیا تھا، لیکن اس کی فضائیں محسن اعظم ﷺ کے

Marfat.com

جسمِ اطہر کے بوسے لینے کو ترس گئی تھیں۔ وہ مکہ جس کے رہنے والوں نے آٹھ سال قبل راحتِ جان ﷺ کو اپنے سے دور کیا تھا اور انہیں یہ شہر چھوڑنے پر مجبور ہونا پڑا۔ آج وہ رسول ذی احترام ﷺ اس شان سے اس شہر مکہ میں داخل ہو رہا ہے کہ اس کے ساتھ دس ہزار جانثاروں کا لشکر ہے، مکہ کا سردار لشکر اسلام کے شہر میں داخلے سے قبل ہی اسلام قبول کر چکا ہے، باقی کفار اپنی زبانیں دانتوں میں دبائے دم بخود ہیں اور رسول مکرم ﷺ کے مکہ میں فاتحانہ داخلے کا منظر اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں، لیکن مکہ میں داخل ہونے والے اس فاتح اعظم ﷺ کا سر مبارک عاجزی اور انکساری سے جھکا ہوا ہے، فاتحانہ تکبر اور نخوت کا شائبہ تک نہیں۔

The city capitulated almost without a blow and nearly all the inhabitants accepted Islam. Thus the patience, the risks accepted, the restraint imposed on the followers throught the preceding years of negotiations at last bore fruit.(12)

"شہر مکہ کسی قابل ذکر معرکہ کے بغیر ہی فتح ہو گیا۔ تقریباً تمام لوگوں نے اسلام قبول کر لیا۔ لہٰذا مسلمان خود پر لگائی جانے والی پابندیوں سے آزاد ہوئے۔ اور انہیں ان کے صبر و استقامت کا پھل حاصل ہوا۔ اور ان مصیبتوں کا بھی ازالہ ہوا جو انہوں نے گذشتہ سالوں میں اٹھائی تھیں۔"

سرورِ دو عالم ﷺ اپنے صحابہ کرام کے ساتھ حرم میں تشریف لائے، حجر اسود کو بوسہ دیا، بیت اللہ کا طواف کیا، اس وقت آپ ﷺ کے ہاتھ میں ایک کمان تھی، آپ ﷺ اسے لیے ہوئے ایک ایک بت کے پاس جا کر پکارتے۔

﴿جآء الحق وزھق الباطل۔ ان الباطل کان زھوقا﴾ (بنی اسرائیل آیت ۸۱)

(حق آ گیا اور باطل چلا گیا، بیشک باطل جانے ہی والا ہے۔)

یہ آیت مبارکہ تلاوت فرماتے ہوئے آپ ﷺ جس بت کو ٹھوکر لگاتے وہ اوندھے منہ گر جاتا، پھر آپ ﷺ نے کعبہ کی کنجی منگوا کر دروازہ کھلوایا۔ کعبہ کے اندر ابراہیمؑ اور اسماعیلؑ کی تصاویر بنی ہوئی تھیں اور اُن کے ہاتھوں میں پانسے کے تیر دکھائے گئے تھے۔ آپ ﷺ نے یہ منظر دیکھ کر فرمایا:

"اللہ ان مشرکین کو ہلاک کرے۔ خدا کی قسم، ان پیغمبروں نے کبھی بھی فال کے تیر استعمال نہ

Marfat.com

کیے تھے۔"(۱۳)

آہستہ آہستہ کعبہ کے قریب اہلِ مکہ کی کافی تعداد جمع ہو گئی، جو اپنے بارے میں فیصلے کے منتظر تھے۔ آپ ﷺ خطبہ ارشاد فرمانے کے بعد قریش کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا، اے قریش کے لوگو! تمہارا کیا خیال ہے، میں تمہارے ساتھ کیا سلوک کرنے والا ہوں؟ انہوں نے بیک زبان کہا، آپ ﷺ ہمارے کریم بھائی ہیں اور کریم بھائی کی اولاد ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔ جاؤ، آج کے دن تم سب آزاد ہو۔(۱۴)

In the decisive moment, God gave him power over his enemy. But Muhammad(S.A.W) chose to forgive, thereby giving to all mankind and all the generations the most perfect example of goodness, of truthfulness, of nobility and magnanimity.(15)

"اس فیصلہ کن مرحلہ پر اللہ نے انہیں اپنے دشمنوں پر غلبہ پانے کی طاقت دی۔ لیکن نبی کریم ﷺ نے بدلہ پر معافی کو فوقیت دی۔ اس سے آپ ﷺ نے انسانیت اور آنے والی نسلوں کے لیے امن، بھائی چارے، سلامتی اور بھلائی کی عظیم الشان مثال قائم کر دی۔"

یہ عام معافی (۱۶) اور عفو و درگزر اُن اہلِ مکہ کے لیے تھا، جنہوں نے محمد ﷺ کے سرمدی پیغام کی ڈٹ کر مخالفت کی اور اس چراغ ہدایت کے گُل کرنے میں کوئی کسر نہ چھوڑی، جنہوں نے صحابہ کرام پر مصائب کے پہاڑ توڑے، جنہوں نے صحابہ کو بے گھر کرنے کے بعد حبشہ تک اُن کا پیچھا کیا۔ محمد ﷺ کو بنی ہاشم کے ساتھ شعبِ ابی طالب میں محصور کیے رکھا، راستوں میں کانٹے بچھائے، ہر طرح کی جسمانی اور ذہنی اذیتیں دیں اور سب سے بڑھ کر رسول اللہ ﷺ کے قتل کا منصوبہ تیار کیا۔ جب رسول اللہ ﷺ مکہ سے ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لے گئے تو اِن اہلِ مکہ نے ریاستِ مدینہ کے ساتھ جنگوں کا طویل سلسلہ شروع کر دیا۔ رسول اللہ ﷺ اپنے صحابہ کے ساتھ عمرہ کی سعادت حاصل کرنے کے لیے آئے تو انہیں مکہ میں داخلے کی اجازت تک نہ دی گئی۔ ان نابکاروں اور ناہنجاروں کا ایک ایک جرم اُن کی سزا کے لیے کافی تھا، لیکن رسولِ رحمت ﷺ نے ایسے مجرموں کے لیے عام معافی کا اعلان فرما کر سرزمینِ مکہ کے ساتھ ساتھ اہلِ مکہ کے دلوں کو بھی مسخر کر لیا۔ فتحِ مکہ دنیا

Marfat.com

کی تاریخ کی ایسی واحد مثال ہے، جس میں نہ خون کی ندیاں بہیں، نہ کشتوں کے پشتے لگے، نہ جائیدادیں غصب کی گئیں اور نہ ہی سیاسی مخالفین کو جلا وطن کیا گیا، بلکہ دہرے اور تہرے جرائم کے مرتکب افراد کو بھی عام معافی دے دی گئی اور دشمن ریاست کے سربراہ کے گھر کو دارالامن قرار دیا گیا۔ درحقیقت مکہ کی فتح رحمتوں اور برکتوں کی فتح تھی جس نے جسموں کے ساتھ ساتھ روحوں کو بھی تسخیر کیا۔

حوالہ جات وحواشی

(۱) موتہ کا مقام ملک اردن میں ہے۔ زید بن حارثہؓ، جعفر بن ابی طالبؓ اور عبداللہ بن رواحہؓ کی شہادت کے بعد خالد بن ولیدؓ نے علم سنبھالا اور لشکر اسلامی کو بحفاظت پیچھے لے آئے۔ مؤلف

(۲) اردو دائرہ معارف اسلامیہ، محمد عبداللہ، سید، ڈاکٹر، پنجاب یونیورسٹی، لاہور، ج ۲۰، ص ۲۰۹

(۳) سیرت النبی، شبلی نعمانی، علامہ، ناشران قرآن لمیٹڈ، لاہور، ج ۱، ص ۵۲۵، ۱۹۲۰ء

(۴) MUHAMMAD, Page 291, Martin Lings, Suhail Academy, LAHORE.

(۵) ضیاء النبی، الازہری، محمد کرم شاہ، پیر، جسٹس، ضیاء القرآن پبلیکیشنز، لاہور، ج ۴، ص ۴۰۹، ۱۹۹۴ء

(۶) الرحیق المختوم، مبارکپوری، صفی الرحمان، المکتبہ السلفیہ، لاہور، ص ۵۳۹، ۱۹۹۵ء

(۷) سیرتُ النبی، شبلی نعمانی، علامہ، ناشران قرآن لمیٹڈ، لاہور، ج ۱، ص ۵۲۶، ۱۹۲۰ء

(۸) الرحیق المختوم، مبارکپوری، صفی الرحمان، المکتبہ السلفیہ، لاہور، ص ۵۴۰، ۱۹۹۵ء

(۹) سیرت ابن ہشام، عبدالملک بن ہشام، علامہ، مقبول اکیڈمی، لاہور، ص ۵۶۶

(۱۰) محسنِ انسانیت، نعیم صدیقی، الفیصل ناشران، لاہور، ص ۴۱۶، ۲۰۰۱ء

(11) A History of Medieval Islam, Page 32, J.J.Saunders, Routledge and Kegan Paul, LONDON.

(12) Encyclopedia Bretannica, Page 642 , Volume15, William Benton, Publishers, 1968.

(۱۳) الرحیق المختوم، مبارکپوری، صفی الرحمان، المکتبہ السلفیہ، لاہور، ص ۵۵۰، ۱۹۹۵ء

Marfat.com

(۱۴) سیرت ابن ہشام، عبدالملک ابن ہشام، علامہ، مقبول اکیڈمی، لاہور، ص ۵۷۷

(15) The Life of Muhammad, Page 408, M.Hussain Haikel, Islamic Literature Publications, LAHORE.

(۱۶) عفو عام سے پہلے آپ ﷺ نے پندرہ لوگوں کے قتل کا حکم جاری کیا تھا۔ عبداللہ بن خطل اور اس کی ایک کنیز کو سزائے موت دی گئی۔ مقیس بن صبابہ اور حویرث بن نقید بھی قتل کیے گئے۔ اس طرح پندرہ میں سے صرف چار لوگ قتل کیے گئے۔ جن گیارہ کو معاف کیا گیا، ان کے نام یہ ہیں۔

۱۔ عبداللہ بن ابی سرح ۲۔ عکرمہ بن ابی جہل ۳۔ ہبار بن الاسود ۴۔ کعب بن زہیر ۵۔ حارث بن ہشام ۶۔ زہیر بن ابی اُمیہ ۷۔ صفوان بن اُمیہ ۸۔ وحشی بن حرب ۹۔ ہند بن عتبہ ۱۰۔ سارہ ۱۱۔ عبداللہ بن خطل کی ایک کنیز۔ ملخص از ضیاء النبی، الازہری محمد کرم شاہ، پیر، ضیاء القرآن پبلیکیشنز، لاہور، ج ۴، ص ۴۵۱، ۱۹۹۴ء

Marfat.com

جنگِ یمامہ ۱۲ھ / ۶۳۳ء

جنگِ یمامہ سے پہلے تمام جنگوں میں مسلمانوں کو رسول اللہ ﷺ کی قیادت اور مشاورت میسر رہی۔ آپ ﷺ کے اپنے رفیقِ اعلیٰ جل جلالہ سے ملنے کے بعد یہ پہلی جنگ تھی جس میں مسلمانوں کو بے پناہ فوجی طاقت، ڈسپلن، تنظیم اور بہادری کا ثبوت دینا تھا۔ اس جنگ کی نوعیت اس لحاظ سے بھی جداگانہ تھی کہ پہلی تمام جنگوں میں حریف قوتیں منکرین دین ورسالت تھیں، مگر اس جنگ میں حریف ایک ایسا شخص تھا، جو خود نبوت کا دعویدار تھا، جس کے پیروکار قبائلی عصبیت کی بناء پر اس کی خاطر جانیں لٹانے کا عزم کیے ہوئے تھے، گویا اس جنگ میں شمعِ رسالت کے پروانوں کو ایک جھوٹے مدعیٔ نبوت اور اس کے پیروکاروں سے نبرد آزما ہونا تھا، جن کی تعداد ہزاروں میں تھی اور اس سے پہلے اتنی بڑی فوج سے مسلمانوں کا واسطہ نہ پڑا تھا۔

فتحِ مکہ کے بعد وفودِ قبائل کی آمد کا سلسلہ جاری رہا۔ ہجرت کے دسویں سال یمامہ سے بنو حنیفہ کا ایک وفد آنحضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، جس میں ایک شخص مسیلمہ بن حبیب بھی شامل تھا۔ مسیلمہ نے کہا کہ میں صرف اس صورت میں اسلام قبول کروں گا، اگر محمد مجھے اپنے بعد خلیفہ نامزد کریں۔ اس وقت آپ ﷺ کے ہاتھ میں کھجور کی ایک ٹہنی تھی، آپ ﷺ نے فرمایا، اگر تو اسلام قبول کرنے کے عوض مجھ سے یہ ٹہنی بھی مانگے تو میں نہ دوں گا، میں دیکھ رہا ہوں کہ تو وہی کاذب ہے، جس کے بارے میں مجھے خواب میں پہلے ہی خبر دی جا چکی ہے۔ (۱) اس بات سے مسیلمہ بہت مایوس ہوا، اس نے واپس جا کر بہت سے لوگوں کو اپنے گرد اکٹھا کیا اور خود نبی ہونے کا دعویٰ کر دیا۔ اس نے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں ایک خط بھیجا جس میں کہا گیا تھا کہ آپ اور میں نبوت میں برابر کے شریک ہیں، لہٰذا نصف ملک قریش کا اور نصف ملک میرا رہے گا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کے جواب میں تحریر فرمایا۔

"بسم اللہ الرحمن الرحیم. من محمد رسول اللہ الی مسیلمۃ الکذاب.

Marfat.com

سلام علی من اتبع الھدیٰ. امّابعد فان الارض للہ یورثھا من یشاء من عبادہ والعاقبۃ للمتقین."(۲)

(بسم اللہ الرحمان الرحیم۔محمد رسول اللہ کی طرف سے مسیلمہ کذاب کے نام۔سلامتی ہواس پر جو راہ راست پر چلے،زمین اللہ کی ملک ہے جواپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہےاس کا وارث بنا دیتا ہےاور عاقبت پرہیز گاروں کے لئے ہے۔)

بنوحنیفہ کاایک معزز فرد رجال بن عنفوہ مسلمان ہوکر مدینہ آ گیا،یہاں اس نے قرآن مجید پڑھا، اسلامی عقائد و تعلیمات سے آگاہی حاصل کی اور رسول اللہ ﷺ کا اعتماد حاصل کر لیا۔آنحضور ﷺ کو جب مسیلمہ کے ارتداد کاعلم ہواتو آپ ﷺ نے رجال بن عنفوہ کومسیلمہ کے پاس بھیجا تا کہ اس کونصیحت کی جائے اوراہلِ یمامہ کوگمراہی سے بچایا جائے۔رجال بھی یمامہ پہنچ کرمرتد ہوگیااور مسیلمہ کے حلقۂ ارادت میں داخل ہو گیا۔رجال کے ارتداد کے اثرات مسیلمہ کے حق میں بہت مفید رہے۔اس کی دیکھادیکھی لوگ بڑی تعداد میں مسیلمہ کے گروہ میں شامل ہونے لگے۔کچھ ہی عرصہ میں اُس کے پیروکاروں کی تعداد چالیس ہزار تک جا پہنچی۔اُس کے پیروکاروں کی ایک بڑی تعداد محض قبائلی تعصب کی وجہ سے اس کی ہمنوا تھی،ورنہ انہیں اُس کے کاذب ہونے میں کوئی شک نہیں تھا۔جب بنی نمر قبیلے کے سردار طلیحہ نے مسیلمہ کے ساتھ مختصر گفتگو کے بعد جان لیا کہ مسیلمہ اپنے دعوئ نبوت میں جھوٹا ہےتو کہنے لگا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ تو کذّاب ہےاور محمد (ﷺ) صادق ہیں لیکن ربیعہ قبیلے کا کذّاب ہمیں مضر قبیلے کے صادق سے زیادہ محبوب ہے،اور پھر یہ اُجڈ بدواس کا پیروکار بن گیااور عقرباء کے روزاس کے ساتھ ہی قتل ہوا۔(۳)

خلیفۂ اوّل ابوبکر صدیقؓ نے مسیلمہ کی سرکوبی کے لئے عکرمہؓ بن ابی جہل کوروانہ کیااوراُن کی مدد کے لیے شُرحبیل بن حسنہؓ (۴) کواُن کے پیچھے بھیجا۔عکرمہؓ نے شُرحبیلؓ کاانتظار کیے بغیر مسیلمہ پرحملہ کر دیا۔مسیلمہ کالشکر بہت بڑا تھا اور جنگی ساز وسامان سے بھی پوری طرح لیس تھا،اس لیے عکرمہؓ نے شکست کھائی۔ابوبکرؓ کواطلاع ہوئی تو بہت خفا ہوئے۔ناراض ہوکر عکرمہؓ کو دوسری مہم پرروانہ کر دیا اور شُرحبیلؓ کوحکم دیا کہ وہ جہاں ہیں،وہیں رکے رہیں،یہاں تک کہ خالد بن ولیدؓ اُن کے پاس پہنچ جائیں۔(۵)

Marfat.com

صدیق اکبرؓ نے خالد بن ولیدؓ کو مسیلمہ کے مقابلے کے لیے روانہ کیا، اُن کے لشکر میں زید بن خطابؓ، ثابت بن قیسؓ، براء بن مالکؓ، ابو حذیفہ بن عتبہؓ عمار بن یاسرؓ ابو دجانہؓ اور عبد الرحمان بن ابو بکرؓ جیسی نابغۂ روزگار ہستیاں بھی شامل تھیں۔ لشکر اسلام تیزی سے یمامہ کی طرف بڑھ رہا تھا، راستہ میں بنو حنیفہ کے کچھ لوگوں سے مڈبھیڑ ہوگئی، تمام مرتدین قتل ہوئے، اُن کا سردار مجاعہ بن مرارہ گرفتار کر لیا گیا۔ یہ خالدؓ کی اس مہم میں پہلی کامیابی تھی۔ مسیلمہ شہر یمامہ سے باہر نکل کر عقرباء کے مقام پر خیمہ زن ہوا، مسلمانوں نے اتنا بڑا ٹڈی دَل پہلے کبھی نہ دیکھا تھا، سارے سپاہی سرتاپا غرقِ آہن تھے، ہر قسم کا فوجی اسلحہ اُن کے پاس تھا اور وہ مسیلمہ کی خاطر اپنی جان کی بازی لگا دینے پر تلے ہوئے تھے۔ خالدؓ نے قلب کی کمان اپنے پاس رکھی، میسرہ اور میمنہ پر بالترتیب ابنِ قیسؓ اور زید بن الخطابؓ کو مقرر کیا۔

مسیلمہ نے اپنی قوم سے کہا، آج غیرت کا دن ہے، اپنے شرف کی حفاظت کرو، جنگ کرو اور اپنی عورتوں کو بچاؤ۔ (۶) یہ کہتے ہوئے مسیلمہ نے حملہ کا حکم دے دیا۔ یہ حملہ بہت شدید اور سخت تھا، مسلمان کافی دیر تک دادِ شجاعت دیتے رہے، بالآخر ان کے پاؤں اُکھڑ گئے اور وہ پیچھے ہٹنے لگے۔ دشمن کا دباؤ اتنا زیادہ تھا کہ مسلم فوج کے بہت سے دستوں نے راہِ فرار اختیار کی۔ مشکل کی اس گھڑی میں خالد بن ولیدؓ اور دیگر بہت سے جلیل القدر صحابہ دشمن کے سامنے ڈٹے رہے۔ ثابت بن قیسؓ، زید بن خطابؓ، ابو حذیفہؓ اور سالم مولیٰ ابی حذیفہؓ نے اسی موقع پر جامِ شہادت نوش کیا۔ خالدؓ اپنی مخصوص سپاہ کے دستے کے ساتھ مسیلمہ کذاب تک پہنچے اور اس سے کہا، میرے مقابلے میں آؤ، یا اسلام قبول کر لو، تمہیں معاف کر دوں گا۔ جب مسیلمہ کی طرف سے کوئی جواب نہ آیا تو خالدؓ نے مسیلمہ کی فوج پر اس زور کا حملہ کیا کہ دشمن کا قلب ہی نہیں میمنہ اور میسرہ بھی اُلٹ پلٹ ہوگئے۔ ایسے حالات میں مسیلمہ کے جرنیل محکم بن طفیل نے اپنے لشکر کو سہارا دیا اور انہیں مسیلمہ کے باغ حدیقۃ الرحمان میں داخل ہونے کے لیے للکارا۔ مسیلمہ کی بچی کھچی فوج بھاگ کر باغ میں داخل ہوگئی اور باغ کے دروازے بند کر دیے۔ ایک بہادر انصاری صحابی براء بن مالکؓ نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ مجھے اٹھا کر باغ کے اندر پھینک دو تاکہ میں کسی طرح دروازہ کھول سکوں۔ براءؓ کو اٹھا کر اندر پھینک دیا گیا، وہ تیزی سے دروازے کی طرف بڑھے اور اسے کھولنے میں کامیاب ہوگئے۔ اس جدوجہد میں انہوں نے دشمن کے تقریباً ایک سو سپاہیوں کو موت کے گھاٹ اتارا اور خود انہیں اسّی کے قریب زخم آئے۔ دروازہ کھل جانے سے مسلمان

Marfat.com

فوج باغ کے اندر داخل ہوگئی، طرفین بڑی بے جگری سے لڑے۔ اتنی خونریزی اور قتل و غارت ہوئی کہ اس باغ کا نام ہی حدیقۃ الموت پڑ گیا۔ (۷)

دادِ شجاعت دینے والے مسلمان سپاہیوں میں ایک سپاہی ایسا بھی تھا جو آج ماضی کا حساب برابر کر کے رضائے الٰہی کا متمنی تھا۔ اس کے سامنے غزوہ اُحد کا وہ دلفگار منظر تھا، جب اس نے اپنے نیزے سے رسول اللہ ﷺ کے عم محترم حمزہؓ کو شہید کر دیا تھا، آج وہ مسیلمہ کذاب کو قتل کر کے اپنے اس گناہ کی تلافی چاہتا تھا، دورانِ جنگ وحشیؓ کو یہ موقع میسر آ ہی گیا، مسیلمہ جونہی اُن کے نشانے پر آیا، وحشیؓ کا نیزہ اُس کے جسم سے پار ہو گیا۔ (۸)

For several months there was fighting over the greater part of Arabia; at last unity triumphed over discord, and the victory of Khalid(R.A) at Akraba in 633, where the Banu-Hanifa were crushed and the 'false prophet' Musailima killed, established for all time the dominance of Islam in the land of its birth.(9)

" کئی مہینوں تک عرب کے اکثر علاقوں میں لڑائی ہوتی رہی۔ بالآخر اتحاد نے ناموافقت پر فتح پائی، اور ۶۳۳ء میں خالدؓ کی عقرباء کے مقام پر فتح کے بعد امن قائم ہو گیا۔ یہیں بنوحنیفہ کا خاتمہ ہوا اور نبوت کا جھوٹا دعویدار مسیلمہ بھی قتل ہوا۔ اس کے بعد اسلام کی اس علاقہ پر دسترس قائم ہو گئی جہاں سے یہ (آفتابِ حق) طلوع ہوا تھا۔"

لڑائی کے خاتمے پر اب حضرت خالدؓ کا ارادہ یمامہ کے شہر پر حملہ آور ہونے کا تھا۔ آپؓ کے اس ارادے کو دیکھتے ہوئے مسیلمہ کے پہلے سے گرفتار ساتھی مجاعہ بن مرارہ نے ایک چال چلتے ہوئے خالدؓ سے کہا کہ آپ یہ ہرگز خیال نہ کریں کہ آپ نے بنوحنیفہ پر مکمل فتح حاصل کر لی ہے۔ بلکہ جتنے سردار قتل ہوئے ہیں اس سے کہیں زیادہ جنگجو یمامہ کے قلعے میں موجود ہیں جن کی طرف سے کافی مزاحمت ہوگی، اگر آپ مجھے رہا کر دیں تو میں شہر میں جا کر انہیں اس بات پر راضی کر سکتا ہوں کہ وہ بغیر جنگ کے صلح کے ذریعے شہر مسلمانوں کے حوالے کر دیں۔ خالدؓ نے اسے رہا کر دیا، مجاعہ شہر کے قلعے میں گیا، وہاں سوائے بوڑھوں، عورتوں اور بچوں کے کوئی نہ تھا، مجاعہ نے انہیں کو مسلح کر کے فصیل پر کھڑا کر دیا، تاکہ مسلمانوں کو

Marfat.com

دھوکہ دے کر نرم شرائط پر صلح کے لیے تیار کر لیا جائے۔ مجاعہ یہ اہتمام کر کے واپس آیا اور خالدؓ سے کہنے لگا، بنو حنیفہ کی طاقت کا مشاہدہ کرنے کے لیے ذرا فصیل کے اوپر دیکھیں، خالدؓ نے دیکھا تو دشمن کے سپاہیوں کی ایک بڑی تعداد دکھائی دی، خالدؓ اب جنگ کو مزید طول نہ دینا چاہتے تھے، اس لیے آپ نے مجاعہ سے کہا کہ آدھے فوجیوں، سارے سونے چاندی اور دوسری پیداوار اور ملکیتوں پر صلح کر لو۔ چالاک مجاعہ نے یہ شرط رد کر دی اور چوتھائی خالدؓ کو دینے کی پیشکش کی، جسے بالآخر خالدؓ نے قبول کر لیا۔ (۱۰)

جب قلعے کے دروازے کھولے گئے تو خالدؓ کو حقیقت کا علم ہوا کہ یہاں تو بوڑھوں، عورتوں اور بچوں کے سوا کوئی نہ تھا اور مجاعہ نے انہیں دھوکہ دیا تھا۔ صلح نامہ سے بنو حنیفہ کے کچھ جنگجو بھی بچ گئے جو جنگ کے دوران روپوش ہو گئے تھے۔ آپؓ نے مجاعہ سے کہا کہ تم نے ہمیں دھوکہ کیوں دیا؟ مجاعہ نے جواب دیا کہ اپنی قوم کے ساتھ وفا کرنا میرا فرض تھا، حضرت خالدؓ نے اُس کے اِس دھوکہ اور جھوٹ کے باوجود صلح نامہ کو برقرار رکھا۔ صلح کی تکمیل ہو چکی تھی کہ ابوبکر صدیقؓ کا حکم پہنچا کہ بنی حنیفہ کے تمام جنگجو مردوں کو قتل کر دیا جائے لیکن حضرت خالدؓ نے صلح نامہ طے پا جانے کے بعد ایسا کرنے سے معذوری ظاہر کر دی، کیونکہ یہ بدعہدی کے مترادف تھا، مسلمانوں کا یہ طرزِ عمل دیکھ کر بنو حنیفہ نے اسلام قبول کر لیا۔ (۱۱)

جنگِ یمامہ ابتدائی مسلم تاریخ کا نہایت اہم معرکہ ہے جس میں صحابہ کرام نے قوتِ ایمانی سے جھوٹے مسیلمہ اور اس کے ہزاروں پیروکاروں کو نیست و نابود کر دیا۔ چونکہ اس جنگ میں مسلمانوں کا مقابلہ ایک ایسے شخص سے تھا جو خود بھی نبوت کا دعویدار تھا، اس لیے بہت سے نو مسلم قبائل اس جنگ کو معرکۂ حق و باطل سمجھ رہے تھے، اگر خدانخواستہ مسلمانوں کو اس جنگ میں شکست ہو جاتی تو تحریکِ اسلامی کو اپنے ابتدائی مرحلے میں ہی ناقابلِ تلافی نقصان پہنچ سکتا تھا۔ صحابہ کرام کو بھی اس پہلو کی نزاکت کا احساس تھا، اس لیے صحابہ کرام کی بڑی تعداد نے اس جنگ میں شرکت کی اور ناموسِ ختم نبوت ﷺ پر اپنی جانیں قربان کر دیں۔ اس جنگ میں بہت سے حفاظ صحابہ نے جامِ شہادت نوش کیا۔ مفسر قرآن جسٹس پیر کرم شاہ الازہری آیت مبارکہ

﴿ قل للمخلفین من الاعراب ستدعون الی قوم اولی باس شدید تقاتلونهم او یسلمون ﴾ (سورۃ فتح، آیت ۱۶)

Marfat.com

(فرما دیجئے ان پیچھے چھوڑے جانے والے بدوی عربوں کو کہ عنقریب تمہیں دعوت دی جائے گی، ایک ایسی قوم سے جہاد کی جو بڑی سخت جنگجو ہے، تم ان سے لڑائی کرو گے یا وہ ہتھیار ڈال دیں گے۔)

کی تفسیر کے ضمن میں لکھتے ہیں "اس آیت مبارکہ میں جس قوم سے مسلمانوں کی لڑائی کا ذکر ہو رہا ہے وہ بنو حنیفہ کی قوم ہے اور اس لڑائی سے مراد جنگِ یمامہ ہے، کیونکہ یہ پہلا معرکہ ہے جو اس آیت مبارکہ کے نزول کے بعد مسلمانوں اور ایک ایسی قوم کے درمیان ہوا جس پر اولی باس شدید کا صحیح اطلاق ہوتا ہے اور اس کا انجام بھی تقاتلونهم او یسلمون کے عین مطابق ہوا۔ حضرت نافع ابن خدیج ؓ فرماتے ہیں کہ ہمیں یہ علم نہ تھا کہ وہ جنگجو قوم کون سی ہے، جس کے ساتھ ہمیں جنگ کی دعوت دی جائے گی۔ حضرت صدیق اکبرؓ نے ہمیں بنو حنیفہ کے ساتھ جنگ کرنے کی دعوت دی تو ہم جان گئے کہ یہی وہ قوم ہے جس کا اس آیت مبارکہ میں ذکر کیا گیا ہے۔" (١٢)

حوالہ جات وحواشی

(١) تاریخ ملت، میرٹھی، زین العابدین، شہابی، انتظام اللہ، ادارہ اسلامیات لاہور، ج ا، ص ١٧٥، ١٩٩١ء

(٢) تاریخ اسلام، نجیب آبادی، اکبر شاہ، فرید بک ڈپو، دہلی، ج ا، ص ٢٧٦

(٣) البدایہ والنہایہ، ابن کثیر، عماد الدین، علامہ، مترجم عبدالرشید ندوی، اختر فتح پوری، نفیس اکیڈمی کراچی، ج ٦، ص ١١٧٥، جون ١٩٨٨ء

(٤) بعض کتابوں میں ان کا نام شرجیل تحریر ہے جو درست نہیں۔ مزار مبارک اردن میں ہے۔ مؤلف

(٥) مختصر اردو دائرہ معارف اسلامیہ، محمد عبداللہ، سید، ڈاکٹر، پنجاب یونیورسٹی، لاہور، ص ٩٢٧

(٦) البدایہ والنہایہ، ابن کثیر، عماد الدین، علامہ، مترجم عبدالرشید ندوی، اختر فتح پوری، نفیس اکیڈمی، کراچی، ج ٦، ص ١١٨١، جون ١٩٨٨ء

(٧) مختصر اردو دائرہ معارف اسلامیہ، محمد عبداللہ، سید، ڈاکٹر، پنجاب یونیورسٹی، لاہور، ص ٩٣٧

(٨) تاریخ الخلفاء، سیوطی، جلال الدین، علامہ، مترجم اقبال الدین احمد، نفیس اکیڈمی، کراچی، ص ٨١، ١٩٨٣ء

Marfat.com

(9)A History of Medieval Islam, Page 41, J.J.Saunders, Routledge and Kegan Paul, LONDON,1965.

(۱۰) خلافتِ راشدہ کی جمہوری قدریں، رشید اختر ندوی، ادارہ معارف ملّی، لاہور، ص ۲۷۰، اپریل ۱۹۶۶ء

(۱۱) مختصر اردو دائرہ معارف اسلامیہ، محمد عبداللہ، سید، ڈاکٹر، پنجاب یونیورسٹی، لاہور، ص ۹۴۷

(۱۲) ضیاء القرآن، الازہری، محمد کرم شاہ، پیر، جسٹس، ضیاء القرآن پبلیکیشنز، لاہور، ج ۴، ص ۵۴۹، ۱۴۰۰ھ

Marfat.com

جنگ یرموک ۱۵ھ/۶۳۶ء

مشرقی بازنطینی ایمپائر بہت بڑی عسکری طاقت تھی، جس کا دارالحکومت قسطنطنیہ تھا۔(۱) اس کے مقابلے میں ایران کی ساسانی سلطنت تھی۔ان دونوں بڑی طاقتوں کے درمیان اکثر معرکہ آرائی ہوتی رہتی تھی۔رومی اہلِ کتاب ہونے کی وجہ سے اپنے آپ کو ایرانیوں سے زیادہ معزز و محترم خیال کرتے تھے۔

صلح حدیبیہ کے بعد آنحضور ﷺ نے جب مختلف سلاطین کو خطوط لکھے اور انہیں دعوتِ اسلام دی تو ایک صحابی دحیہ کلبیؓ کو قیصر روم کی طرف روانہ فرمایا۔قیصرِ روم نے خط پا کر حکم دیا کہ اگر ہماری حدود سلطنت میں کوئی عرب باشندہ کسی غرض سے آیا ہو تو اسے میرے پاس لاؤ، تا کہ میں اُس سے محمد ﷺ کے بارے میں معلوم کروں۔اتفاق سے ابوسفیان تجارت کے لئے شام آئے ہوئے تھے۔قیصر کے سپاہی انہیں اپنے ساتھ قیصر کے محل میں لے گئے۔قیصر نے اُن سے اسلام اور محمد ﷺ کے بارے میں چند سوالات کئے۔ابوسفیان اس وقت دشمنِ اسلام ہونے کے باوجود اسلام اور محمد ﷺ کے بارے میں جھوٹ نہ بول سکے اور قیصر کے تمام سوالات کے جواب میں سب کچھ سچ سچ بتا دیا۔ابوسفیان سے گفتگو کے بعد اسے نبی کریم ﷺ کی صداقت اور نبوت کا پورا یقین ہو گیا۔اس نے ابوسفیان سے کہا، اگر تمہارے جوابات صحیح ہیں تو میری قدم گاہ تک اس شخص کا قبضہ ہو جائے گا۔مجھ کو معلوم تھا کہ ایک پیغمبر آنے والا ہے لیکن یہ خیال نہ تھا کہ وہ عرب میں آئے گا۔(۲)

اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ سے قیصر کا یہ پہلا غائبانہ تعارف تھا اور وہ رسول کریم ﷺ کی ذاتِ مبارکہ سے بے حد متاثر ہوا۔حضور ﷺ نے قیصرِ روم کے زیر کنٹرول علاقے بُصریٰ کے حاکم کی طرف بھی اپنے صحابی حضرت حارثؓ بن عمیر کو اسلام کا دعوت نامہ دے کر بھیجا۔بلقاء کے رئیس شُرحبیل بن عمرو نے آپ کے اس قاصدِ محترم کو شہید کر دیا جن کی شہادت کا بدلہ لینے کے لیے جنگِ موتہ ہوئی، جس میں صرف تین ہزار صحابہ کرام نے ایک لاکھ رومیوں کا مقابلہ کیا۔اسی جنگ میں زید بن حارثہ

Marfat.com

ؓ جعفر بن ابی طالب ؓ، اور عبداللہ بن رواحہ ؓ جیسے عظیم صحابہ کرام اور جرنیل شہید ہوئے۔ جنگ مؤتہ میں اس فتح سے رومیوں کے حوصلے بلند ہوئے اور اب وہ عرب پر حملہ آور ہونے کے منصوبے بنانے لگے۔ جب رومیوں کے ان ناپاک عزائم کی خبریں تواتر کے ساتھ مدینہ پہنچنے لگیں تو آنحضور ﷺ ۹ ھ کو تیس ہزار صحابہ کے ساتھ تبوک پہنچے، رومی مقابلہ میں آنے کی جرأت نہ کر سکے، لیکن اس کے باوجود رومیوں کی طرف سے خطرہ بدستور موجود تھا۔ اسی خطرہ کے انسداد کے لیے آپ ﷺ نے اُسامہ بن زید ؓ کو ایک لشکر کے ساتھ شام بھیجنے کا فیصلہ کیا، لیکن ابھی لشکر کی رَوانگی نہ ہوئی تھی کہ آپ ﷺ کا وصال ہو گیا۔

حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے اپنے دورِ خلافت کے آغاز میں ہی اس لشکر کو روانہ کیا۔ ۱۳ھ میں آپ ؓ نے سلطنتِ رومہ سے ٹکرانے کے لیے صحابہ کرام سے مشاورت طلب کی اور شام پر فوج کشی کا فیصلہ کیا۔ آپ ؓ نے شام کے ہر حصے میں الگ فوج روانہ کی۔ دمشق کی مہم پر یزید بن ابی سفیان ؓ، حمص پر ابوعبیدہ بن الجراح ؓ، اردن پر شُرحبیل بن حسنہ ؓ اور فلسطین پر عمرو بن العاص ؓ کو بھیجا۔ دوسری طرف ایران میں خالد بن ولید ؓ اور مثنیٰ بن حارثہ ؓ نے فتوحات کا سلسلہ شروع کیا ہوا تھا۔ قیصرِ روم "ہرقل" کو جب مسلمانوں کی شام کی طرف پیش قدمی کی خبر پہنچی تو اس نے بھی جنگی تیاریاں شروع کر دیں اور مختلف لشکر الگ الگ سمتوں میں روانہ کیے تاکہ مسلمانوں کو ایک جگہ جمع ہونے سے پہلے ہی منتشر کر دیا جائے۔

رومیوں کی کثیر افواج کی وجہ سے صدیق اکبر ؓ نے خالد بن ولید ؓ کو حکم بھیجا کہ فوراً عراق کا انتظام مثنیٰ بن حارثہ ؓ کے ہاتھوں میں دے کر شام چلے جائیں۔ خالد بن ولید ؓ نے شام پہنچ کر بُصریٰ کا محاصرہ کر لیا اور اسے جلد ہی فتح کرنے کے بعد عمرو بن العاص ؓ کی مدد کے لئے فلسطین روانہ ہو گئے۔ جنگِ اجنادین میں رومیوں کی ایک بڑی فوج کو شکست دینے کے بعد عساکرِ اسلامی نے دمشق کا محاصرہ کر لیا۔ ابوعبیدہ ؓ اور خالد بن ولید ؓ نے تین ماہ تک شہر کا محاصرہ کیے رکھا، لیکن اس کا دفاع بہت مضبوط تھا۔ ابھی دمشق کا محاصرہ جاری تھا کہ صدیق اکبر ؓ انتقال فرما گئے۔ حضرت عمر فاروق ؓ نے منصبِ خلافت سنبھالا تو خالد بن ولید ؓ کے اختیارات کم کر کے انہیں ابوعبیدہ بن جراح ؓ کے ماتحت کر دیا۔ مسلمانوں نے دمشق کا محاصرہ برابر جاری رکھا۔ ہرقل نے حمص سے اہلِ دمشق کی مدد کے لئے افواج بھیجیں، لیکن راستے مسدود ہونے کی وجہ سے وہ دمشق نہ پہنچ سکیں۔ انہیں دنوں بطریقِ دمشق کے گھر ایک لڑکا پیدا ہوا، سارا شہر اس خوشی میں رنگ رلیوں میں مصروف ہو گیا۔ شراب کے دور چلے۔ اہلِ شہر نشہ میں مست ہو کر مدہوش ہو گئے۔

Marfat.com

خالد بن ولیدؓ دشمن کے تمام حالات سے باخبر رہا کرتے تھے، جونہی انہیں اس بات کا علم ہوا وہ فوراً اپنے چند سپاہیوں کے ساتھ فصیل کے ذریعے شہر میں داخل ہو گئے اور شہر کے دروازے کھول دیے۔ لشکرِ اسلام شہر میں داخل ہو گیا اور دمشق فتح ہو گیا۔ دمشق کی فتح شام میں مسلمانوں کی بڑی کامیابی تھی، مسلمانوں نے اس کے بعد اُردن فتح کر لیا۔ کچھ عرصہ پہلے تک ہرقل حمص میں مقیم تھا لیکن مسلمانوں کے ڈر کی وجہ سے حمص چھوڑ کر انطاکیہ چلا گیا۔ شام کے تین بڑے شہر بیت المقدس، حمص اور انطاکیہ ابھی تک فتح نہیں ہوئے تھے۔ حمص چونکہ مسلمانوں کے زیادہ قریب تھا، اس لیے ابوعبیدہ بن جراحؓ ایک لشکر کے ساتھ اس طرف روانہ ہوئے، راستہ میں بعلبک بھی فتح ہوا۔ تھوڑی سی مزاحمت کے بعد حمص بھی مسلمانوں کے کنٹرول میں آ گیا۔ اب ابوعبیدہ بن الجراحؓ انطاکیہ کی طرف بڑھنا چاہتے تھے لیکن دربارِ خلافت سے حکم پہنچا کہ اس سال مزید آگے نہ بڑھا جائے۔ ابوعبیدہؓ نے حمص میں ہی قیام کیا۔

رومی ہر محاذ پر مسلمانوں سے شکست کھا رہے تھے۔ دمشق اور حمص جیسے اہم شہر اُن کے ہاتھ سے نکل چکے تھے، اس ساری صورت حال نے ہرقل کو سراسیمہ کر دیا۔ وہ وہاں سے بھاگ کر قسطنطنیہ جانے کا پروگرام بنا رہا تھا لیکن دمشق اور حمص سے بھاگنے والے رومی اس کے پاس انطاکیہ پہنچے اور اُسے مسلمانوں کے خلاف برانگیختہ کیا۔ ہرقل نے اُن سے پوچھا کہ عرب تم سے اسلحہ اور تعداد کے لحاظ سے بہت کمزور ہیں، تم ان کے مقابلے میں کیوں شکست کھاتے ہو؟ اس گفتگو سے اُن سب کے سر شرم سے جھک گئے، لیکن ایک تجربہ کار بوڑھے نے عرض کی کہ "وہ رات کو عبادت کرتے ہیں، دن کو روزہ رکھتے ہیں، عہد کو پورا کرتے ہیں، نیکی کا حکم دیتے ہیں، برائی سے روکتے ہیں اور آپس میں انصاف کرتے ہیں نیز اس وجہ سے کہ ہم شراب پیتے ہیں، زنا کرتے ہیں، حرام کا ارتکاب کرتے ہیں، عہد شکنی کرتے ہیں، ظلم کرتے ہیں، ناپسندیدہ امور کا حکم دیتے ہیں اور جن باتوں سے اللہ راضی ہوتا ہے ان سے روکتے ہیں اور زمین میں فساد کرتے ہیں ہرقل نے کہا تو نے مجھ سے سچ بولا ہے۔" (۳)

قیصر نے مسلمانوں کے خلاف فیصلہ کن جنگ لڑنے کے لئے وسیع پیمانے پر تیاریاں شروع کر دیں۔ تمام ممالکِ محروسہ میں فرامین جاری کیے گئے کہ مسلمانوں کے خلاف لشکر تیار کر کے انطاکیہ بھیجے جائیں۔ روم، قسطنطنیہ، جزیرہ، آرمینیا اور دیگر مقامات سے فوجوں کے ٹڈی دَل انطاکیہ پہنچنے لگے۔ اس طرح ایک بہت بڑا لشکر مسلمانوں کے خلاف تیار ہو گیا۔ دو لاکھ سے زائد کا یہ لشکر، مشہور رومی جرنیل

Marfat.com

باہان کی قیادت میں انطاکیہ سے روانہ ہوا۔ ابوعبیدہ بن الجراحؓ کو جب رومیوں کی روانگی کی اطلاع پہنچی تو آپؓ نے فوراً صحابہ کرام سے مشورہ کیا کہ اس صورت حال میں کیا کیا جائے، کیونکہ حمص میں مسلمانوں کی تعداد بہت کم تھی۔ فیصلہ یہ ہوا کہ حمص کو چھوڑ کر دمشق روانہ ہونا چاہیے، کیونکہ وہاں خالد بن ولیدؓ موجود ہیں۔ حمص سے روانگی سے پہلے مسلمانوں نے عیسائیوں کو جزیہ کی رقم یہ کہتے ہوئے واپس کر دی کہ چونکہ اب ہم تمہاری حفاظت نہیں کر سکتے، اس لیے تمہیں یہ رقم واپس لوٹائی جاتی ہے۔ عیسائی اس بات سے اس قدر متاثر ہوئے کہ مسلمانوں کی حمص سے روانگی کے وقت روتے جاتے تھے اور دعائیں مانگتے جاتے تھے کہ اللہ تمہیں ہمارے پاس واپس لائے۔

فاروق اعظمؓ کو جب اس بات کی اطلاع پہنچی کہ مسلمانوں نے رومیوں کے ڈر سے حمص چھوڑ دیا ہے تو انہیں بہت دکھ ہوا، لیکن انہیں جب علم ہوا کہ یہ مسلمانوں کا متفقہ فیصلہ تھا تو آپؓ کو اطمینان ہوا۔ ابوعبیدہؓ دمشق پہنچے تو یہاں عمرو بن العاصؓ کا قاصد یہ خط لے کر پہنچا کہ حمص سے مسلمانوں کے انخلاء نے بُرے نتائج مرتب کیے ہیں۔ فلسطین اور اُردن میں بغاوت پھیل گئی ہے، چنانچہ ابوعبیدہؓ نے طے کیا کہ جنوب کی جانب پسپا ہو کر جابیہ کی طرف چلے جانا چاہیے، تاکہ عمرو بن العاصؓ کے لشکر کے ساتھ مل کر رومیوں کا مقابلہ کیا جائے۔ اس طرح مسلمان جابیہ کے مقام پر اکٹھے ہو گئے، لیکن رومی ابھی تک مسلمانوں کے مقابلے میں نہیں آ رہے تھے، اُن کی کوشش تھی کہ وادیٔ بقاع اور وادیٔ اُردن کے راستے سے ہو کر مسلمانوں کے زیرِ قبضہ علاقوں کے جنوب میں پہنچ کر انکی پسپائی کا راستہ کاٹ دیں۔ (۴)

مسلمان، دشمن کی اس حکمتِ عملی کو سمجھ گئے، اس لیے جابیہ کو چھوڑ کر ازرعات میں خیمہ زن ہوئے۔ رومی سپہ سالار باہان نے ہرقل کی ہدایات پر عمل کرتے ہوئے اپنی چھاؤنی دریائے یرموک (۵) کے کنارے "رقاد" اور "علان" نامی ندیوں کے درمیان منتقل کر دی۔ خالد بن ولیدؓ نے دیرِ ایوب پہنچ کر علان ندی پار کی اور ایسی جگہ پڑاؤ کیا جہاں سے دشمن کے فرار کے راستے مسدود ہو گئے۔ ابوعبیدہؓ نے رومیوں کی کثیر فوج کو دیکھ کر فاروق اعظمؓ کی خدمت میں لکھا:۔

"اے امیر المومنین! رومی بحر و بر سے اُبل پڑے ہیں اور جوش کا یہ عالم ہے کہ فوج جس راہ سے گزرتی ہے، راہب اور خانقاہ نشین جنہوں نے کبھی خلوت سے قدم باہر نہیں نکالا تھا، نکل نکل کر فوج کے ساتھ ہوتے جاتے ہیں۔" (۶)

Marfat.com

خط پڑھ کر صحابہ کرام میں جوش وخروش کا طوفان موجزن ہو گیا۔ فاروق اعظمؓ نے ابوعبیدہؓ کے نام بہت ہی پُر تاثیر خط ارسال کیا۔ جس دن قاصد ابوعبیدہؓ کے پاس آیا اس دن عامرؓ بھی اپنے ایک ہزار ساتھیوں کے ساتھ پہنچ گئے، جس سے مسلمانوں کے حوصلے بلند ہو گئے۔ لڑائی کی تیاریاں شروع ہو گئیں، خالدؓ نے فوج کو میمنہ، قلب اور میسرہ میں تقسیم کیا۔ معاذ بن جبلؓ کو میمنہ پر مقرر کیا۔ قباث بن ہاشم کو میسرہ کا سالار مقرر کیا اور ہاشم بن عقبہ پیدل فوج کے سپہ سالار تھے۔ لڑائی شروع ہونے سے پہلے ایک عیسائی سورما صف چیر کر نکلا اور مسلمانوں کو للکارا کہ کوئی ہے جو میرے مقابل آئے۔ خالد بن ولیدؓ نے قیس بن ہبیرہ کی طرف اشارہ کیا وہ یہ اشعار پڑھتے ہوئے آگے بڑھے اور ایک ہی وار میں اس سورما کا سر قلم کر دیا۔

سائل نساء الحی فی احجالھا   الست یون الحرب من ایطا لھا.

"پردہ نشین عورتوں سے پوچھ لو۔ کیا میں لڑائی کے روز بہادروں کے سے کام نہیں کرتا"۔ (٧)

باہان نے اسے اپنی فوج کے لئے بُرا شگون جانا، اس لیے جنگ اگلے دن تک کے لئے ملتوی کر دی۔ باہان نے اپنے فوجی سرداروں سے مشاورت کی کہ اگر مسلمانوں سے لڑے بغیر مسئلہ حل ہو جائے اور لڑائی کی نوبت نہ آئے تو بہت بہتر ہوگا۔ مسلمانوں کو چونکہ شام کی دولت کی ہوس ہے، اس لئے اگر انہیں مال وزر کا لالچ دیا جائے تو یقیناً یہ دولت کی ہوس کی وجہ سے مال وزر لے کر جنگ سے باز رہیں گے۔ باہان نے اپنا ایک قاصد ابوعبیدہؓ کی خدمت میں بھیجا کہ کسی معزز افسر کو ہمارے پاس بھیجو، ہم اس سے صلح سے متعلق گفتگو کرنا چاہتے ہیں۔ ابوعبیدہؓ نے خالد بن ولیدؓ کا انتخاب کیا۔ خالدؓ رومیوں کے لشکر میں پہنچے اور باہان سے ملاقات کی۔ مختصری گفتگو کے بعد باہان نے اپنا اصل مدعا بیان کیا اور کہا کہ اگر تم لوگ بغیر جنگ لڑے واپس چلے جاؤ تو تمہارے سپہ سالار کو دس ہزار دینار، افسروں کو ایک ایک ہزار دینار اور عام سپاہیوں کو سوسو دینار دیے جائیں گے۔ خالدؓ نے اُس کی یہ پیشکش مسترد کرتے ہوئے کہا کہ جو ہمارے عقائد کو تسلیم کرتے ہوئے مسلمان ہو جائے وہ ہمارا بھائی ہے، جو ہمارا دین قبول نہ کرے لیکن جزیہ دینے پر رضامند ہو جائے اس کی حفاظت ہماری ذمہ داری ہے، اور جس کو ان دونوں سے انکار ہو اس کا فیصلہ ہماری تلوار کرتی ہے۔

باہان یہ دندان شکن جواب سن کر آگ بگولا ہو گیا اور کہنے لگا کہ ہم جزیہ لیتے ہیں دیتے نہیں

Marfat.com

ہیں۔ چنانچہ خالد بن ولیدؓ بغیر کسی صلح کے اسلامی کیمپ میں واپس آ گئے۔ اگلے دن رومی بہت جوش وخروش کے ساتھ میدانِ جنگ میں آئے، دو لاکھ کا لشکر یوں دکھائی دیتا تھا گویا ایک سیلاب ہے جو مسلمانوں کو تنکوں کی طرح بہا لے جائے گا۔ لشکر کے آگے آگے راہب پادری تھے، جنھوں نے مقدس صلیبیں اٹھائی ہوئی تھیں اور وہ یسوع مسیح کا نام لے کر جوش دلا رہے تھے، تیس ہزار عیسائیوں نے پاؤں میں بیڑیاں ڈال لی تھیں تاکہ فرار نہ ہوسکیں۔ رومیوں کا یہ جوش وخروش دیکھ کر خالد بن ولیدؓ نے بھی از سرِ نو لشکر کو ترتیب دیا۔ اسلامی فوج جس کی تعداد تیس ہزار تھی، اسے ۳۶ حصوں میں تقسیم کیا اور بہترین جنگی حکمتِ عملی تیار کی۔ اُن کی جنگی حکمتِ عملی کے نمایاں پہلو یہ تھے:۔

(۱) رومیوں کے حملے کے سامنے مسلمانوں کی طاقت کے مطابق انہیں ثابت قدم رکھا جائے۔

(۲) جنگ شروع ہوتے ہی ایسا ہوسکتا ہے کہ مسلمانوں کی صفیں رومیوں کی بڑھتی ہوئی فوج کو روکنے سے عاجز آ جائیں اور ثابت قدم نہ رہ سکیں۔ لہٰذا دشمن کی صفوں کو منتشر اور تتر بتر کرنے کی سعی کی جائے خواہ اس میں مسلمانوں کا کچھ جانی نقصان ہی کیوں نہ ہو۔

(۳) مسلمان گھڑ سوار، ربط وضبط کے ساتھ اپنے میمنہ اور میسرہ کے پیچھے سے نکل کر رومیوں کے میمنہ اور میسرہ پر پہلوؤں سے حملہ آور ہوں گے۔ (۸)

جنگ کا آغاز شدّت سے ہوا۔ دونوں طرف سے بہادری کے جوہر دکھائے جانے لگے، رومیوں کا حملہ بہت سخت تھا۔ رومی میسرہ نے اسلامی میمنہ پر بہت دباؤ ڈالا، میمنہ فوج سے کٹ گیا اور مجاہدین نہایت بے ترتیبی سے پسپا ہو کر اپنے خیموں کی طرف دوڑے۔ یہاں پر مسلمان عورتوں نے خیموں کی چوبیں اکھاڑ لیں اور مجاہدین کو غیرت دلائی۔ معاذ بن جبلؓ جو میمنہ کے سردار تھے، انہوں نے جوانمردی کے خوب جوہر دکھائے۔ عمرو بن طفیلؓ کی شجاعت کا منظر دیدنی تھا۔ انہوں نے بڑے بڑے عیسائی سورماؤں کو واصلِ جہنم کیا اور خود بھی جامِ شہادت نوش کیا۔ ایک طرف اسلامی فوج کا میمنہ دباؤ میں تھا تو دوسری طرف رومی میمنہ کے سردار ابنِ قناطیر نے اسلامی میسرہ پر شدید دباؤ ڈالا، یہاں بھی مسلمان مجاہدین کے قدم اکھڑ گئے، لیکن سعید بن زید، یزید بن ابی سفیان، عمرو بن العاص اور شرحبیل بن حسنہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین برابر دادِ شجاعت دیتے رہے۔

اب خالد بن ولیدؓ اور قیس بن ہبیرہ کے گھڑ سوار حرکت میں آئے، انہوں نے اسلامی لشکر گاہ پر

Marfat.com

حملہ آور ہونے والے رومیوں پر اس زور سے حملہ کیا کہ دیکھتے ہی دیکھتے دس ہزار رومی گاجر، مولی کی طرح کٹ کر زمین پر ڈھیر ہو گئے۔ رومی فوج کے تمام گھڑ سوار میدانِ جنگ سے فرار ہونے لگے۔ خالدؓ اور قیسؓ کے گھڑ سوار دستوں نے رومیوں کی اس پیدل فوج پر اس زور سے حملہ کیا کہ پوری رومی فوج میں بھگدڑ مچ گئی۔ اب تک مسلمانوں کے میمنہ اور میسرہ بھی سنبھل چکے تھے، پوری اسلامی فوج ایک سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی طرح رومیوں کے سامنے ڈٹ گئی۔ رومی منتشر ہو کر مسلسل پیچھے ہٹنے لگے اور بے شمار سپاہی بھاگتے ہوئے رقاد ندی اور دریائے یرموک میں ڈوب مرے۔ باختلاف روایت رومیوں کی ایک لاکھ ستر ہزار سپاہ کام آئی اور مسلمانوں کا جانی نقصان کل تین ہزار ہوا۔ (۹)

جنگ سے پہلے رومیوں کو اپنی عسکری برتری کی وجہ سے فتح کا کامل یقین تھا، لیکن خالدؓ کی کمال حکمتِ عملی اور مسلمان مجاہدین کی بہادری اور استقامت کی وجہ سے جنگ کا پانسہ پلٹ گیا اور میدان مسلمانوں کے ہاتھ رہا۔ "ایک تیز اور بڑے حملے میں عموماً خامی رہ جاتی ہے لہٰذا خالدؓ نے انتظار کیا کہ ایسا حملہ رومیوں کی طرف سے ہو، تاکہ وہ اپنے گھڑ سوار دستے (کیولری) کو جنگ میں حسبِ خواہش استعمال کر سکیں۔ چنانچہ آغاز میں انہوں نے دفاعی جنگ لڑی، پھر مناسب وقت پر جارحانہ جنگ کی طرف آ گئے۔ یہ جنگی نظریہ انیسویں صدی عیسوی میں کلاسوتز کا نظریہ کہلایا۔ خالدؓ نے جنگ کا پانسہ پلٹنے کے لیے رومی فوج کو تحیر خیز صدمے سے دوچار کیا، یہ نظریہ بیسویں صدی عیسوی میں لڈل ہارٹ کا نظریہ کہلایا۔" (۱۰)

فاروقِ اعظمؓ جنگِ یرموک کے نتائج کے بارے میں بڑے متفکر تھے اور کئی دن سے سوئے نہ تھے۔ جب انہیں مسلمانوں کی عظیم الشان فتح کی خبر معلوم ہوئی تو وہ فوراً سجدہ ریز ہو گئے اور اللہ کا شکر ادا کیا۔ قیصرِ روم ہرقل انطاکیہ میں موجود تھا جب اسے رومیوں کی اس عبرتناک شکست کا حال معلوم ہوا تو اس نے کہا:

اے شام! تجھے جدائی پانے والے کا سلام۔
تجھے الوداعی پانے والے کا سلام! کیونکہ دکھائی نہیں دیتا کہ وہ کبھی لوٹ کر تیری طرف آئے گا
کوئی رومی تیری طرف نہیں لوٹے گا مگر ڈرتے ہوئے۔
اے شام! تجھ پر سلام۔ کتنا اچھا ہے یہ ملک جو دشمن کے ہاتھ لگا ہے۔ (۱۱)

Marfat.com

جنگِ یرموک میں رومیوں کے خلاف یہ فتح مسلمانوں کی بہت بڑی کامیابی تھی، اس کے بعد ملک شام میں رومی مسلمانوں کے مقابلے میں ٹھہر نہ سکے۔

Syria was irretrievably lost on the day of Yarmuk; town after town was occupied without resistance, and within a few months the conquered province, in Khalid's words, 'sat as quiet as a camel' .(12)

"شام، یرموک کی جنگ میں اس طرح ہاتھوں سے نکل گیا تھا کہ اب واپس نہیں مل سکتا تھا۔ بغیر کسی مزاحمت کے ایک قصبہ کے بعد دوسرا قصبہ اور اس طرح چند مہینوں میں پورے صوبہ پر قبضہ ہو گیا۔ خالدؓ کے الفاظ میں اب پورا صوبہ اس طرح قدموں میں تھا جس طرح ایک اونٹ خاموشی سے بیٹھ جاتا ہے۔"

مسلمانوں نے بہت جلد حلب اور انطاکیہ کے شہر فتح کر لیے۔ فتح انطاکیہ کے بعد اردگرد کے تمام علاقے فتح ہوتے چلے گئے۔ اب سب سے اہم شہر بیت المقدس رہ گیا تھا۔ عمرو بن العاصؓ نے اردگرد کے علاقوں کو فتح کرنے کے بعد اس کا محاصرہ کر لیا۔ ابو عبیدہؓ بھی شام کے دور دراز کے اضلاع قنسرین وغیرہ فتح کرنے کے بعد عمرو بن العاصؓ سے آملے۔ اب مسلمانوں کی مشترکہ افواج نے بیت المقدس کا محاصرہ کر لیا۔ ارطبون بطریق، مصر کی طرف فرار ہو گیا جسکی وجہ سے اہلِ شہر کے حوصلے پست ہو گئے اور انہوں نے مسلمانوں کے سامنے ہتھیار ڈالنے کا فیصلہ کر لیا۔ چونکہ بیت المقدس عیسائیوں کی طرح مسلمانوں کے لیے بھی مقدس مقام تھا۔ اس شہر میں رسول اللہ ﷺ کی شبِ معراج کی منزلِ اوّل مسجدِ اقصیٰ تھی۔ (۱۳) اس لئے عیسائیوں کو اندیشہ تھا کہ کہیں مسلمان عیسائیوں سے اُن کے مقدس مقامات کو چھین ہی نہ لیں۔ اس لیے اہلِ قُدس نے مسلمانوں کے سامنے یہ شرط رکھی کہ اگر خلیفۃُ المسلمین عمر فاروقؓ خود تشریف لا کر عہد نامۂ صلح لکھیں اور اس پر دستخط ثبت فرمائیں تو ہم شہر کو مسلمانوں کے حوالے کرنے کو تیار ہیں۔ (۱۴)

ابو عبیدہؓ نے عیسائیوں کی یہ شرط مان لی اور فاروق اعظمؓ کو لکھا کہ آپ کے تشریف لانے سے بیت المقدس کی فتح بغیر جنگ کے ممکن ہو سکتی ہے۔ فاروق اعظمؓ نے صحابہ کرام کے مشورے سے بیت المقدس جانے کا فیصلہ کیا۔ قیصر و کسریٰ کی فوجوں کو ہر محاذ پر ہزیمت سے دوچار کرنے والے مسلمانوں کا خلیفہ

Marfat.com

نہایت سادگی کے ساتھ بیت المقدس کے سفر پر روانہ ہوا۔ مسلمان سرداروں نے مقامِ جابیہ پر آپؓ کا استقبال کیا۔ فاروق اعظمؓ نے یہاں اپنا مشہور خطبہ ارشاد فرمایا۔ (۱۵)

آپؓ مسلمان سرداروں کے حریر و دیبا کے شان و شوکت والے لباس دیکھ کر سخت برہم ہوئے، لیکن ان سرداروں نے جواب دیا کہ اِن پر تکلف قباؤں کے نیچے تلواریں موجود ہیں تو آپؓ نے اطمینان کا اظہار کیا۔ مقامِ جابیہ پر آپؓ نے عیسائیوں کے ساتھ معاہدۂ صلح تحریر کرایا۔ جس کے مطابق عیسائیوں کے تمام مقدس مقامات کی حفاظت کا یقین دلایا گیا اور جزیہ کی ادائیگی کے بدلے اُن کی جان و مال کی حفاظت کا عہد کیا گیا۔

To them he accorded the free exercise of their religion, and the possession of their churches, subject to a light tax.(16)

"آپؓ نے انہیں اپنے مذہب پر عمل کی مکمل آزادی دی اور معمولی جزیہ کے عوض انہیں اُن کے گرجا گھروں کا مالک بنا دیا۔"

معاہدہ کے بعد اہلِ قُدس نے شہر کے دروازے کھول دیئے۔ امیر المومنین فاروق اعظمؓ نہایت عاجزی و انکساری کے ساتھ بیت المقدس میں داخل ہوئے۔ یہاں آپؓ نے ایک مسجد تعمیر کروائی، یہ مسجد "مسجدِ عُمر" کے نام سے مشہور ہے۔ بیت المقدس ہی کی شرائط پر رملہ بھی فتح ہو گیا۔ (۱۷)

جنگِ یرموک تاریخ اسلام کی ابتدائی فتوحات میں بہت زیادہ اہمیت کی حامل ہے۔ شام میں ابتدائی ہزیمتوں کے بعد قیصر ہرقل اپنی بھرپور طاقت کا مظاہرہ کرتے ہوئے دو لاکھ کا لشکر مسلمانوں کے مقابلے پر لے آیا۔ دریائے یرموک کے کنارے یہ اعصاب شکن معرکہ ہوا جس میں خالد بن ولیدؓ اور ابو عبیدہ بن الجراحؓ کی بھرپور عسکری و حربی حکمتِ عملی اور کمالِ شجاعت کی وجہ سے رومیوں کے لیے "نہ پائے ماندن، نہ جائے رفتن" والا معاملہ ہوا اور وہ میدانِ جنگ سے دم دبا کر بھاگے۔

جنگِ یرموک میں رومیوں کی شکست کا حال سن کر قیصرِ روم ہرقل اس قدر دل برداشتہ ہوا کہ شام کو چھوڑ کر قسطنطنیہ کی طرف چلا گیا۔ مسلمانوں نے کچھ ہی عرصہ کے بعد شام کے تمام اہم شہر فتح کر لیے۔

Marfat.com

حوالہ جات وحواشی

(۱) اس شہر کا نام عیسائی بادشاہ قسطنطین کے نام پر رکھا گیا۔ سلطان محمد فاتح نے ۱۴۵۳ء میں اسے فتح کیا، اور اس کا نام اسلامبول رکھا۔ آج کل اس کا نام استنبول ہے۔ مؤلف

(۲) تاریخ اسلام، ندوی، معین الدین احمد: المیزان ناشران، لاہور، ص ۹۰

(۳) البدایہ والنہایہ، ابن کثیر، علامہ، مترجم عبدالرشید ندوی، اختر فتح پوری، نفیس اکیڈمی، کراچی، ج ۷، ص ۵۵

(۴) اٹلس فتوحات اسلامیہ، ادارہ دارالسّلام، لاہور، ص ۲۰۷

(۵) دریائے یرموک شام اور اردن کی سرحد پر بہتا ہوا دریائے اردن میں جا گرتا ہے۔ مؤلف

(۶) الفاروق، شبلی نعمانی، علامہ، اسلام بک ڈپو، لاہور، ص ۱۱۹، ۱۹۹۷ء

(۷) مذکورہ بالا حوالہ، ص ۱۲۰

(۸) اٹلس فتوحات اسلامیہ، ادارہ دارالسلام، لاہور، ص ۲۱۲

(۹) تاریخ اسلام، ندوی، معین الدین احمد، المیزان ناشران، لاہور، ص ۱۶۴

(۱۰) اٹلس فتوحات اسلامیہ، ادارہ دارالسلام، لاہور، ص ۲۱۴

(۱۱) مذکورہ بالا حوالہ، ص ۲۱۵

(۱۲) A History of Medieval Islam, Page 47, .J.J.Saunders, Routledge and Kegan Paul, LONDON, 1965.

(۱۳) موجودہ مسجد اقصیٰ اور قبۃ الصخرہ اموی خلیفہ عبدالملک بن مروان نے تعمیر کروائے۔ مؤلف

(۱۴) تاریخ ملت، میرٹھی، زین العابدین، شہابی، انتظام اللہ، ادارہ اسلامیات، لاہور، ج ۱، ص ۲۷۰، ۱۹۹۱ء

(۱۵) تاریخ الخلفاء، سیوطی، جلال الدین، علامہ، مترجم اقبال الدین احمد، نفیس اکیڈمی، کراچی، ۱۹۸۳ء

(16) A Short History of the Saracens, Page 39, Syed Ameer Ali, Islamic Book Service, LAHORE.

(۱۷) تاریخ ملت، میرٹھی، زین العابدین، شہابی، انتظام اللہ، ادارہ اسلامیات، لاہور، ج ۱، ص ۲۷۳

Marfat.com

جنگِ قادسیہ ۱۵ھ/۶۳۶ء

رسول اللہ ﷺ نے ہجرت کے ساتویں سال مختلف سلاطین کو دعوتِ اسلام کے سلسلہ میں خطوط تحریر فرمائے، اُس وقت عرب کے ہمسایہ میں دو عظیم مملکتیں روم اور ایران موجود تھیں۔ ایران کا حاکم خسرو پرویز بن ہرمز بن نوشیروان تھا۔ حضور ﷺ نے ایک دعوت نامہ حاکمِ بحرین کے توسط سے کسریٰ ایران خسرو پرویز کو بھی بھجوایا۔ خسرو نے دعوت نامہ کو پڑھ کر انتہائی ناگواری کا اظہار کیا اور نامہ مبارک چاک کر دیا۔ آپ ﷺ کو خسرو پرویز کی اس حرکت کی خبر ہوئی تو آپ ﷺ نے خسرو پرویز پر بددعا فرمائی:

''وہ ہر طرح سے پارہ پارہ کیے جائیں۔'' کچھ ہی عرصہ بعد خسرو اپنے بیٹے شیرویہ (۱) کے ہاتھوں قتل ہو گیا۔ خسرو پرویز کی طرف سے نامہ مبارک کا چاک کیا جانا، مسلمانوں اور ایرانیوں کے درمیان نفرت کی پہلی چنگاری ثابت ہوا۔ ابو بکر صدیقؓ کے دورِ خلافت میں جب بحرین میں بغاوت ہوئی تو اس وقت بھی ایرانیوں نے مسلمانوں کے خلاف باغیوں کی مدد کی۔ (۲) اس طرح مسلمانوں اور ایرانیوں کے درمیان اختلافات کی خلیج وسیع تر ہوتی گئی۔

جنگِ قادسیہ مسلمانوں اور ایرانیوں کے درمیان پہلی اور آخری جنگ نہ تھی، بلکہ اس سے پہلے جنگوں کا ایک سلسلہ شروع ہو چکا تھا۔ جنگِ قادسیہ میں مسلمانوں نے ایرانیوں کی طاقت کو مکمل طور پر کچل دیا۔ اس کے بعد مسلمان آسانی کے ساتھ ایرانی سلطنت کے پایۂ تخت مدائن پر قابض ہو گئے اور پھر معرکۂ جلولاء میں ایرانیوں کی رہی سہی طاقت کا بھی خاتمہ کر دیا۔

حضرت ابو بکر صدیقؓ کے دورِ خلافت میں خالد بن ولیدؓ اور مثنیٰ بن حارثہؓ نے ایرانی حکومت کا ایک اہم علاقہ حیرہ فتح کر لیا تھا۔ فاروق اعظمؓ کے دورِ خلافت میں ایرانیوں نے اپنا علاقہ واپس لینے کے لیے جابان کی قیادت میں ایک بڑا لشکر روانہ کیا۔ فاروق اعظمؓ نے مثنیٰ بن حارثہؓ کی درخواست پر ابو عبیدہ بن مسعودؓ کو کمک دے کر مثنیٰؓ کی مدد کے لیے بھیجا۔ نمارق کے مقام پر دونوں فوجوں کے درمیان

Marfat.com

زبردست جنگ ہوئی جس میں ایرانیوں کو شکست ہوئی۔ اس شکست کا بدلہ لینے کے لیے مشہور ایرانی جرنیل بہمن بن جادویہ ایک بہت بڑے لشکر کے ساتھ مسلمانوں کے مقابلے پر آیا اور فرات کے کنارے خیمہ زن ہوا۔ دوسری طرف مسلمان فوج تھی۔ ابو عبیدہؓ نے جیش اسلامی کو پُل کے ذریعے دریا پار کرنے کا حکم دیا، یہ ایک بڑی غلطی تھی، اس جنگ میں مسلمانوں کا بہت زیادہ جانی نقصان ہوا۔ خود ابو عبیدہؓ ایک ہاتھی کے پاؤں تلے آ کر شہید ہو گئے۔ تاریخ میں یہ معرکہ جنگِ جسر (پُل) کے نام سے مشہور ہے۔

جنگِ جسر میں مسلمانوں کی شکست اور ابو عبیدہؓ کی شہادت کی خبر سن کر فاروق اعظمؓ نے ایک اور لشکر تیار کر کے مثنیٰ بن حارثہؓ کی مدد کے لیے بھیجا، ادھر ایرانیوں نے ایک اور بڑی جنگ لڑنے کی منصوبہ بندی کی۔ ایرانی جرنیل مہران اپنے لشکر کے ساتھ دریائے فرات کے کنارے خیمہ زن تھا، مسلمانوں نے بھی دوسری طرف ڈیرے ڈال دیئے۔ اب کی بار، وہی غلطی ایرانیوں نے کی جو جنگِ جسر میں مسلمان کر چکے تھے، ایرانی دریا پر پُل بنا کر مسلمانوں کی طرف آ گئے اور عام جنگ شروع ہو گئی۔ دونوں طرف سے تلواریں شعلے اُگلنے لگیں، ایرانیوں نے مسلمانوں پر برتری حاصل کرنے کی بہت کوشش کی، لیکن ایرانی جرنیل مہران کے مارے جانے سے ایرانیوں میں بددلی پھیل گئی اور وہ شکست کھا گئے۔ مؤرخین کا بیان ہے کہ کسی لڑائی نے اس قدر بے شمار لاشیں اپنی یاد میں نہیں چھوڑیں، جتنی اس جنگ نے۔ چنانچہ مدتوں کے بعد مسافروں کا ادھر سے گزر ہوا تو انہوں نے جا بجا ہڈیوں کے انبار پائے۔ (۳)

اس شکست نے ایرانیوں کی نیندیں حرام کر دیں، ایرانی دربار پر بھی گہرے اثرات مرتب ہوئے اب تک تختِ ایران پر شاہی خاندان کی ایک عورت تخت نشین تھی، مسلمانوں کے ہاتھوں ذلت آمیز شکست کے بعد اسے تخت سے ہٹا کر شاہی خاندان کے ایک نوجوان یزدجرد (۴) کو تخت نشین کر دیا گیا۔

About this time a new sovereign had been raised to Yezdjard the throne of Persia. Young, energetic, and, ambitious, Yezdjard was bent not only on driving the Saracens from Hira, but also on conquering their country.(5)

"تقریباً اس وقت ایک نئے بادشاہ یزدجرد کو ایران کے تخت پر بٹھا دیا گیا۔ یزدجرد بہت توانا اور بلند عزائم کا مالک تھا۔ وہ نہ صرف عرب مسلمانوں کو حراء سے نکال باہر کرنا چاہتا تھا بلکہ

Marfat.com

ان کے ملک پر بھی قبضہ کرنا چاہتا تھا۔"

مسلمانوں اور ایرانیوں کے اس سلسلۂ فتح و شکست سے حالات ایک بڑی اور فیصلہ کن جنگ کی طرف جا رہے تھے۔ ایرانیوں نے مسلمانوں سے اپنی شکست کا بدلہ لینے کے لیے اپنے سب سے بڑے اور بہادر جرنیل رستم کا انتخاب کیا جو کہ ایرانیوں کے نزدیک ناقابل شکست تھا۔ رستم ہر طرح کے جنگی ساز و سامان کے ساتھ لیس ایک لاکھ کے لشکر جرار کے ساتھ مدائن سے روانہ ہوا۔

دربارِ خلافت بھی اس معرکہ کی اہمیت سے بے خبر نہیں تھا۔ یہاں تک کہ امیر المومنین فاروق اعظمؓ نے خود ایرانیوں کے مقابلے پر جانے کا فیصلہ کیا، لیکن کبار صحابہ آپؓ کے اس فیصلے کے حق میں نہ تھے۔ عبدالرحمان بن عوفؓ نے کہا کہ لڑائی کے دونوں پہلو ہیں، اگر خدانخواستہ شکست ہوئی اور آپ کو کوئی صدمہ پہنچا تو اسلام کا خاتمہ ہے۔ (۶) مشاورت کے بعد سعد بن ابی وقاصؓ کو سپہ سالار بنانے کا فیصلہ کیا گیا۔ سعد بن ابی وقاصؓ تیس ہزار سپاہیوں کے ساتھ روانہ ہوئے اور فاروق اعظمؓ کی ہدایت کے مطابق قادسیہ پہنچ کر انہوں نے پڑاؤ ڈالا۔

فاروق اعظمؓ کے حکم کی تعمیل میں سعد بن ابی وقاصؓ نے ایک وفد شاہِ ایران یزدجرد کے دربار میں بھیجا تاکہ جنگ سے پہلے اسے شرائطِ صلح پیش کی جائیں۔ ان سفراء نے ایرانی شاہ کے دربار میں اسلامی تعلیمات کو پیش کیا۔ مغیرہ بن زرارہؓ نے انتہائی بے باک انداز میں گفتگو کی۔ بادشاہ اُن کی گفتگو سن کر آپے سے باہر ہو گیا اور جوش میں آ کر کہنے لگا، اگر سفراء کا قتل جائز ہوتا تو میں تمہیں قتل کر دیتا۔ خیر جاؤ، میں تمہارے مقابلے میں رستم کو بھیجتا ہوں، وہ تمہیں اور تمہارے ساتھیوں کو قادسیہ کی خندق میں دفن کر دے گا۔ پھر اُس نے غصہ میں آ کر مٹی کا ایک ٹوکرا منگوایا اور مسلمانوں سے پوچھا کہ تم میں سب سے زیادہ معزز کون ہے؟ اُس کی یہ بات سن کر عاصم بن عمروؓ آگے بڑھے اور کہا کہ میں۔ یزدجرد نے حکم دیا کہ یہ ٹوکرا اُن کے سر پر رکھ دیا جائے۔ عاصمؓ اپنے ساتھیوں کے ہمراہ گھوڑا دوڑاتے ہوئے سعدؓ کے پاس آئے اور کہا، فتح مبارک ہو، دشمن نے خود اپنی زمین ہمارے حوالے کر دی۔ (۷)

رستم ایک لاکھ بیس ہزار کے لشکر عظیم کے ساتھ قادسیہ کے میدان میں پہنچ گیا۔ رستم مسلمانوں کی شجاعت اور بہادری سے اس قدر مرعوب تھا کہ وہ مسلسل جنگ ٹال رہا تھا۔ "ایک رات اس نے خواب دیکھا کہ گویا ایک فرشتہ آسمان سے نازل ہوا ہے اور اس نے ایرانیوں کے تمام ہتھیاروں پر مہر لگا کر انہیں

Marfat.com

رسول اللہ ﷺ کے سپرد کر دیا ہے اور رسول اللہ ﷺ نے ان ہتھیاروں کو حضرت عمر کے سپرد کر دیا ہے۔"(۸) سعد بن ابی وقاصؓ نے رستم کی درخواست پر مصالحت کی غرض سے مغیرہ بن شعبہ کو رستم کے دربار میں بھیجا، رستم نے نے کہا "غالباً تم معاش کی تنگی اور پریشان حالی کی وجہ سے جنگ کے لیے نکلے ہو، ہم تمہیں اتنا دینے کو تیار ہیں، جس سے تمہارا پیٹ بھر جائے، ہم تمہاری دیگر خواہشیں بھی پوری کرنے کو تیار ہیں۔" مغیرہؓ نے بے نیازی سے جواب دیا، "بیشک ہم بھوکے تھے، لیکن خدا نے ہم میں ایک پیغمبر مبعوث کیا، جس کی اتباع سے ہماری بدبختی، خوش بختی میں بدل گئی، اُس نے ہمیں اپنے دین کے دشمنوں کے ساتھ جہاد کرنے کا حکم دیا، اس لیے ہم تم کو خدائے واحد کی پرستش اور نبی ﷺ پر ایمان لانے کی دعوت دیتے ہیں۔ اگر اسے قبول کرتے ہو تو ٹھیک، ورنہ ہمارا تمہارا فیصلہ تلوار کرے گی۔"(۹)

رستم نے اپنی فوج کو جنگی تیاریوں کا حکم دے دیا۔ ادھر سعد بن ابی وقاصؓ کو عرقُ النساء کی تکلیف ہوگئی، جس سے اُن کے لیے لڑنا تو درکنار، چلنا پھرنا بھی دوبھر ہو گیا۔ انہوں نے میدانِ جنگ میں ایک پرانی عمارت پر اپنی چٹائی بچھالی اور وہیں سے فوج کی کمانڈ کرنے کا فیصلہ کیا۔ آخر کار میدانِ کارزار گرم ہوا۔ بہادر ایک دوسرے سے ٹکرائے، ایرانیوں کے ہاتھیوں نے بڑی تباہی مچائی، لڑائی رات گئے تک جاری رہی، قادسیہ کا یہ پہلا معرکہ "یومِ ارماث" کے نام سے مشہور ہے۔ اس معرکہ میں ایرانیوں کا پلّا بھاری رہا۔ دوسرے دن ملک شام سے ہاشم بن عتبہؓ اور قعقاع بن عمروؓ چھ ہزار کی نئی کمک لے کر آ گئے، جس سے مسلمانوں کے حوصلے بلند ہو گئے، اس دن جنگ شروع ہوئی تو مسلمانوں نے ابتداء ہی سے ایرانیوں پر برتری حاصل کر لی۔ قعقاع بن عمروؓ نے مشہور ایرانی جرنیل بہمن جادویہ کو واصلِ جہنم کیا، اُس دن مسلمانوں نے ایرانی ہاتھیوں کے مقابلے میں اپنے گھوڑوں کو کالے برقعے پہنا دیے، یہ حکمتِ عملی کامیاب رہی اور ایرانی ہاتھیوں نے اپنی ہی فوج کو کچلنا شروع کر دیا، یہ معرکہ "یوم اغواث" کہلاتا ہے۔ اس میں مسلمانوں کا پلہ بھاری رہا اور ایرانیوں کا بہت زیادہ جانی نقصان ہوا۔ تیسرے دن کی لڑائی اپنے آغاز سے ہی بڑی ہولناک تھی۔ آج مسلمان اور ایرانی' آخری بازی لگانے کا تہیہ کر چکے تھے۔ ایرانی ہاتھی وحشت و بربریّت کی علامت بنے ہوئے تھے، دو ہاتھی ابیض اور اجرب باقی ہاتھیوں کے سردار تھے اور یہی سب سے زیادہ کہرام مچا رہے تھے۔ حضرت سعدؓ کے حکم سے جناب قعقاعؓ اور اُن کے بھائی عاصمؓ نے ہاتھیوں پر یورش کر دی۔ اس حملے میں اجرب ہلاک ہو گیا اور ابیض شدید زخمی ہو کر

Marfat.com

میدان جنگ سے بھاگ کھڑا ہوا۔ باقی ہاتھیوں نے بھی اس کی پیروی کی اور بھاگ کھڑے ہوئے۔ اس طرح ایرانی فوج اپنے ہاتھیوں سے محروم ہو گئی۔ رات بھر شدید لڑائی جاری رہی، اس رات کو لیلتہ الہریر کہتے ہیں اور اس دن کا معرکہ "یوم عماس" کہلاتا ہے۔

سپیدۂ سحر ظاہر ہونے لگا، لیکن ابھی تک جنگ کے خاتمے کے آثار دکھائی نہیں دے رہے تھے۔ قعقاعؓ نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ مل کر بھرپور حملے کا فیصلہ کیا، مسلمانوں کی تلواریں دشمن پر آفت ڈھانے لگیں، دوپہر تک ایرانی فوج کے دونوں بازو کٹ گئے۔ اب مسلمان ایرانی فوج کے قلب پر قیامت ڈھا رہے تھے۔ ایسے حالات میں رستم کافی دیر تک میدان میں رہ کر اپنی فوج کی ہمت بڑھاتا رہا، جب اُسے شکست صاف دکھائی دینے لگی، تو اپنی جان بچانے کے لیے بھاگ کھڑا ہوا، لیکن ایک بہادر مسلمان سپاہی ہلال بن علقمہ کی شمشیر آبدار کا نشانہ بن کر واصل جہنم ہوا۔

> Rustam was killed; the wreck of his army retreated on Ctesiphon, but the capital was ill-fitted to stand a siege; the young king and his court fled to Hulwan, in the Zagros mountains, and the Arabs occupied almost without opposition one of the finest cities in Asia.(10)

> "رستم مارا گیا، اس کی تباہ شدہ فوج مدائن (یہ شہر ٹیسی فون کے کھنڈروں پر آباد ہوا) واپس چلی گئی لیکن دارالحکومت محاصرے کا مقابلہ کرنے کے لیے مؤثر نہ رہا تھا۔ بادشاہ اور اس کے درباری حلوان بھاگ گئے اور ذگروس کے پہاڑوں میں جا چھپے اور عربوں نے ایشیاء کے بہترین شہروں میں سے ایک پر بغیر کسی مزاحمت کے قبضہ کر لیا۔"

رستم کے قتل سے ایرانی فوج میں بھگدڑ مچ گئی، ایرانی سپاہیوں نے اپنی جانیں بچانے کے لیے راہِ فرار اختیار کی، ایسے میں ہزاروں ایرانی' مسلمانوں کے ہاتھوں تہہ تیغ ہوئے۔ اس طرح مسلمانوں نے قادسیہ کے میدان میں ایرانی سلطنت کا غرور خاک میں ملا دیا۔ اس لڑائی میں مردوں کے ساتھ ساتھ مسلم عورتوں نے بھی بھرپور حصہ لیا۔ خنساء جو عرب کی مشہور شاعرہ تھیں، اس معرکہ میں اپنے چاروں بیٹوں کے ساتھ شریک تھیں، جب لڑائی شروع ہوئی تو اس نے اپنے بیٹوں سے مخاطب ہو کر کہا، " پیارے بیٹو! تم اپنے ملک پر دوبھر نہ تھے، نہ تم پر قحط پڑا تھا باوجود اس کے تم اپنی کہن سال ماں کو اپنے ساتھ لائے

Marfat.com

اور فارس کے آگے ڈال دیا۔خدا کی قسم جس طرح تم ایک ماں کی اولاد ہو اسی طرح ایک باپ کی بھی اولاد ہو، میں نے تمہارے باپ سے بد دیانتی نہیں کی، نہ ہی تمہارے ماموؤں کو رسوا کیا۔تو جاؤ! آخر دم تک لڑو۔" (۱۱)

جنگِ قادسیہ مسلمانوں کے لیے نہایت اہم معرکہ تھا، اگر اس موقع پر ایرانیوں کے مقابلے میں مسلمانوں کو شکست ہو جاتی تو ایران میں فتوحات کا سلسلہ رک جاتا۔رشید اختر ندوی نے جنگِ قادسیہ پر بڑا پر مغز تبصرہ کیا ہے، لکھتے ہیں کہ " بہ ہر نوع قادسیہ کی یہ لڑائی دو قوموں کی بسالت اور جرأت کی سخت امتحان گاہ ثابت ہوئی ۔دونوں قومیں ملتِ ایران بھی اور ملتِ عرب بھی ، ان چار دنوں میں سخت آزمائش میں مبتلا ہوئیں اور بالآخر ملتِ عرب جیتی کہ اُس کے اندر جو روح محمد رسول اللہ ﷺ نے پیدا کر دی تھی، وہ غیر فانی روح تھی اور ملتِ ایران ہزار جدوجہد کے باوجود اسے فنا نہ کر سکتی تھی۔" (۱۲)

جنگِ قادسیہ کے بعد مسلمان ایرانی پایۂ تخت مدائن کی طرف بڑھے لیکن اُن کے اور مدائن کے درمیان دریائے دجلہ حائل تھا، سعد بن ابی وقاصؓ نے نعرۂ تکبیر بلند کرتے ہوئے دریا میں اپنا گھوڑا ڈال دیا۔اُن کی تقلید میں باقی سپاہیوں نے بھی ایسا ہی کیا۔لشکر اسلام دجلہ کی طوفانی موجوں کا مقابلہ کرتے ہوئے قصر مدائن کی طرف بڑھ رہا تھا، آج عالم بالا کے مکین بھی مسلمانوں کی بہادری و سرفروشی کو نگاہِ رشک سے دیکھ رہے تھے۔

شاہِ ایران یزدجرد مسلمانوں کی آمد سے پہلے ہی راہِ فرار اختیار کر کے حلوان کے مقام پر مقیم ہو چکا تھا۔(۱۳) جیشِ اسلامی نعرۂ تکبیر بلند کرتے ہوئے مدائن میں داخل ہوا۔کیسا مسحور کن منظر تھا کہ عرب کے وہ بادیہ نشین جنھیں کچھ عرصہ قبل تک کوئی خاطر میں نہ لاتا تھا، دینِ اسلام کی لازوال قوت سے آج دنیا کی سب سے بڑی طاقت کو اپنے پاؤں تلے روند رہے تھے۔سعد بن ابی وقاصؓ نے شاہی محل کے ایوانِ کسریٰ میں نماز جمعہ پڑھائی، یہ واقعہ ماہِ صفر کا ہے، اسی سال معرکۂ جلولاء پیش آیا۔(۱۴)

ایرانی اپنی ساری طاقت مجتمع کر کے مسلمانوں سے پنجہ آزمائی کے لیے جلولاء کے مقام پر اکٹھے ہو رہے تھے۔فاروق اعظمؓ کے حکم پر سعدؓ نے بارہ ہزار کے لشکر کے ساتھ ہاشم بن عتبہؓ اور قعقاع بن عمروؓ کو جلولاء کی مہم پر روانہ کیا۔جلولاء میں ایرانی قلعہ بند ہو کر لڑتے رہے، یہ سلسلہ کئی ماہ تک جاری رہا، آخر ایرانیوں نے زچ ہو کر مسلمانوں کا کھلے میدان میں مقابلہ کیا اور دل جمعی سے لڑے، لیکن یہاں بھی

Marfat.com

شکست اُن کا مقدر بنی۔ مسلمانوں اور ایرانیوں کے درمیان آخری بڑی لڑائی نہاوند کے مقام پر ہوئی، اس جنگ میں مسلمانوں کے سپہ سالار نعمان بن مقرنؓ تھے۔ یہ لڑائی اپنی شدت کے اعتبار سے لیلۃ الھریر سے کم نہ تھی۔ جناب نعمان بن مقرنؓ نے جوانمردی اور بہادری سے لڑتے ہوئے شہادت کا رتبہ حاصل کیا، بالآخر فتح مسلمانوں ہی کے حصے میں آئی۔ اس جنگ کے بعد ایرانیوں کا زور مکمل طور پر ٹوٹ گیا اور پھر وہ کسی میدان میں مسلمانوں کے مقابل نہ آسکے، اسی لیے عربوں نے اس کا نام "فتح الفتوح" رکھا۔

حوالہ جات وحواشی

(۱) شیرویہ کی ماں کا نام شیریں تھا۔ فرہاد اسی شیریں سے عشق کرتا تھا۔ مؤلف

(۲) تاریخ اسلام، نجیب آبادی، اکبر شاہ، فرید بک ڈپو، دہلی، ج ا، ص ۳۲۵

(۳) الفاروق، شبلی نعمانی، علامہ، اسلام بک ڈپو، لاہور، ص ۸۰، ۱۹۹۷ء

(۴) یزدجرد سوم بن شہریار بن کسریٰ۔ نجومیوں نے کسریٰ کو بتایا تھا کہ تمہارے پوتے کی وجہ سے تمہاری سلطنت کو زوال آئے گا۔ کسریٰ نے حکم جاری کیا کہ کسی عورت کو اس کے بیٹوں کے پاس نہ جانے دیا جائے، لیکن شہریار بن کسریٰ نے اپنی ماں شیریں کو مجبور کیا کہ وہ کسی عورت کو اس کے پاس لائے۔ چنانچہ شیریں نے کسریٰ کے علم میں لائے بغیر ایک لونڈی کو شہریار کے پاس خلوت میں بھیجا، جس کے بطن سے یزدجرد سوم پیدا ہوا۔ ملخص از اٹلس فتوحات اسلامیہ، دارالسّلام، لاہور، ص ۲۶۱

(5) A Short History of the Saracens, Page 28, Syed Ameer Ali, Islamic Book Service, LAHORE.

(۶) الفاروق، شبلی نعمانی، علامہ، اسلام بک ڈپو، لاہور، ص ۸۲، ۱۹۹۷ء

(۷) تاریخ ملت، میرٹھی، زین العابدین، شہابی، انتظام اللہ، ادارہ اسلامیات، لاہور، ج ا، ص ۲۲۵، ۱۹۹۱ء

(۸) البدایہ والنہایہ، ابن کثیر، علامہ، مترجم عبدالرشید ندوی، اختر فتح پوری، نفیس اکیڈمی، کراچی، ج ۷، ص ۹۷

(۹) تاریخ اسلام، ندوی، معین الدین احمد، المیزان ناشران لمیٹڈ، لاہور، ص ۱۵۳

(10). A History of Medieval Islam, Page 50. J.J.Saunders,

Marfat.com

Routledge and Kegan Paul, LONDON,1965.

(۱۱) الفاروق، شبلی نعمانی، علامہ، اسلام بک ڈپو، لاہور، ص ۹۵، ۱۹۹۷ء

(۱۲) خلافت راشدہ کی جمہوری قدریں، ندوی، رشید اختر، ادارہ معارف ملی، لاہور، ص ۳۴۷، اپریل ۱۹۶۶ء

(۱۳) ایران پر مسلمانوں کا قبضہ ہو جانے کے بعد یزدجرد مختلف علاقوں میں چھپتا چھپاتا سیدنا عثمان غنیؓ کے دورِ خلافت میں افغانستان میں دریائے مرغاب کے کنارے ایک چکی سے آٹا پیسنے والے کے گھر میں مقیم ہوا۔ اس شخص نے رات کو اس کے مال و اسباب کے لالچ میں اسے قتل کر دیا۔ یہ واقعہ ۳۱ھ / ۶۵۱ء کا ہے۔ ملخص از اٹلس فتوحات اسلامیہ، دارالسلام، لاہور، ص ۴۶۴

(۱۴) تاریخ الخلفاء، سیوطی، جلال الدین، علامہ، مترجم اقبال الدین احمد، نفیس اکیڈمی، کراچی، ص ۱۳۴، طبع پنجم، ۱۹۸۳ء

Marfat.com

سبائی تحریک

معرکہ حق و باطل میں حق ہمیشہ سرخرو ہوتا آیا ہے اور باطل ہمیشہ سرنگوں۔ حق کا رُخ زیبا بدرِ کامل کی طرح روشن اور آفتابِ نصف النہار کی مانند پوری آب و تاب سے چمکتا ہے، جبکہ باطل مارِ سیاہ کی طرح کسی بل میں گھسا، فطرتِ انسانی کو ڈسنے کے لئے موقع کے انتظار میں رہتا ہے۔ فتح ہمیشہ حق کی ہوتی ہے اور باطل ہمیشہ ہزیمت سے دو چار ہوتا ہے، لیکن اپنی غلطی تسلیم نہیں کرتا بلکہ وقتی پسپائی اختیار کرتا ہے۔ کبھی حق کو پھلتا، پھولتا دیکھ کر چیں بچیں ہوتا ہے اور کبھی حق کو کمزور دیکھ کر براہِ راست متصادم ہوتا ہے۔ کبھی مصلحت کا راستہ اختیار کرتا ہے اور کبھی منافقت کا' اور حق پرستوں کا لبادہ اوڑھ کر حق کو نقصان پہنچانے کے منصوبے تیار کرتا ہے۔

مکی دور کے تیرہ سالوں میں باطل نے حق کو مٹانے کے لئے ہر طرح کے ہتھکنڈے استعمال کیے، لیکن شمعِ حق کی لو پہلے سے روشن تر ہوتی گئی۔ رسول اللہ ﷺ کی مدنی زندگی کے پہلے پانچ سالوں میں یہی باطل براہِ راست متصادم ہوا اور پاش پاش ہو گیا تو صلحِ حدیبیہ میں مصالحت کی پالیسی اختیار کرتا ہوا نظر آیا۔ فتحِ مکہ کے بعد باطل پر ایسی کاری ضرب لگی کہ پھر کبھی حق کے مقابلے میں براہِ راست متصادم نہ ہو سکا۔ جنگِ یمامہ میں جھوٹی نبوت کا بھیس بدل کر آیا لیکن حق کے متوالوں کی شمشیرِ خاراشگاف کی کاٹ برداشت نہ کر سکا اور دُم دبا کر بھاگا۔

یرموک اور قادسیہ کے معرکوں میں حق کی فتح اسے آسانی سے ہضم نہ ہو سکی۔ اب کی بار اس نے عبداللہ بن ابی کے وارثوں سے کام لینے کی ٹھانی کہ شاید منافقانہ چالوں سے ہی حق کا کچھ بگاڑ سکے۔ خیبر میں ہونے والی شکست کے بعد یہودی اس قابل نہ رہے تھے کہ کبھی سامنے آ کر فدایانِ اسلام کو للکارتے، لیکن مسلمانوں کی پیہم کامیابیوں نے اُن کے اندر حسد کی آگ کو اور تیز کر دیا۔ سیّدنا فاروق اعظمؓ کے دورِ خلافت میں مسلمانوں کی فتوحات کا جو سلسلہ شروع ہوا اور آپ کے دیگر کارناموں نے جس طرح پرچمِ اسلام کو سربلندی عطا کی، اس سے اہلِ یہود انگاروں پر لوٹنے لگے اور اسلام کے خلاف

Marfat.com

سازشوں میں مصروف ہو گئے۔

عبداللہ بن سباء یمن کے شہر صنعاء کا یہودی تھا۔ منافقانہ اغراض کی تکمیل کے لئے اسلام کا لبادہ اوڑھ کر مدینہ آ گیا۔ یہ بات تو اس پر واضح تھی کہ میدانِ جنگ میں مسلمانوں کو شکست دینا ناممکن ہے، اس لیے اسلام کو نقصان پہنچانے کے لئے مسلمانوں کی صفوں میں انتشار پیدا کرنا اس کی حکمتِ عملی ٹھہری۔ سیّدنا عثمان غنیؓ کی سادہ، نرم اور حلیم طبیعت کو دیکھتے ہوئے اس نے فیصلہ کیا کہ اس خلیفۂ راشد کا دور اس کی تحریک کے لیے بہترین وقت ہے۔ مدینہ میں کچھ عرصہ رہ کر وہ اپنے فاسد خیالات کی تشہیر اور مقاصد کی تکمیل کے لئے منصوبہ بندی کرتا رہا۔ پھر وہ مدینہ سے بصرہ آ گیا، یہاں اس نے اپنے شر انگیز خیالات کی تشہیر شروع کر دی۔ شاہ معین الدین ندوی لکھتے ہیں کہ "بنی اُمیہ اور بنو ہاشم میں پرانی چشمک چلی آ رہی تھی۔ اگرچہ اسلام نے اسے دبا دیا تھا لیکن دلوں سے یہ مٹی نہ تھی، ابنِ سباء نے سب سے پہلے اسے اُبھارا۔ اس نے محبّ اہلِ بیت کے لباس میں اُن کی حمایت کے ساتھ ساتھ، خلفائے ثلاثہ کے خلاف پروپیگنڈا شروع کر دیا اور سادہ لوح مسلمانوں کو پھنسانے اور اُن میں تفریق پیدا کرنے کے لئے شر انگیز خرافات کی تشہیر کی، مثلاً رسول اللہ ﷺ مسیحؑ کی طرح ایک دن اس دنیا میں دوبارہ تشریف لائیں گے اور ہر نبی کا ایک وصی ہوتا ہے اور محمد ﷺ کے وصی جناب علیؓ ہیں۔"(۱)

گورنر بصرہ، عبداللہ بن عامر کو اس فتنہ کے بارے میں علم ہوا تو انہوں نے عبداللہ بن سباء کو فوراً بصرہ سے نکل جانے کا حکم دیا۔ یہ عبداللہ بن عامر کی ایک بڑی غلطی تھی اگر وہ اسے بصرہ سے جلا وطن کرنے کی بجائے اپنی حراست و نگرانی میں لیتا تو وہ فتنہ بڑھنے نہ پاتا جو اس شخص کے سبب بعد میں جا کر قیامت بنا۔(۲)

عبداللہ بن سباء بصرہ سے نکل کر کوفہ چلا گیا۔ اہلِ کوفہ پہلے ہی سیّدنا عثمان غنیؓ کے عامل سعید بن العاص کے خلاف تھے اور اس کی جگہ ابو موسیٰ اشعریؓ کو گورنر بنانا چاہتے تھے۔ عبداللہ بن سباء کی شرانگیزیوں کو دیکھتے ہوئے سعید بن العاص نے بھی اسے کوفہ سے نکال دیا۔ پھر یہ بھاگ کر شام چلا گیا، لیکن وہاں کے گورنر امیر معاویہؓ کی بیدار مغزی کی وجہ سے وہاں بھی کامیاب نہ ہو سکا اور مصر چلا گیا۔ اس طرح بصرہ، کوفہ اور شام میں شر پھیلانے کے بعد مصر کی سرزمین اس کے خیالات کے لئے بڑی زرخیز ثابت ہوئی۔ یہاں اس نے اپنی تحریک کو منظم کرنے کے لئے لائحہ عمل مرتب کیا، ہم خیال

Marfat.com

لوگوں کی خفیہ سوسائٹی بنائی اور حضرت عثمان غنیؓ کے خلاف الزامات گھڑے۔ گورنرِ مصر کے خلاف شکایات کے بہت سے خطوط عثمان غنیؓ کی طرف ارسال کیے گئے، آپؓ نے تحقیقِ احوال کے لیے عمار بن یاسرؓ کو مصر بھیجا۔

علامہ طبری لکھتے ہیں کہ عمارؓ نے واپس آنے میں تاخیر کر دی یہاں تک کہ یہ اندیشہ پیدا ہو گیا کہ کہیں وہ ناگہانی طور پر شہید نہ کر دیے گئے ہوں، آخر اچانک عبداللہ بن سعد بن ابی سرح (۳) کا یہ خط آیا کہ حضرت عمارؓ کو مصر کے ایک گروہ نے اپنی طرف مائل کر لیا ہے اور اُن کے پاس لوگ اکٹھے ہونے لگے ہیں۔ (۴)

مصر کے علاوہ کوفہ اس تحریک کا ایک بڑا مرکز تھا۔ یہاں کے سبائی خاصا زور پکڑ چکے تھے اور گورنر کوفہ سعید بن العاص کو تبدیل کر کے ان کی جگہ ابو موسیٰ اشعریؓ کو گورنر بنانے کا مطالبہ کر رہے تھے۔ عثمان غنیؓ نے حالات کو ابتری سے بچانے کے لئے کوفیوں کا یہ مطالبہ تسلیم کر لیا۔ یہ سب سے پہلا فتنہ تھا جو کوفہ نے دوسرے شہروں کے لیے ایک مثال کے طور پر پیش کیا، چنانچہ بہت جلد دوسرے شہروں نے اس کی اتباع کی اور باغیوں کو معلوم ہو گیا کہ مقصد کے حصول کے لئے بغاوت ہی ایک سیدھا راستہ ہے۔ تھوڑے ہی دنوں بعد مصری کوفہ والوں کی راہ پر چل پڑے۔ (۵)

اب حالات تیزی سے ابتری کی طرف جا رہے تھے۔ خلیفۂ راشدؓ کے گورنروں کے غیر ذمہ دارانہ اور نامناسب رویہ سے لوگوں میں بے چینی پیدا ہو رہی تھی، جس سے سبائیوں کا کام اور بھی آسان ہو گیا۔

> Loud complaints of exaction and oppression by his governors began pouring into the capital.(6)

"آپؓ کے گورنروں کی لوٹ مار اور ظلم و ستم کی زبردست شکایات (لوگوں کے ذریعے) دارالحکومت تک پہنچنی شروع ہو گئیں۔"

عثمان غنیؓ نے حالات کی تحقیق کے لیے ایک کمیشن مقرر کیا اور مختلف صحابہ کرام کو مختلف علاقوں کی طرف بھیجا تاکہ وہ واپس آ کر صحیح صحیح رپوٹ پیش کریں۔ پھر پورے ملک میں اعلان کر دیا کہ جس شخص کو میرے عمال کے خلاف کوئی شکایت ہو وہ حج کے موقع پر بیان کرے، میں ظالم سے مظلوم کا حق دلواؤں گا۔ (۷)

Marfat.com

خلیفۂ وقت کے اس اعلان کے باوجود اس سال کوئی شخص شکایت لے کر مکّہ حاضر نہ ہوا۔ مصر کے گورنر عبداللہ بن ابی سرح کے خلاف لوگوں کے جذبات میں شدّت آ گئی اور اس کی معزولی کا مطالبہ زور پکڑنے لگا۔ ان حالات میں بعض صحابہ نے بھی عثمان غنیؓ کو مشورہ دیا کہ گورنرِ مصر کو تبدیل کر دیا جائے۔ سیّدہ عائشہؓ نے بھی کہلا بھیجا کہ ظالم گورنر کی معزولی کے بارے میں صحابہ کرام آپ سے کہہ رہے ہیں لیکن آپؓ کوئی انتظام نہیں کرتے، حالانکہ اسی ظالم گورنر نے بعض مصریوں کو قتل کر ڈالا ہے اب آپؓ اس گورنر کو کیفرِ کردار تک پہنچائیں۔ (۸)

اگر عثمان غنیؓ اس موقع پر صحابہ کرام کا مشورہ مان لیتے اور گورنرِ مصر کو فوراً معزول کر دیتے تو شاید سبائیوں کی سازشیں وہیں پر دم توڑ جاتیں اور پھر مدینہ میں وہ کچھ نہ ہوتا جو بعد میں ہوا۔ لیکن عثمان غنیؓ نے گورنرِ مصر کو تبدیل نہ کیا، جس سے سبائیوں کو مدینہ کی طرف پیش قدمی کا موقع ملا۔ ماہ شوال ۳۵ھ کو مصر، کوفہ اور بصرہ سے لوگ قافلوں کی شکل میں مدینہ روانہ ہوئے۔ ان کی کل تعداد دو ہزار تھی۔ (۹)

یہ لوگ اپنے ناپاک ارادوں کے ساتھ مدینہ میں داخل ہوئے، پہلے یہ لوگ حضرت علیؓ، طلحہؓ اور زبیرؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور انہیں اپنے اس موقف سے آگاہ کیا کہ ہم کسی صورت عثمان غنیؓ کو خلافت کے منصب پر قبول نہیں کریں گے، آپ ہم سے بیعتِ خلافت لے لیں، لیکن جب ان حضرات نے سختی سے انکار کیا تو پھر ان سب نے اپنا دوسرا مطالبہ پیش کیا کہ مصر کے گورنر عبداللہ بن ابی سرح کو معزول کر کے محمد بن ابی بکر کو گورنر بنایا جائے۔ (۱۰)

سیّدنا علیؓ نے دربارِ خلافت میں حاضر ہو کر مشورہ دیا کہ اہلِ مصر گورنر کی تبدیلی کا مطالبہ کر رہے ہیں اس لیے بہتر ہے کہ ان لوگوں کو ٹالنے کے لیے ان کا مطالبہ تسلیم کر لیا جائے۔ عثمان غنیؓ نے اُن کے اس مشورے پر عمل کرتے ہوئے عبداللہ بن ابی سرح کو معزول کر کے ان کی جگہ محمد بن ابی بکرؓ کو مصر کا گورنر تعینات کر دیا۔ سبائی مدینہ سے مصر کی طرف روانہ ہو گئے۔ راستے میں انہیں ایک شتر سوار تیزی سے مصر کے راستے پر جاتا ہوا ملا، انہوں نے اسے پکڑ لیا، جب اس کی تلاشی لی گئی تو اس کے پاس سے ایک خط برآمد ہوا، جو گورنر مصر عبداللہ بن ابی سرح کے نام تھا جس میں خلیفہ راشد عثمان غنیؓ کی طرف سے سبائیوں کے مصر پہنچنے پر ان کو قتل کرنے کا حکم دیا گیا تھا، خط کے نیچے عثمان غنیؓ کی مہر بھی ثبت کی گئی تھی۔ یہ خط درحقیقت مروان بن حکم نے عثمان غنیؓ کے علم میں لائے بغیر تحریر کیا تھا۔

Marfat.com

On their way home they intercepted a letter of Marwan, purporting to bear the seal of the Caliph, containing directions to the local governors to behead the leaders of the deputation on their arrival at their destinations. (11)

"اپنے گھروں کو واپس لوٹتے ہوئے انہوں نے مروان کا ایک خط پکڑ لیا جس پر خلیفہ کی مہر لگی ہوئی تھی۔ اس خط میں مقامی گورنروں کے لیے ہدایات تھیں کہ ان گروہوں کے اپنی منزلوں پر پہنچنے کے ساتھ ہی ان کے لیڈروں کے سر قلم کر دیے جائیں۔"

یہ خط پڑھتے ہی وہ تمام لوگ وہیں سے واپس ہوئے اور مدینہ میں داخل ہو کر عثمان غنیؓ کے گھر کا محاصرہ کر لیا۔ ان بلوائیوں نے حضرت علیؓ اور دیگر صحابہ کرام کی موجودگی میں وہ خط پڑھوایا اور حبشی غلام کا پورا واقعہ بیان کیا جس پر مدینہ کے سب لوگ عثمان غنیؓ پر غضب ناک ہوئے۔ ابنِ مسعودؓ، ابوذر غفاریؓ اور عمار بن یاسرؓ کے ساتھ سختی پر اس مزید واقعہ نے اُن کے غیض و غضب کو اور زیادہ بھڑکا دیا۔ (۱۲)

صحابہ کرام نے سیّدنا عثمان غنیؓ سے اس خط کی بابت معلوم کیا تو آپؓ نے اس خط سے مکمل لاعلمی کا اظہار کیا۔ بلوائیوں کو تو محض بہانہ چاہئے تھا کہ جس شخص کی طرف سے ایسے اہم فرامین لکھے جائیں، اُن پر اُس کی مہر لگائی جائے، سرکاری اہلکار اُن کو لے کر جائیں اور اُس کو خبر تک نہ ہو، ایسا شخص ہرگز خلافت کا اہل نہیں ہے۔ اس لیے آپ خلافت سے دستبردار ہو جایئے۔ آپؓ نے جواب دیا کہ خدا نے مجھے خلعت پہنایا ہے، اسے میں اپنے ہاتھوں سے نہ اُتاروں گا۔ (۱۳)

تحقیق کی گئی تو معلوم ہوا کہ یہ خط عثمان غنیؓ کے سیکرٹری مروان بن حکم (۱۴) نے تحریر کیا تھا۔ مروان بن حکم پوری طرح حضرت عثمان غنیؓ پر حاوی ہو چکا تھا اور اپنے مشوروں سے معاملات بگاڑ رہا تھا، حضرت علیؓ مروان کی ان سازشوں کو سمجھتے تھے۔ آپؓ نے عثمان غنیؓ کو سمجھایا اور کہا کہ مروان آپ کو آپ کے دین اور عقل سے برگشتہ کیے بغیر آپ سے راضی نہ ہوگا اور آپ کی مثال پالکی والے اونٹ کی سی ہے جسے جہاں چلایا جائے وہیں چلنے لگتا ہے، خدا کی قسم، مروان اپنے اور اپنے دین کے متعلق عقل مندی اختیار کرنے والا شخص نہیں، آج کے بعد میں آپ کو سمجھانے کے لیے نہیں آؤں گا۔ (۱۵)

مروان بن حکم نے مصریوں کے قتل سے متعلق خط لکھ کر جلتی پر تیل ڈال دیا تھا۔ بلوائیوں نے سیّدنا عثمان غنیؓ سے مروان بن حکم کی حوالگی کا مطالبہ کیا لیکن عثمانؓ جانتے تھے کہ بلوائی مروان کو قتل کر دیں

Marfat.com

گے، اس لیے آپؓ نے ان کا مطالبہ مسترد کر دیا۔ بلوائیوں نے خلیفۂ وقت کے گھر کا محاصرہ کر لیا۔ ابو الاعلیٰ مودودی لکھتے ہیں "اس نازک وقت پر حضرت عثمانؓ نے وہ طرزِ عمل اختیار کیا جو ایک خلیفہ اور ایک بادشاہ کے فرق کو صاف صاف نمایاں کر کے رکھ دیتا ہے۔ اُن کی جگہ کوئی بادشاہ ہوتا تو اپنے اقتدار کو بچانے کے لیے کوئی بازی کھیل جانے میں اسے باک نہ ہوتا۔ اُس کی طرف سے اگر مدینہ کی اینٹ سے اینٹ بج جاتی، انصار و مہاجرین کا قتلِ عام ہو جاتا، ازواج مطہرات کی توہین ہوتی اور مسجدِ نبوی بھی مسمار ہو جاتی تو کوئی فرق نہ پڑتا۔ مگر وہ خلیفۂ راشد تھے۔ انہوں نے سخت سے سخت لمحوں میں بھی اس بات کو ملحوظ رکھا کہ ایک خدا ترس فرماں روا اپنے اقتدار کی حفاظت کے لیے کہاں تک جا سکتا ہے اور کس حد پر پہنچ کر اسے رک جانا چاہیے۔ وہ اپنی جان دے دینے کو اس سے ہلکی چیز سمجھتے تھے کہ ان کی بدولت وہ حُرمتیں پامال ہوں جو ایک مسلمان کو ہر چیز سے زیادہ عزیز ہونی چاہئیں۔" (۱۶)

بلوائیوں کی طرف سے محاصرہ میں شدت آ گئی اور خلیفۂ وقت پر پانی بند کر دیا گیا۔ حضرات علیؓ، طلحہؓ اور زبیرؓ نے اپنے اپنے بیٹوں کو عثمان غنیؓ کے گھر اُن کی حفاظت کے لیئے بھیجا، یہ صاحبزادے خلیفۃ المسلمین کی شان میں گستاخی کرنے والوں کو سختی سے روکتے۔ حضرت علیؓ کو معلوم ہوا کہ لوگ عثمان غنیؓ کے قتل کے درپے ہو گئے ہیں تو آپؓ نے اپنے صاحبزادگان امام حسنؓ اور امام حسینؓ سے فرمایا جاؤ! اپنی تلواریں لے کر حضرت عثمانؓ کے دروازے پر پہرے دار کی حیثیت سے کھڑے ہو جاؤ، اور خبردار کسی بلوائی کو اندر نہ جانے دینا۔ (۱۷)

ان صاحبزادگان کی درِ عثمانی پر پہرہ دینے کی وجہ سے مُفسدّین کو جرأت نہیں ہو رہی تھی کہ وہ خلیفۂ وقت کے گھر میں داخل ہوں، کیونکہ ایسی صورت میں اگر حضرات حسنؓ اور حسینؓ سے لڑائی ہو جاتی تو بنو ہاشم میدان میں آ جاتے۔ محاصرہ کی حالت میں ایک دن سیڈنا عثمان غنیؓ نے بلوائیوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

"لوگو! تم میرے قتل کے درپے کیوں ہو؟ میں تمہارا والی اور مسلمان بھائی ہوں، خدا کی قسم جہاں تک میرے بس میں تھا، میں نے ہمیشہ اصلاح کی کوشش لیکن بہر حال میں انسان ہوں، اس لیے اصابتِ رائے کے ساتھ لغزشیں بھی ہوئیں۔ یاد رکھو! اگر تم نے مجھ کو قتل کر دیا تو پھر تا قیامت نہ ایک ساتھ نماز پڑھو گے اور نہ ایک ساتھ جہاد کرو گے۔" (۱۸)

Marfat.com

جب بلوائیوں نے دیکھا کو خلیفہ راشد کے گھر صدر دروازے سے داخل ہونا مشکل ہے تو ایک دن وہ دیوار پھاند کر اندر داخل ہو گئے، آپؓ اس وقت قرآن پاک کی تلاوت میں مشغول تھے۔ علامہ طبری نے آپ کی شہادت کے آخری لمحات کو اس طرح بیان کیا ہے۔

"محمد بن ابی بکر نے اندر جا کر حضرت عثمانؓ کی داڑھی پکڑ لی۔ آپؓ نے فرمایا کہ تم میری داڑھی چھوڑ دو تمہارا باپ اسے نہیں پکڑتا تھا۔ اِس پر اُس نے داڑھی چھوڑ دی۔ اس کے بعد کئی اور لوگ آ گئے۔ کسی نے تلوار ماری، کسی نے زدوکوب کیا، اور ایک شخص بھالا لے کر آ گیا اور اس سے اُن پر حملہ کر دیا۔ آپؓ کا خون نکل کر قرآن مجید پر بہنے لگا، اس کے باوجود یہ لوگ آپؓ کو قتل کرنے سے ڈرتے تھے۔ چونکہ آپ عمر رسیدہ تھے، اس لیے اس حالت میں بے ہوش ہو گئے، اتنے میں دوسرے لوگ بھی آ گئے، جب انہوں نے آپؓ کو بے ہوش دیکھا تو انہوں نے آپؓ کی ٹانگ پکڑ کر گھسیٹا، اس پر زوجہ عثمانؓ حضرت نائلہؓ اور اُن کی بیٹیاں چلانے لگیں، ایک بلوائی نے اپنی تلوار نکال لی اور اسے آپؓ کے شکم مبارک میں گھونپنا چاہا مگر حضرت نائلہؓ نے اس وار کو روکا جس سے اُن کی انگلیاں کٹ گئیں۔ اس کے بعد اس نے تلوار خلیفہ راشدؓ کے سینے پر ماری اور غروبِ آفتاب سے پہلے حضرت عثمانؓ شہید ہو گئے۔" (۱۹)

ابنِ عساکر نے عون بن کنانہ سے روایت کی ہے کہ کنانہ بن بشر نے آپ کی پیشانی اور سر کے اگلے حصے پر ایک آہنی سلاخ ماری اور آپ پہلو کے بل گر پڑے، اس کے بعد سودان بن حمران مرادی نے آپ کو تلوار مار کر قتل کر دیا (۲۰) شہادتِ عثمانؓ پر صحابہ کرام دم بخود رہ گئے۔ حضرت حذیفہؓ سے روایت ہے کہ سب سے پہلا فتنہ قتلِ عثمانؓ ہے اور سب سے آخری فتنہ دجال ہوگا۔ (۲۱) ابنِ عساکر نے یزید بن حبیب کی زبانی لکھا ہے کہ مجھے معتبر ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ وہ تمام اشخاص جنھوں نے حضرت عثمانؓ کے شہید کرنے میں حصہ لیا وہ سب کے سب دیوانے ہو گئے۔ معمر کا بیان ہے کہ حضرت عثمانؓ کو شہید کر کے لوگوں نے اسلام کے مضبوط قلعہ میں ایک زبردست رخنہ ڈال دیا جو قیامت تک بند نہ ہوگا۔ (۲۲)

شہادتِ عثمانؓ کے بعد قصاصِ عثمانؓ کے مسئلہ پر مسلمانوں میں خانہ جنگی کا آغاز ہوا اور تاریخِ اسلام میں پہلی بار مسلمانوں کی تلواریں ایک دوسرے کے خلاف بے نیام ہوئیں اور عشرہ مبشرہ صحابہ ایک

Marfat.com

دوسرے کے خلاف صف آراء ہوئے۔

The murder of Uthman was one of the most fateful events in Islamic History. To adapt the phrase of tacitus, the secret of empire was disclosed, that the Caliphate was no sacred office, but a prize to be snatched by violence; the swords of believers, hitherto employed only against infidels, were turned against one another, and Muslim blood was spilt by Muslims in the second holiest city of Arabia.(23)

"حضرت عثمانؓ کی شہادت اسلامی تاریخ کے المناک واقعات میں سے ایک ہے۔ٹیکٹس کے الفاظ (اس سانحہ کے بارے میں) یہ ہیں کہ سلطنت کا راز کھل کر سامنے آ گیا کہ خلافت گویا کوئی مقدس عہدہ نہیں تھا بلکہ یہ ایک ایسا انعام تھا جو کہ تشدد اور طاقت کے زور پر چھینا جاسکتا تھا۔اہل ایمان کی تلواریں جواب تک صرف کافروں کے خلاف استعمال ہوئی تھیں،اب ایک دوسرے کے خلاف چلنے لگیں اور مسلمانوں نے اسلام کے دوسرے مقدس ترین شہر میں مسلمانوں کا ہی خون بہایا۔"

حوالہ جات حواشی

(۱) تاریخ اسلام،ندوی، معین الدین احمد،المیز ان ناشران،لاہور،ص۲۰۴

(۲) خلافت راشدہ کی جمہوری قدریں،ندوی،رشید اختر،ادارہ معارف ملیؔ،لاہور،ص۸۵۷،۱۹۶۶ء

(۳) عبداللہ بن ابی سرح ان پندرہ لوگوں میں شامل تھا،جن کو نبی کریم ﷺ نے فتح مکہ کے دن قتل کرنے کا حکم جاری کیا تھا،لیکن عثمان غنیؓ کی سفارش پر اسے معاف کر دیا تھا۔عثمان غنیؓ کا سوتیلا بھائی تھا، آپؓ نے اپنے دور خلافت میں اسے مصر کا گورنر بنایا۔اہل مصر نے اس کو ہٹا کر محمد بن ابی بکر کو گورنر بنانے کا مطالبہ کیا۔مؤلف

(۴) تاریخ طبری،طبری،ابن جریر،مترجم محمد ابراہیم ندوی،نفیس اکیڈمی،کراچی،ج۳،ص۴۱۰،۱۹۸۴ء

(۵) عثمانؓ اور علیؓ سیاست کی روشنی میں، طہٰ حسین،ڈاکٹر،مترجم عبدالحمید نعمانی،نفیس اکیڈمی، کراچی،ص۲۵۶،طبع پنجم،۱۹۶۱ء

Marfat.com

(۶)A Short History of the Saracens, Page47, Syed Ameer Ali, Islamic Book Service, LAHORE.

(۷)مختصر اردو دائرہ معارف اسلامیہ، محمد عبداللہ، سید، ڈاکٹر، پنجاب یونیورسٹی، لاہور، ص ۵۲۸

(۸) تاریخ الخلفاء، سیوطی، جلال الدین، مترجم اقبال الدین احمد، نفیس اکیڈمی، کراچی، ص ۱۶۲، ۱۹۸۳ء

(۹) خلافت و ملوکیت، مودودی، سیّد ابو الاعلیٰ، اسلامک پبلیکیشنز لمیٹڈ، لاہور، ص ۱۱۸

(۱۰) تاریخ اسلام، نجیب آبادی، اکبر شاہ، فرید بک ڈپو، دہلی، ج ۱، ص ۴۰۹

(11) A Short History of the Saracens, Page 48, Syed Ameer Ali, Islamic Book Service, LAHORE.

(۱۲) تاریخ الخلفاء، سیوطی، جلال الدین، مترجم اقبال الدین احمد، نفیس اکیڈمی، کراچی، ص ۱۶۳، ۱۹۸۳ء

(۱۳) تاریخ اسلام، ندوی، معین الدین احمد، المیزان ناشران، لاہور، ص ۲۱۴

(۱۴) حکم بن العاص کی سازشوں کی وجہ سے نبی کریم ﷺ نے اسے مدینہ سے نکال دیا تھا۔ مروان بھی اپنے باپ کے ساتھ جلاوطن رہا۔ عثمان غنیؓ کے دور خلافت میں یہ مدینہ آ گیا۔ چونکہ وہ بنی امیہ کا فرد اور عثمان غنیؓ کا چچازاد تھا اس لیے سیّدنا عثمان غنیؓ نے اسے اپنا سیکرٹری مقرر کیا۔ مؤلف

(۱۵) البدایہ والنہایہ ابن کثیر، مترجم عبدالرشید ندوی، اختر فتح پوری، نفیس اکیڈمی، کراچی، ج ۷، ص ۳۴۲

(۱۶) خلافت و ملوکیت، مودودی، سید ابو الاعلیٰ، اسلامک پبلیکیشنز لمیٹڈ، لاہور، ص ۱۲۰

(۱۷) تاریخ الخلفاء، سیوطی، جلال الدین، مترجم اقبال الدین احمد، نفیس اکیڈمی، کراچی، ص ۱۶۴، ۱۹۸۳ء

(۱۸) تاریخ اسلام، ندوی، معین الدین احمد، المیزان ناشران، لاہور، ص ۲۱۵

(۱۹) تاریخ طبری، طبری، ابن جریر، مترجم محمد ابراہیم ندوی، نفیس اکیڈمی، کراچی، ج ۳، ص ۴۷۵، ۱۹۸۴ء

(۲۰) البدایہ والنہایہ، ابن کثیر، عماد الدین، مترجم عبدالرشید، اختر فتحپوری، نفیس اکیڈمی، کراچی، ج ۷، ص ۳۶۵

Marfat.com

(۲۱) مختصر اردو دائرہ معارف اسلامیہ، محمد عبداللہ، سید، ڈاکٹر، پنجاب یونیورسٹی، لاہور، ص ۵۲۸

(۲۲) تاریخ الخلفاء، سیوطی، جلال الدین، مترجم اقبال الدین احمد، نفیس اکیڈمی، کراچی، ص ص ۱۶۷۔۱۶۸

(23)A History of Medieval Islam, Page 63,J.J Saunders, Routledge and Kegan Paul, LONDON,1965.

Marfat.com

حضرت عثمان غنیؓ پر الزامات کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ

منافقین کا طرزِ عمل بہت شاطرانہ ہوتا ہے، وہ دین داروں کا لبادہ اوڑھ کر مسلم جماعت کی صفوں میں داخل ہو جاتے ہیں اور ہر وقت ایسے نازک لمحوں کی تلاش میں رہتے ہیں جب وہ جماعت کے مفادات پر کاری ضرب لگا سکیں۔ کوئی جماعت اخلاقی اقدار کے لحاظ سے خواہ کتنی ہی مضبوط کیوں نہ ہو، اس کے کارکنان کی بشری کمزوریوں کی وجہ سے معمولی اختلافات کا پیدا ہو جانا ناممکنات میں سے نہیں ہوتا۔ زندگی کی پُر خار وادیوں سے گزرتے ہوئے کئی ایسے نشیب و فراز آتے ہیں، جب شک کا کانٹا اپنا کام دکھاتا ہے اور یہی وقت جماعت کے لیے نہایت احتیاط کا متقاضی ہوتا ہے۔ کیونکہ ایسے ہی لمحات میں منافقین کا ٹولہ اپنے ناپاک منصوبوں کی تکمیل کے لئے مسلم جماعت کے مخلص ترین افراد کو استعمال کرتا ہے۔ ایک دفعہ فتنے کی آگ بھڑک اُٹھے تو سچے اور کھرے افراد بھی بے خبری میں اپنا ہی نشیمن جلا ڈالتے ہیں۔

عبداللہ بن ابی سے عبداللہ بن سباء تک منافقین کے طریقۂ کار میں یہی ایک چیز مشترک نظر آتی ہے کہ شک کا بیج بو کر مسلم جماعت میں انتشار پیدا کیا جائے تا کہ شکوک و شبہات کی گرد میں حق کا رخ زیبا دھندلا جائے۔ مدینہ کے منافقین نے فتنۂ اِفک گھڑا تو حضرت مسطحؓ اور حسان بن ثابتؓ جیسے صحابہ کرام اُن کے پروپیگنڈے کی رو میں بہہ گئے اور جب سبائیوں نے عثمان غنیؓ کے خلاف سازشوں کا جال بچھایا تو محمد بن ابوبکر اور عمار بن یاسرؓ جیسے معتبر اصحاب بھی اُن کے دامِ تذویر کا شکار ہو گئے۔

عبداللہ بن سباء نے عثمان غنیؓ کی شرافتِ طبع کا خصوصی طور پر جائزہ لیا، آپؓ کے اُموی ہونے کی وجہ سے ابنِ سباء نے بنو ہاشم اور بنو اُمیہ کی قبائلی عصبیت کو اپنی شرانگیزی کے لیے خصوصی ہتھیار کے طور پر استعمال کیا۔ سبائیوں نے اپنے مذموم مقاصد کی تکمیل کے لیے خلیفۂ راشد عثمان غنیؓ پر مختلف قسم کے الزامات لگائے۔ ذیل میں ہم ان الزامات کا تحقیقی اور تنقیدی جائزہ لیتے ہیں۔

سبائیوں نے سب سے زیادہ جس الزام کو اُچھالا، وہ یہ تھا کہ خلیفۂ وقت حضرت عثمان غنیؓ نے کبار

Marfat.com

صحابہ کرام کے خلاف معاندانہ رویّہ اختیار کیا۔ مثلاً:۔

۱) حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کو کوفہ کی گورنری سے معزول کیا۔

۲) حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کو بصرہ کی گورنری سے معزول کیا۔

۳) حضرت ابوذر غفاریؓ کو مدینہ سے جلاوطن کیا۔

۴) حضرت عمار بن یاسرؓ کے خلاف سخت رویہ اختیار کیا۔

۵) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ پر سختی کی اور اُن کا وظیفہ بند کر دیا۔

فاروق اعظمؓ نے اپنے دورِ خلافت میں گڈ گورننس (Good Governance) کے لیے خالد بن ولیدؓ کو ڈپٹی کمانڈر بنا کر ابوعبیدہؓ کے تابع کر دیا تھا۔ اس کے علاوہ آپؓ اپنے عمّال کی ہر معاملہ میں باز پرس کرتے تھے، لیکن جب حضرت عثمان غنیؓ نے اپنے دورِ خلافت میں گڈ گورننس کے لیے بعض صحابہ کرام کو تبدیل کیا تو سبائیوں نے اُن کی اسی بات کو پروپیگنڈا کے لیے استعمال کیا۔ عثمان غنیؓ نے خود سعد بن ابی وقاصؓ کو کوفہ کا گورنر مقرر کیا تھا۔ سعد بن ابی وقاصؓ نے کوفہ کے بیت المال کے عامل عبداللہ بن مسعودؓ سے اپنی ذاتی ضروریات کے لیے کچھ رقم قرض پر لی، کچھ عرصہ بعد عبداللہ بن مسعودؓ نے رقم کا تقاضا کیا۔ سعدؓ اس رقم کو واپس کرنے کی پوزیشن میں نہ تھے۔ ان دونوں حضرات کے درمیان اس بات پر اختلافات شدّت اختیار کر گئے جس سے کوفہ کے لوگوں میں بے چینی پیدا ہونے لگی۔ خلیفۂ وقت عثمان غنیؓ کو مدینہ میں ان اختلافات کا علم ہوا تو آپؓ نے کوفہ کے حالات کی بہتری کے لئے سعد بن ابی وقاصؓ کو معزول کر کے اُن کی جگہ ولید بن عُقبہ بن ابی معیط کو کوفہ کا گورنر مقرر کر دیا۔ ولید چونکہ خلیفہ وقت کا رشتہ دار تھا اس لیے سبائیوں کو یہ پروپیگنڈا کرنے کا موقع ملا کہ عثمان غنیؓ نے ایک جلیل القدر صحابی کو معزول کر کے اپنے ایک نوجوان رشتہ دار کو گورنر مقرر کر دیا ہے۔ (۱) ولید بن عُقبہ پر جب شراب نوشی کا الزام لگا تو عثمان غنیؓ نے اسے معزول کر کے سعید بن العاص کو کوفہ کا گورنر بنا دیا۔

گورنرِ بصرہ ابوموسیٰ اشعریؓ کے خلاف خود اہلِ بصرہ نے عثمان غنیؓ کے پاس آ کر شکایات کیں، اس لیے آپؓ نے اُن کو بصرہ کی گورنری سے معزول کر دیا لیکن کچھ عرصہ کے بعد سعید بن العاص کی جگہ ابوموسیٰ اشعریؓ کو کوفہ کا گورنر بنا دیا۔

ابوذر غفاریؓ اور عثمان غنیؓ کا اختلاف تو واضح طور پر ایک اجتہادی مسئلہ کی وجہ سے تھا، لیکن اُسے

Marfat.com

بھی سبائیوں نے سیاسی مقاصد کے لئے استعمال کیا۔ابوذر غفاریؓ ملکِ شام میں رہائش پذیر تھے، وہاں گورنرِ شام امیر معاویہؓ سے اُن کا قرآنِ مجید کی آیت مبارکہ

﴿ والذین یکنزون الذھب والفضۃ ولا ینفقونھا فی سبیل اللہ فبشرھم بعذاب الیم ﴾ (توبہ، آیت ۳۴)

''اور جو لوگ سونا اور چاندی جمع کرتے ہیں اور اسے اللہ کے راستے میں خرچ نہیں کرتے، پس انہیں دردناک عذاب کی بشارت دے دو''

کے معانی اور مطالب میں اختلاف پیدا ہو گیا۔ابوذر غفاریؓ کا خیال تھا کہ ضرورت سے زیادہ کسی قسم کی دولت کو جمع کرنے کی اجازت نہیں ہے، بلکہ ضرورت سے زیادہ تمام دولت کو اللہ کی راہ میں خرچ کرنا ضروری ہے۔جبکہ امیر معاویہؓ کا کہنا تھا کہ زکوٰۃ کی ادائیگی کے بعد رقم جمع کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ ابوذر غفاریؓ اپنے اس مؤقف کے بارے میں خاصے سخت تھے، انہوں نے اپنے اس خیال سے اختلاف کرنے والوں سے معاندانہ رویہ اختیار کیا۔نقصِ امن کے خطرے کے پیشِ نظر عثمان غنیؓ نے ابوذر غفاریؓ کو اپنے پاس مدینہ بلوا لیا۔مدینہ آ کر بھی اُن کے نقطۂ نظر میں کوئی تبدیلی نہ آئی بلکہ انہوں نے اس معاملے پر صحابہ کرام سے بھی جھگڑنا شروع کر دیا، چونکہ عثمانؓ بھی اُن کے اس مؤقف سے اختلاف رکھتے تھے، اس لئے اُن پر بھی تنقید شروع کر دی۔انہوں نے اس تنقید پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ عثمان غنیؓ کی سیاست، اُن کی تقرری اور گورنروں کی معزولی پر بھی اعتراض شروع کر دیا۔اس طرح ابوذر غفاریؓ کی مخالفت سیاسی ہو کر اور بھی پیچیدہ ہو گئی۔(۲)

جب ابوذر غفاریؓ کے مؤقف میں شدّت آ گئی تو عثمان غنیؓ نے اُن سے کہا کہ آپ مدینہ سے کسی اور علاقے میں چلے جائیں تاکہ مدینہ میں آپ کا کسی سے جھگڑا نہ ہو جائے۔شاہ معین الدین لکھتے ہیں کہ "حضرت ابوذر غفاریؓ کو حضرت عثمان غنیؓ نے جلا وطن نہیں کیا بلکہ وہ خود ایک ویرانہ میں گوشہ نشین ہوئے تھے۔ابوذر غفاریؓ جائز سرمایہ کاری کے بھی خلاف وعظ کرتے پھرتے تھے، اس سے بھی بدامنی پھیلنے کا اندیشہ تھا۔"(۳)

عمار بن یاسرؓ ایک مخلص اور جلیل القدر صحابی تھے، جب مصر میں حالات خراب ہوئے اور گورنرِ مصر کے خلاف بہت سے خطوط خلیفۂ وقت کو موصول ہوئے تو آپؓ نے حقیقتِ احوال جاننے کے لیے عمار بن

Marfat.com

یاسرؓ کو مصر بھیجا، وہاں پر سبائیوں نے اپنی چرب زبانی سے انہیں عثمان غنیؓ کے خلاف بھڑکایا اور گورنرِ مصر کے مظالم کے بارے میں انہیں بتایا۔ عمار بن یاسرؓ بجائے اس کے کہ واپس جا کر خلیفۂ وقت کو حالات سے آگاہ کرتے، تاکہ حالات کی درستی کے لیے اقدامات کیے جاتے، وہ وہیں مصر میں ٹھہر گئے۔ عثمان غنیؓ نے اس بات پر عمار بن یاسرؓ کی باز پرس کی، اس پر سبائیوں نے خلیفۂ وقت کے خلاف ایک اور الزام قائم کر لیا کہ وہ بزرگ صحابہ پر سختیاں کرتے ہیں۔ حالانکہ عمار بن یاسرؓ پر کوئی سختی نہیں ہوئی لیکن چونکہ وہ سبائی جماعت سے متاثر ہو گئے تھے، اس لیے حضرت عثمانؓ نے اُن کی فہمائش ضرور کی اور یہ کوئی جرم نہیں ہے۔ حضرت عمر فاروقؓ نے سیاسی مصالح کی بنیاد پر عمال کو سزا دی ہے۔ (۴)

آرمینیا کے محاذ سے واپسی پر حذیفہ بن یمانؓ نے عثمان غنیؓ کو بتایا کہ دورانِ جہاد میں نے دیکھا کہ مختلف علاقوں کے مسلمان قرآن مجید کی تلاوت الگ الگ قرأتوں میں کرتے ہیں اور ہر علاقے والے اپنی قرأت کو دوسروں سے افضل بتاتے ہیں، اس بات پر سخت نزاع پیدا ہو جانے کا خطرہ تھا۔ حذیفہؓ نے خلیفۂ وقت کو مشورہ دیا کہ اُمت کو قرآن کی ایک قرأت پر اکٹھا کیا جائے۔ عثمان غنیؓ کو یہ مشورہ بہت پسند آیا، آپؓ نے اُمّ المومنین حضرت حفصہؓ سے قرآن مجید کا وہ نسخہ منگوایا، جو حضرت ابوبکر صدیقؓ کے دورِ خلافت میں مرتّب کیا گیا تھا۔ اس نسخہ کی بہت سی کاپیاں تیار کروا کے مختلف علاقوں میں بھیج دی گئیں۔

> "سب سے بڑا اور عظیم الشّان کارنامہ جو خلافتِ عثمانؓ میں سرانجام پایا وہ عالمِ اسلام کو ایک مُصحف اور ایک قرأت پر جمع کرنا تھا۔ قرآن مجید کو لکھوا کر تمام ممالکِ اسلامیہ میں شائع کرنا اور ایک ہی قرأت پر سارے عالمِ اسلام کو متفق کر دینا خلافتِ عثمانؓ کا مہتم بالشّان واقعہ ہے۔" (۵)

عبداللہ بن مسعودؓ نے خلیفۂ وقت کے اس اقدام کو پسند نہ کیا اور زید بن ثابتؓ کی سربراہی میں تیار ہونے والے نسخۂ قرآنی کی بجائے اپنے طور پر ترتیب دیے گئے قرآن (۶) کو پڑھنے اور اس کی تعلیم دینے پر اصرار کیا۔ عثمانِ غنیؓ نے سرکاری نسخہ کی بہت سی کاپیاں تیار کروائیں اور انفرادی طور پر ترتیب دیئے گئے باقی تمام نسخوں کو جلا دینے کا حکم دیا۔ عبداللہ بن مسعودؓ نے نہ صرف عثمان غنیؓ کے اس حکم کو ماننے سے انکار کیا بلکہ اس اقدام کی شدید مخالفت بھی کی۔ (۷)

Marfat.com

عبداللہ بن مسعودؓ کا اپنا ذاتی نسخہ رکھنے پر اصرار اور سرکاری نسخہ کی مخالفت اُمتِ مسلمہ کے اجتماعی مفاد کے خلاف تھی اور اُن کا یہ اقدام خلیفۂ وقت کے حکم اور اسلامی حکومت کی پالیسی سے متصادم تھا، اس لیے عثمان غنیؓ نے اُن پر سختی کی اور اُن کا وظیفہ بند کر دیا۔ عثمان غنیؓ کا عبداللہ بن مسعودؓ سے کسی قسم کا ذاتی اختلاف ہرگز نہ تھا۔

سبائیوں کی اس بات میں کچھ وزن ضرور ہے کہ خلیفۂ وقت اپنے رشتہ داروں کو بڑے بڑے اہم عہدے عطا کرتے تھے۔ اگر چہ اس بارے میں عثمان غنیؓ کا اپنا ایک مؤقف تھا لیکن یہ حقیقت ہے کہ اُن کا یہ طرزِ عمل صدیق اکبرؓ اور فاروق اعظمؓ سے یکسر مختلف تھا۔ پہلے دونوں خلفائے راشدین اپنے اپنے دورِ خلافت میں قرابت داری پر قابلیت اور استحقاق کو ترجیح دیتے رہے۔ اس کے برعکس سیّدنا عثمان غنیؓ نے اپنے قریبی عزیزوں کو گورنری جیسے اہم عہدوں پر فائز کیا۔ عثمان غنیؓ کے دور میں اہم سرکاری عہدوں پر فائز رہنے والے ولید بن عُقبہ، سعید بن العاص، عبداللہ بن ابی سرح، سیّدنا امیر معاویہؓ اور مروان بن حکم سب بنواُمیہ کے ممتاز افراد اور خلیفۂ وقت کے قریبی عزیز تھے۔ آپؓ کی اس پالیسی کی وجہ سے نہ صرف عوام بلکہ اکابر صحابہ میں بھی بے اطمینانی پائی جاتی تھی۔ عثمان غنیؓ کا چچازاد بھائی مروان بن حکم ایک فتنہ پرور آدمی تھا۔ اس نے عثمان غنیؓ کے سیکرٹری کے طور پر اپنے اختیارات کا ناجائز استعمال کیا۔ وہ حضرت عثمان غنیؓ اور اکابر صحابہ کرام کے باہمی تعلقات کو خراب کرنے کی مسلسل کوشش کرتا رہا۔ "متعدد مرتبہ اس نے صحابہ کے مجمع میں ایسی تہدید آمیز تقاریر کیں جن کا سننا سابقین واوّلین کے لیے بمشکل ہی قابلِ برداشت ہوسکتا تھا۔" (۸)

He was guided entirely by his secretary, Marwan, one of the most unprincipled of the Ommeyades, who had once been expelled by the prophet for breach of trust.(9)

"آپؓ کو مکمل طور پر آپ کا نائب، مروان مشاورت فراہم کر رہا تھا، اور یہ مروان بنوامیہ میں سے سب سے بے اصول آدمی تھا، اور اسے ایک دفعہ حضور اکرم ﷺ نے اُن کے اعتماد کو ٹھیس پہنچانے کی وجہ سے (مدینہ سے) نکال دیا تھا۔"

اسی مروان نے خلیفۂ وقت کی اجازت کے بغیر مصریوں کے قتل کا حکم لکھ کر اس پر خلیفۂ وقت کی مہر لگائی اور اس خط کو گورنرِ مصر کے پاس بھیج دیا۔ راستہ میں یہ خط پکڑا گیا جس سے مصریوں میں اشتعال

Marfat.com

پھیلا اور وہ دندناتے ہوئے مدینہ میں داخل ہو گئے۔ مدینۃ الرّسول کی حُرمت کا خیال بھی دلوں سے نکل گیا اور خلیفۂ راشد سیّدنا عثمان غنیؓ کو نہایت بے دردی کے ساتھ شہید کر دیا گیا۔

شہادتِ عثمانؓ تاریخِ اسلام کا انتہائی سیاہ باب ہے، اس فتنہ نے بہت جلد مسلمانوں کو خانہ جنگی کی آگ میں جھونک دیا۔ یہیں سے حالات نے انتہائی نازک صورت اختیار کی۔ قاتلینِ عثمانؓ کی ایک بڑی تعداد نے سیّدنا علیؓ کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ جس سے معاملات انتہائی پیچیدہ صورت اختیار کر گئے۔ اُمّ المومنین سیّدہ عائشہ صدّیقہؓ، حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ قصاصِ عثمانؓ کا مطالبہ لے کر اُٹھے۔ ایک ہی آغوشِ نبوت کے تربیت یافتہ صاحبانِ علم و عمل، ایک دوسرے کے خلاف صف آرا ہو رہے تھے، جنگِ جمل کا دلفگار سانحہ رونما ہونے کو تھا۔

حوالہ جات وحواشی

(۱) تاریخ اسلام، نجیب آبادی، اکبر شاہ، فرید بک ڈپو، دہلی، ج۱، ص ۳۸۲

(۲) عثمانؓ اور علیؓ سیاست کی روشنی میں، طہٰ حسین، مترجم عبدالحمید نعمانی، ڈاکٹر نفیس اکیڈمی، کراچی، ص ۲۰۸

(۳) تاریخ اسلام، ندوی، معین الدین احمد، المیزان ناشران، لاہور، ص ۲۱۰

(۴) مذکورہ بالا حوالہ

(۵) مختصر اردو دائرہ معارف اسلامیہ، محمد عبداللہ، سید، ڈاکٹر، پنجاب یونیورسٹی، لاہور، ص ۵۳۸

(۶) عبداللہ بن مسعودؓ نے اپنے ذاتی نسخہ میں سورۃ الفلق اور سورۃ الناس کو تحریر نہیں کیا تھا۔ ان کے نزدیک حضور ﷺ نے تو محض یہ حکم دیا ہے کہ ان کے ذریعے پناہ مانگی جائے۔ ضیاء النبی، الازہری، محمد کرم شاہ، عبدالرسول ارشد، بحوالہ الدر المنثور، ضیاء القرآن پبلیکیشنز، لاہور، ج ۶، ص ۴۹۰

(۶) عثمانؓ اور علیؓ سیاست کی روشنی میں، طہٰ حسین، ڈاکٹر، مترجم عبدالحمید نعمانی، نفیس اکیڈمی، کراچی، ص ۲۰۲

(۷) خلافت و ملوکیت، مودودی، سیّد ابو الاعلیٰ، اسلامک پبلیکیشنز لمیٹڈ، لاہور، ص ۱۱۶

(۸) A Short History of the Saracens, page 46, Syed Ameer Ali, Islamic Book Service, LAHORE.

Marfat.com

جنگِ جمل ۳۶ھ/۶۵۶ء

سیّدنا عثمان غنیؓ کی المناک شہادت کی خبر جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی۔لوگ خلیفۂ راشد کے قصاص کا مطالبہ کرنے لگے۔مکہ،کوفہ،بصرہ اور دمشق میں بنواُمیہ اور مُحبّان طلحہؓ اور زبیرؓ کا خاصا زور تھا،اس لیے ان علاقوں میں خاص طور پر قاتلینِ عثمان کے خلاف جذبات میں خاصی شدّت تھی۔مدینہ میں سبائی شُتر بے مہار کی طرح دندناتے پھرتے تھے۔اُمّت کا کوئی سردار نہ تھا جو اصلاحِ احوال کے لیے اقدام کرتا۔"اس نازک موقع پر اصحابِ رسول ﷺ اور اہلِ مدینہ سیّدنا علیؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ اُمتِ مسلمہ کے لیے ایک امام کا وجود ناگزیر ہے اور اس وقت آپؓ سے زیادہ مستحقِ خلافت اور کوئی نہیں ہے۔نہ ہی سابق خدمات کے لحاظ سے اور نہ ہی رسول اللہ ﷺ سے قُرب کے لحاظ سے۔انہوں نے انکار کیا اور لوگ اصرار کرتے رہے۔آخر کار انہوں نے کہا کہ میری بیعت گھر بیٹھے خفیہ طریقے سے نہیں ہوسکتی،عام مسلمانوں کی رضا کے بغیر ایسا ہونا ممکن نہیں ہے۔پھر مسجدِ نبوی میں اجتماع عام ہوا اور تمام مہاجرین و انصار نے اُن کی بیعت کی۔"(۱) ابنِ سعد کا بیان ہے کہ حضرت عثمان کی شہادت کے دوسرے دن تمام صحابہ نے حضرت علیؓ کے ہاتھ پر بخوشی بیعت کی،البتہ طلحہؓ اور زبیرؓ نے مجبوراً بیعت کی۔(۲)

On the tragical death of Osman(R.A), Ali(R.A) was proclaimed Caliph without opposition. During the three preceding administrations he had been a prominent member of the Council of State, ever ready to assist his predecessors with advice and guidance. (3)

"حضرت عثمانؓ کی المناک شہادت کے بعد علیؓ کو بغیر کسی مخالفت کے خلیفہ بنانے کا اعلان کر دیا گیا۔پچھلی تینوں خلافتوں میں وہ مجلس شوریٰ کے سرگرم رکن رہے تھے اور خلیفہ وقت کو مشورہ اور نصیحت کرنے کے لیے ہر وقت تیار رہتے تھے۔"

Marfat.com

حضرات طلحہؓ اور زبیرؓ نے سیّدنا علیؓ سے مطالبہ کیا کہ قاتلینِ عثمانؓ سے فوراً قصاص لیا جائے۔ چونکہ مدینہ میں سبائیوں کا بڑا زور تھا، اور اُن کی جمعیّت بھی کافی تھی، اس لیے سیّدنا علیؓ ابھی اس پوزیشن میں نہ تھے کہ قاتلینِ عثمانؓ سے فوراً قصاص لے سکتے۔ اس لیے حضرات طلحہؓ اور زبیرؓ رنجیدہ خاطر ہوئے اور سیّدنا علیؓ سے اجازت لے کر مدینہ سے مکہ آ گئے۔ اُمّ المومنین سیّدہ عائشہ صدیقہؓ ' دیگر اُمہات المومنین اور عبداللہ بن زبیرؓ کے ہمراہ حج کی ادائیگی کے بعد مدینہ کی طرف واپس آ رہی تھیں کہ راستہ میں مقام "سرف" پر عثمان غنیؓ کی شہادت کی خبر سن کر واپس مکہ لوٹ گئیں۔ جب حضرت عائشہؓ مکہ پہنچیں تو عبداللہ بن عامر اُن کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ عبداللہ' حضرت عثمانؓ کی طرف سے مکہ کے گورنر تھے، انہوں نے دریافت کیا کہ اُمّ المومنین کس لئے واپس تشریف لائیں؟ اُمّ المومنینؓ نے فرمایا "میں اس لئے واپس آئی ہوں کہ عثمانؓ مظلوم شہید کئے گئے ہیں اور اب یہ فتنہ ختم ہونے والا نہیں اور اس شوروشر کو ختم کرنے کے لیے ایک اور کام کی ضرورت ہے۔ تم عثمانؓ کے خون کا مطالبہ کر کے اسلام کو عزت بخشو۔"(۴)

اُمّ المومنین کا مقصد چونکہ صرف اصلاحِ احوال تھا اس لیے انہوں نے مدینہ جا کر سیّدنا علیؓ کے لیے مشکلات پیدا کرنے کی بجائے بصرہ جانے کا فیصلہ کیا۔ حضرات طلحہؓ اور زبیرؓ نے بھی اُن کا ساتھ دینے کا عہد کیا۔ راستہ میں بہت سے اور لوگ بھی ساتھ شامل ہوتے گئے جس سے اچھی خاصی جمعیت اکھٹی ہو گئی۔ چونکہ بصرہ میں محبانِ طلحہؓ ایک بڑی تعداد موجود تھی اس لیے اہلِ بصرہ کو ساتھ ملا کر طاقتور آواز کے ساتھ سیّدنا علیؓ سے قصاصِ عثمانؓ کا مطالبہ پیش نظر رکھتے ہوئے بصرہ کی طرف کوچ کیا گیا۔ اس لشکر میں بنی اُمیّہ کے ممتاز افراد سعید بن العاص اور مروان بن حکم بھی شامل تھے۔ ایک دن دورانِ گفتگو مروان بن حکم نے سعید سے کہا کہ ہم ان دونوں گروہوں کو آپس میں لڑائیں گے۔ دونوں میں سے جس کو شکست ہو گی وہ تو یوں ختم ہو جائے گا۔ دوسرا گروہ فتح یاب ہونے کے باوجود کمزور ہو گا، تب ہم بآسانی اس سے نمٹ لیں گے۔(۵)

جب یہ حضرات بصرہ پہنچے تو حضرت علیؓ کی طرف سے بصرہ کے گورنر عثمان بن حنیف نے مزاحمت کا فیصلہ کیا اور اپنا لشکر لے کر بصرہ سے باہر نکلا۔ حضرت عائشہؓ نے خود عثمان بن حنیف کے لشکر کے سامنے تقریر کرتے ہوئے اپنی پوزیشن واضح کی اور اپنا مؤقف دہراتے ہوئے کہا کہ "بلوائیوں نے

Marfat.com

مدینہ پہنچ کر عثمانؓ کو اُن کے گھر میں محصور کر دیا اور انہیں شہید کر کے ایک حرام خون کو حلال کیا، اُس مال کو لوٹا جس کا لینا حرام تھا، اور بلا وجہ مدینۃ الرّسول کی بے حرمتی کی، وہ جس چیز کے طلب گار ہیں، وہ تمہارے لئے مناسب نہیں۔ تمہیں چاہیے کہ تم عثمانؓ کے قاتلوں سے قصاص لو۔"(٦)

اس تقریر کو سن کر بہت سے اہلِ بصرہ عثمان بن حنیف کا ساتھ چھوڑ کر حضرت عائشہؓ کے ساتھ مل گئے۔ معمولی لڑائی کے بعد عثمان بن حنیف کو شکست ہوئی اور اسے گرفتار کر لیا گیا۔ اب بصرہ پر حضرات طلحہؓ، زبیرؓ اور اُمّ المومنینؓ کا قبضہ ہو چکا تھا۔

امیر معاویہؓ نے سیّدنا علیؓ کی بیعت سے انکار کر دیا تھا اور قصاصِ عثمان کا مطالبہ لے کر شامیوں کو سیّدنا علیؓ کے خلاف متحرک کر رہے تھے۔ اس لیے سیّدنا علیؓ فوراً شام جانے کا ارادہ رکھتے تھے لیکن جب انہیں بصرہ کے ہاتھ سے نکل جانے کی خبر ملی تو انہوں نے شام کی بجائے بصرہ کا قصد کیا۔ وہ جس لشکر کو لے کر بصرہ کی طرف روانہ ہوئے، اس میں ایک بڑی تعداد سبائیوں کی بھی شامل تھی۔ یہ سبائی جانتے تھے کہ اگر امن قائم ہو گیا اور حضرت علیؓ نے کبار صحابہ کرام کے ساتھ مل کر قاتلین عثمان سے بدلہ لینے کا فیصلہ کر لیا تو اُن کی خیر نہیں ہو گی۔ اس لیے یہ سبائی کسی صورت امن نہیں چاہتے تھے۔

حضرت علیؓ کی خلافت ابھی مستحکم نہیں ہوئی تھی اور آپ کے سامنے بہت سے چیلنجز تھے، بہت سے معاملات حل طلب تھے، اس لیے آپؓ کسی صورت جنگ نہیں چاہتے تھے، اس لیے اس موقع پر مصالحانہ روش بہترین حکمتِ عملی تھی۔ اس غرض سے سیّدنا علیؓ نے قعقاع بن عمروؓ کو بصرہ کی طرف روانہ کیا تا کہ اُمّ المومنینؓ، طلحہؓ اور زبیرؓ کا مؤقف معلوم کیا جائے اور انہیں مصالحت پر آمادہ کیا جائے۔

قعقاع بن عمروؓ نے بصرہ میں اُمّ المومنین سیّدہ عائشہؓ سے ملاقات کی اور بصرہ آمد کا مقصد پوچھا۔ اُمّ المومنینؓ نے فرمایا کہ میں اُمّت کی اصلاح اور قاتلینِ عثمان سے قصاص چاہتی ہوں اور حضرت علیؓ کے خلاف کسی قسم کا کوئی ارادہ نہیں۔ اس کے بعد قعقاع بن عمروؓ نے حضرات طلحہؓ اور زبیرؓ سے ملاقات کی اور ان کا مدّعا معلوم کیا۔ انہوں نے بھی قاتلینِ عثمان سے قصاص لینے کے مطالبہ کو دہرایا۔

قعقاع بن عمروؓ نے کہا کہ "آپ سب کا مطالبہ جائز اور درست ہے لیکن طریقۂ کار صحیح نہیں ہے۔ حضرت علیؓ تو خود قاتلینِ عثمان سے قصاص چاہتے ہیں۔ آپ سب کو چاہیے کہ پہلے امیر المومنینؓ کا ساتھ دے کر انہیں مضبوط کریں تا کہ وہ قاتلینِ عثمان سے قصاص لینے کے قابل ہو سکیں۔ آپ تمام

Marfat.com

حضرات اُمّت کے خیر خواہ ہیں ۔اس لیے آپس میں صلح کرلو، ورنہ اُمّت کو بڑا نقصان پہنچنے کا احتمال ہے۔"(۷)

قعقاعؓ کی یہ تقریر سن کر حضرت عائشہؓ، طلحہؓ اور زبیرؓ نے اسے بہت پسند کیا اور فرمایا کہ تم بالکل بجا کہتے ہو۔ علیؓ کے پاس جا کر اُن کی بھی رائے لو، اگر وہ بھی تمہارے ہم خیال ہیں تو معاملات اصلاح پذیر ہو جائیں گے۔(۸)

قعقاع بن عمروؓ شاداں و فرحاں واپس گئے اور حضرت علیؓ کو خوشخبری سنائی۔ حضرت علیؓ بھی بہت خوش ہوئے، آپؓ نے اپنے لشکر کے سامنے تقریر کرتے ہوئے کہا کہ ہم بصرہ کی طرف کوچ کریں گے لیکن ہمارا مقصد جنگ نہیں بلکہ امن اور صلح ہوگا۔ عبداللہ بن سباء اور اس کے ساتھیوں کو ہوا کا رخ بدلتا ہوا محسوس ہوا۔ یہی وہ لمحہ تھا جب اُن کے چہروں پر پڑا ہوا منافقت کا پردہ آہستہ آہستہ سرکنے لگا۔ حُبِّ علیؓ کا لبادہ انہوں نے صرف سیاسی اغراض کے لئے اوڑھا تھا، اب اس کے چاک ہونے کا وقت آ گیا تھا۔ اُمّ المومنین سیّدہ عائشہؓ، حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ کے علاوہ حضرت علیؓ بھی اُن کے گرد گھیرا تنگ کر رہے تھے۔ سبائیوں نے عثمان غنیؓ کو شہید کرنے کے لیے جو عمارت کھڑی کی تھی اس کی بنیادیں حُبِّ علیؓ پر استوار کی تھیں۔ لیکن اب کبارِ صحابہ کرام میں صلح ہوتے دیکھ کر علیؓ انہیں اپنے سب سے بڑے دشمن محسوس ہونے لگے۔ عبداللہ بن سباء نے سبائیوں کی مجلس میں اس ساری صورت حال کا جائزہ لیا، ساری رات یہ لوگ جاگ کر اس مسئلے پر مشاورت کرتے رہے اور بالآخر اس نتیجے پر پہنچے کہ اچانک خاموشی کے ساتھ جنگ چھیڑ دی جائے تاکہ صلح نہ ہو سکے، کیونکہ صلح کی صورت میں ان لوگوں میں سے کسی کی جان نہیں بچے گی۔(۹)

سبائیوں نے اپنی جان بچانے کے لیے ایک اور خطرناک فیصلہ یہ کیا کہ ہم سب حملہ کر کے علیؓ کو بھی عثمانؓ کے پاس پہنچا دیں۔(۱۰) یہ سبائی اپنے مقاصد کے حصول کے لیے کسی بھی حد تک جا سکتے تھے۔ اگرچہ سیّدنا علیؓ اپنے لشکر میں شامل ان سازشیوں سے مکمل طور پر آگاہ تھے لیکن یہ لوگ اتنے مضبوط اور تعداد میں اتنے زیادہ تھے کہ آپؓ اُن کے خلاف کوئی بڑا اقدام نہیں کر سکتے تھے۔

جسٹس پیر کرم شاہ الازہری تفسیر ضیاء القرآن میں حضرت علیؓ کے لشکر میں موجود ان سبائیوں کے اثر و رسوخ کو واضح کرنے کے لیے نہج البلاغۃ کی ایک عبارت کا حوالہ دیتے ہیں۔ **قال للامیر بعض**

Marfat.com

اصحابه لوعاقبت قوما اجلبوا علے عثمان' فقال یا اخوتاه انی لست اجهل ما تعلمون و لکن کیف لی بهم والمجلبون علے شوکتهم یملکوننا ولا نملکم وهاهم هولاء قد صارت معهم عبدانکم والتفت الیهم اعرابکم وهم خلا لکم یسومونکم ما شاء وا.

ترجمہ۔حضرت امیرؓ سے آپؓ کے بعض نیاز مندوں نے کہا کہ اگر آپ اُن لوگوں کو سزا دیں، جنہوں نے حضرت عثمانؓ پر چڑھائی کی تھی' تو سارا فتنہ ختم ہو جائے۔آپؓ نے فرمایا اے بھائیو! میں اس چیز سے بے خبر نہیں ہوں جسے تم جانتے ہو لیکن ہم ابھی انہیں سزا نہیں دے سکتے، کیونکہ حملہ آور طاقت ور ہیں، وہ ہم پر غالب ہیں۔ہمیں اُن پر غلبہ نہیں ہے اور اب تو تمہارے غلام بھی اُن کے ساتھ مل کر شور مچا رہے ہیں اور تمہارے بدّو اُن کے ساتھ مل گئے ہیں اور وہ تمہارے ہاں موجود ہیں، جس طرح چاہتے ہیں سلوک کرتے ہیں۔(۱۱)

فریقین میں صلح پر آمادگی ہو چکی تھی۔صرف اگلے دن باقاعدہ صلح نامہ تحریر کیا جانا تھا، لیکن سبائیوں نے صبح ہوتے ہی سیّدہ اُمّ المومنینؓ کے لشکر پر حملہ کر دیا۔دوسری طرف سے جواب دیا گیا، دونوں طرف کے مخلص حضرات کو اس جنگ کے آغاز کا دکھ ہوا۔ایک دوسرے کو بدعہدی کا مرتکب گردانا گیا۔

اُمّ المومنین سیّدہ عائشہؓ کے لیے جنگ کا آغاز صدمہ جانکاہ سے کم نہ تھا۔آپؓ جنگ کے شعلوں کو سرد کرنے اور اصلاحِ اُمّت کے لیے جَمل (اونٹ) پر سوار ہو کر میدان میں آئیں، لیکن آپؓ کے میدان میں آنے کے منفی نتائج ظاہر ہوئے۔آپؓ کی فوج کے سپاہیوں نے جب آپؓ کو میدان میں دیکھا تو وہ زیادہ جوش و خروش سے لڑنے لگے۔وہ یہ اشعار پڑھتے ہوئے مدّ مقابل پر حملہ آور ہوتے۔

یا امنا عائشه لاتراعی کل بنیك بطل المصاع

اے اماں! ذرا بھی اندیشہ نہ کرو، تمہارا ہر لڑکا خوف ناک مرد میدان ہے۔(۱۲)

اُمّ المومنین سیّدہ عائشہؓ کا اونٹ جنگ کا مرکز بن چکا تھا۔سبائیوں نے اُمّ المومنینؓ کے ہودج پر زبردست تیر اندازی شروع کر دی۔اہلِ بصرہ نے جب حرمِ رسول کو خطرہ میں دیکھا تو وہ پروانہ وار اُن پر نثار ہونے لگے۔"اس سے پہلے ایسی لڑائی عرب میں نہیں ہوئی تھی، یہ لڑائی عرب کے مزاج کے خلاف تھی، عرب میں ایک ہی قبیلے کے لوگ ایک دوسرے کے خلاف صف آرا نہیں ہوتے تھے۔سیّدنا محمد رسول اللہ ﷺ کی غلامی اور انکے دامادؓ اور زوجہ محترمہؓ سے عقیدت' آج کے دن ازدیوں کو ازدیوں

Marfat.com

کے، مضر کو مضر کے، غطفان کو غطفان کے اور ربیعہ کو ربیعہ کے مقابلے میں لے آئی تھی۔ چشمِ تاریخ نے ایسی گہری اور شدید عقیدت کے مظاہرے پہلے کبھی نہ دیکھے تھے۔ بھائی بھائی کے گلے کاٹ رہے تھے اور ایسے کاٹ رہے تھے جیسے آنکھوں پر پٹی باندھ رکھی ہو۔" (۱۳)

جنگ کے شعلوں میں شدت آ چکی تھی۔ امیر المومنین سیّدنا علیؓ اس نتیجے پر پہنچے کہ جب تک یہ جَمل میدان میں نظر آ تا رہے گا، کسی صورت جنگ کی آگ سرد نہ ہوگی۔ چنانچہ آپؓ نے اپنے جوانوں کو حکم دیا کہ اونٹ کو ذبح کر دو، اگر اونٹ ذبح ہو گیا تو یہ لوگ منتشر ہو جائیں گے۔ ایک آدمی نے اونٹ کو زخمی کر کے گرا دیا، اونٹ کے زخمی ہوتے ہی ایسی بری آواز نکلی کہ کسی نے آج تک کبھی نہ سنی تھی۔ حضرت علیؓ نے محمد بن ابی بکر کو حکم دیا کہ ہودج اٹھا لو اور اس پر ایک خیمہ لگا دو، اور یہ دیکھو کہ اُمّ المومنین سیّدہ عائشہؓ کو کوئی زخم تو نہیں پہنچا۔ (۱۴)

اونٹ کے گرنے کے ساتھ ہی جنگ ختم ہو گئی۔ دونوں اطراف میں بے پناہ جانی نقصان ہوا۔ عشرہ مبشّرہ صحابہ میں سے حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ اس جنگ میں شہید ہو گئے جو کہ اُمتِ مسلمہ کے لئے نا قابلِ تلافی نقصان تھا۔ حضرت عائشہؓ کے لشکر میں سے نو ہزار اور حضرت علیؓ کی فوج میں سے ایک ہزار ستر افراد نے جامِ شہادت نوش کیا۔ (۱۵) فتح کے بعد سیّدنا علیؓ نے دونوں اطراف کے شہداء کی نماز جنازہ پڑھائی اور انہیں یکساں احترام کے ساتھ دفن کیا۔ (۱۶)

سیّدنا علیؓ نے اُمّ المومنین سیّدہ عائشہؓ کو اُن کے بھائی محمد بن ابو بکر کے ساتھ مدینہ روانہ کیا۔ رخصت کے وقت لوگوں کی ایک بڑی تعداد اُمّ المومنین سیّدہ عائشہؓ کے گرد جمع ہو گئی۔ آپؓ نے اُن سے مخاطب ہو کر فرمایا:۔

"میرے بچو! آپس میں ایک دوسرے کو بُرا نہ کہنا۔ واللہ! میرے اور علیؓ کے درمیان شکر رنجیوں کے علاوہ کوئی دشمنی نہ تھی۔ میں ہر حالت میں انہیں بھلا آدمی سمجھتی ہوں"

حضرت علیؓ نے فرمایا، "اُمّ المومنین نے صحیح کہا۔ میرے اُور ان کے اختلافات کی یہی نوعیت ہے۔ ان کا درجہ بہت بڑا ہے۔ یہ دنیا اور آخرت میں رسول اللہ ﷺ کی محترم بیوی ہیں۔" (۱۷)

جنگِ جَمل' تاریخِ اسلام کا وہ المناک سانحہ ہے جس کا کرب آج بھی اُمتِ مسلمہ محسوس کرتی ہے۔ اس جنگ کے اثرات آج بھی مسلمانوں کے مختلف فرقوں کے نظریات میں محسوس کیے جا سکتے

Marfat.com

ہیں۔عبداللہ بن سباء کی چال بہت گہری تھی۔ مسلم اُمّہ کے چمنستان میں نفاق کا جو بیج اس نے بویا تھا، اس جنگ کے بعد وہ تناور درخت بن گیا۔ وہ مرغزارِ اسلام جس میں ہمیشہ بادِ بہار چلتی تھی، اب بادِ سموم کے تلخ جھونکوں کی زد میں تھا۔ وہ میخانۂ جہاں ہمیشہ اخوت اور محبت کے جام پلائے جاتے تھے، اب وہاں عصبیت کا عِفریّت اپنے پنجے گاڑھ رہا تھا۔ وہ فرزندانِ توحید جو ہمیشہ علائے کلمۃ الحق کے لیے دشمن سے برسرِ پیکار رہتے تھے، اب ایک دوسرے کے خلاف تلواریں بے نیام کر چکے تھے۔

امیر المومنین سیّدنا علیؓ کے لیے نئی مشکلات جنم لے رہی تھیں۔ قاتلینِ عثمان سے قصاص لینے سے متعلق مطالبہ پر کبار صحابہؓ کو مطمئن کرنا، اپنی فوج میں شامل سبائیوں سے بہتر حکمتِ عملی سے نپٹنا اور شام کے گورنر حضرت امیر معاویہؓ کو اطاعت پر مجبور کرنا' سیّدنا علیؓ کے لیے بڑے چیلنجز تھے۔

حوالہ جات وحواشی

(۱) خلافت وملوکیت، مودودی، سیّد ابوالاعلیٰ، اسلامک پبلیکیشنز لمیٹڈ، لاہور، ص ۱۲۲

(۲) تاریخ الخلفاء، سیوطی، جلال الدین، مترجم اقبال الدین احمد، نفیس اکیڈمی، کراچی، ص ۱۷۷، ۱۹۸۳ء

(3) A Short History of the Saracens, page 49, Syed Ameer Ali, Islamic Book Service, LAHORE.

(۴) تاریخ طبری، طبری، ابن جریر، مترجم محمد ابراہیم ندوی، نفیس اکیڈمی، کراچی، ج ۳، ص ۶۱، ۱۹۸۴ء

(۵) خلافت وملوکیت، مودودی، سیّد ابوالاعلیٰ، اسلامک پبلیکیشنز لمیٹڈ، لاہور، ص ۱۲۸

(۶) تاریخ طبری، طبری، ابن جریر، مترجم محمد ابراہیم ندوی، نفیس اکیڈمی، کراچی، ج ۳، ص ۸۷، ۱۹۸۴ء

(۷) تاریخ اسلام، نجیب آبادی، اکبر شاہ، فرید بک ڈپو، دہلی، ج ۱، ص ۴۵۰

(۸) تاریخ اسلام، ندوی، معین الدین احمد، المیز ان ناشران، لاہور، ص ۲۳۵

(۹) تاریخ طبری، طبری، ابن جریر، مترجم محمد ابراہیم ندوی، نفیس اکیڈمی، کراچی، ج ۳، ص ۱۵۵، ۱۹۸۴ء

(۱۰) تاریخ اسلام، ندوی، معین الدین احمد، المیز ان ناشران، لاہور، ص ۲۳۶

(۱۱) تفسیر ضیاء القرآن، الازہری، محمد کرم شاہ، پیر، جسٹس، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور، ج ۴، ص ۴۷

(۱۲) عثمانؓ اور علیؓ سیاست کی روشنی میں، طہٰ حسین، مترجم عبدالحمید نعمانی، نفیس اکیڈمی، کراچی، ص ۲۰۴

Marfat.com

(۱۳) خلافت راشدہ کی جمہوری قدریں، ندوی، رشید اختر، نفیس اکیڈمی، کراچی، ص ۹۵۸، اپریل ۱۹۶۶ء

(۱۴) تاریخ طبری، طبری، ابن جریر، مترجم محمد ابراہیم ندوی، نفیس اکیڈمی، کراچی، ج ۳، ص ۱۷۴، ۱۹۸۴ء

(۱۵) تاریخ اسلام، نجیب آبادی، اکبر شاہ، فرید بک ڈپو، دہلی، ج ۱، ص ۴۶۰

(۱۶) خلافت وملوکیت، مودودی، سیّد ابوالاعلیٰ، اسلامک پبلیکشنز لمیٹڈ، لاہور، ص ۱۳۱

(۱۷) تاریخ ملت، میرٹھی، زین العابدین، شہابی انتظام اللہ، ادارہ اسلامیات، لاہور، ج ۱، ص ۳۶۸، ۱۹۹۱ء

Marfat.com

جنگِ صفّین ۳۷ھ/۶۵۷ء

سیّدنا امیر معاویہؓ طویل مدّت سے شام کے گورنر چلے آرہے تھے۔اس لیے اس علاقے پر اُن کی گرفت خاصی مضبوط تھی۔بنواُمیہ کے ایک اہم فرد ہونے کے ناطے وہ سیّدنا عثمان غنیؓ سے خاص تعلقِ خاطر رکھتے تھے۔شہادتِ عثمانؓ کے بعد امیر معاویہؓ نے عثمان غنیؓ کا قریبی رشتہ دار ہونے کی وجہ سے اُن کے قصاص کا مطالبہ کیا۔"خون عثمانؓ کے مطالبے کا حق اوّل تو حضرت معاویہ کی بجائے حضرت عثمانؓ کے شرعی وارثوں کو پہنچتا تھا، تاہم اگر رشتہ داری کی بنا پر حضرت معاویہؓ اس مطالبے کے مُجاز ہو بھی سکتے تھے تو اپنی ذاتی حیثیت میں نہ کہ شام کے گورنر کی حیثیت میں۔"(۱)

شامیوں میں قاتلینِ عثمان کے خلاف جذبۂ نفرت پیدا کرنے کے لیے جامع مسجد دمشق میں حضرت عثمان غنیؓ کی خون آلود قمیص اور زوجۂ عثمانؓ حضرت نائلہؓ کی کٹی ہوئی انگلیوں کی نمائش کی جاتی۔یہ قمیص روزانہ منبر پر رکھی جاتی، کبھی کبھی حضرت امیر معاویہؓ اس قمیص کو خود پہنتے اور اپنے گلے میں حضرت نائلہؓ کی انگلیاں ڈال لیتے۔(۲)

سیّدنا علیؓ نے خلافت کی ذمہ داریاں سنبھالنے کے بعد جب دورِ عثمانی کے گورنروں کو تبدیل کیا تو امیر معاویہؓ نے یہ حکم ماننے سے انکار کر دیا۔چنانچہ سیّدنا علیؓ نے اُن کے خلاف جنگی تیاری شروع کر دی، لیکن انہیں دنوں آپؓ کو اُمّ المومنین سیّدہ عائشہؓ، حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ کی بصرہ کی طرف پیش قدمی کی اطلاعات ملیں تو آپؓ نے شام جانے کا ارادہ وقتی طور پر مؤخر کر دیا اور بصرہ کی طرف متوجہ ہوئے۔جنگِ جَمل میں مسلمانوں کا بہت زیادہ جانی نقصان ہوا تھا۔جنگِ جمل کے بعد سیّدنا علیؓ بصرہ سے کوفہ(۳) تشریف لے گئے۔کوفہ میں آپؓ کے حامیوں کی ایک بڑی تعداد موجود تھی، اس لیے آپؓ نے مدینہ کی بجائے کوفہ کو دارالخلافہ منتخب کیا۔کوفہ سے ایک بار پھر آپؓ نے امیر معاویہؓ کو جریر بن عبداللہؓ کے ذریعے ایک مکتوب ارسال کیا جس میں انہیں اپنی بیعت کرنے کی دعوت دی۔مگر امیر معاویہؓ نے بیعت سے پیشتر قاتلینِ عثمان سے قصاص لینے کا مطالبہ دہرایا۔(۴)

Marfat.com

"شام کا صوبہ اس وقت کی اسلامی سلطنت میں بڑی اہم جنگی حیثیت کا علاقہ تھا۔ اس کے ایک طرف تمام مشرقی صوبے تھے اور دوسری طرف تمام مغربی صوبے۔ بیچ میں وہ اس طرح حائل تھا کہ اگر اس کا گورنر مرکز سے منحرف ہو جائے تو وہ مشرقی صوبوں کو مغربی صوبوں سے بالکل کاٹ سکتا تھا۔" (۵)

امیر معاویہؓ کے مرکز گریز رویّہ سے فریقین میں جنگ ناگزیر دکھائی دے رہی تھی۔ سیّدنا علیؓ اپنی فوج لے کر کوفہ سے روانہ ہوئے اور مقامِ نخلیہ میں قیام کیا۔ یہاں پر بصرہ سے عبداللہ بن عباسؓ بھی اپنا لشکر لے کر سیّدنا علیؓ سے آن ملے۔ علاّمہ ابنِ کثیر بحوالہ الحکم بن عینیہ بیان کرتے ہیں کہ جب سیّدنا علیؓ کا جھنڈا النخلیہ سے سوئے شام بڑھا تو اس کے تلے اسّی (۸۰) بدری صحابہ اور ڈیڑھ سو (۱۵۰) شجرہ کے نیچے بیعت (بیعت رضوان) کرنے والے تھے۔" (۶)

امیر معاویہؓ کو جب سیّدنا علیؓ کی شام کی طرف پیش قدمی کی اطلاع پہنچی تو وہ بھی ایک بہت بڑے لشکر کے ساتھ جنگ کے ارادے سے نکلے۔ دونوں فوجیں میدانِ صفّین (۷) میں صف آرا ہوئیں۔ سیّدنا علیؓ جنگِ جمل کے بعد مسلمانوں کا خون ناحق بہانا نہیں چاہتے تھے، اس لئے انہوں نے مذاکرات کے لیے ایک وفد امیر معاویہؓ کے پاس بھیجا، چونکہ امیر معاویہؓ اپنے مؤقف سے دستبردار ہونے کو تیار نہیں تھے، اس لئے یہ مذاکرات نتیجہ خیز ثابت نہ ہوئے اور ذوی الحج ۳۶ھ کو انفرادی لڑائی کا آغاز ہو گیا۔ فریقین میں سے ایک ایک بہادر میدان میں نکلتا اور دادِ شجاعت دیتا۔ دونوں لشکر کھل کر جنگ نہیں لڑنا چاہتے تھے کیونکہ اس میں زبردست تباہی کا سامنا ہوتا۔ اس طرح پورا ذوی الحج کا مہینہ ختم ہو گیا۔ محرم ۳۷ھ سے دونوں فریقین میں عارضی صلح ہو گئی اور مذاکرات دوبارہ شروع ہوئے۔ چونکہ حضرت علیؓ پہلے بیعت کو اہمیت دیتے تھے اور قصاص عثمانؓ کو ثانوی درجہ دیتے تھے اور امیر معاویہؓ پہلے قصاصِ عثمانؓ کا مطالبہ کرتے تھے اور بیعت کو ثانوی حیثیت دیتے تھے اس لیے اس پورے مہینہ کی جنگ بندی کے باوجود کوئی نتیجہ نہ نکل سکا اور یکم صفر ۳۷ھ سے ایک بار پھر خون ریز جنگ کا آغاز ہو گیا۔ دونوں طرف سے بہادری کے خوب جوہر دکھائے گئے۔ ہر روز نئی حکمتِ عملی اور جذبۂ تازہ کے ساتھ جنگ شروع ہوتی اور شام ڈھلے فوجیں اپنے خیموں میں واپس چلی جاتیں۔ آٹھ دن تک دونوں فوجیں ایک دوسرے کو ہزیمت سے دوچار کرنے کے لیے فنِ شمشیر کے جوہر دکھاتی رہیں لیکن نتیجہ ندارد۔

آٹھویں دن کی شام کو جنگ میں مزید گرم جوشی پیدا ہو گئی۔ تمام رات جنگ ہوتی رہی حتیٰ کہ صبح ہو

Marfat.com

گئی اور اس رات کا نام لیلۃ الہریر ہے، حتیٰ کہ نیزے ٹوٹ گئے اور تیر ختم ہو گئے۔(۸) اس رات فریقین کا بہت زیادہ جانی نقصان ہوا۔ امیر معاویہؓ اور اُن کے ساتھیوں نے عام شامیوں کے دل و دماغ میں یہ بات اُتار دی تھی کہ حضرت علیؓ دراصل اللہ کے ایک زبردست قانونِ قصاص کی راہ میں رکاوٹ بنے ہوئے ہیں، چنانچہ بہت سے شامی معاویہؓ کے لیے نہیں بلکہ دین کی حرمت کے لیے لڑے۔(۹)

اس رات کی لڑائی میں حضرت علیؓ کی طرف سے لڑتے ہوئے حضرت عمار بن یاسرؓ بھی شہید ہوئے "امام احمدؒ کا بیان ہے کہ ابو معاویہ نے بیان کیا کہ اعمش نے بحوالہ عبدالرحمٰن بن ابی زیاد ہم سے بیان کیا کہ میں حضرت معاویہؓ کی صفین سے واپسی پر اُن کے اور حضرت عمرو بن العاصؓ کے درمیان چل رہا تھا کہ عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ نے کہا کہ اے میرے باپ کیا آپ نے رسول اللہ ﷺ کو حضرت عمار سے فرماتے نہیں سنا کہ اے ابن سمیہ تجھے باغی گروہ قتل کرے گا، راوی بیان کرتا ہے حضرت عمروؓ بن العاص نے حضرت معاویہؓ سے کہا، کیا آپ اس بات کو نہیں سن رہے جو یہ عبداللہؓ بیان کر رہا ہے۔ حضرت معاویہؓ نے کہا کیا ہم نے اُسے قتل کیا ہے؟ اسے ان لوگوں نے قتل کیا جو اسے اپنے ساتھ لائے ہیں۔" (۱۰)

اگلی صبح حضرت علیؓ نے ایک نئی حکمتِ عملی کے ساتھ شامیوں پر حملہ کیا، دونوں طرف سے بہادری کے مظاہرے کیے گئے، لیکن سیّدنا علیؓ کا آج کا حملہ اس قدر شدید تھا کہ شامیوں کے پاؤں اُکھڑ گئے اور اُن کی شکست واضح دکھائی دینے لگی۔ قریب تھا کہ شامیوں کو مکمل شکست ہو جاتی لیکن عمرو بن العاصؓ کے مشورے پر شامیوں نے ایک جذباتی تدبیر کی اور قرآن مجید کے کوئی پانچ سو نسخے سپاہیوں نے نیزوں کی نوک پر باندھ کر بلند کیے اور دمشق میں حضرت عثمانؓ کا روانہ کردہ مصحفِ اعظم بھی، جو اتنا بڑا تھا کہ پانچ نیزوں پر باندھا گیا۔ پانچ سپاہیوں نے اُٹھا کر بلند کیا اور مطالبہ کیا کہ فریقین قرآن پر عمل کریں۔ یہ تدبیر کارگر ثابت ہوئی۔(۱۱)

شامیوں کے نیزوں پر قرآن کو دیکھ کر سیّدنا علیؓ کے بہت سے سپاہیوں نے لڑنے سے انکار کر دیا، کیونکہ شامی پکار پکار کر کہہ رہے تھا کہ آؤ! قرآن کو منصف مان لیں اور اپنے اس جھگڑے میں قرآن کے فیصلے کو منظور کر لیں۔ حضرت علیؓ جانتے تھے کہ یہ شامیوں کی جنگی چال ہے کیونکہ وہ شکست سے بچنے کے لیے ایسا کر رہے ہیں۔ اس لیے آپؓ نے اپنے سپاہیوں کو جنگ جاری رکھنے کا حکم دیا، لیکن انہوں

Marfat.com

نے آپؓ کا حکم ماننے سے انکار کر دیا۔ اس طرح جنگ رُک گئی۔ امیر معاویہؓ نے تجویز دی کہ ایک شخص کو ہم مقرر کرتے ہیں اور ایک کو تم اپنی طرف سے مقرر کرو، پھر وہ دونوں قرآن کے مطابق فیصلہ کریں جو فریقین کے لیے ماننا لازم ہوگا۔

Ali(R.A) had been caught in a trap. He claimed to be Caliph: Mu'awiaya did not. If the verdict went against Ali, he lost more than his rival, since he would be compelled to confess himself a usurper. Mu'awiaya(R.A) selected Amr(R.A) as his umpire, a man devoted to his cause, but Ali(R.A) was forced by his supporters to appoint Abo Musa(R.A), a Kufan leader who was strictly neutral. (12)

"حضرت علیؓ ایک الجھن میں پھنس گئے تھے۔ انہوں نے خلیفہ ہونے کا دعویٰ کیا تھا لیکن حضرت معاویہؓ نے ایسا نہیں کیا تھا۔ اگر فیصلہ علیؓ کے خلاف چلا جاتا تو انہیں اپنے حریف کے مقابلے میں زیادہ نقصان تھا۔ کیونکہ اس صورت میں انہیں اپنے آپ کو غاصب حکمران ماننا پڑتا۔ معاویہؓ نے عمرو بن العاصؓ کو اپنا حکم مقرر کیا جو کہ ان کے مکمل حمایتی تھے لیکن علیؓ کو ابو موسیٰ اشعری کو اپنا حکم مقرر کرنا پڑا کیونکہ یہ ان کے حمایتیوں کا اصرار تھا۔ ابو موسیٰ ایک بالکل غیر جانبدار شخص تھے۔"

سیّدنا علیؓ کی طرف سے ابو موسیٰ اشعریؓ اور حضرت امیر معاویہؓ کی طرف سے عمرو بن العاصؓ حکم مقرر ہوئے اور یہ بات طے پائی کہ چھ ماہ کے بعد حکمین دومۃ الجندل کے مقام پر آ کر اپنے فیصلے کا اعلان کریں گے۔ فیصلہ کے وقت چار سو افراد ابو موسیٰؓ کی طرف سے ہوں گے اور چار سو افراد عمرو بن العاصؓ کی طرف سے۔ اس خونی معرکے کا کوئی حتمی نتیجہ برآمد نہ ہوا، دونوں فریق نوے ہزار جانبازوں کی قربانی دے کر اپنے اپنے علاقوں کو لوٹ گئے۔ امیر معاویہؓ اس قدر جانی نقصان کے باوجود اس صلح نامہ کو اپنی فتح سمجھ رہے تھے جبکہ یہی صلح نامہ سیّدنا علیؓ کے لئے بہت سے مسائل لے کر آیا۔

صفین سے واپسی پر سیّدنا علیؓ کی فوج میں شامل سبائی گروہ "تحکیم" (۱۳) کے مسئلے پر آپؓ پر تنقید کرنے لگا، حالانکہ شامیوں کے نیزوں پر قرآن دیکھ کر جنگ بندی کرنے والے بھی یہی لوگ تھے اور

Marfat.com

اس کے بعد سیّدنا علیؓ کو تحکیم پر مجبور کرنے والے بھی یہی سازشی تھے۔ لیکن اب یہی سازشی عناصر سیّدنا علیؓ سے اختلاف کرتے ہوئے آپؓ سے الگ ہو گئے اور تاریخِ اسلام میں خوارج کہلائے۔ یہ خارجی کوفہ سے نکل کر مقام حروراء کی طرف چلے گئے اور حضرت سیّدنا علیؓ کے خلاف بغاوت کی تیاری کرنے لگے۔ (۱۴) سیّدنا علیؓ نے ان کے فتنہ کو دبانے کے لیے عبداللہ بن عباسؓ کو حروراء کی طرف بھیجا، لیکن ان لوگوں نے اُن کے ساتھ بھی بحث ومباحثہ شروع کر دیا۔ بالآخر سیّدنا علیؓ خود اُن کے پاس گئے اور سمجھا بجھا کر اُنہیں کوفہ واپس لے آئے اور حکمین کے فیصلے کا انتظار کرنے لگے۔ (۱۵)

جب چھ ماہ کی مدت گزر گئی تو حسبِ قرارداد، ابوموسیٰ اشعریؓ اور عمرو بن العاصؓ اپنے ساتھ چار چار سو آدمیوں کو لے کر دومۃ الجندل کے مقام پر جمع ہوئے۔ یہ معاملہ اتنا اہم تھا کہ سعد بن ابی وقاصؓ، عبداللہ بن عمرؓ اور عبداللہ بن زبیرؓ جیسے بزرگ صحابہ بھی اصلاحِ اُمت کی غرض سے یہاں تشریف لائے۔ ابوموسیٰ اشعریؓ اور اور عمرو بن العاصؓ نے علیحدگی میں اس مسئلہ پر گفتگو کی۔ کافی غور وخوض کے بعد یہ طے پایا کہ اُمت کی بہتری کے لیے حضرت علیؓ اور حضرت امیر معاویہؓ دونوں کو معزول کر دیا جائے۔ چنانچہ ابوموسیٰ اشعریؓ لوگوں کے سامنے آئے اور اعلان کیا کہ ہم دونوں جس بات پر متفق ہوئے ہیں، وہ یہ ہے کہ اس وقت علیؓ اور معاویہؓ دونوں کو معزول کرتے ہیں اور تم لوگوں کو اختیار ہے کہ تم اتفاق رائے سے جسے چاہو خلیفہ منتخب کر لو۔ (۱۶) عمرو بن العاصؓ کی گفتگو کے بارے میں علامہ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں کہ ابوموسیٰ اشعریؓ کے بعد عمرو بن العاصؓ سامنے آئے اور پہلے اللہ کی حمد وثناء کی، پھر کہا کہ اس شخص نے جو بات کہی ہے وہ تم نے سن لی ہے، اس نے اپنے آقا کو معزول کر دیا ہے اور میں نے بھی اسے ان کی طرح معزول کر دیا ہے اور میں اپنے آقا حضرت معاویہؓ کو قائم رکھتا ہوں۔ بلاشبہ وہ حضرت عثمانؓ کے مددگار اور اُن کے خون کے بدلے کے طالب ہیں اور وہ سب لوگوں سے بڑھ کر ان کی جگہ کھڑے ہونے کے حقدار ہیں۔ کہتے ہیں کہ حضرت ابوموسیٰؓ نے ان کے ساتھ درشتی سے گفتگو کی اور حضرت عمرو بن العاصؓ نے بھی اُن کو اسی طرح جواب دیا۔" (۱۷)

عمرو بن العاصؓ کی اس تقریر کو سن کر حضرت علیؓ کے ساتھیوں نے اسے ماننے سے انکار کر دیا اور لوگ ابوموسیٰ اشعریؓ اور عمرو بن العاصؓ کے بارے میں مختلف قسم کی باتیں کرتے ہوئے اپنے اپنے علاقوں کو واپس چلے گئے۔ "حضرت علیؓ اور امیر معاویہؓ میں معاہدہ ہوا تھا کہ تحکیم منعقد ہو تو اُن پر اس کی

Marfat.com

پابندی عائد ہوگی لیکن چونکہ وہ متفق علیہ نہ ہو سکی اس لیے ردّی کا کاغذ ثابت ہوئی اور نا قابل نفاذ تھی۔ اس فیصلہ سے حضرت علیؓ کا کوئی نقصان نہ ہوا اور حالتِ سابقہ عود کر آئی۔ "(۱۸)

حضرت علیؓ کو جب اس فیصلے کا علم ہوا تو انہوں نے اس کو ماننے سے انکار کر دیا اور شام پر چڑھائی کرنے کا حکم دے دیا۔ جب خوارج کو اس ساری صورت حال کا علم ہوا تو وہ سیّدنا علیؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ ہم نے آپ کو تحکیم کے ماننے سے منع کیا تھا، آپؓ نے ہماری بات نہ مانی لیکن اب حکمین کے فیصلے کو قرآن وسنت کے خلاف بتا رہے ہیں۔ لہٰذا قبول تحکیم کے گناہ کا اعتراف کر کے توبہ کریں، سیّدنا علیؓ نے اُن سے گفتگو کر کے انہیں سمجھانا چاہا تو انہوں نے لَا حُکْمَ اِلَّا اللّٰہ کا نعرہ لگاتے ہوئے آپ سے اختلاف شروع کر دیا۔ عبداللہ بن وہب کو اپنا امیر مقرر کر لیا اور کوفہ سے نکل کر نہروان کو اپنا مرکز بنالیا۔ خوارج کی باطنی بیماری ظاہر ہو چکی تھی۔ اب وہ کسی صورت سیّدنا علیؓ کے ساتھ نہیں رہ سکتے تھے۔ خوارج کے کوفہ اور بصرہ سے انخلاء کے بعد اگرچہ حضرت علیؓ کے لشکر کی تعداد کافی کم ہو گئی تھی، تاہم ابھی تک آپؓ شام پر دوبارہ حملہ کے لیے پُرعزم تھے، لیکن دوسری طرف نہروان سے خوارج کی سرگرمیوں کی اطلاعات برابر موصول ہو رہی تھیں۔ آپؓ نے خوارج کو راہِ راست پر لانے کے لیے بارہا کوششیں کیں۔ خوارج کے سردار عبداللہ بن وہب کے نام خطوط تحریر کئے، لیکن آپؓ کی کسی کوشش کو خوارج نے درخورِ اعتناء نہ جانا۔

سیّدنا علیؓ کی ہر کوشش کے جواب میں خوارج کا ایک ہی جواب تھا کہ جنگِ صفین میں جنگ بندی کرنے اور حکمین کے تقرر میں اگر ہم سے کوئی غلطی ہوئی، جس کی وجہ سے ہم کافر ہو گئے تھے تو ہم نے اپنے کفر پر توبہ کر لی ہے اور دوبارہ مسلمان ہو گئے ہیں۔ آپؓ امیر المومنین نے بھی یہی غلطیاں کر کے کفر کیا ہے اس لیے آپؓ بھی توبہ کر کے دوبارہ مسلمان ہو جائیں۔ (۱۹)

خوارج کی سرگرمیوں کا دائرہ مسلسل پھیلتا جا رہا تھا۔ نہروان سے گزرنے والا کوئی مسلمان جو اُن کی رائے سے اتفاق نہ کرتا قتل کر دیا جاتا۔ یہ لوگ غیر خوارج مسلمانوں کے دودھ پیتے بچوں کو بھی قتل کرنے سے دریغ نہیں کرتے تھے۔ (۲۰) خوارج کی ان سرگرمیوں کی وجہ سے سیّدنا علیؓ کو یہ خطرہ لاحق ہوا کہ اگر انہوں نے شام پر چڑھائی کا قصد کیا تو خوارج کوفہ اور بصرہ پر حملہ کر کے بڑی تباہی کر سکتے ہیں۔ لہٰذا آپؓ نے شام پر حملہ ملتوی کر دیا اور نہروان کی جانب پیش قدمی کی۔ نہروان پہنچ کر آپؓ نے

Marfat.com

خوارجیوں کو راہِ راست پر لانے کی بہت کوشش کی لیکن ان لوگوں نے بڑا درشت جواب دیا، چنانچہ لڑائی کے سوا کوئی راستہ نہ بچا۔

Their conduct became at last so serious as to compel the caliph to attack them. The majority fell fighting; a few escaped to al-Behrain and al-Ahsa, where they formed the nucleus of the fanatical horde which time after time harassed the empire by their sanguinary attacks.(21)

"اُن کا رویہ اس قدر خراب ہو گیا تھا کہ خلیفہ کو ان پر حملہ کرنا پڑا۔ زیادہ تر خوارج لڑائی میں مارے گئے اور کچھ بحرین کی طرف بھاگ گئے، اور انہوں نے وہاں جا کر ایسا مذہبی جنونی گروہ بنالیا جس نے بار بار اپنے خونی حملوں سے مملکت کو خوفزدہ کیے رکھا۔"

خوارج کے استیصال کے بعد سیّدنا علیؓ نے شام پر حملہ کا فیصلہ کیا، لیکن آپؓ کے لشکر کے سرداروں نے اس دفعہ سرد مہری کا مظاہرہ کیا اور حضرت علیؓ کا ساتھ دینے میں پس وپیش سے کام لیا، چنانچہ آپؓ نے ایک بار پھر شام پر حملہ کو ملتوی کر دیا۔

فتنۂ خوارج کی وجہ سے سیّدنا علیؓ کو سیاسی طور پر بہت نقصان پہنچا۔ جتنا عرصہ آپؓ خوارجیوں سے الجھے رہے، اس دوران امیر معاویہؓ نے اپنے آپ کو خاصا مستحکم کر لیا تھا، اب وہ اس پوزیشن میں تھے کہ مصر پر حملہ کر کے وہاں اپنی حکومت قائم کر لیں۔ سیّدنا علیؓ کی طرف سے مصر کے گورنر محمد بن ابو بکر مصریوں کی حمایت کھو چکے تھے اور مصر خانہ جنگی کا شکار تھا۔ امیر معاویہؓ نے حالات کو اپنے موافق دیکھتے ہوئے فاتح مصر، عمرو بن العاصؓ کو ایک لشکرِ جرار کے ساتھ مصر پر حملہ کے لیے بھیجا۔ اہلِ مصر نے محمد بن ابو بکر کا ساتھ نہ دیا۔ عمرو بن العاصؓ نے بڑی آسانی کے ساتھ مصر پر قبضہ کر لیا۔ سقوطِ مصر کے بعد سیّدنا علیؓ کی پوزیشن کافی حد تک کمزور ہوگئی اور دیگر علاقوں کا دفاع بھی مشکل نظر آنے لگا۔ اب امیر معاویہؓ نے مختلف اطراف سے جارحانہ حملے شروع کر دیے، جس سے سیّدنا علیؓ کے مقبوضات میں بدامنی کی فضاء پیدا ہوگئی اور حالات ابتر سے ابتر ہوتے چلے گئے۔ ان حالات میں صلح ہی بہترین راستہ تھا۔ تاریخ ملت کے مصنف نے "البدایہ والنہایہ" کا حوالہ دیتے ہوئے لکھا ہے کہ حضرت امیر معاویہؓ نے حضرت علیؓ کو لکھا کہ اُمت میں بہت خونریزی ہو چکی، اب کب تک مسلمانوں کا خون پانی کی طرح بہے گا۔ بہتر یہی ہے

Marfat.com

کہ فریقین اپنے اپنے مقبوضات پر اکتفا کریں اور ایک دوسرے سے چھیڑ چھاڑ نہ کریں۔ حضرت علیؓ نے امیر معاویہؓ کی اس بات سے اتفاق کر لیا اور دونوں بزرگوں میں صلح ہو گئی۔ (۲۲)

جنگِ نہروان میں ہزاروں خوارج شمشیرِ حیدری کا نشانہ بنے، اس لیے چند باقی بچ جانے والے خوارج سیّدنا علیؓ کو قتل کر کے اپنے ساتھیوں کے خون کا بدلہ لینا چاہتے تھے۔ اب وہ اس قابل تو نہ رہے تھے کہ وہ کسی میدان میں سیّدنا علیؓ کا مقابلہ کر پاتے، لہٰذا انہوں نے آپؓ کو شہید کرنے کا منصوبہ بنایا۔ تین خوارج عبدالرّحمان بن ملجم، برک بن عبداللہ تمیمی اور عمرو بن بکر تمیمی، مکہ میں اکٹھے ہوئے اور ایک نہایت خطرناک منصوبہ تیار کیا۔ طے یہ پایا کہ ابنِ ملجم سیّدنا علیؓ کو، برک حضرت معاویہؓ کو، اور عمرو، عمرو بن العاصؓ کو ایک ہی دن حملہ کر کے شہید کر دیں۔ اپنے ان ناپاک عزائم کی تکمیل کے لیے یہ تینوں خوارج کوفہ، دمشق اور مصر کی طرف روانہ ہو گئے۔ مقررہ تاریخ کو دمشق کی جامع مسجد میں فجر کی نماز کی امامت کے دوران امیر معاویہؓ پر حملہ کیا گیا، حضرت معاویہؓ کو معمولی زخم آئے، حملہ آور گرفتار کر کے قتل کر دیا گیا۔ حملہ کے مقررہ دن عمرو بن العاصؓ اتفاقاً بیمار ہونے کی وجہ سے مسجد میں امامت کے لیے نہ جا سکے، انکی جگہ خارجہ بن حبیبہ نے امامت کروائی، اُن پر حملہ ہوا جس سے وہ جانبر نہ ہو سکے۔

حملہ کے مقررہ دن امیر المومنین سیّدنا علیؓ نماز فجر کی امامت کے لیے جامع مسجد کوفہ میں داخل ہوئے۔ عبدالرحمان ابن ملجم، اپنے دو ساتھیوں کے ہمراہ پہلے سے ہی مسجد میں چھپا ہوا تھا۔ ابنِ ملجم نے بڑھ کر سیّدنا علیؓ پر پیچھے سے تلوار کا وار کیا جس سے آپؓ کو بہت گہرا زخم آیا۔ ابنِ ملجم گرفتار کر لیا گیا، باقی دو خوارج فرار ہونے میں کامیاب ہو گئے۔

سیّدنا علیؓ نے ابنِ ملجم کے بارے میں فرمایا کہ اگر میں مر گیا تو اس شخص کو بھی میرے بدلے میں قتل کر دینا اور اگر میں زندہ رہا تو اس کے بارے میں جو مناسب سمجھوں گا، فیصلہ کروں گا۔ لیکن آپؓ کو لگنے والا زخم بہت کاری تھا، جب چراغِ حیات کے گُل ہونے کے امکانات بڑھ گئے تو آپؓ نے اپنے صاحبزادوں کو بلایا اور انہیں پرہیزگاری، حُسنِ اخلاق اور خدمتِ دین کی وصیت فرمائی۔ بالآخر شیرِ خدا، فاتح خیبر، آفتابِ ولایت، خلیفۂ راشد رابع، سیّدنا علی المرتضیٰؓ نے ۲۱۔ رمضان المبارک ۴۰ھ کو داعی اجل کو لبیک کہا۔

سیّدہ عائشہ صدیقہؓ کو جب سیّدنا علیؓ کی شہادت کی خبر ملی تو آپؓ نے یہ اشعار پڑھے۔

Marfat.com

فالقت عصاھاواستقرت بھاالنوی　　　کماقر عینابالایاب المسافر

اس نے اپنی لاٹھی ٹیک دی اور جدائی کو قرار مل گیا۔جس طرح مسافر کی آنکھیں واپسی سے ٹھنڈی ہوتی ہیں

فان یلث نائیا فلقد نخاہ　　　غلام لیس فی فیہ التواب

دور تھا اس کی موت کی خبر ایک لڑکا لے کر آیا۔افسوس کہ اس کے منہ میں مٹی کسی نے نہ بھری۔(۲۳)

قصاصِ عثمانؓ کے لیے حضرت امیر معاویہؓ نے جو غیر آئینی طریقہ اختیار کیا اس کے بڑے بھیانک نتائج سامنے آئے۔خلافتِ علوی کے قیام کے ساتھ ہی امیر معاویہؓ نے مرکز سے انحراف کی پالیسی اختیار کی۔قصاصِ عثمانؓ کے لیے انہوں نے جس راستے کا انتخاب کیا،اس سے ظاہر ہوتا تھا کہ اُن کے پیش نظر قاتلین عثمان سے نہیں بلکہ خلیفۂ وقت سے خونِ عثمان کا بدلہ لینا تھا۔(۲۴)اگر وہ خلیفۂ وقت سیّدنا علیؓ کی بیعت کر لیتے اور اُن کے ساتھ مل کر جدوجہد کرتے تو یقیناً قاتلینِ عثمان کو بآسانی زیر کیا جا سکتا تھا۔

وہ منافقین جنھوں نے سبائیوں کے روپ میں سیّدنا عثمان غنیؓ کو شہید کیا تھا،انہوں نے ہی خوارج کے روپ میں سیّدنا علیؓ کو شہید کیا۔سبائی تھے تو محبانِ علیؓ ہونے کے دعویدار تھے،خوارج ہوئے تو دشمنانِ علیؓ کہلائے۔روپ بھی بدلا اور طریقۂ کار بھی،لیکن دشمنیٔ اسلام پر قائم رہے۔سیّدنا علیؓ کی شہادت کے بعد مسلم تاریخ ایک ایسے نازک راستے پر آ گئی تھی جو خلافت سے ملوکیّت کی طرف جاتا تھا۔

حوالہ جات وحواشی

(۱) خلافت وملوکیّت،مودودی،سیّد ابوالاعلیٰ،اسلامک پبلیکیشنز لمیٹڈ،لاہور،ص ۱۲۵

(۲) تاریخ طبری،طبری،ابن جریر،مترجم محمد ابراہیم ندوی،نفیس اکیڈمی،کراچی،ج ۳،ص ۲۳۰،۱۹۸۴ء

(۳) کوفہ کا شہر فاروق اعظمؓ کے زمانے میں سعد بن ابی وقاصؓ نے فوجی چھاونی کے طور پر بسایا تھا۔ابوبکر صدیقؓ،فاروق اعظمؓ اور عثمان غنیؓ نے مدینہ کو اپنا دارالخلافہ رکھا،لیکن علیؓ المرتضیٰؓ نے کوفہ کو اپنا دارالخلافہ بنایا۔مؤلف

Marfat.com

(۴) مختصر اردو دائرہ معارف اسلامیہ، محمد عبداللہ، سید، ڈاکٹر، پنجاب یونیورسٹی، لاہور، ۵۶۱

(۵) خلافت وملوکیت، مودودی، سیّد ابوالاعلیٰ، اسلامک پبلیکیشنز لمیٹڈ، لاہور، ص ۱۱۵

(۶) البدایہ والنہایہ، ابن کثیر، عماد الدین، مترجم عبدالرشید، اختر فتح پوری، نفیس اکیڈمی، کراچی، ج ۷، ص ۴۹۹

(۷) صفین کا مقام ملک شام میں دریائے فرات کے دائیں کنارے پر رقہ کے بالمقابل واقع ہے۔ (ماخوذ از اٹلس فتوحات اسلامیہ، دارالسلام، لاہور، ص ۹۹

(۸) تاریخ طبری، طبری، ابن جریر، مترجم محمد ابراہیم ندوی، نفیس اکیڈمی، کراچی، ج ۳، ص ۳۲۸، ۱۹۸۴ء

(۹) عثمانؓ اور علیؓ سیاست کی روشنی میں، طہٰ حسین، ڈاکٹر، مترجم عبدالحمید نعمانی، نفیس اکیڈمی، کراچی، ص ۳۷۹

(۱۰) البدایہ والنہایہ، ابن کثیر، عماد الدین، مترجم عبدالرشید، اختر فتحپوری، نفیس اکیڈمی، کراچی، ج ۷، ص ۵۳۰

(۱۱) مختصر اردو دائرہ معارف اسلامیہ، محمد عبداللہ، سید، ڈاکٹر، پنجاب یونیورسٹی، لاہور، ص ۵۶۱

(12) A History of Medieval Islam, Page 65, J.J.Saunders, Routledge and Kegan Paul, LONDON.

(۱۳) تحکیم سے مراد ہے حکم مقرر کرنا۔ حضرت علیؓ کی طرف سے ابوموسیٰ اشعریؓ اور حضرت امیر معاویہؓ کی طرف سے عمرو بن العاصؓ کو حکم مقرر کیا گیا۔ مؤلف

(۱۴) تاریخ الخلفاء، سیوطی، جلال الدین، مترجم اقبال الدین احمد، نفیس اکیڈمی، کراچی، ص ۷۷، ۱۹۸۳ء

(۱۵) تاریخ ملت، میرٹھی، زین العابدین، شہابی، انتظام اللہ، ادارہ اسلامیات، لاہور، ص ۳۸۴، ۱۹۹۱ء

(۱۶) تاریخ اسلام، نجیب آبادی، اکبر شاہ، فرید بک ڈپو، دہلی، ج ۱، ص ۴۹۳

(۱۷) البدایہ والنہایہ، ابن کثیر، عماد الدین، مترجم عبدالرشید، اختر فتح پوری نفیس اکیڈمی، کراچی، ج ۷، ص ۵۵۶

(۱۸) مختصر اردو دائرہ معارف اسلامیہ، محمد عبداللہ، سید، ڈاکٹر، پنجاب یونیورسٹی، لاہور، ۵۶۲

(۱۹) تاریخ اسلام، نجیب آبادی، اکبر شاہ، فرید بک ڈپو، دہلی، ج ۱، ص ۴۹۹

(۲۰) مختصر اردو دائرہ معارف اسلامیہ، محمد عبداللہ، سید، ڈاکٹر، پنجاب یونیورسٹی، لاہور، ص ۵۶۲

Marfat.com

(21) A Short History of the Saracens, Page 51, Syed Ameer Ali, Islamic Book Service, LAHORE.

(۲۲) تاریخ ملت، میرٹھی، زین العابدین، شہابی، انتظام اللہ، ادارہ اسلامیات، لاہور، ج ۱، ص ۴۰۲، ۱۹۹۱ء

(۲۳) تاریخ طبری، طبری، ابن جریر، مترجم محمد ابراہیم ندوی، نفیس اکیڈمی، کراچی، ج ۳، ص ۴۴۵، ۱۹۸۴ء

(۲۴) خلافت وملوکیت، مودودی، سیّد ابوالاعلیٰ، اسلامک پبلی کیشنز لمیٹڈ، لاہور، ص ۱۳۳

Marfat.com

آغازِ ملوکیت

شہادتِ عثمانؓ کے بعد مسلمانوں میں طویل سول وار (Civil-War) کا آغاز ہوا۔ عام مسلمانوں کی اکثریت نے سیّدنا علیؓ کے ہاتھ پر بیعت کر کے اُنہیں خلیفہ تسلیم کر لیا، چونکہ بیعت کرنے والوں میں سبائیوں کی بڑی تعداد شامل تھی، جو شہادتِ عثمان کے ذمہ دار تھے، اس لیے کچھ کبار صحابہ کرام نے سیّدنا علیؓ کی بیعت نہ کی اور قاتلینِ عثمان سے قصاص لینے کا مطالبہ کیا۔ سیّدنا علیؓ نے اپنی پوزیشن واضح کی لیکن غلط فہمیاں بڑھتی چلی گئیں اور قصاصِ عثمانؓ کے مطالبے پر تاریخ اسلام میں پہلی بار جنگِ جمل اور جنگِ صِفین میں صحابہ کرام کی شمشیریں ایک دوسرے کے خلاف بے نیام ہوئیں۔

جنگِ صِفین کے بعد سبائیوں نے جو محبانِ علیؓ کے روپ میں سیّدنا علیؓ کے لشکر میں شامل تھے، یہ لبادہ اتار دیا اور خوارج کا روپ دھار لیا۔ امیر المومنین سیّدنا علیؓ نے جنگِ نہروان میں فتنۂ خوارج کا مکمل استیصال کیا، لیکن چند خوارج فرار ہونے میں کامیاب ہو گئے۔ انہیں میں سے ایک خارجی ابنِ ملجم نے سیّدنا علیؓ کو شہید کر دیا۔ یہ تاریخِ اسلام کا ایک اندوہ ناک باب ہے کہ سوائے سیّدنا ابوبکر صدیقؓ کے باقی تینوں خلفائے راشدین کو شہید کیا گیا۔ جنگِ جمل، جنگِ صِفین اور جنگِ نہروان میں ہزاروں فرزندانِ توحید کا خون بہا، کشتِ اسلام ویران ہوئی، شجرِ اسلام خزاں سوختہ ہوا اور گلشنِ اسلام میں بادِ سموم نے بہت کچھ جلا کر راکھ کر ڈالا۔

سیّدنا علیؓ کی شہادت کے بعد مسلمانوں کی اکثریت نے آپؓ کے فرزندِ اکبر سیّدنا امام حسنؓ کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ شام میں امیر معاویہؓ کی پوزیشن بہت مضبوط ہو چکی تھی۔ سیّدنا علیؓ کی شہادت کے بعد اب امیر معاویہؓ کے سامنے تمام راستے صاف تھے، اس لیے انہوں نے لوگوں سے بطور خلیفۂ اسلام بیعت لینا شروع کر دی تھی۔ امیر معاویہؓ نے ساٹھ ہزار کے لشکرِ جرار کے ساتھ کوفہ کی جانب پیش قدمی شروع کی، امام حسنؓ نے بھی چالیس ہزار کا لشکر تیار کیا اور مقابلے کے لیے نکلے۔(۱)

جنگِ جمل اور جنگِ صفین کے بعد ایک بار پھر مسلمان ایک دوسرے کے خلاف صف آرا ہو رہے

Marfat.com

تھے اور ایک بار پھر ایک بڑا خونی معرکہ شروع ہوسکتا تھا، لیکن ہزاروں سلام ہوں سیّدنا حسنؓ پر! کہ آپؓ کے ایک فیصلہ نے نہ صرف اس خونی معرکہ سے مسلمانوں کو بچالیا، بلکہ مسلمانوں کے درمیان طویل سول وار کا بھی خاتمہ ہوگیا۔ امام حسنؓ نے لوگوں سے خطاب کرتے ہوئے کہا، لوگو! محمد ﷺ کی اُمت کی اصلاح اور تم لوگوں کی خونریزی سے بچنے کے لیے حقِ خلافت سے دستبردار ہوتا ہوں۔" اپنی حکومت کی بقاء، تحفظ اور اسکی توسیع کے لئے تو دنیا کا ہر حکمران جنگ کرتا ہے اور انسانی خون کی اسے کوئی پرواہ نہیں ہوتی، لیکن اپنی قوم کے چند انسانوں کے خون کے تحفظ کے لیے تختِ حکومت کو چھوڑ دینا تاریخ کے نادر واقعات میں سے ایک ہے۔" (۲)

امام حسنؓ نے اصلاحِ اُمت کے لیے امیر معاویہؓ سے صلح کرنے اور اُن کے حق میں خلافت سے دستبردار ہونے کا فیصلہ کیا اور ایک صلح نامہ کے ذریعے امیر معاویہؓ کی بیعت کرلی۔ امام حسنؓ کا یہ فیصلہ اُمت مسلمہ پر بہت بڑا احسان ہے، آپ نے اُمت کو مزید بکھرنے اور انتشار کا شکار ہونے سے بچالیا۔ یہ سال مسلمانوں میں "عام الجماعۃ" کے نام سے مشہور ہوا، اس لیے کہ ان کا تفرقہ مٹ گیا اور وہ متحد ہوکر ایک جماعت بن گئے۔ (۳)

اب امیر معاویہؓ تمام عرب کے واحد حکمران تھے، اُن کا بیس سالہ دور ۶۸۰ء۔۶۶۱ء کامیاب دور ثابت ہوا، سول وار کا خاتمہ ہوا، خوارج کا فتنہ سر نہ اٹھا سکا۔ بغاوتیں دب گئیں اور فتوحات کا سلسلہ دوبارہ شروع ہوا۔ عظیم مسلم جرنیل عقبہ بن نافعؓ نے سلطنتِ رومہ کو ناکوں چنے چبوائے اور شمالی افریقہ کے بہت سے علاقے فتح کر لئے، انہوں نے تیونس کے جنوب میں قیروان (۴) کا مشہور شہر آباد کیا جو افریقہ میں مسلمانوں کی بہت بڑی فوجی چھاونی بھی تھی اور دارُالخلافہ بھی۔ امیر معاویہؓ کے دور میں ہی مسلمانوں نے مشرقی سلطنتِ روم کے دارالحکومت قسطنطنیہ پر حملہ کیا، اس لشکرِ اسلامی میں بہت سے جلیل القدر صحابہ بھی شامل تھے۔ حضرت ابوایوب انصاریؓ بھی اسی مہم کے دوران شہید ہوئے۔

سیّدنا امیر معاویہؓ کے دور میں افغانستان کے مشہور شہر ہرات، کابل، قندھار اور بلخ فتح ہوئے اور اسلامی سلطنت کا حصہ بنے۔ ان سب کارناموں کے اعتبار سے آپؓ کا دور کامیاب دور کہا جا سکتا ہے لیکن آپؓ نے ایک ایسا فیصلہ کیا جس سے خلافت، ملوکیت میں بدل گئی۔ مورخِ اسلام جلال الدین سیوطی کے الفاظ میں آپؓ ہی وہ پہلی شخصیت ہیں جنھوں نے اپنی صحت مندانہ زندگی میں اپنے فرزند کو

Marfat.com

خلیفہ اور ولی عہد بنانے کی رسم جاری کی اور ساتھ ہی ساتھ حاکمِ مدینہ مروان کو لکھا کہ تم یزید کی ولی عہدی کی لوگوں سے بیعت لے لو۔(۵)

بنو ہاشم اور بنو اُمیہ کے درمیان قبائلی مخاصمت کا سلسلہ قبل از اسلام سے ہی چلتا آ رہا تھا۔ رسول اللہ ﷺ خاندانِ بنو ہاشم سے تھے، اسی لئے بنو اُمیہ کی طرف سے آپ کے پیغام اور تبلیغ کی زیادہ مخالفت کی گئی لیکن آپ ﷺ نے ہمیشہ قبائلی عصبیت کی حوصلہ شکنی کی۔ بنو اُمیہ کے افراد کے ساتھ حسنِ سلوک کیا اور اُن کے ساتھ گہرے مراسم قائم کئے۔ آپؐ نے اپنی دو بیٹیاں یکے بعد دیگرے اموی صحابی عثمان غنیؓ کے عقد میں دیں۔ فتح مکہ کے موقع پر بنو اُمیہ کے سردار ابو سفیان کے گھر کو "دارُالامن" قرار دیا۔

رسولِ رحمت ﷺ نے اپنے بعد کسی کو بھی اپنا جانشین نامزد نہ کیا اور خلیفہ کے انتخاب کا اختیار مسلمانوں کی صوابدید پر چھوڑ کر یہ اصول قائم کر دیا کہ مسلمان اتفاق رائے سے اپنے میں سے جسے چاہیں حاکم بنالیں، خواہ وہ ہاشمی ہو یا اموی یا کسی بھی خاندان سے ہو۔ چنانچہ آنحضور ﷺ کے وصال مبارک کے بعد صحابہ کرام نے باتفاق رائے ابو بکر صدیقؓ کو خلیفۂ اوّل منتخب کر لیا۔ آپؓ بنو ہاشم یا بنو اُمیہ کے فرد نہ تھے۔ آپؓ نے سیّدنا عمر فاروقؓ کو اپنا جانشین مقرر کیا لیکن فاروق اعظمؓ بھی نہ تو خلیفۂ اوّل کے خاندان سے تھے اور نہ ہی بنو ہاشم یا بنو اُمیہ کے فرد تھے۔ تاریخ نے ثابت کیا کہ صدیقِ اکبرؓ کی طرف سے یہ انتخاب اُمت کے لیے باعثِ رحمت ثابت ہوا۔

فاروق اعظمؓ نے اپنا کوئی جانشین نامزد نہ کیا بلکہ چھ جلیل القدر صحابہ کی کمیٹی بنائی اور انہیں اختیار دیا کہ اپنے میں سے اتفاق رائے سے جسے چاہیں خلیفہ منتخب کر لیں۔ آپؓ نے اس کمیٹی میں اپنے بیٹے عبداللہ بن عمرؓ کو شامل نہ کیا حالانکہ وہ خلافت کے منصب کے لیے مناسب امیدوار تھے۔ صحابہ کرام کی اس کمیٹی نے اتفاقِ رائے سے حضرت عثمان غنیؓ کو خلیفہ منتخب کیا۔ آپؓ خاندانِ بنو اُمیہ کے چشم و چراغ تھے۔ آپؓ کی خلافت کے ابتدائی چھ سال نہایت کامیابی کے ساتھ گزرے لیکن اس کے بعد آپؓ نے چند اہم عہدوں پر بنو اُمیہ کے لوگوں کی تعیناتی کی جس سے عبداللہ بن سباء کو بنو اُمیہ اور بنو ہاشم کی قبائلی عصبیت کو بھڑکانے کا موقع ملا، یہاں تک کہ بلوائیوں نے آپؓ کو شہید کر دیا۔

حضرت عثمان غنیؓ کی شہادت کے بعد مسلمانوں کی اکثریت نے سیّدنا علیؓ کے ہاتھ پر بیعت کر

Marfat.com

کے آپؓ کو خلیفہ منتخب کر لیا، لیکن امیر معاویہؓ نے عثمان غنیؓ کا رشتہ دار ہونے کی وجہ سے اُن کے قصاص مطالبہ کیا اور حضرت علیؓ کی خلافت کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ ابنِ ملجم خوارجی کے حملہ کے بعد جب سیّدنا علیؓ سے پوچھا گیا کہ کیا آپؓ کے بعد آپ کے بیٹے سیّدنا حسنؓ کی بیعت کر لی جائے تو انہوں نے اسے مسلمانوں کی صوابدید پر چھوڑتے ہوئے فرمایا تھا کہ نہ میں تمہیں اس بات کا حکم دیتا ہوں اور نہ ہی اس سے منع کرتا ہوں۔ سیّدنا علیؓ کی شہادت کے بعد مسلمانوں کی اکثریت نے اپنی مرضی سے امام حسنؓ کے دستِ حق پر بیعت کر لی، لیکن انہوں نے اُمتِ مسلمہ کی اصلاح اور بہتری کی خاطر حضرت امیر معاویہؓ کے حق میں دستبردار ہونے کا فیصلہ کیا۔ امیر معاویہؓ کے ہاتھ میں اختیارات کا آنا خلافت سے ملوکیت کی طرف اسلامی ریاست کے انتقال کا عبوری مرحلہ تھا۔(۶)

Under the instigation of Mughaira, the governor of Basra, Muawiyah conceived the design of nominating his son Yazid as his successor to the throne. (7)

"بصرہ کے گورنر مغیرہؓ کی طرف سے تحریک دلانے پر معاویہؓ نے اپنے بیٹے یزید کو اپنا جانشین مقرر کر دیا۔"

جب سیّدنا امیر معاویہؓ نے اپنے بیٹے یزید کو اپنا جانشین مقرر کیا تو اس وقت یزید کی نسبت زیادہ قابل، متقی اور امورِ سلطنت کے ماہر صحابہ کرامؓ موجود تھے۔ جن کی موجودگی میں یزید کا انتخاب کسی حوالے سے درست نہ تھا۔

حضرت امیر معایہؓ کے بعد اُن کے بیٹے یزید بن معاویہ کی تخت نشینی مسلم تاریخ کا ایک اہم موڑ ہے۔ یہاں سے مسلم تاریخ خلافت سے ملوکیت کی طرف موڑ مڑتی ہے اور مسلم خاندانوں کی طویل حکومتوں کا سلسلہ شروع ہوتا ہے۔ خلافتِ راشدہ کا زمانہ ۶۳۲ء تا ۶۶۰ء تک تقریباً ۲۸ سال بنتا ہے جس میں چار خلفائے راشدین ہوئے جو سب مختلف خاندانوں سے تھے لیکن ملوکیت کے آغاز کے بعد ۶۶۰ء تا ۱۲۵۸ء تک کے ۵۹۸ سالوں میں صرف دو خاندان بنواُمیہ اور بنوعباس برسرِ اقتدار رہے اور خلافتِ بنوعباس کے دوران بھی مختلف خاندانوں کی حکومتیں قائم ہوئیں۔ اس دورِ ملوکیت کے دوران زیادہ تر مسلم حکمرانوں نے جس عیاشی، آرام پرستی احسان فراموشی، بغض وکینہ اور ظلم وستم کی داستانیں رقم کیں انہیں

Marfat.com

پڑھتے ہوئے مسلم تاریخ کا قاری انتہائی تکلیف اور کرب کے مراحل سے گزرتا ہے۔مشہور مسلم مورّخ ابنِ خلدون کے مطابق خلافتِ راشدہ تک کے چالیس سالوں کو چھوڑ کر، باقی تمام مسلم تاریخ میں ہمیں عصبیت کا عنصر دکھائی دیتا ہے، جس میں اسلام کے سرمدی اصولوں کا شائبہ تک نہیں ملتا۔

عبداللہ بن سباء نے بنواُمیّہ اور بنو ہاشم کی قبائلی عصبیت کو ہوا دی تھی ،لیکن امام حسنؓ نے امیر معاویہؓ کے حق میں دستبردار ہوکر جہاں مسلمانوں میں سول وار (Civil-War) کے خاتمے میں اہم کردار ادا کیا وہاں بنواُمیّہ اور بنو ہاشم کے درمیان قبائلی عصبیت کے مارکو بھی پاؤں تلے روند ڈالا ،لیکن امیر معاویہؓ نے اپنے بیٹے یزید کو اپنا جانشین نامزد کیا تو یہ مار دوبارہ زندہ ہوگیا اور خلافت ملوکیّت میں بدل گئی جس کے نتیجے میں اس کائنات عالم میں واقعہ ٔ کربلا جیسا جگر پاش و دلخراش سانحہ وقوع پذیر ہوا۔

حوالہ جات وحواشی

(۱) تاریخ اسلام، نجیب آبادی، اکبرشاہ، فرید بک ڈپو، دہلی ، ج ا،ص ۵۲۲

(۲) تاریخ اسلام، ندوی، معین الدین احمد، المیز ان ناشران، لاہور، ص ۲۷۴

(۳) مختصر اردو دائرہ معارف اسلامیہ، محمد عبداللہ، سید، ڈاکٹر، پنجاب یونیورسٹی، لاہور، ص ۲۸۴

(۴) قیروان فارسی لفظ " کاروان" سے معرب ہے۔قیروان تونس شہر سے ۱۱۲ میل جنوب میں اور سوسہ سے ۴۰ میل مغرب میں واقع ہے۔عقبہ بن نافعؓ نے ۵۰ ھ / ۶۷۰ ء میں اس کی بنیاد رکھی۔اس کی سب سے اہم عمارت سیدی عقبہ کی جامع مسجد ہے جس کی بنیاد قیروان کی بنیاد کے ساتھ ہی رکھی گئی تھی۔بنو اغلب کے عہد میں قیروان کی خوشحالی نقطہٴ عروج پر تھی۔ماخوز از اٹلس فتوحات اسلامیہ۔دارالسّلام، لاہور، ص ۲۴۹

(۵) تاریخ الخلفاء، سیوطی، جلال الدین، مترجم اقبال الدین احمد، نفیس اکیڈمی، کراچی، ص ۱۹۷، ۱۹۸۳ء

(۶) خلافت وملوکیّت ، مودودی، سیّد ابوالاعلیٰ، اسلامک پبلیکیشنز لمیٹڈ، لاہور، ص ۱۴۷

(7) A Short History of the Saracens, Page 81, Syed Ameer Ali, Islamic Book Service, LAHORE.

Marfat.com

سانحۂ کربلا ۶۱ھ / ۶۸۰ء

حضرت سیّدنا امیر معاویہؓ نے مغیرہ بن شعبہؓ کے مشورے اور شفقتِ پدری کی بناء پر اپنی زندگی میں ہی اپنے بیٹے یزید کو خلیفہ مقرر کر کے بنواُمیہ کی موروثی حکومت کی بنیاد رکھ دی تھی۔ اہل مدینہ نے یزید کی بیعت سے انکار کیا، کیونکہ موروثی سلطنت ایک طرف اسلام کے سیاسی نظام کی روح کے خلاف تھی تو دوسری طرف خود یزید کی شخصیت خلیفۂ اسلام کے لیے کسی طور پر مناسب نہ تھی۔ عبدالرحمان بن ابوبکرؓ، عبداللہ بن عمرؓ، عبداللہ بن زبیرؓ اور حسین بن علیؓ نے یزید کی بطور خلیفہ نامزدگی کی سخت مخالفت کی۔" امام حسینؓ نے اسلام کے ارتقاء کو اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا، اسلامی تاریخ کے جملہ واقعات اُن کے سامنے ہوئے، اس لیے جب یزید کو ولی عہد نامزد کیا گیا تو سیّدنا امام حسینؓ نے اس نامزدگی کی مخالفت کی۔"(۱)

امیر معاویہؓ نے خود مکہ آ کر ان اصحاب سے ملاقات کی اور انہیں یزید کی بیعت کے لیے قائل کرنے کی کوشش کی۔ عبداللہ بن زبیرؓ نے امیر معاویہؓ سے کہا ہم آپ کے سامنے چند باتیں پیش کرتے ہیں۔ آپ ان میں سے جسے چاہیں اختیار فرمالیں۔

جس طرح آنحضور ﷺ نے اپنا کوئی جانشین مقرر نہیں کیا، آپؓ بھی اپنا کوئی جانشین مقرر نہ کریں اور خلیفہ کے انتخاب کا فیصلہ مسلمانوں پر چھوڑ دیں، یا ابوبکر صدیقؓ کے طریقے پر عمل کرتے ہوئے اپنا ایسا جانشین مقرر کریں جو اس منصب کا اہل بھی ہو اور آپ کے خاندان سے بھی نہ ہو۔ تیسری صورت میں عمر فاروقؓ کی سنت پر عمل کرتے ہوئے ایسے چھ افراد کی کمیٹی بنا دیں جو نہ تو آپ کے خاندان میں سے ہوں اور نہ ہی اُن میں آپ کا بیٹا شامل ہو، اور وہ چھ افراد آپس میں مشاورت سے کسی ایک کو خلیفہ مقرر کرلیں۔ باقی اصحاب نے بھی عبداللہ بن زبیرؓ کی تائید کی۔ یہ باتیں سن کر امیر معاویہؓ نے کہا "اب تک میں تم لوگوں سے درگزر کرتا رہا۔ اب میں خدا کی قسم اٹھا کر کہتا ہوں کہ اگر تم میں سے کسی نے میری بات کے جواب میں ایک لفظ بھی کہا تو دوسری بات اُس کی زبان سے نکلنے کی نوبت نہ آئے

Marfat.com

گی تلوار اُس کے سر پر پہلے پڑ چکی ہوگی۔"(۲)

امیر معاویہؓ کی وفات کے بعد یزید نے لوگوں سے بیعت لینے کا سلسلہ شروع کیا تو مدینہ کے عامل ولید بن عتبہ کو لکھا کہ اہلِ مدینہ سے میرے نام پر بیعت لو۔ ولید بن عتبہ نے اکابرینِ مدینہ کو ایک جگہ جمع کیا اور یزید کا حکم سنایا۔"امام حسینؓ نے امیر معاویہؓ کی وفات کا سن کر اِنّا لِلّٰہ پڑھی اور امیرؓ کے لیے دعائے خیر کی، پھر فرمایا کہ میرے جیسا آدمی چھپ کر بیعت نہیں کر سکتا۔"(۳)

امام حسینؓ کے علاوہ عبداللہ بن زبیرؓ، عبداللہ بن عمرؓ اور عبداللہ بن عباسؓ نے بھی بیعت سے انکار کیا اور یہ تمام حضرات یکے بعد دیگرے مدینہ سے مکہ چلے گئے۔ مروان نے امام حسینؓ سے بیعت لئے بغیر چھوڑ دینے پر ولید کو بڑی ملامت کی اور کہا کہ بیعت لینے کا موقع تم نے کھو دیا، اب قیامت تک تم اُن پر قابو نہ پا سکو گے۔ اس نے جواب دیا، اے مروان قسم بخدا' میں نہیں چاہتا کہ دنیا اور مافیہا میرے لیے ہوں اور میں حضرت حسینؓ کو قتل کروں، اور میرا تو یہ یقین ہے کہ جو شخص حضرت حسینؓ کو شہید کرے گا، قیامت کے روز اس کا ترازو ہلکا ہوگا۔(۴)

مکہ میں ابنِ زبیرؓ کے حامیوں کی خاصی تعداد موجود تھی، انہوں نے یزید کی طرف سے مقرر کردہ مکہ کے عامل حارث بن حُر کو گرفتار کر کے مکہ کی حکومت عبداللہ بن زبیرؓ کے ہاتھ میں دے دی۔ کوفہ میں شیعانِ علیؓ کی بڑی تعداد موجود تھی، اسی لیے سیّدنا علیؓ نے کوفہ کو اپنا دارالخلافہ بنایا تھا۔ یزید کی طرف سے کوفہ کا گورنر نعمان بن بشیر ایک شریف النفس انسان تھا اور اہلِ بیت کے لیے دل میں انتہائی نرم گوشہ رکھتا تھا۔ جب نعمان بن بشیر نے کوفہ میں یزید کے لیے بیعت لینا شروع کی تو اہلِ کوفہ کی ایک بڑی تعداد نے فیصلہ کیا کہ ہم کسی صورت میں یزید کی بیعت نہیں کریں گے، بلکہ حسین بن علیؓ کو خلافت کے لیے دعوت دیں گے۔ حسین بن علیؓ ابھی مکہ میں تھے کہ ان کے پاس اہلِ کوفہ اور ان لوگوں کے قاصد یہ پیغام لے کر آئے کہ ہم سب لوگ آپؓ پر بھروسہ کئے بیٹھے ہیں، ہم نمازِ جمعہ میں والیٔ کوفہ کے ساتھ شریک نہیں ہوتے۔ آپؓ ہم لوگوں کے پاس تشریف لے آیئے۔(۵)

حسین ابنِ علیؓ نے کوفہ کے حالات سے مکمل آگہی کی خاطر اپنے چچازاد بھائی مسلم بن عقیل کو کوفہ روانہ کیا تاکہ وہاں کے حالات کا جائزہ لیں اور پھر انہیں آگاہ کریں۔ جب مسلم بن عقیلؓ کوفہ پہنچے تو ہزاروں اہلِ کوفہ نے آپؓ کے ہاتھ پر سیّدنا حسین کے لیے بیعت کرنا شروع کی۔ مسلم انہیں امام حسینؓ کا

Marfat.com

خط سناتے، کوفی رو رو کر عہد کرتے کہ امام حسینؓ کی حمایت میں کوئی کسر نہیں چھوڑیں گے اور اپنی جانیں اُن پر قربان کر دیں گے۔(۶)

مسلم بن عقیلؓ نے حالات کو موافق دیکھتے ہوئے امام حسینؓ کے نام خط لکھا کہ اہلِ کوفہ اپنے ارادوں میں سچے ہیں۔ آپ فوراً تشریف لے آئیں۔ اس خط کے روانہ ہونے کے ساتھ ہی کوفہ کی سیاست میں بھی تبدیلی کے آثار نظر آنے لگے۔ یزید کے جاسوسوں نے اُسے کوفہ میں مسلم بن عقیلؓ کی آمد سے پیدا ہونے والی صورت حال کے بارے میں لکھ بھیجا اور کہا کہ اگر وہ کوفہ کو اپنے کنٹرول میں رکھنا چاہتا ہے تو نعمان بن بشیر کی جگہ کسی سخت گیر گورنر کو بھیج دے۔ ان حالات سے آگاہی کے بعد یزید بہت فکر مند ہوا، اُس نے فوراً کوفہ کے گورنر نعمان بن بشیر کو تبدیل کر کے اس کی جگہ اپنے انتہائی شقی القلب اور سخت گیر منتظم عبید اللہ بن زیاد (۷) کو کوفہ کا گورنر مقرر کر دیا۔

عبید اللہ بن زیاد اہلِ کوفہ کی نفسیات سے بخوبی واقف تھا کہ یہ لوگ سازشی ہونے کے ساتھ ساتھ انتہائی بزدل بھی ہیں، چنانچہ اس نے اہلِ کوفہ کو ایک جگہ جمع کر کے سخت قسم کی تقریر کرتے ہوئے کہا:۔

"تم جانتے ہو کہ میں زیاد بن ابی سفیان کا بیٹا ہوں اور تم اُن کے اندازِ سیاست سے واقف ہو، مجھ میں اپنے باپ کی سب عادات موجود ہیں۔ میں نہیں چاہتا کہ کوفہ میں خون بہاؤں اور تم لوگوں کو قتل کروں۔ مجھے معلوم ہے کہ تم لوگوں نے مسلم بن عقیل کے ہاتھ پر حسین بن علیؓ کی بیعت کر لی ہے۔ اگر تم اس بیعت کو فسخ کر دو تو تمہیں امان ہے ورنہ ہر باغی کو اسی کے مکان پر قتل کر دیا جائے گا۔"(۸)

ابنِ زیاد کی کوفہ میں آمد کے بعد سے مسلم بن عقیلؓ ہانی بن عروہ کے گھر پر مقیم تھے، لیکن جلد ہی ابنِ زیاد کو اس بات کا علم ہو گیا۔ اس نے اپنے سپاہیوں کو بھیج کر ہانی کو گرفتار کروا لیا۔ ہانی کی گرفتاری کا علم ہونے پر مسلم بن عقیلؓ گھر سے باہر آ گئے اور ابنِ زیاد کے مقابلے میں اپنے حامیوں کو پکارا۔ حسین ابن علیؓ کی بیعت کرنے والے اٹھارہ ہزار کوفیوں میں سے صرف چار ہزار کوفی مدد کے لیے باہر نکلے، لیکن ابن زیاد کے خوف سے یہ سب بھی آپ کا ساتھ چھوڑ گئے۔ بالآخر آپ تنہا رہ گئے تو آپؓ نے ایک بڑھیا کے گھر میں پناہ لی، لیکن اس بڑھیا کے بیٹے نے موت کے خوف سے ابنِ زیاد کو اس کی خبر کر دی۔ مسلم بن عقیل گرفتار کر لیے گئے۔ ابنِ زیاد نے اہلِ کوفہ کے سامنے مسلم بن عقیل اور ہانی بن عروہ کے سر قلم کروا دیئے، لیکن کسی کوفی کے سر پر جوں تک نہ رینگی۔

Marfat.com

ایک طرف یہ حالات تھے کہ اہلِ کوفہ کی غدّاری کی وجہ سے مسلم بن عقیلؓ شہید کیے جا چکے تھے اور ابنِ زیاد کوفہ پر اپنی گرفت مضبوط کر چکا تھا، تو دوسری طرف نواسۂ رسول حسین ابنِ علیؓ عزمِ کوفہ کر چکے تھے۔ آپ کے اس ارادے کا علم جب آپ کے ہمدردوں کو ہوا تو انہوں نے حالات کی نزاکت کے پیشِ نظر آپؓ کو اس ارادے سے باز رکھنے کی کوشش کی۔ عبداللہ بن عباسؓ، عبداللہ بن جعفرؓ اور عبداللہ بن زبیرؓ نے آنے والے خطرات سے آگاہ کرتے ہوئے آپؓ کو کوفہ نہ جانے کا مشورہ دیا۔ ابنِ عباس نے کہا، بخدا، میرا گمان ہے کہ آپؓ اپنی خواتین اور لڑکیوں کے سامنے حضرت عثمانؓ کی طرح شہید کر دیے جائیں گے(۹) لیکن آپؓ نے کوفہ کی طرف روانگی کا عزم ظاہر کیا۔

راستے میں مشہور شاعر فرزدق نے کوفہ کے حالات بیان کرتے ہوئے واپسی کا مشورہ دیا تو آپؓ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو خواب میں دیکھا ہے اور اب میں اُن کا حکم پورا کروں گا۔(۱۰) فرزدق نے یہ بھی کہا کہ اہلِ کوفہ کے دل تو آپ کے ساتھ ہیں لیکن اُن کی تلواریں بنواُمیہ کے ساتھ ہیں۔

آپؓ نے سفر جاری رکھا، مقام ثعلبہ پہنچے تو وہاں آپؓ کو مسلم بن عقیل کی شہادت کی خبر ملی اور معلوم ہوا کہ تمام کوفیوں نے ابنِ زیاد کے ہاتھ پر یزید کی بیعت کر لی ہے۔ ان خبروں سے آپؓ کو کوفہ کے حالات کا اندازہ ہو گیا تو آپؓ نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ اہلِ کوفہ نے غدّاری کی ہے۔ تم میں سے جو واپس جانا چاہے وہ بخوشی واپس چلا جائے، ہماری طرف سے اُسے اجازت ہے۔ یہ سن کر امام حسینؓ کے اکثر رفقاء آپ کا ساتھ چھوڑ گئے، صرف آپ کے اہلِ خاندان اور کچھ جانثار ساتھ رہ گئے۔(۱۱)

ابنِ زیاد کو بھی امام حسینؓ کی کوفہ کی طرف پیش قدمی کی اطلاع مل چکی تھی، چنانچہ اس نے حُر بن یزید تمیمی کو ایک ہزار گھڑ سواروں کے ساتھ آگے بھیج دیا۔ ایک مقام پر حُر بن یزید نے امام حسینؓ کے لشکر کو گھیرے میں لے لیا۔ امام حسینؓ نے اُسے وہ تمام خطوط دکھائے جن میں اہلِ کوفہ نے انہیں کوفہ آنے کی دعوت دی تھی، حُر بن یزید نے ان خطوط سے لاتعلقی کا اظہار کیا۔ حُر کو آپؓ کے مقام اور مرتبے کا پورا احساس تھا، چنانچہ اس نے عرض کی کہ میرے ہاتھوں گرفتاری سے بچنے کے لیے آپؓ ایسا راستہ اختیار کیجیے جو عراق اور حجاز دونوں کے راستے سے جدا ہو۔(۱۲) امام حسینؓ نے اس تجویز کو قبول کرتے ہوئے

Marfat.com

نینوئی کی طرف رخ کر کے سفر جاری رکھا، کچھ دیر بعد حُر بن یزید پھر حاضر خدمت ہوا اور امام حسینؓ کو ابنِ زیاد کا حکم نامہ دکھایا، جس میں لکھا تھا کہ حسین اور اس کے ساتھیوں کو فوراً روک لو اور انہیں ایسی جگہ اترنے پر مجبور کرو جہاں کوئی اوٹ اور پانی نہ ہو۔(۱۳)

امام حسینؓ کچھ مزید آگے بڑھ کر جب مقامِ کربلا (۱۴) پر پہنچے تو حُر بن یزید راستہ روک کر کھڑا ہو گیا اور آپؓ کو آپ کے ساتھیوں کے ہمراہ میدانِ کربلا میں پڑاؤ پر مجبور کر دیا۔ "امام حسینؓ کے ساتھ صرف ۳۲ سوار اور ۴۰ پیادے تھے۔ اسے کوئی شخص بھی فوجی چڑھائی نہیں کہہ سکتا۔ اتنی چھوٹی سی جمعیت کے مقابلے میں عمرو بن سعد چار ہزار کا لشکر لے کر آ گیا۔"(۱۵)

ابنِ زیاد نے اسے زبردستی بھیجا تھا، اس لیے وہ امام حسینؓ سے جنگ کیے بغیر معاملہ طے کرنا چاہتا تھا۔ امام حسینؓ نے اس سے ملاقات کر کے اپنا مؤقف واضح کیا اور اس کے سامنے تین تجاویز پیش کیں، کہ ان میں سے جسے چاہو قبول کر لو۔ ۱۔ مجھے واپس مدینہ جانے دیا جائے ۲۔ مجھے دشمن سے جہاد کرنے کے لیے سرحد پر جانے دیا جائے ۳۔ مجھے یزید سے براہِ راست مذاکرات کے لیے دمشق جانے دیا جائے۔

In a conference with the chief of the enemy, Hussain(R.A) proposed the option of three honourable conditions; that he should be allowed to return to Madina, or be stationed in a frontier garrison against the Turks, or safely conducted to the presence of Yazid.(16)

"دشمن کے سپہ سالار کے سامنے حضرت حسینؓ نے تین باعزت شرائط رکھیں: کہ انہیں مدینے لوٹنے دیا جائے یا ترک سرحد پر لڑائی کی غرض سے جانے دیا جائے یا پھر انہیں بحفاظت یزید تک پہنچایا جائے۔"

عمرو بن سعد اس گفتگو سے بہت خوش ہوا کہ امام حسینؓ نے نہایت معقول تجاویز پیش کی ہیں، اس سے سارے معاملات حل ہو جائیں گے۔ اس نے یہ تینوں تجاویز لکھ کر کوفہ میں عبیداللہ بن زیاد کے پاس بھیج دیں۔ ابنِ زیاد نے شمر ذی الجوشن کے مشورے سے ان تجاویز کو مسترد کر دیا اور عمرو بن سعد کو لکھا کہ یہ تجاویز کسی صورت قبول نہیں کی جا سکتیں۔ حسین اگر بلاشرط اطاعت قبول کریں تو انہیں میری طرف بھیج

Marfat.com

دو اور اگر انکار کریں تو اُن سے جنگ کرو اور قتل کر دو۔ اگر اس حکم کی تعمیل میں تم نے پس وپیش کی تو اپنے آپ کو معزول سمجھو۔ عمرو بن سعد اس سخت حکم کو سننے کے بعد لڑائی پر آمادہ ہو گیا۔ ابنِ زیاد نے شمر ذی الجوشن کو بھی میدانِ کربلا میں بھیج دیا اور حکم دیا کہ امام حسینؓ کے لشکر پر پانی بند کر دو، تاکہ پیاس کی شدت کو برداشت نہ کرتے ہوئے حسینؓ اپنے آپ کو ہمارے حوالے کر دیں۔ شمر اور ابنِ زیاد فوج کو فرات کے پانی پر قبضہ کرنے کا حکم دیا، تاکہ حسین اور اُن کے ساتھی دریا سے پانی کی ایک بوند بھی نہ لے سکیں۔ (۱۷) دشمن کی طرف سے پانی کی یہ بندش جنگ کے اختتام تک رہی۔

جب امام حسینؓ کو اس بات کا یقین ہو گیا کہ اب عمرو بن سعد کسی صورت جنگ کے بغیر نہیں ٹلے گا تو آپؓ نے اپنے تمام ساتھیوں کو اکٹھا کیا اور کہا کہ سنو! میں سمجھ چکا ہوں کہ اِن دشمنوں کے ہاتھوں صبح کو ہم لوگوں کی قضاء ہے۔ میری اجازت سے تم چلے جاؤ، میری طرف سے کوئی روک تم پر نہ ہے۔ دیکھو! رات کی تاریکی چھائی ہوئی ہے، اسے غنیمت سمجھو۔ (۱۸) امام حسینؓ کی یہ تقریر سن کر آپؓ کے ساتھیوں نے بیک زبان کہا کہ ہم کسی صورت میں آپؓ کو چھوڑ کر نہیں جائیں گے۔ بلکہ اپنی جانیں آپؓ پر قربان کر دیں گے۔

یوم عاشور کا سورج دل گداز، روح فرسا اور خونیں مناظر دیکھنے کے لیے طلوع ہوا۔ عمرو بن سعد اپنی فوج کو لے کر میدان میں آیا۔ امام حسینؓ نے بھی اپنے ساتھیوں کو مناسب مقام پر متعین کیا۔ امام حسینؓ اتمامِ حجت کے لیے کوفیوں کے سامنے آئے اور تقریر کرتے ہوئے کہا:۔

"لوگو! میرا حسب نسب یاد کرو۔ سوچو کہ میں کون ہوں؟ میں محمد ﷺ کا نواسہ اور علی کرم اللہ وجہٗ کا بیٹا ہوں۔ فاطمہ بنتِ رسول اللہ میری ماں اور جعفر طیارؓ میرے چچا ہیں۔ کیا تم نے رسول اللہ ﷺ کا یہ مشہور قول نہیں سنا کہ حسنؓ اور حسینؓ جنت کے نوجوانوں کے سردار ہیں۔ اگر تمہیں میری باتوں کا یقین نہیں تو آنحضور ﷺ کے بہت سے صحابی زندہ ہیں اُن سے پوچھ لو۔ جابر بن عبداللہؓ انصاری سے پوچھو، ابوسعید خدریؓ سے پوچھو، سہیل بن سعدؓ سے پوچھو، زید بن ارقمؓ سے پوچھو، انس بن مالکؓ سے پوچھو۔ کیا تم مجھے اس لیے ہلاک کرنا چاہتے ہو کہ میں نے کسی کا قتل کیا ہے؟ کسی کا خون بہایا ہے؟ کسی سے مال چھینا ہے؟ آخر میرا قصور کیا ہے؟ اہلِ کوفہ نے کوئی جواب نہ دیا، تو آپؓ نے بڑے بڑے کوفیوں کے نام لے کر انہیں پکارا، اے! اشعث بن ربعی، اے! حجاب بن الجبر، اے! قیس بن

Marfat.com

الاشعث ،اے! حُر بن یزید کیا تم لوگوں نے مجھے خطوط لکھ کر نہیں بلوایا۔؟اب میں آیا ہوں تو مجھے قتل کرنے کے درپے ہو۔"(۱۹)

اب اہلِ کوفہ کی زبانیں کھلیں اور کہنے لگے کہ ہم نے آپؓ کو کوئی خط نہیں لکھا اور نہ ہی آپ کو بلوایا ہے۔سیّدنا امام حسینؓ نے وہ تمام خطوط نکالے اور انہیں الگ الگ پڑھ کر سنائے ،لیکن کوفیوں پر اس کا کوئی اثر نہ ہوا۔

امام حسین کی تقریر کا یہ اثر ضرور ہوا کہ یزید کی فوج کا اہم کمانڈر حُر بن یزید تمیمی ،عبیداللہ ابن زیاد کا ساتھ چھوڑ کر امام حسینؓ کی خدمت میں حاضر ہو گیا اور عرض کی ،اے ابنِ رسول اللہ! میں ہی وہ بد بخت ہوں جس نے آپ کو واپس جانے سے روکا اور اس جگہ پڑاو پر مجبور کیا، میں اپنی اس غلطی کی معافی چاہتا ہوں، میں آپ کے قدموں میں قربان ہو جانا چاہتا ہوں کیا یہ میری توبہ کے لئے کافی ہوگا۔؟

امام حسینؓ نے فرمایا، ہاں! خدا تیری توبہ قبول کرے گا اور بخش دے گا۔تیرا نام کیا ہے؟ کہا، حُر۔ فرمایا تو آزاد ہے، تیری ماں نے جس طرح تیرا نام آزاد رکھا ہے، انشاءاللہ دنیا اور آخرت میں تو آزاد ہے۔(۲۰)حُر بن یزید کی یہ حرکت دیکھتے ہوئے شمر اور ابنِ سعد نے لڑائی کا آغاز کر دیا۔قدیم طریقہ جنگ کے مطابق پہلے مبارزہ کی لڑائی ہوتی رہی جس میں کوفیوں کا بہت زیادہ نقصان ہوا۔اب کوفیوں نے عام لڑائی شروع کر دی۔مٹھی بھر محبانِ اہلِ بیت نے کشتوں کے پشتے لگا دیے اور خود بھی ایک ایک کر کے نواسۂ رسول ﷺ پر قربان ہو گئے۔

Though the odds against him were overwhelming, Hussain determind to die fighting; while his women and children crouched in terror in their tents, he drew out his little band and engaged the enemy. one by one his men fell; his nephew Qasim, a boy of ten ,died in his arms; two of his sons and six of his brothers also perished, and he himself was at last struck down.(21)

" گو کہ دشمن تعداد میں بہت زیادہ تھے پھر بھی حضرت حسینؓ ڈٹے رہے اور لڑتے رہے جبکہ آپؓ کے بچے اور عورتیں خیموں میں دہشت زدہ تھے۔آپ کے مٹھی بھر ساتھیوں نے دشمن سے

Marfat.com

خوب مقابلہ کیا اور ایک ایک کر کے شہید ہوتے رہے۔ آپ کے بھتیجے قاسم جس کی عمر ۱۰ سال تھی، نے آپؓ کی بانہوں میں دم توڑا۔ آپؓ کے دو بیٹوں اور چھ بھائیوں نے بھی آپ کے سامنے وفات پائی اور بالآخر آپ نے بھی جامِ شہادت نوش کیا۔"

دس محرم ۶۱ ھ کی صبح سے ظہر تک یکے بعد دیگرے جانثارانِ امامؓ میدان میں آتے رہے اور دادِ شجاعت دے کر جامِ شہادت پیتے رہے۔ آخر میں حضرت حسینؓ تنہا رہ گئے۔ آپؓ نے اس موقع پر کمال پامردی اور ہمت وشجاعت کا مظاہرہ کرتے ہوئے نہایت بہادری سے جنگ کی اور تقریباً نماز کے وقت زخموں سے نڈھال ہو کر جامِ شہادت نوش کیا۔ (۲۲)

اس المناک سانحہ کے بعد اہلِ بیت کا قافلہ کوفہ میں ابنِ زیاد کے پاس روانہ کر دیا گیا۔ ابنِ زیاد نے اہلِ بیت کے اس قافلے اور شہداء کرام کے سروں کو شمر کی زیرِ نگرانی یزید کے پاس دمشق بھیج دیا۔ امام حسینؓ اور اُن کے ساتھیوں کے سر جب یزید کے دربار میں پیش کیے گئے تو انہیں دیکھ کر پہلے تو وہ خوش ہوا اور بعد میں شرمندہ۔ (۲۳) یزید نے اہلِ بیت سے حسنِ سلوک کیا اور انہیں نہایت احتیاط کے ساتھ مدینہ بھجوا دیا۔ (۲۴)

یزید نے شہادتِ حسینؓ کا ذمہ دار عبیداللہ ابن زیاد کو ٹھہرایا، حالانکہ ہم نہیں دیکھتے کہ اس نے ابنِ زیاد کو اپنے پاس بلا کر بُرا بھلا کہا ہو، اس کو سزا دی ہو، یا اس کو معزول کر دیا ہو۔ (۲۵)

سانحۂ کربلا مسلم تاریخ کی انتہائی خونچکاں داستان ہے۔ اس سانحہ کے آئندہ مسلم تاریخ پر نہایت گہرے اثرات مرتب ہوئے۔ بنواُمیہ اور بنو ہاشم کی کشمکش انتہائی حدود کو چھونے لگی۔ سیّدنا امیر معاویہؓ کے بیس سالہ دور میں بنواُمیہ اور بنو ہاشم کے درمیان کوئی خاص مخاصمت نظر نہیں آتی، لیکن یزید بن معاویہ کے دور میں حسین ابن علیؓ کی شہادت سے اس قبائلی عصبیت کی آگ پھر بھڑک اُٹھی۔ سانحۂ کربلا کے بعد شیعانِ علیؓ کی تحریک از سرِنو زور پکڑ گئی۔ جس طرح حضرت عثمان غنیؓ کی شہادت کے بعد قاتلینِ عثمان سے قصاص کا مطالبہ زور پکڑ گیا اور اس کے نتیجے میں مسلمانوں کے درمیان سول وار شروع ہو گئی تھی۔ اسی طرح شہادتِ حسینؓ کے بعد اس سول وار کی آگ دوبارہ بھڑک اٹھی۔ شیعانِ علیؓ مسلسل بنواُمیہ کے خلاف سرگرمِ عمل رہے اور بالآخر خلافتِ بنواُمیہ کے زوال کا اہم سبب بنے۔ امام حسینؓ کی تمام تر جدوجہد ایک غیر شورائی، غیر شرعی اور شخصی بادشاہت کے خلاف تھی۔ یزید کا دور کسی بھی لحاظ سے

Marfat.com

بہتر ثابت نہ ہوا، سانحۂ کربلا کے علاوہ مدینۃ الرسول میں خون ریزی (واقعہ حرہ) اور بیت اللہ پر سنگ باری یزید کی شخصی حکومت پر سیاہ داغ ہیں۔

سانحۂ کربلا پر تبصرہ کرتے ہوئے سیّد ابوالاعلیٰ مودودی لکھتے ہیں، "اسلام تو خیر بدرجہا بلند چیز ہے، یزید میں اگر انسانی شرافت کی بھی کوئی رمق ہوتی تو وہ سوچتا کہ فتحِ مکہ کے بعد رسول اللہ ﷺ نے اس کے پورے خاندان پر کیا احسان کیا تھا اور اس کی حکومت نے اُن ﷺ کے نواسے کے ساتھ کیا سلوک کیا"۔(۲۶)

بنواُمیہ کی موروثی حکومت کے اژدھے کا سر کچلنے کے لیے عبداللہ ابن زبیرؓ عصائے کلیمی لیے پورے جذبۂ ایمانی کے ساتھ میدان میں نکل آئے تھے۔ تاریخ کے اس نازک موڑ پر اُن کے چند اہم فیصلے مسلم تاریخ کا رُخ موڑ سکتے تھے۔

حوالہ جات وحواشی

(۱) مختصر اردو دائرہ معارف اسلامیہ، محمد عبداللہ، سید، ڈاکٹر، پنجاب یونیورسٹی، لاہور، ص ۲۸۶

(۲) خلافت وملوکیت، مودودی، سیّد ابوالاعلیٰ، اسلامک پبلیکیشنز لمیٹڈ، لاہور، ص ۱۵۳

(۳) تاریخ اسلام، ندوی، معین الدین احمد، المیزان ناشران، لاہور، ص ۳۰۷

(۴) البدایہ والنہایہ، ابن کثیر، عماد الدین، مترجم عبدالرشید، اختر فتحپوری، نفیس اکیڈمی، کراچی، ج ۸، ص ۱۰۰۵

(۵) تاریخ طبری، طبری، ابن جریر، مترجم محمد ابراہیم ندوی، نفیس اکیڈمی، کراچی، ج ۴، ص ۳، ۱۹۸۴،۱۷ء

(۶) تاریخ ملت، میرٹھی، زین العابدین، شہابی، انتظام اللہ، ادارہ اسلامیات، لاہور، ج ۱، ص ۴۹۱، ۱۹۹۱ء

(۷) عبیداللہ بن زیاد کے باپ کا نام زیاد بن ابی سفیان تھا۔ یہ ابوسفیان کا ناجائز بیٹا تھا اور زیاد بن ابیہ کے نام سے مشہور تھا، حضرت امیر معاویہؓ نے اسے اپنا سوتیلا بھائی تسلیم کیا۔ ماخوذ از خلافت وملوکیت، مودودی، سیّد ابوالاعلیٰ، اسلامک پبلیکیشنز، لاہور۔

(۸) تاریخ اسلام، نجیب آبادی، اکبر شاہ، فرید بک ڈپو، دہلی، ج ۲، ص ۶۰

(۹) تاریخ الخلفاء، سیوطی، جلال الدین، مترجم اقبال الدین احمد، نفیس اکیڈمی، کراچی، ص ۲۰۸، مئی ۱۹۸۳ء

(۱۰) مختصر اردو دائرہ معارف اسلامیہ، محمد عبداللہ، سید، ڈاکٹر، پنجاب یونیورسٹی، لاہور، ص ۲۸۶

(۱۱) تاریخ اسلام، نجیب آبادی، اکبر شاہ، فرید بک ڈپو، دہلی، ج ۲، ص ۶۵

Marfat.com

(۱۲) تاریخ اسلام، ندوی، معین الدین احمد، المیزان ناشران، لاہور، ص ۳۱۲

(۱۳) تاریخ ملت، میرٹھی، زین العابدین، شہابی، انتظام اللہ، ادارہ اسلامیات، لاہور، ج ا، ص ۵۰۱، ۱۹۹۱ء

(۱۴) کربل ایک خاص قسم کی گھاس ہے جو اس صحرا میں بکثرت پائی جاتی تھی جس کی وجہ سے اسے کربلا کہا گیا۔ اس کے علاوہ یہ بھی کہا گیا کہ یہ لفظ کربلة سے ماخوذ ہے۔ جس کے معنی پاؤں کے تلوں کی نرمی کے ہیں۔ یہ زمین چونکہ نرم تھی، اس لیے اس کا نام " کربلا " رکھا گیا۔ کربلا عربی زبان میں گندم صاف کرنے کو بھی کہتے ہیں۔ اس لیے بعض حضرات کا کہنا ہے کہ اس سرزمین میں چونکہ روڑے پتھر نہیں تھے اور ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے اس زمین کو باقاعدہ صاف کیا گیا ہے اس لیے اسے " کربلا " کہتے ہیں۔ ملخص از جہان دیدہ، محمد تقی عثمانی، علامہ، مکتبہ معارف القرآن، کراچی، ص ۷۵

(۱۵) خلافت وملوکیت، مودودی، سیّد ابوالاعلیٰ، اسلامک پبلیکیشنز لمیٹڈ، لاہور، ص ۱۸۰

(16) A Short History of the Saracens, Page 85, Syed Ameer Ali, Islamic Book Service, LAHORE.

(۱۷) تاریخ طبری، طبری، ابن جریر، مترجم محمد ابراہیم ندوی، نفیس اکیڈمی، کراچی، ج ۴، ص ۲۳۹، ۱۹۸۴ء

(۱۸) مذکورہ بالا حوالہ، ص ۲۴۵

(۱۹) تاریخ اسلام، نجیب آبادی، اکبر شاہ، فرید بک ڈپو، دہلی، ج ۲، ص ۶۲

(۲۰) تاریخ طبری، طبری، ابن جریر، مترجم محمد ابراہیم ندوی، نفیس اکیڈمی، کراچی، ج ۴، ص ۲۵۶، ۱۹۸۴ء

(21) A History of Medieval Islam, Page 71, J.J.Saunders, Routledge and Kegan Paul, LONDON,1965.

(۲۲) مختصر اردو دائرہ معارف اسلامیہ، محمد عبداللہ، سید، ڈاکٹر، پنجاب یونیورسٹی، لاہور، ص ۲۸۷

(۲۳) تاریخ الخلفاء، سیوطی، جلال الدین، مترجم اقبال الدین احمد، نفیس اکیڈمی، کراچی، ص ۲۱۰، ۱۹۸۳ء

(۲۴) تاریخ طبری، طبری، ابن جریر، مترجم محمد ابراہیم ندوی، نفیس اکیڈمی، کراچی، ج ۴، ص ۲۹۰

(۲۵) عثمانؓ اور علیؓ سیاست کی روشنی میں، طٰہٰ حسین، ڈاکٹر، عبدالحمید نعمانی، نفیس اکیڈمی، کراچی، ص ۵۶۶

(۲۶) خلافت وملوکیت، مودودی، سیّد ابوالاعلیٰ، اسلامک پبلیکیشنز لمیٹڈ، لاہور، ص ۱۸۱

Marfat.com

ابنِ زبیرؓ کے نازک فیصلے

حالات کے دباؤ اور جبر کے تحت شخصیات منظر پر اُبھرتی ہیں اور پھر اپنی غیر معمولی صلاحیتوں سے کام لے کر تند و تیز طوفانوں کا رخ موڑ دیتی ہیں۔ اُن کے اِک اشارۂ ابرو پر کارکنانِ قضاء وقدر حرکت میں آتے ہیں اور حالات کو ایک نئی سمت عطا کرتے ہیں۔ کسی بھی قوم کے لیے یہ مراحل بہت نازک ہوتے ہیں۔ مسیحائے قوم کا کوئی ایک مثبت فیصلہ اس مِلّت کے چمنستان کے لیے نویدِ بہار ثابت ہو سکتا ہے تو دوسری طرف وقت کے تقاضوں کو مدنظر نہ رکھ کر کیا گیا فیصلہ اُس قوم کو اوجِ ثریا سے پاتال کی گہرائیوں میں لے جانے کا سبب بن سکتا ہے۔

جب بنواُمیہ اور بنوہاشم کی قبائلی مخاصمت مسلم اُمّہ کو انتہائی خطرناک موڑ پر لے آئی تھی، خلافت کو ملوکیت میں بدل دیا گیا تھا، بنواُمیہ کی بادشاہت کی بنیاد رکھی جا چکی تھی اور نواسۂ رسول ﷺ امام حسینؓ اپنے خونِ ناب سے خاکِ کربلا کو رنگین کر چکے تھے، ایسے حالات میں عبداللہ بن زبیرؓ اُمّتِ محمدیہ کی مسیحائی کے لیے ستارۂ سحر بن کر آسمانِ سیاست پر طلوع ہوتے ہیں۔

عبداللہ بن زبیرؓ ملوکیت کے خلاف سدِ ذوالقرنین (۱) ثابت ہوئے۔ اُن کی سیاسی قابلیت کی وجہ سے ہی امیر معاویہؓ نے اپنے بیٹے یزید کو اُن سے خصوصی طور پر محتاط رہنے کی تلقین کی تھی۔ عبداللہ بن زبیرؓ نے امیر معاویہؓ کی زندگی میں ہی یزید کی بیعت سے انکار کر دیا تھا۔ امیر معاویہؓ کی وفات کے وقت ابنِ زبیرؓ، امام حسینؓ، عبداللہ بن عمرؓ اور عبداللہ بن عباسؓ مدینہ میں مقیم تھے۔ جونہی مدینہ کے عامل ولید بن عتبہ کے پاس یزید کا حکم نامہ پہنچا کہ میرے لیے اہلِ مدینہ سے بیعت لو، تو ابنِ زبیرؓ نے چند دیگر اصحاب کی طرح بیعت سے انکار کر دیا اور مدینہ سے مکہ چلے گئے۔ اہلِ مکہ نے یزید کی بیعت سے انکار کرتے ہوئے ابنِ زبیرؓ کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔

میدانِ کربلا میں نواسۂ رسول حسین بن علیؓ کی شہادت نے پورے عرب کی فضا کو سوگوار کر دیا تھا۔ معصومینِ کربلا کے غم میں ہر آنکھ اشکبار تھی اور کلیجے پھٹے جاتے تھے، اہل مدینہ یزید کے گورنر کی

Marfat.com

پالیسیوں کی وجہ سے اس سے نفرت کرتے تھے۔ سانحۂ کربلا نے جلتی پر تیل کا کام کیا اور یزید کے خلاف نفرت کی آگ اور تیز ہوگئی۔ اہلِ مدینہ نے یزید کی اطاعت سے انکار کرتے ہوئے مدینہ میں موجود تمام امویوں کو گرفتار کرلیا۔ ان گرفتار ہونے والوں میں مروان بن حکم اور اس کا بیٹا عبدالملک بھی شامل تھے۔ انصار نے عبداللہ بن حنظلہ اور قریش نے عبداللہ بن مطیع کو اپنا سردار منتخب کرلیا۔ ان لوگوں نے علی بن حسینؓ (امام زین العابدینؓ) کو خلافت کی پیش کش کی، لیکن انہوں نے انکار کردیا۔ (۲)

مدینہ کے حالات کی خبریں مسلسل یزید کے پاس دمشق پہنچ رہی تھیں، وہ اس صورت حال سے خاصا پریشان تھا۔ شہادتِ حسینؓ کے بعد ہر طرف اس کے لیے نفرت کا لاوا اُبل رہا تھا۔ اہلِ کوفہ قصاصِ حسین کا مطالبہ کررہے تھے، بصرہ میں خوارج کی سرگرمیوں میں تیزی آگئی تھی، مکہ میں عبداللہ بن زبیرؓ یزید کے لیے مستقل خطرہ تھے، ان حالات میں اہلِ مدینہ کا یزید کی بیعت سے انکار یزیدی حکومت کے لیے ایک بڑا خطرہ تھا۔ حالات کے سُدھار کی غرض سے یزید نے نعمان بن بشیر کو مدینہ بھیجا تاکہ وہ گفتگو کے ذریعے اہلِ مدینہ کو بیعتِ یزید کے لیے قائل کریں، لیکن سانحۂ کربلا کے بعد اہلِ مدینہ کسی صورت بھی یزید کی شخصی حکومت کو قبول کرنے کے لیے تیار نہ تھے۔

اسی دوران اہلِ مدینہ کو اپنی بیعت پر مجبور کرنے کے لیے یزید نے مدینہ پر لشکر کشی کی تیاری شروع کردی اور مسلم بن عقبہ کو ایک لشکرِ جرار کے ساتھ مدینہ کی طرف روانہ کیا۔ مسلم بن عقبہ نے اہلِ مدینہ کا محاصرہ کرلیا اور انہیں اطاعتِ یزید کا حکم دیا۔ اہلِ مدینہ کے انکار پر یزیدی لشکر نے حُرہ کی جانب سے مدینہ پر حملہ کردیا۔ اہلِ مدینہ نے نہایت بہادری سے یزیدی فوج کا مقابلہ کیا، لیکن شکست کھائی، فضل بن عباسؓ، عبداللہ بن حنظلہ اور عبداللہ بن مطیع جیسے عظیم بزرگ قتل کردیے گئے۔ "مسلم بن عقبہ نے یزید کے حکم کے مطابق مدینہ کو تین دن کے لیے مباح کردیا۔ المدائنی نے اہل مدینہ کے ایک شخص کے حوالے سے بیان کیا ہے وہ بیان کرتا ہے کہ میں نے زہری سے پوچھا کہ یوم حرہ کو کتنے آدمی قتل ہوئے تھے؟ اس نے کہا انصار اور مہاجرین میں سے سات سو سرکردہ لوگ، اور موالی کے سرکردہ لوگ اور جن آزاد اور غلاموں کو میں نہیں جانتا، وہ دس ہزار تھے۔" (۳)

یزیدی فوج تین دن تک مدینۃ الرّسول کو لوٹتی اور قتلِ عام کرتی رہی، چوتھے دن امن قائم ہوا۔ یزیدی فوج نے حکم جاری کیا کہ جو یزید کی بیعت نہیں کرے گا قتل کردیا جائے گا، لیکن اب مدینہ

Marfat.com

بالکل تباہ ہو چکا تھا۔

The city which had sheltered the Prophet, and which was sanctified by his life and ministry, was foully desecrated; and the people who had stood by him in the hour of his need were subjected to revolting atrocities.

"وہ شہر جس میں آپ ﷺ نے پناہ لی تھی، جو آپ کی حیات مبارکہ اور حکومت کی وجہ سے ایک تطہیر شدہ خطہ بن چکا تھا، کے ماحول کو خراب کیا گیا اور بے حرمتی کی گئی اور وہ لوگ جو آپ کے ساتھ (مشکل میں) شانہ بشانہ تھے، اب انتہائی حماقت کا مظاہرہ کرتے ہوئے منحرف ہو گئے تھے۔"

مدینہ پر قبضہ کے بعد یزیدی فوج نے مکہ کا رخ کیا۔ راستہ میں مسلم بن عقبہ بیماری میں مبتلا ہو کر مر گیا اور حصین بن نمیر نے فوج کی کمان سنبھال لی۔ مکہ کی صورتِ حال مدینہ سے مختلف تھی۔ مدینہ میں مختلف سردار تھے، جس کی وجہ سے لوگ بغیر کسی کمان کے لڑے تھے۔ لیکن اہلِ مکہ ابنِ زبیرؓ کی قیادت میں متحد تھے۔ عبداللہ بن زبیرؓ خود ایک مضبوط حکمران تھے اس لیے مکہ پر قبضہ یزیدی فوج کے لیے آسان نہ تھا۔ حصین بن نمیر نے اہل مکہ کو زیر کرنے کے لئے خانہ کعبہ پر منجنیق سے پتھر برسائے اور آگ لگا دی۔ وہ یہ رجز پڑھتے جاتے تھے۔

خطارہ مثل الفنیق المزبد نرمی بہااعراد هذا المسجد.

یہ منجنیق ایک شیرِ مست ہے کہ ہم اس سے کعبے پر نشان لگا رہے ہیں۔ (۵)

خانہ کعبہ پر سنگ باری کے باوجود اہلِ مکہ کی طرف سے بھرپور مزاحمت کی جا رہی تھی، یہ جنگ ابھی جاری تھی کہ یزید کے انتقال کی خبر پہنچی۔ اس خبر نے حالات کو ایک نئے رخ پر موڑ دیا۔ حصین بن نمیر نے لڑائی بند کر کے عبداللہ بن زبیرؓ کی خدمت میں حاضری دی۔ دورانِ ملاقات حصین بن نمیر نے ابنِ زبیرؓ سے کہا کہ میں اور میری پانچ ہزار سپاہ آپؓ کی بیعت کرنے کے لیے تیار ہیں۔ ہم آپؓ کو خلیفۂ برحق سمجھتے ہیں۔ آپؓ ہمارے ساتھ دمشق چلیں، ہم تمام اہلِ شام کو آپؓ کی خلافت پر قائل کر لیں گے۔ مگر شرط یہ ہے کہ آپؓ اپنے دشمنوں کو امن دیں اور ہمارے اور آپؓ کے درمیان جو خون ریزی ہو چکی ہے اسے

Marfat.com

معاف کردیں۔(۶)

"عبداللہ ابن زبیرؓ نے اس پر اعتماد نہ کیا اور اس سے سخت کلامی کی تو ابن نمیر نے آپ کی بات کو ناپسند کیا اور کہا، میں انہیں خلافت کی دعوت دیتا ہوں اور وہ مجھ سے سخت کلامی کرتے ہیں؟ پھر وہ فوج کے ساتھ شام واپس چلا گیا۔(۷)

جب حصین بن نمیر اپنے لشکر کے ساتھ شام کی طرف روانہ ہو گیا تو ابنِ زبیرؓ کو اپنی اس تاریخی غلطی کا احساس ہوا۔ آپؓ نے راستہ میں حصین کو پیغام بھجوایا کہ مکہ میں ہی میری بیعت کر لی جائے تو میں تمہیں امان دینے کو تیار ہوں۔ لیکن میں تمہارے ساتھ شام نہیں جاؤں گا۔ لیکن حصین نے کہا کہ آپ کا ہمارے ساتھ شام جائے بغیر کام نہیں چلے گا۔ ابنِ زبیرؓ کے سامنے امام حسینؓ کی مثال موجود تھی کہ کس طرح کوفہ والوں نے دھوکہ سے انہیں شہید کروا دیا۔ لہٰذا وہ دمشق جانے پر راضی نہ ہوئے اور حصین مایوس ہو کر شام چلا گیا۔ ابن زبیرؓ نے تاریخ کے اس نازک موڑ پر ایک بہترین موقع کھو دیا، کیونکہ یزید کی موت کے بعد اب کوئی بھی اُن کے مقابلے میں خلافت کا دعویدار نہ تھا۔ اگر انہوں نے حصین بن نمیر کے مشورے پر عمل کیا ہوتا تو آج بنو اُمیہ کی تاریخ کا کہیں نام نہ ہوتا۔(۸)

یہ مسلم تاریخ کا بہت نازک موڑ تھا، اگر ابنِ زبیرؓ اس موقع پر شام چلے جاتے تو یقیناً اہلِ شام آپ کی بیعت کر لیتے، کیونکہ آپؓ کا تعلق نہ تو بنو ہاشم سے تھا اور نہ ہی بنو اُمیہ سے۔ اور پھر اس قحط الرّجال میں آپؓ سے زیادہ مستحقِ خلافت بھی کوئی نہ تھا، لیکن آپؓ نے حصین بن نمیر کی پیشکش مسترد کر کے بنو اُمیہ کی موروثی حکومت کو مضبوط بنیادوں پر استوار ہونے کا موقع فراہم کر دیا۔ اہلِ شام نے یزید بن معاویہ کی وفات کے بعد اس کے بیٹے معاویہ بن یزید کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔

حالات نے عبداللہ بن زبیرؓ کو ایک اور قیمتی موقع دیا، لیکن انہوں نے وہ موقع بھی گنوا دیا۔ یزید کے دور میں مروان بن حکم اپنے بیٹے عبدالملک کے ساتھ مدینہ میں قیام پزیر تھا۔ یزید کی موت کے بعد وہ بنو اُمیہ کی موروثی حکومت کے مستقبل کے بارے میں مایوس ہو گیا۔ اُسے عبداللہ بن زبیرؓ کی سیاسی صلاحیتوں کا بخوبی اندازہ تھا، اس کی نگاہیں آپؓ کو مستقبل میں عالمِ اسلام کے متفقہ خلیفہ کے طور پر دیکھ رہی تھیں، چنانچہ اس نے آپؓ کی بیعت کرنے کا فیصلہ کیا۔ مروان بن حکم نے اپنے بیٹے عبدالملک کے ہمراہ عبداللہ بن زبیرؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا کہ میں اور میرا بیٹا آپ کی بیعت کرنا چاہتے ہیں۔

Marfat.com

تاریخ عبداللہ بن زبیرؓ کو ایک بار پھر انتہائی نازک موڑ پر لے آئی تھی۔ اگر آپؓ اپنے جذبات پر کنٹرول رکھتے، بنواُمیہ کے خلاف اپنی نفرت کو ایک حد سے آگے نہ بڑھنے دیتے اور مروان بن حکم اور اس کے بیٹے کو معاف کر کے اُن سے بیعت لے لیتے تو یقیناً آج ہمارے سامنے تاریخ مختلف ہوتی۔ لیکن ابنِ زبیرؓ نے حصین بن نمیر کی پیشکش کو ٹھکرا کر جو غلطی کی تھی، اسے دوبارہ پھر دہراتے ہوئے مروان بن حکم کی پیشکش کو بھی قبول نہ کیا اور حقارت سے ٹھکرا دیا۔ ابنِ زبیرؓ کو بنواُمیہ سے اتنی شدید نفرت تھی کہ انہوں نے انجام سوچے بغیر کُل بنواُمیہ کو، جن میں مروان اور اس کا لڑکا عبدالملک بھی شامل تھے، مدینہ سے نکلوا دیا۔ اس واقعہ نے ابنِ زبیرؓ اور بنواُمیہ کی تاریخ کا رخ موڑ دیا۔(۹)

مروان بن حکم انتہائی شریر آدمی تھا۔ سیّدنا عثمان غنیؓ کا مشیر بن کر اس نے بہت سے ناجائز فائدے اٹھائے تھے۔ بلوائیوں کو قتل کرنے سے متعلق حاکمِ مصر کو خط بھی اسی نے لکھا تھا، جس نے بلوائیوں کو خاصا مشتعل کیا اور بات سیّدنا عثمان غنیؓ کی شہادت تک جا پہنچی۔ یہی مروان، جنگِ جمل کے بعد دمشق جا کر امیر معاویہؓ کا دستِ راست بنا اور سیّدنا علیؓ کے خلاف بغاوت کو ہوا دی۔ اب یہ ابنِ زبیرؓ کے سامنے دست بستہ کھڑا معافی کی بھیک مانگ رہا تھا۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ حالات سے اس قدر مایوس یہ شخص، کچھ ہی عرصہ بعد بنواُمیہ کی زوال پزیر ملوکیت کو نہ صرف سہارا دیتا ہے بلکہ امیر معاویہؓ کے خاندان سے حکومت چھین کر اپنے خاندان کی حکومت کی بنیاد رکھتا ہے اور اپنے خاندان کا پہلا حکمران بنتا ہے۔

مروان بن حکم، اپنے جس بیمار بیٹے عبدالملک کے ہمراہ عبداللہ بن زبیرؓ کی خدمت میں حاضر ہوا تھا، یہی عبدالملک بن مروان خلافتِ بنواُمیہ کا اصل بانی کہلایا اور اسی کے دور میں عبداللہ بن زبیرؓ کی شہادت ہوئی۔ قومیں اپنے سفرِ حیات میں بارہا ایسی نازک راہوں سے گزرتی ہیں جب میرِ کارواں کا کوئی ایک فیصلہ اس قوم کی تاریخ کا رخ موڑ دیتا ہے۔ ابن زبیرؓ اگر حصین بن نمیر کا مشورہ تسلیم کر لیتے اور مروان بن حکم اور عبدالملک بن مروان کو معافی دے کر شام نہ جانے دیتے تو شاید مسلم تاریخ میں ملوکیت کا باب یہیں پر بند ہو جاتا۔

Marfat.com

حوالہ جات وحواشی

(۱) عام طور پر اردو میں سدِ سکندری کی ترکیب استعمال ہوتی ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ ذوالقرنین کو سکندر اعظم سمجھ لیا گیا، جو کہ صحیح نہیں۔ مورخین نے سائرس اعظم کو ذوالقرنین لکھا ہے۔ مؤلف

(۲) تاریخ اسلام، نجیب آبادی، اکبر شاہ، فرید بک ڈپو، دہلی، ج ۲، ص ۶۸

(۳) البدایہ والنہایہ، ابن کثیر، عماد الدین، مترجم عبدالرشید، اختر فتح پوری، نفیس اکیڈمی، کراچی، ج ۸، ص ۱۱۴۴

(۴) A Short History of the Saracens, Page 88, Syed Ameer Ali, Islamic Book Service, LAHORE.

(۵) تاریخ طبری، طبری، ابن جریر، محمد ابراہیم ندوی، نفیس اکیڈمی، کراچی، ج ۴، ص ۳۲۳، ۱۹۸۴ء

(۶) تاریخ ملت، میرٹھی، زین العابدین، شہابی، انتظام اللہ، ادارہ اسلامیات، لاہور، ج ۱، ص ۵۹۲، ۱۹۹۱ء

(۷) البدایہ والنہایہ، ابن کثیر، عماد الدین، مترجم عبدالرشید، اختر فتحپوری، نفیس اکیڈمی، کراچی، ج ۸، ص ۱۱۵۲

(۸) تاریخ اسلام، ندوی، معین الدین احمد، المیزان ناشران، لاہور، ص ۳۱۷

(۹) تاریخ طبری، طبری، ابن جریر، محمد ابرہیم ندوی، نفیس اکیڈمی، کراچی، ج ۴، ص ۳۲۳، ۱۹۸۴ء

Marfat.com

ابنِ زبیرؓ کی شہادت ۷۳ھ/ ۶۹۲ء

یزید بن معاویہ کی وفات کے بعد معاویہ بن یزید تخت نشین ہوا۔ یہ اپنے باپ کی نسبت صالح اور امن پسند انسان تھا، لیکن واقعہَ کربلا کے بعد چونکہ اہلِ عراق، اہلِ مکہ، اہلِ مدینہ اور اہلِ مصر یزید کے خلاف ہو گئے تھے، اس لئے صرف اہلِ شام نے معاویہ بن یزید کی بیعت کی، لیکن زندگی نے وفا نہ کی اور بوجہ بیماری صرف تین ماہ حکومت کرنے کے بعد وہ فوت ہو گیا۔ اس نے اپنے دادا امیر معاویہؓ اور باپ یزید کے برعکس اپنا کوئی جانشین مقرر نہ کیا۔ معاویہ بن یزید کی اپنی کوئی اولاد نہ تھی، صرف ایک کم سن بھائی خالد بن یزید تھا۔ معاویہ بن یزید کی وفات کے بعد ملک شام میں دو گروہ بن گئے، ایک گروہ عبداللہ بن زبیر کی خلافت کا حامی تھا اور دوسرا گروہ ابھی تک حکومت 'بنواُمیہ' میں رکھنا چاہتا تھا، لیکن خالد بن یزید کی کمسنی کی وجہ سے اس کی بیعت کے بارے میں اختلافات پیدا ہو رہے تھے۔ "بالآخر عمرو بن سعید بن العاص، حصین بن نمیر اور ابن زیاد کچھ دیگر لوگوں کو ساتھ لے کر مروان بن الحکم کے پاس آئے اور مقام جابیہ پر اس کی بیعت کر لی۔" (۱)

اس طرح وہی مروان جو کچھ عرصہ پہلے تک عبداللہ بن زبیرؓ کی بیعت کے لیے تیار تھا، بنواُمیہ کا خلیفہ بن بیٹھا۔ اس کو شام میں ابنِ زبیرؓ کے حامیوں سے شدید خطرہ تھا۔ عبداللہ بن زبیرؓ کا بڑا پُر جوش حامی ضحاک بن قیس، مَرج راہط کے مقام پر فروکش تھا۔ اس کے ساتھ بنو قیس کے ہزاروں جنگجو تھے، یہ سب ابنِ زبیرؓ کے طرفدار تھے۔ ان حالات میں مروان بن حکم نے ضحاک بن قیس کے مقابلے کا فیصلہ کیا اور بنواُمیہ اور بنو کلب کی ایک بڑی فوج کے ساتھ نکلا۔ مَرج راہط کے مقام پر مروان اور ابنِ زبیر کے حامیوں کے درمیان خون ریز معرکہ ہوا، جس میں مروان بن حکم کو فتح ہوئی۔ اس جنگ میں ضحاک بن قیس حامیانِ ابنِ زبیر کی بڑی تعداد کے ساتھ کام آیا۔

مروان نے معاہدہ کے برخلاف خالد بن یزید کی بجائے اپنے بیٹے عبدالملک بن مروان کو اپنے بعد خلیفہ نامزد کیا۔ عبدالملک نے امویوں کے لیے ابنِ زیاد کی خدمات کو دیکھتے ہوئے اسے موصل کا

Marfat.com

گورنر مقرر کیا۔امام حسینؓ کی شہادت کا براہِ راست ذمہ دار ہونے کی وجہ سے ابنِ زیاد کے خلاف نفرت بہت بڑھ چکی تھی۔اہلِ کوفہ کی ایک بڑی تعداد خود کو سانحۂ کربلا کا قصوروار گردانتی تھی۔اہلِ کوفہ یہ سمجھتے تھے کہ امام حسینؓ ہمارے بلانے پر یہاں آئے اور کربلا میں شہید کیے گئے۔ہم سے یہ کلنک کا ٹیکہ اور گناہ کا یہ داغ بغیر اس کے چھٹ نہیں سکتا کہ اُن کے قاتلوں کو قتل کریں اور خود بھی قتل ہو جائیں۔(۲) مسلم تاریخ میں یہ گروہ توّابین کہلایا۔

توّابین نے ابنِ زیاد سے خونِ حسینؓ کا بدلہ لینے کا حلف اٹھایا اور پیش قدمی کرتے ہوئے عین الوردہ کے مقام تک پہنچ گئے،یہیں پر ابنِ زیاد کا جرنیل حصین بن نمیر بھی اپنے لشکر کے ساتھ آ پہنچا۔عین الوردہ کی اس جنگ میں توّابین نے بے مثال شجاعت کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنی جانیں قربان کیں لیکن اس کے باوجود شکست کھائی۔چھ ہزار توّابین میں سے بہت تھوڑی تعداد زندہ بچی۔اس جماعت کا آغاز مروان کے زمانے سے ہوا تھا لیکن خاتمہ عبدالملک کے زمانے میں ہوا۔(۳)

انہی دنوں کوفہ کے میدانِ سیاست میں مختار بن ابوعبیدہ ثقفی (۴)'قصاصِ حسین کا مطالبہ لے کر اٹھا۔اس نے توّابین کے باقی ماندہ افراد کو ساتھ ملا کر قاتلینِ حسینؓ سے بدلہ لینے کا عزم کیا۔مختار ثقفی اس بات کا مدعی تھا کہ خونِ حسینؓ کا بدلہ لینے کے لئے محمد بن حنفیہؓ (۵) نے اسے مقرر کیا ہے۔اُس کی اِس بات کی تصدیق کے لیے اہلِ کوفہ امام محمد بن حنفیہؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مختار ثقفی کے بارے میں دریافت کیا تو امام موصوف نے فرمایا کہ تم مجھ سے ایک ایسے شخص کے بارے میں پوچھتے ہو، جو اہلِ بیت کے خون کا قصاص لینا چاہتا ہے تو بھائیو، میری دلی آرزو یہ ہے کہ خدا ہمارے دشمنوں سے اُن کے مظالم کا انتقام لے،خواہ کسی شخص کے ذریعے سے ہو۔(۶)

امام محمد بن حنفیہؓ کی طرف سے سیاسی حمایت حاصل ہو جانے سے مختار ثقفی خاصا طاقتور ہو گیا۔اس نے گورنرِ کوفہ' عبداللہ بن مطیع کو کوفہ سے بھگا دیا اور کوفہ پر قبضہ کر لیا۔کوفہ پر قابض ہونے کے بعد اس نے قاتلینِ حسین کو چن چن کر قتل کیا۔اب سانحۂ کربلا کا ایک بڑا مجرم عبیداللہ بن زیادہ ہی زندہ رہ گیا تھا۔مختار ثقفی نے اپنے سپہ سالار ابراہیم بن اشتر کو ایک بہت بڑے لشکر کے ساتھ ابنِ زیاد کے مقابلے میں موصل روانہ کیا۔ابنِ زیاد اس لشکر کی آمد کی خبر سن کر خود موصل سے روانہ ہوا۔نہر خاذر پر دونوں لشکر وں کا مقابلہ ہوا۔ابنِ زیاد شکست کھا کر مقتول ہوا۔

Marfat.com

Mukhtar prevailed against Abd al-Malik's first attempt to regain control of that region; the Omayyad troops were routed on the banks of the Zab (August 686), their leader Ubaid Allah was slain, and the head of that harsh and hated governor was thrown down before Mukhtar in the palace of Kufa on the same spot where three years before he had turned over with his cane the head of the Prophet's grandson.(7)

"مختار، عبدالملک کے سامنے اس خطے کا کنٹرول دوبارہ حاصل کرنے کی راہ میں رکاوٹ تھا۔ امویوں کی ٹولیاں زاب کے کنارے پھر رہی تھیں۔ان کے رہنما عبیداللہ کو قتل کر دیا گیا تھا۔ اوراس مکروہ و درندہ صفت گورنر کا سر، مختار کے قدموں میں کوفہ کے محل میں بالکل اس جگہ پر لا پھینکا گیا جہاں تین سال قبل نواسۂ رسول کے سر مبارک کو اس نے اپنی چھڑی سے پلٹایا تھا۔"

عبداللہ بن زیاد کا سر مختار کے پاس کوفہ بھیج دیا گیا، مختار نے ابنِ زیاد کا سرِ نخوت ملاحظہ کے لیے امام زین العابدینؑ کے پاس مدینہ بھیج دیا۔اس کی یہ کارگزاری ایسی تھی کہ امام موصوف بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے اور ابنِ زیاد کا سر دیکھ کر آپؑ کے لبوں پر ہنسی آ گئی۔(۸)

ابنِ زیاد کے قتل کے بعد اب مختار ثقفی بصرہ پر بھی قابض ہونے کے خواب دیکھ رہا تھا۔اُس کے ان عزائم کو دیکھتے ہوئے ابن زبیرؓ نے اپنے بھائی مصعب کو کوفہ کا والی مقرر کر دیا۔مصعب بن زبیر، مختار کا راستہ روکنے کی پوزیشن میں تھے، مزید اُن کی مدد کے لیے صوبہ فارس کا گورنر مہلب بن ابی صُفرہ بھی ایک بڑے لشکر کے ساتھ اُن سے مل گیا۔اتنی بڑی قوت حاصل ہو جانے کے بعد مصعب بن زبیر نے کوفہ کی جانب پیش قدمی کی۔مختار ثقفی بھی مقابلہ کے لیے نکلا لیکن شکست کھا کر بھاگا اور کوفہ کے قصرِ امارت میں پناہ گزین ہوا۔مصعب بن زبیرؓ نے اُس کا محاصرہ کر لیا۔آخر حالات سے تنگ آ کر مختار مقابلہ پر نکلا اور اپنے ساتھیوں کے ساتھ لڑتا ہوا مارا گیا۔

اس طرح کوفہ بھی عبداللہ بن زبیرؓ کے ماتحت آ گیا۔انہیں ایام میں مہلب بن ابی صفرہ کی غیر موجودگی کا فائدہ اٹھاتے ہوئے خوارج نے فارس میں اپنی سرگرمیاں تیز کر دیں۔خوارج کی سرگرمیوں پر کنٹرول پانے کے لیے مصعب بن زبیر نے مہلب بن ابی صفرہ کو موصل کی حکومت سے تبدیل کر کے

Marfat.com

فارس کی حکومت پر مامور کر دیا۔ یہ مصعب بن زبیر کی بڑی غلطی تھی۔(۹) کیونکہ مہلب ایک بہادر جرنیل ہونے کے ساتھ ساتھ ایک زیرک سیاستدان بھی تھا۔ وہ عبدالملک بن مروان کی سازشوں کا توڑ جانتا تھا لیکن اس کے فارس چلے جانے سے عبدالملک کے لیے اپنے عزائم کی تکمیل آسان ہوگئی۔

عبدالملک بن مروان نے سازشوں کے ذریعے مصعب بن زبیر کے حامی فوجی سرداروں کو اپنے ساتھ ملا لیا اور بھرپور جنگی تیاری کے بعد کوفہ کی طرف پیش قدمی شروع کر دی۔ مصعب بن زبیر کو علم ہوا تو وہ بھی اپنا لشکر لے کر مقابلے کے لیے کوفہ سے نکلے۔ دونوں لشکر دارِ جاثلیق کے مقام پر خیمہ زن ہوئے۔ مصعب بن زبیر کی فوجی طاقت عبدالملک کے مقابلے میں خاصی کم تھی، اس کے علاوہ عبدالملک نے حکومت و دولت کا لالچ دے کر تمام عراقی سرداروں کو اپنے ساتھ ملا لیا۔ عین لڑائی کے وقت ان سرداروں نے لڑنے سے انکار کر دیا۔

تاریخ نے ایک بار پھر کوفیوں کی غداری کا تماشہ دیکھا۔ ایک بار پھر سانحۂ کربلا کے منظر کو دہرایا گیا، کوفیوں نے مصعب بن زبیر کا ساتھ چھوڑ کر اپنی تمام تر ہمدردیاں عبدالملک کے ساتھ وابستہ کر دیں۔ مصعب بن زبیر آخر دم تک دادِ شجاعت دیتے رہے، لیکن اُن کے بہادر جرنیل ابراہیم بن اشتر کے قتل کے بعد میدانِ جنگ کے حالات مایوس کن ہوگئے۔ لیکن مصعب بن زبیر نے حوصلہ نہ ہارا اور سنتِ حسینؓ پر عمل کرتے ہوئے اپنے آپ کو شامیوں کے حوالے کرنے کی بجائے جامِ شہادت نوش کرنے کو ترجیح دی۔ المدائنی نے بیان کیا ہے کہ عبدالملک نے اپنے بھائی کو مصعب کے پاس امان دے کر بھیجا تو اس نے امان لینے سے انکار کر دیا اور کہا کہ میرے جیسا شخص اس جگہ سے غالب اور مغلوب ہونے کے سوا واپس نہیں جائے گا۔(۱۰)

مصعب بن زبیر کی شہادت کے بعد عبدالملک کا کوفہ اور بصرہ پر مکمل قبضہ ہوگیا۔ اب عبدالملک کا حوصلہ اس حد تک بڑھا کہ اس نے مکہ پر لشکر کشی کا فیصلہ کر لیا۔ عبدالملک کے حکم پر حجاج بن یوسف ثقفی نے ایک لشکرِ جرار کے ساتھ مکہ کا محاصرہ کر لیا۔ عبداللہ بن زبیر نے عزمِ آہنی کے ساتھ مکہ کا دفاع کیا۔ حجاج بن یوسف نے عین حج کے زمانہ میں کوہِ ابوقبیس پر منجنیق لگا کر سنگ باری کی۔ عبداللہ بن عمرؓ کے سخت اصرار پر صرف اتنی دیر کے لیے سنگ باری روکی گئی کہ باہر سے آئے ہوئے حجاج طواف و سعی کر لیں۔(۱۱) مکہ کے محاصرہ کی حالت میں جب منجنیقوں سے پتھر برسائے جا رہے تھے اس وقت آسمان پر

Marfat.com

گرج چمک شروع ہوئی۔بادلوں کی گرج اور بجلی کی چمک نے ان پتھروں پر جو پھینکے جارہے تھے ،ارتعاش پیدا کردیا۔جس سے شامی خوف زدہ ہوکر ٹھٹک گئے۔(۱۲)

محاصرے کے طول کھینچنے سے ابنِ زبیرؓ کے لیے مشکلات خاصی بڑھ گئیں۔مکہ میں سخت قحط پڑ گیا۔اُن کے ساتھی ایک ایک کر کے اُن کا ساتھ چھوڑتے گئے، یہاں تک کہ ان کے دو بیٹے بھی حجاج کی پناہ میں چلے گئے۔(۱۳)اس مایوس کن صورت حال میں انہوں نے اپنی والدہ محترمہ حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ سے مشورہ کیا کہ اب انہیں کیا کرنا چاہئے؟بی بی اسماءؓ نے جواب دیا۔بیٹا!اگر تم حق پر ہو تو اس کام میں برابر مصروف رہو۔تمہارے ساتھی بھی راہِ حق میں شہید ہوئے تم بھی اسی راہِ خدا میں اپنی جان کا نذرانہ پیش کر کے شہادت کا مرتبہ حاصل کرو۔

She allayed his fear that the enemy would desecrate his body after his death by the answer, that it mattered little what became of the body when the soul had returned to its Creator.(14)

"انہوں نے اپنے اس خدشے کا اظہار کیا کہ شہادت کے بعد دشمن ان کی لاش کا مثلہ کریں گے۔جس پر ان کی والدہ نے اس خدشے کے بارے میں جواب دیا کہ جب روح جسم سے پرواز کر کے خالق حقیقی سے مل جاتی ہے تو جسم کی معنویت ختم ہو جاتی ہے۔"

اپنی والدہ محترمہ سے اجازت اور مشورہ کے بعد ابنِ زبیرؓ دشمن سے فیصلہ کن جنگ لڑنے کے لیے تیار ہوئے۔آپؓ یہ اشعار پڑھتے ہوئے اپنی ماں سے جدا ہوئے۔

انی ازا اعرف یومی اصبر   از بعضهم بعرف ثم ینکر.

ترجمہ۔میں جب اپنے معرکہ کو پہچان لیتا ہوں تو صبر کرتا ہوں، حالانکہ بعض لوگ جانتے ہیں اور پھر ثابت قدم نہیں رہتے۔(۱۵)

ابنِ زبیرؓ اپنے چند ساتھیوں کے ہمراہ دشمن پر صاعقۂ قہر بن کر ٹوٹ پڑے۔آپؓ جس طرف نکل جاتے دشمن کی صفوں کی صفیں پلٹ دیتے۔آخر سینکڑوں شامیوں کو اپنی شمشیر خارا شگاف سے خاک وخون میں لٹا کر خود بھی جامِ شہادت نوش کر گئے۔آپؓ کی شہادت پر شامیوں نے نعرۂ تکبیر بلند کیا تو

Marfat.com

عبداللہ بن عمرؓ تڑپ اُٹھے اور فرمایا کہ صحابہ کرام نے تو عبداللہ بن زبیرؓ کی ولادت کی خوشی میں نعرۂ تکبیر بلند کیا تھا اور ان لوگوں کی حالت دیکھو، کہ ابنِ زبیرؓ کی شہادت پر نعرۂ تکبیر بلند کر رہے ہیں۔(۱۶)

حجاج بن یوسف نے آپؓ کا سر کاٹ کر عبدالملک کے پاس دمشق بھیج دیا اور باقی جسم کو سولی پر لٹکا دیا۔ابنِ زبیرؓ کی شہادت کے بعد صحابہ کا دورِ خلافت ختم ہو گیا۔آپؓ کے بعد اُمویوں کے سامنے کوئی رکاوٹ باقی نہ رہی تھی۔چنانچہ عبدالملک بن مروان نے بنواُمیّہ کی موروثی حکومت کو مضبوط بنیادوں پر استوار کیا، جو ۱۳۲ھ / ۷۵۰ء تک قائم رہی۔

حوالہ جات وحواشی

(۱) البدایہ والنہایہ، ابن کثیر، عماد الدین، مترجم عبدالرشید، اختر فتحپوری نفیس اکیڈمی، ج ۸، ص ۱۱۷۹، ۱۹۸۸ء

(۲) تاریخ طبری، طبری، ابن جریر، مترجم محمد ابراہیم، نفیس اکیڈمی، کراچی، ج ۴، ص ۳۷۱، ۱۹۸۴ء

(۳) تاریخ اسلام، ندوی، معین الدین احمد، المیزان ناشران، لاہور، ص ۳۲۷

(۴) مختار ثقفی، ابوعبیدہ مسعود ثقفی کا بیٹا تھا جو جنگ جسر میں شہید ہوئے تھے۔اس نے امام حسینؓ کی شہادت کے پانچ سال بعد دشمنانِ اہل بیعت سے انتقام لیا اور شمر، عمرو بن سعد اور اس کے دو بیٹوں کو بھی قتل کیا۔ماخوذ از اردو انسائیکلوپیڈیا، فیروزسنز، لاہور۔

(۵) یہ حضرت علیؓ کے غیر فاطمی بیٹے تھے، انکی والدہ بنوحنیفہ کی خاتون تھیں، جو جنگ یمامہ میں گرفتار ہو کر مدینہ آئیں، حضرت علیؓ نے ان سے عقد کیا۔محمد بن حنیفہ نے اپنے اختیارات اپنے بیٹے ابوعبداللہ ہاشم کو دیے۔مؤلف

(۶) تاریخ ملت، میرٹھی، زین العابدین، شہابی، انتظام اللہ، ادارہ اسلامیات، لاہور، ج ۱، ص ۵۴۳، ۱۹۹۱ء

(۷)A History of Medieval Islam, Page 74, J.J.Saunders, Routledge and Kegan Paul, LONDON,1965

(۸) تاریخ اسلام، ندوی، معین الدین احمد، المیزان ناشران، لاہور، ص ۳۲۹

(۹) تاریخ اسلام، نجیب آبادی، اکبر شاہ، فرید بک ڈپو، دہلی، ج ۲، ص ۱۲۰

(۱۰) البدایہ والنہایہ، ابن کثیر، عماد الدین، مترجم عبدالرشید، اختر فتح پوری نفیس اکیڈمی، کراچی، ج ۸، ص ۱۳۱۱

Marfat.com

(۱۱) خلافت وملوکیت، مودودی، سیّد ابوالاعلیٰ، اسلامک پبلیکیشنز لمیٹڈ، لاہور، ص ۱۸۵

(۱۲) تاریخ طبری، طبری، ابن جریر، مترجم محمد ابراہیم ندوی، نفیس اکیڈمی، کراچی، ج ۵، ص ۱۳۲، ۱۹۸۴ء

(۱۳) تاریخ اسلام، نجیب آبادی، اکبر شاہ، فرید بک ڈپو، دہلی، ج ۲، ص ۱۳۱

(۱۴) A Short History of the Saracens, Page 95, Syed Ameer Ali, Islamic Book Service, LAHORE.

(۱۵) تاریخ طبری، طبری، ابن جریر، مترجم محمد ابرہیم ندوی، نفیس اکیڈمی، کراچی، ج ۵، ص ۱۳۵، ۱۹۸۴ء

(۱۶) تاریخ ملت، میرٹھی، زین العابدین، شہابی، انتظام اللہ، ادارہ اسلامیات، لاہور، ج ۱، ص ۵۵۵، ۱۹۹۱ء

Marfat.com

فتح اندلس ۹۲ھ/۷۱۱ء

عہد فاروقی میں مسلمانوں کی شاندار فتوحات کا سلسلہ شروع ہوا تو ساسانی اور رومی سلطنتیں عرب مجاہدین کے سیلِ رواں کے سامنے خس وخاشاک کی طرح بہہ گئیں۔صحرانشین عربوں نے قوتِ ایمانی سے قادسیہ اور یرموک کے معرکوں میں اس وقت کی طاقتور ترین سلطنتوں کی بنیادوں کو ہلا کر رکھ دیا۔ ساسانی حکومت کا مکمل خاتمہ ہو گیا، جبکہ رومی سلطنت کی حدود بھی خاصی کم ہو گئیں۔

خلافتِ فاروقیؓ کے بعد دورِ عثمانیؓ کے ابتدائی دور میں بھی مسلمانوں کو شاندار فتوحات حاصل ہوئیں۔دورِ عثمانی میں عبداللہ بن نافع بن حصین اور عبداللہ بن نافع بن عبدالقیس نے افریقہ کے راستے اندلس (سپین، ہسپانیہ) پر چڑھائی کی اور بہت سے علاقے فتح کر لئے۔اندلس میں ان مجاہدین کے مزید حالات وواقعات کے بارے میں تاریخ کے صفحے خاموش ہیں۔(۱)

عہدِ فاروقی اور عہدِ عثمانی کی عظیم فتوحات سے یہود ونصاریٰ تلملا اُٹھے۔عبداللہ بن سباء یہودی نے منافقت کی راہ اختیار کرتے ہوئے سیّدنا عثمان غنیؓ کے خلاف ایک منظم تحریک شروع کی۔سبائیوں نے سیّدنا عثمان غنیؓ کو شہید کرنے کے بعد جنگِ جمل میں سیّدنا علیؓ اور اُم المومنین سیدہ عائشہؓ کے درمیان غلط فہمیاں پیدا کر کے جسدِ اُمت پر گہرے زخم لگائے۔

مسلمانوں میں باہمی انتشار کی وجہ سے کچھ عرصہ تک فتوحاتِ اسلامیہ کا سلسلہ رکا رہا، لیکن امیر معاویہؓ کے دور میں کچھ استحکام نصیب ہوا تو مسلم مجاہدین نے فتوحات کا یہ سلسلہ پھر سے شروع کر دیا۔اس دور میں عقبہ بن نافع نے شمالی افریقہ کے بیشتر ممالک کو فتح کیا۔عقبہ بن نافع تمام مراکش کو فتح کرتے ہوئے بحرِ ظلمات (۲) کے ساحل تک جا پہنچے۔انہوں نے اپنا گھوڑا سمندر میں ڈال کر کہا۔اے اللہ! اگر یہ سمندر میرا راستہ نہ روکتا تو جہاں تک مجھے تیری زمین ملتی، میں تیری راہ میں جہاد کرتا چلا جاتا۔

مراکش کی فتح کے بعد عقبہ بن نافع کا ارادہ اندلس کو زیر کرنے کا تھا، لیکن سبتہ کے عیسائی حاکم کاؤنٹ جولین نے مزاحمت کرتے ہوئے ابنِ نافع کو اس ارادے سے باز رکھا۔لیکن بعد میں یہی

Marfat.com

کاؤنٹ جولین فتح اندلس کا محرک بنا۔عبدالملک بن مروان نے بنواُمیّہ کی موروثی حکومت کومضبوط بنیادوں پر استوار کیا۔اس کے بعد اس کا بیٹا ولید بن عبدالملک تخت نشین ہوا تو فتوحاتِ اسلامیہ کا دوسرا دور شروع ہوا۔بنواُمیّہ کے زیرِ نگیں شمالی افریقہ کے ممالک موسیٰ بن نُصیر کے زیرِ انصرام تھے اور وہ پورے شمالی افریقہ کا گورنر تھا۔اس کی طرف سے طارق بن زیاد طنجہ کا حاکم تھا۔

اندلس کی گاتھ سلطنت داخلی انتشار کا شکار تھی۔راڈرک' شاہِ اسپین غیطشہ کے کم سن بیٹے وقلہ سے تخت چھین کر اقتدار پر قبضہ کر چکا تھا۔جس کی وجہ سے شاہِ اسپین کے طرفداروں میں بے چینی پائی جاتی تھی اور وہ راڈرک سے بدلہ لینے کے لیے کسی دوسری طاقت کی طرف دیکھ رہے تھے۔(۳)

اس دور میں رواج تھا کہ امرائے سلطنت اپنے بچوں کو تہذیب و شائستگی اور آدابِ شاہی سکھانے کے لیے طلیطلہ کے شاہی محل میں بھیج دیتے تھے۔حاکمِ سبتہ کاؤنٹ جولین کی خوب صورت، نازک اندام بیٹی فلورنڈا بھی راڈرک کے محل میں پرورش پاتی رہی۔جب اس نے جوانی کی حدود میں قدم رکھا تو اس کا حُسن اپنا جوبن دکھانے لگا۔راڈرک اس پری چہرہ پر فریفتہ ہو گیا اور ایک دن اپنی شیطانی ہوس پوری کرنے کے لیے اس نے فلورنڈا کی ردائے عصمت تار تار کر دی۔

فلورنڈا نے اس واقعہ کی اطلاع خفیہ طور پر اپنے باپ کاؤنٹ جولین تک پہنچا دی۔کاؤنٹ اپنی بیٹی کی عصمت دری کا سن کر غم سے نڈھال ہو گیا اور راڈرک کے خلاف پیچ و تاب کھانے لگا۔لیکن وہ اکیلا راڈرک کا کچھ نہ بگاڑ سکتا تھا۔لہٰذا اس نے راڈرک سے بدلہ لینے کے لیے مسلمانوں سے رابطہ کرنے کا فیصلہ کیا۔وہ اپنی بیٹی کو واپس لانے کے لیے فوراً طلیطلہ پہنچا اور راڈرک سے بہانہ کیا کہ اس کی بیوی سخت بیمار ہے اور آخری وقت میں اپنی بیٹی کی ایک جھلک دیکھنے کے لیے بیتاب ہے۔راڈرک نے اُسے فلورنڈا کو اپنے ساتھ لے جانے کی اجازت دے دی۔روانگی کے وقت راڈرک نے جولین سے کہا۔

سنا ہے افریقہ کے باز بہت اچھے ہوتے ہیں' چند باز بھیج دینا۔کاؤنٹ جولین نے جواب دیا کہ اگر میں زندہ رہا تو ایسے باز بھیجوں گا جن کو آپ نے کبھی نہ دیکھا ہوگا۔(۴) کاؤنٹ جولین اپنی بیٹی کو سبتہ لے آیا۔قدیم شاہی خاندان کا وفادار، اشبیلیہ کا اسقف بھی جولین کے پاس آیا اور راڈرک کی حکومت کے خاتمہ کے لیے دونوں مل کر تدابیر سوچنے لگے۔(۵)

Roderick seduced the daughter of Count Julian, the

Marfat.com

goverrner of Ceuta, the last remaining Byzantine stronghold on the African coast, and that in revenge her father invited the Arabs into Spain and placed a squadron of ships at their disposal.(6)

"سبتہ جو کہ افریقی ساحل پر بازنطینیوں کا آخری قلعہ تھا، اس کے گورنر کاؤنٹ جولین کی بیٹی کی راڈرک نے عصمت دری کی اور اس لیے انتقاماً اس کے باپ نے اہلِ عرب کو سپین (اندلس) پر حملہ آور ہونے کی دعوت دی اور بحری جنگی جہازوں کی ایک کمک پہنچائی۔"

کاؤنٹ جولین نے طنجہ کے حاکم طارق بن زیاد سے مراسم استوار کیے اور اسے اندلس پر حملہ آور ہونے کی دعوت دی اور اپنی طرف سے ہر ممکن فوجی اور سیاسی حمایت کا یقین دلایا۔ طارق نے اُسے شمالی افریقہ کے گورنر موسیٰ بن نصیر سے رابطہ کرنے کو کہا۔ چنانچہ کاؤنٹ جولین چند دیگر عیسائیوں کے ہمراہ موسیٰ کے پاس قیروان پہنچا۔ موسیٰ نے اُن کی عزت و تکریم کی اور آمد کی غرض و غایت پوچھی۔ کاؤنٹ جولین نے اسپین کے حاکم راڈرک کے ظلم و ستم کو بیان کرتے ہوئے اندلس کی زرخیزی و شادابی کا بطور خاص ذکر کیا، کاؤنٹ نے انہیں اندلس پر حملہ آور ہونے کی دعوت دی۔ موسیٰ ایک زیرک اور جہاندیدہ سیاستدان تھے۔ انہوں نے خلیفہ ولید بن عبدالملک سے اس بارے میں خصوصی اجازت چاہی۔ خلیفہ ولید نے جواب میں لکھا:۔

"مسلمانوں کو خشکی کی جنگوں تک محدود رکھو اور انہیں سمندر کے شدید خطرات میں نہ ڈالو۔ موسیٰ نے جواب بھیجا کہ سمندر زیادہ وسیع نہیں اور اندلس کا ساحل سامنے نظر آتا ہے۔ لہٰذا فوج کی بربادی کا کوئی اندیشہ نہیں۔ ولید نے ہدایت کی کہ پہلے چھاپہ مار دستہ بھیج کر وہاں کی معلومات حاصل کرو۔" (۷) چنانچہ موسیٰ نصیر نے فرمانِ خلافت کی تعمیل میں ابتدائی طور پر طریف بن مالک کی قیادت میں ۵۰۰ مجاہدین روانہ کیے۔ ان مجاہدین نے اندلس میں کامیاب کارروائیاں کیں۔ واپسی پر طریف نے موسیٰ کو اندلس کے حالات بتائے اور کاؤنٹ کی اطلاعات کی تصدیق کی۔ ان کامیابیوں کے بعد موسیٰ نے فوراً اندلس پر حملہ کرنے کا فیصلہ کیا اور طنجہ کے حاکم طارق بن زیاد کو حکم بھیجا کہ تم اپنی فوج لے کر اندلس پر چڑھائی کر دو۔

Marfat.com

طارق بن زیاد نے سات ہزار کا لشکر تیار کیا اور کاؤنٹ جولین کی طرف سے دیے گئے چار بحری جہازوں کے ذریعے اپنی فوج کو ساتھ لے کر آبنائے جبرالٹر (جبل الطارق) پار کر کے ساحلِ اندلس پر اتر گیا۔ طارق جب اپنی فوج کے ساتھ آبنائے پار کر رہا تھا تو ایک شب اسے خواب میں آقائے نامدار محمد عربی ﷺ کی زیارت نصیب ہوئی۔ اس نے دیکھا کہ آنحضور ﷺ کے ہمراہ بہت سے لوگ جنگ کے لیے تیار ہیں اور آنحضور ﷺ طارق کی جانب مخاطب ہو کر فرما رہے ہیں کہ اے طارق! تو اپنے ارادہ پر قائم رہ اور اس کام کے کرنے میں سعی اور کوشش کر جس کے لیے تو منتخب ہوا ہے۔ (۸)

اس مبارک خواب کے بعد طارق کو اپنی کامیابی کا پختہ یقین ہو گیا۔ چنانچہ اس نے ساحل پر پہنچتے ہی تمام جہازوں کو آگ لگا کر سمندر میں غرق کرنے کا حکم دیا۔ تاکہ مجاہدین کے لیے واپسی کا راستہ نہ رہے اور وہ فتح کے عزمِ مصمّم کے ساتھ آگے بڑھیں۔

طارق اپنی جان باز سپاہ کے ساتھ تیزی سے آگے بڑھ رہا تھا۔ اثنائے سفر ایک دوسرا واقعہ پیش آیا۔ اُسے ایک بڑھیا نے بتایا کہ اس ملک کا تو ہی فاتح معلوم ہوتا ہے۔ میرا شوہر جو بڑا کاہن تھا مجھ سے کہا کرتا تھا کہ ایک غیر قوم اندلس پر قابض ہو گی۔ اس کے سپہ سالار کی پیشانی بلند، اور اس کے بائیں شانے پر تل ہو گا اور اس تل کے گرد بال ہوں گے۔ میں غور کرتی ہوں تو تیری پیشانی بلند پاتی ہوں، اگر وہ تل بھی تیرے جسم پر ہے تو بے شک تو ہی وہ شخص ہے جس کے متعلق میرے شوہر نے پیش گوئی کی ہے۔ طارق نے اپنا بائیاں شانہ عورت کو دکھایا تو اس پر تل تھا اور اس پر بال بھی تھے۔ (۹)

ان واقعات سے طارق اور اس کے ساتھیوں کے حوصلے مزید بلند ہو گئے اور انہوں نے تیزی سے اردگرد کے علاقوں میں اپنی فوجی کارروائیاں شروع کر دیں۔ شہنشاہ راڈرک نے اپنے بہادر سپہ سالار تدمیر (Theodomir) کو ایک زبردست فوج دے کر طارق کے مقابلے پر روانہ کیا۔ طارق کے مقابلے میں تدمیر کی تمام تر جنگی حکمتِ عملی غیر موثر رہی۔ اس نے مسلمانوں سے شکست کھا کر راہِ فرار اختیار کی۔ تدمیر نے مسلمانوں کی بہادری اور جانثاری کے بارے میں راڈرک کو آگاہ کرتے ہوئے لکھا:

"اے شہنشاہ! ہمارے ملک پر ایک غیر قوم نے حملہ کیا ہے۔ میں نے ان لوگوں کا مقابلہ کیا اور اپنی پوری ہمت وشجاعت کے باوجود انہیں زیر نہیں کر سکا۔ اب ضرورت اس امر کی ہے کہ آپ

Marfat.com

خود ایک زبردست فوج لے کر آئیں اور اس آفت سے چھٹکارا حاصل کریں۔ میں نہیں جانتا کہ یہ حملہ آور لوگ کون ہیں؟ کہاں سے آئے ہیں؟ آیا آسمان سے اترے ہیں یا زمین سے نکل آئے ہیں۔"(۱۰)

تدمیر کی طرف سے ان اطلاعات کو جان لینے کے بعد راڈرک کو مسلمانوں کی طرف سے حقیقی طور پر بڑا خطرہ محسوس ہوا۔ اس نے اِردگرد کے حاکموں سے بھی مذہب اور وطن کے نام پر اپیل کی۔ ہزاروں جنگ جو اس کی فوج میں شامل ہو گئے۔ راڈرک مکمل جنگی تیاری کے بعد ایک لاکھ کے لشکرِ جرار کے ساتھ طارق کی سمت بڑھا۔ موسیٰ بن نصیر نے طارق کی مدد کے لیے طریف بن مالک کی قیادت میں پانچ ہزار کا مزید لشکر اندلس بھیجا۔ اس طرح طارق کے لشکر کی تعداد ۱۲ ہزار ہو گئی۔ طارق پیش قدمی کرتے ہوئے دریائے برباط کے کنارے پہنچ گیا۔ اس طرح مسلمانوں نے اس تمام ساحلی علاقے پر قبضہ جما لیا جو تقریباً ۸۰ کلومیٹر کی لمبائی اور ۱۵ کلومیٹر کی چوڑائی میں افریقی ساحل کے بالمقابل پھیلا ہوا تھا۔(۱۱)

راڈرک بھی اپنی فوج کو لے کر دریائے برباط کے کنارے پہنچ گیا۔ مسلمانوں کے لیے یہ سرزمین اجنبی تھی، جبکہ راڈرک کی فوج علاقے کے چپے چپے سے واقف تھی۔ لیکن قیادت پر بھرپور اعتماد اور جذبہ ایمانی کی وجہ سے مسلمانوں کو اپنی فتح کا کامل یقین تھا، جبکہ راڈرک کی فوج میں شامل گاتھ شہزادے اس کے ساتھ مخلص نہ تھے۔ دونوں فوجوں کے درمیان تین دن تک شدید جنگ ہوتی رہی۔ مسلمان مجاہدین نے جذبۂ ایمانی سے دشمن کا مقابلہ کیا لیکن دشمن کی کثیر تعداد کی وجہ سے ان پر کمزوری کے آثار ظاہر ہونے لگے۔ طارق نے مجاہدین کی اس نقاہت کو محسوس کرتے ہوئے ان کے سامنے شیر دلانہ تقریر کی۔ طارق اپنی فوج سے اس طرح مخاطب ہوا:۔

"اے قوم عرب و فاتحانِ ملکِ شام! کیا تمہاری رگوں میں خونِ عرب نہیں دوڑ رہا۔ کیا تم اپنی ناموری کا خاتمہ اسی مقام پر کیا چاہتے ہو۔ کیا تم اپنے باپ دادا کے نام کو اس گمنامی کے جنگل میں بدنامی کے ساتھ بدل دینا چاہتے ہو۔ کیا تم کو گذشتہ واقعاتِ جنگِ افریقہ اور شام یاد نہیں رہے، کیا تم اپنے خدا اور رسول کے قول کو بھول گئے۔ تم نے اس ملک میں قدم رکھتے ہی اپنی کشتیوں کو جلا دیا تھا اور یہ قصد کر لیا تھا کہ یا ہم اس ملک کو فتح کر لیں گے یا اپنی جان دے دیں گے۔ اس وقت تمہارا دشمن آمادۂ جنگ ہے اور تمہاری پشت پر دریا ہے۔ تمہارے پاس سواری کے لیے کوئی جہاز نہیں ہے اور نہ ہی کوئی کشتی۔ ہاں،

Marfat.com

اس وقت اگر تمہارے بچاؤ کی کوئی صورت ہے تو صرف تمہاری مستقل مزاجی اور خدا کی مدد و اعانت۔ اے اولادِ عرب آؤ۔ آگے بڑھو اور اپنے امیر کا ساتھ دو۔" (۱۲)

اس تقریر کے ساتھ ہی طارق نے دشمن پر بھرپور حملہ کر دیا۔ ادھر بادشاہ راڈرک اپنے تخت پر بیٹھ کر حملہ آور ہوا۔ اس کے سر پر تاج جواہر نگار دھرا تھا، ہاتھ میں فولادی دستانے چڑھے ہوئے تھے اور وہ تمام مرصع زیور جن کا جنگ کے موقع پر پہننے کا رواج تھا، اس کے جسم پر سجے ہوئے تھے۔ دونوں فوجوں نے خوب ہی دادِ مردانگی و شجاعت دی اور نہایت سخت معرکہ پیش آیا۔ (۱۳)

مسلمانوں کا حملہ اس قدر سخت تھا کہ عیسائی فوج اپنے قدموں پر کھڑی نہ رہ سکی اور اس کی ہوا اُکھڑ گئی۔ راڈرک خود بھاگ کھڑا ہوا۔ لیکن راستہ میں اس کا گھوڑا دلدل میں پھنس گیا۔ راڈرک کے آخری انجام کے بارے میں تاریخ کے صفحات خاموش ہیں۔ دریا کے کنارے کی نشانیوں سے سمجھا گیا کہ وہ دلدل میں گھوڑے کے پھنس جانے کی وجہ سے اس پر سے اتر کر دریا میں کود پڑا اور دریائے برباط کی لہروں نے اسے اپنی آغوش میں چھپا لیا۔ (۱۴)

جنگ برباط میں کامیابی یورپ میں مسلمانوں کی ایک بہت بڑی فتح تھی، کیونکہ اس فتح کے بعد عیسائی کسی میدان میں بھی مسلمانوں کے مقابلہ میں نہ ٹھہر سکے، اور اندلس کی سرزمین مسلمانوں کے قدم چومتی چلی گئی۔ اس فتحِ عظیم کے بعد یورپ میں مسلمانوں کے قدم جمتے چلے گئے۔ مسلمانوں نے جلد ہی فرانس کی سرزمین پر بھی فتح و کامرانی کے پرچم لہرا دیے۔

جنگ برباط میں فتح کے بعد موسیٰ بن نصیر نے طارق کو مزید پیش قدمی سے روک دیا۔ لیکن کاؤنٹ جولین نے طارق کو مشورہ دیا کہ اس وقت عیسائیوں پر مسلمانوں کا خوف طاری ہے، وہ کسی بھی میدان میں مسلمانوں کے مقابلے میں ٹھہر نہ سکیں گے۔ چنانچہ طارق نے مزید پیش رفت جاری رکھی اور قرطبہ کی طرف بڑھا۔ لیکن اہل شہر بھی مکمل تیاریوں کے ساتھ محصور ہو بیٹھے۔ طارق نے وقت ضائع کرنے کی بجائے اپنے مشہور جرنیل مغیث رومی کو یہاں پر چھوڑا اور خود طلیطلہ کی جانب روانہ ہو گیا۔ مغیث رومی نے کچھ ہی عرصہ بعد قرطبہ فتح کر لیا اور طارق کے پاس فتح کی خوشخبری لکھ بھیجی۔ طارق تیز رفتاری سے منزلیں طے کرتا ہوا طلیطلہ جا پہنچا۔

اہل شہر پہلے ہی شہر خالی کر کے راہِ فرار اختیار کر چکے تھے۔ اس طرح مسلمان بغیر کسی مزاحمت کے

Marfat.com

طلیطلہ میں داخل ہو گئے۔ اسی اثناء میں موسیٰ بن نصیر بھی ۱۸ ہزار کے لشکر کے ساتھ جبل الطارق کے ساحل پر اترا۔ کاؤنٹ جولین نے اس کا استقبال کیا اور مشورہ دیا کہ ابھی بہت سے شہر فتح کرنا باقی ہیں اس لیے آپ طلیطلہ جانے کے لیے مغربی جانب کا راستہ اختیار کریں۔ موسیٰ نے اس تجویز کو پسند کیا۔

موسیٰ نے اندلس کے اہم شہروں شذونہ، قرمونہ اور اشبیلیہ کو فتح کرنے کے بعد طلیطلہ کی طرف پیش قدمی کی اور طارق کے پاس پیغام بھیجا کہ وہ ماردہ اور طلیطلہ کے مابین اس کی فوج سے آ ملے۔ طارق نے چونکہ موسیٰ بن نصیر کے حکم کے برخلاف فتوحات کا سلسلہ جاری رکھا تھا اس لیے جب موسیٰ بن نصیر اور طارق کی ملاقات ہوئی تو موسیٰ نے اس بات پر طارق سے برہمی کا اظہار کیا۔ اور چند دن کے لیے طارق کو قید بھی کر دیا۔ مدّعا یہ تھا کہ نہ صرف طارق بلکہ دوسرے سرداروں کو بھی معلوم ہو جائے کہ ماتحت کے لیے افسر کے حکم کی تعمیل کس قدر ضروری ہے۔ (۱۵) موسیٰ اپنے جرنیل طارق کی صلاحیتوں کا معترف تھا اس لیے اسے ایک بڑی فوج دے کر سرقسطہ کی طرف بھیجا اور خود بھی پیچھے روانہ ہوا۔ اہل سرقسطہ نے امان حاصل کر کے اطاعت کر لی۔

اب موسیٰ کا ارادہ فرانس کے راستے یورپ کو تسخیر کرتے ہوئے قسطنطنیہ پر اسلامی پرچم لہرانے کا تھا۔ اندلس کے شمال مشرقی حصہ کو زیر کر لینے کے بعد موسیٰ اور طارق فرانس میں داخل ہوئے اور معمولی مزاحمت کے بعد فرانس کے اہم شہروں اوینون اور اربونہ (Avignon,Narbonne) پر قابض ہو گئے، لیکن اربونہ میں مسلمانوں کو بے پناہ مصائب کا سامنا کرنا پڑا اور بہت سے مسلمان شہید ہو گئے۔ جب ان واقعات کی اطلاعات خلیفہ ولید بن عبدالملک کے پاس دمشق پہنچیں، تو خلیفہ نے فوراً قاصد کے ذریعے موسیٰ کو پیغام بھجوایا کہ فرانس میں مزید پیش قدمی فوراً روک دے اور دربارِ خلافت میں حاضر ہو۔ دوسری طرف جب مسلمان فرانس میں آگے بڑھ رہے تھے تو ایک جگہ مسلمانوں کو عربی زبان میں ایک کتبہ نصب کیا ہوا ملا۔ جس پر حسب ذیل عبارت کندہ تھی:۔

"اے بنو اسماعیل! یہ تمہاری آخری سرحد ہے۔ اس سے آگے بڑھنے کی کوشش نہ کرنا۔"

یہ اگرچہ شاہِ فرانس کی سازش تھی لیکن ضعیف الاعتقاد بربروں نے آگے بڑھنے سے انکار کر دیا۔ خلیفہ کے فرمان کے بعد ویسے بھی اب موسیٰ کے لیے مزید آگے بڑھنا ناممکن ہو گیا۔ چنانچہ اس نے واپسی کا قصد کیا۔ موسیٰ اور طارق دونوں عظیم جرنیل طلیطلہ اور قرطبہ سے ہوتے ہوئے اشبیلیہ

Marfat.com

پہنچے۔موسیٰ نے اشبیلیہ کو اندلس میں مسلمانوں کا دارالخلافہ قرار دیا۔موسیٰ نے اندلس کی حکومت اپنے بیٹے عبدالعزیز کے سپرد کی اور خود طارق کے ہمراہ آبنائے جبل الطارق عبور کر کے افریقہ چلے گئے اور قیروان سے ہوتے ہوئے دمشق کی طرف روانہ ہوئے۔

Whatever the motive which impelled Walid to recall Musa and Tariq, there can be no doubt that it was disastrous to Islam. Musa's departure enabled Pelayo to fortify himself in the mountains and form the nucleus of that power which in later times was to overwhelm with destruction the Moslem states towards the south.(16)

"وہ محرک جس کی بناء پر ولید نے موسیٰ کو واپس بلا بھیجا، چاہے جو بھی ہو، اسلام (مسلمانوں) کے لیے ایک تباہی سے کم نہ تھا۔طارق اور موسیٰ کی روانگی کے بعد Pelayo اس قابل ہوا کہ وہ پہاڑوں میں جا کر اپنی قوت کو یکجا کر لے جو کہ بعد میں واقعتاً جنوب میں مسلمان حکومتوں کے لیے تباہ کن ثابت ہوا۔"

اگر اس موقع پر خلیفہ کی طرف سے موسیٰ بن نصیر کو واپسی کا حکم نہ دیا جاتا تو یقیناً مسلمان فرانس، اٹلی، یوگوسلادیہ اور بلغاریہ کو روندتے ہوئے، قسطنطنیہ تک پہنچ جاتے اور قسطنطنیہ پندرھویں صدی عیسوی میں سلطان محمد فاتح کے ہاتھوں فتح ہونے کی بجائے آٹھویں صدی عیسوی میں ہی موسیٰ و طارق کے ہاتھوں فتح ہو چکا ہوتا۔

حوالہ جات وحواشی

(۱) تاریخ اندلس، ندوی، ریاست علی، مکی دار الکتب، لاہور، ص ۶۸، جنوری ۲۰۰۳ء

(۲) عربوں نے بحر اوقیانوس (اٹلانٹک) کو اس کی وسعت کی وجہ سے بحرِ ظلمات کا نام دیا۔بقول اقبال

دشت تو دشت ہیں دریا بھی نہ چھوڑے ہم نے
بحر ظلمات میں دوڑا دیے گھوڑے ہم نے

(۳) اٹلس فتوحات اسلامیہ، ادارہ دار السلام، لاہور، ص ۲۵۴

Marfat.com

(۴) تاریخ اندلس، ندوی، ریاست علی، مکی دارالکتب، لاہور، ص ۱۷۱، جنوری ۲۰۰۳ء

(۵) تاریخ اسلام، نجیب آبادی، اکبر شاہ، فرید بک ڈپو، دہلی، ج ۳، ص ۲۷

(۶) A Short History of the Saracens, Page 87, Syed Ameer Ali, Islamic Book Service, LAHORE.

(۷) اٹلس فتوحات اسلامیہ، ادارہ دارالسلام، لاہور، ص ۲۵۵

(۸) خلافت اندلس، جنگ بہادر، ذوالقدر، نواب، مقبول اکیڈمی، لاہور، باب ۲، ص ۶، باردوم، ۱۹۸۷ء

(۹) مذکورہ بالا حوالہ، ص ۷

(۱۰) تاریخ اسلام، نجیب آبادی، اکبر شاہ، فرید بک ڈپو، دہلی، ج ۳، ص ۳۱

(۱۱) اٹلس فتوحات اسلامیہ، ادارہ دارالسلام، لاہور، ص ۲۶۰

(۱۲) خلافت اندلس، جنگ بہادر، ذوالقدر، نواب، مقبول اکیڈمی، لاہور، باب ۲، ص ۹، باردوم، ۱۹۸۷ء

(۱۳) تاریخ طبری، طبری، ابن جریر، مترجم محمد ابراہیم ندوی، نفیس اکیڈمی، کراچی، ج ۵، ص ۴۵۰، ۱۹۸۴ء

(۱۴) تاریخ اندلس، ندوی، ریاست علی، مکی دارالکتب، لاہور، ص ۸۷، جنوری ۲۰۰۳ء

(۱۵) تاریخ اسلام، نجیب آبادی، اکبر شاہ، فرید بک ڈپو، دہلی، ج ۳، ص ۳۶

(16) A Short History of the Saracens, Page 112, Syed Ameer Ali, Islamic Book Service, LAHORE.

Marfat.com

فتح سندھ ۹۳ھ/ ۷۱۲ء

عبدالملک بن مروان نے بنو اُمیہ کی حکومت کو مضبوط بنیادوں پر استوار کیا تو ولید بن عبدالملک کے دور میں موسیٰ بن نصیر اور طارق بن زیاد نے سپین اور فرانس تک فتح و کامرانی کے پرچم لہرائے۔ اسی دور میں شمال مشرق میں قتیبہ نے کاشغر فتح کیا اور محمد بن قاسم نے سندھ میں اسلام کا پرچم سربلند کیا۔(۱)

ہندوستان میں قبل از اسلام بھی عرب تاجروں کی آمدورفت ہوتی رہتی تھی۔ ان عرب تاجروں کے قبولِ اسلام کے بعد سرزمینِ ہند اسلام کے پیغام امن و آشتی سے آشنا ہوئی۔ عرب تاجروں کو بحر ہند میں تجارت پر اجارہ داری حاصل ہو چکی تھی۔ وہ اسلام کی اخلاقی اقدار پر عمل پیرا ہو کر اپنے نفع تجارت کو کئی گنا بڑھا رہے تھے۔ ساحلی ریاستوں کے حکمران ان عرب تاجروں سے تعلقات استوار کرنے میں فخر محسوس کرتے تھے، کیونکہ اس طرح انہیں اپنی سلطنت اور رعایا کو خوشحال کرنے میں مدد ملتی۔

جزیرہ سراندیپ (سری لنکا) میں بہت سے مسلمان تاجر آباد تھے۔ ان میں سے چند مسلمان تاجروں کا انتقال ہو گیا۔ ان کی بیواؤں اور یتیم بچوں نے سراندیپ کے راجہ سے گذارش کی کہ ہمیں ہمارے وطن، عرب میں واپس بھیج دیا جائے۔ راجہ مسلمانوں کے ساتھ دوستانہ مراسم کو خصوصی اہمیت دیتا تھا۔ اس نے فوراً ان عرب عورتوں اور بچوں کو واپس بھیجنے کا انتظام کیا اور انہیں ایک بحری جہاز میں سوار کرا کے سندھ کے راستے عرب روانہ کیا۔ راجہ نے عراق کے گورنر حجاج بن یوسف کے لیے قیمتی تحائف سے لدے ہوئے آٹھ بحری جہاز بھی روانہ کیے۔ جب یہ جہاز دیبل کی بندرگاہ کے پاس پہنچے تو سندھ کے راجہ داہر کے گورنر نے مال و زر کے لالچ اور اسلام دشمنی کی بناء پر ان جہازوں کو لوٹ لیا اور بچوں اور عورتوں کو قیدی بنا لیا۔ ان قیدیوں میں سے ایک ناہید نامی عورت نے حجاج بن یوسف کے نام ایک خفیہ خط تحریر کر کے کسی ذریعہ سے ارسال کیا جس میں اس نے اپنی حالتِ زار، ہندوؤں کے ظلم و ستم اور اسلامی حکومت کی ذمہ داریوں کے بارے میں لکھا تھا۔ حجاج ایک قیدی مسلمان بیٹی کی اس فریاد کو سنتے ہی لبیک کہتے ہوئے اٹھا۔ اُس نے سندھ کے راجہ داہر کے نام پیغام ارسال کیا جس میں عورتوں اور بچوں کی رہائی

Marfat.com

اور مال واسباب کی واپسی کا فوری مطالبہ کیا گیا تھا۔ راجہ داہر نے جواب ارسال کیا کہ عورتوں اور بچوں کو قید کرنا اور مال واسباب کو لوٹنا بحری قزاقوں کا فعل ہے اور وہ میرے دائرہ اختیار سے باہر ہیں۔ لہٰذا میں اس بارے میں کچھ نہیں کرسکتا۔

حجاج نے فوراً اپنے بہادر جرنیل عبیداللہ کو دیبل روانہ کیا۔ عبیداللہ ایک لشکر کے ساتھ سندھ پہنچے اور ایک لڑائی میں دشمن سے لڑتے ہوئے شہید ہو گئے۔ عبیداللہ کی شہادت کے بعد حجاج نے بُدَیل بن طہفہ بجلی کو دیبل جانے کا حکم دیا۔ بدیل نے وہاں پہنچ کر اہلِ سندھ کا کئی محاذوں پر مقابلہ کیا اور انہیں شکست سے دوچار کیا۔ ایک لڑائی کے دوران اُن کا گھوڑا بدک گیا، جس سے وہ دشمن کے نرغے میں آ گئے اور جامِ شہادت نوش کر گئے۔ اپنے دو بہادر جرنیلوں کی شہادت کے بعد حجاج بن یوسف نے اپنے بھتیجے و داماد محمد بن قاسم کو سندھ بھیجنے کا فیصلہ کیا۔ محمد بن قاسم فارس میں اپنی بہادری کا لوہا منوا چکا تھا۔ حجاج بن یوسف نے صرف پندرہ سال کی عمر میں اسے کرد قبائل کی سرکوبی کے لیے فارس بھیجا تھا۔ فارس پہنچ کر اس نے کمالِ شجاعت سے ان تمام قبائل کو مطیع کر لیا۔ ان اقدامات سے وہ اپنی صلاحیتوں کو ثابت کر چکا تھا۔ (۲)

محمد بن قاسم خشکی کے راستے سفر کرتے ہوئے مکران پہنچا، اسے فتح کیا، پھر قزپور اور ارمائیل فتح ہوئے۔ یہاں سے محمد بن قاسم دیبُل (۳) کی طرف بڑھا۔ وہ مختلف جھڑپوں میں دشمن کو شکست دیتا ہوا کمال حسن تدبیر سے فوج کو لے کر دیبل پہنچ گیا اور بندرگاہ کا محاصرہ کر لیا۔ یہیں پر حجاج کی طرف سے مزید کمک بھی پہنچ گئی۔ دیبُل شہر کا دفاع بہت مضبوط تھا۔ اس کے گرد بہت گہری خندق تھی، جس میں پانی بھرا ہوا تھا۔ قلعے پر ایک سرخ پرچم لہراتا رہتا تھا جس کے بارے میں اہلِ دیبل کا عقیدہ تھا کہ جب تک یہ پرچم اپنی جگہ پر قائم رہے گا، شہر فتح نہیں ہوسکتا۔

محمد بن قاسم نے منجنیقوں کی مدد سے قلعے کی دیواروں پر بہت بھاری پتھر برسائے لیکن کسی طرح بھی ان کو نقصان نہ پہنچا۔ حجاج مسلسل ابنِ قاسم سے رابطے میں تھا۔ اس نے ابنِ قاسم کو ایک خط میں لکھا کہ عروس نامی منجنیق کو مشرقی جانب نصب کرو، پھر منجنیق سے ان کے جھنڈے پر پتھر برساؤ۔ (۴) محمد بن قاسم نے منجنیق سے پرچم کو نشانہ بنایا تو وہ بڑی آسانی سے زمین پر آ رہا۔ اہلِ شہر نے اسے بدشگونی سمجھا اور تلواریں سونت کر باہر نکل آئے۔ محمد بن قاسم نے فوجی حکمتِ عملی کے تحت فوج کو پیچھے ہٹنے کا حکم

Marfat.com

دیا۔ ہندوا سے مسلمانوں کی پسپائی خیال کرتے ہوئے، اپنے علاقے سے باہر کافی دور تک آ گئے۔ اب مسلمانوں نے دشمن پر پلٹ کر ایسا شدید حملہ کیا کہ دشمن حواس باختہ ہو کر بھاگ کھڑا ہوا۔ محمد بن قاسم نے قلعہ کی دیواروں کے ساتھ سیڑھی بنوادی جس سے مجاہدین قلعہ میں داخل ہو گئے۔ اس طرح ہندوؤں کا اہم شہر دیبل فتح ہو گیا۔ محمد بن قاسم نے چار ہزار مسلمانوں کو یہاں آباد کیا اور اُن کے لیے جامع مسجد کی بنیاد رکھی۔ ہندوستان میں یہ خدائے واحد کی پہلی عبادت گاہ تھی۔ (۵)

محمد بن قاسم نے اہلِ دیبل کے ساتھ بہت عمدہ سلوک کیا۔ اُن کی عزت و آبرو کو تحفظ فراہم کیا۔ انہیں مکمل مذہبی آزادی دی اور روزگار کے مواقع فراہم کیے۔ شہر دیبل میں مناسب انتظامات کے بعد محمد بن قاسم نے نیرون کوٹ کا رخ کیا۔ اہلِ شہر نے کسی قسم کی مزاحمت نہ کی اور شہر فتح ہو گیا۔ نیرون کے بعد مسلمانوں نے سہون پر حملہ کیا۔ یہاں کا نظم و نسق راجہ داہر کے بھتیجے کے ہاتھ میں تھا۔ اس نے کچھ عرصہ مدافعت کی لیکن جلد ہی ہتھیار ڈال دیے۔ دریائے سندھ کے مغربی کنارے کے تمام اہم شہروں کو فتح کرنے کے بعد اب محمد بن قاسم راجہ داہر سے نبرد آزما ہونا چاہتا تھا۔ راجہ داہر دریائے سندھ کے مشرقی کنارے پر اپنی فوج کے ساتھ موجود تھا۔ محمد بن قاسم اور راجہ داہر کے درمیان دریائے سندھ اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ محوِ خرام تھا۔ محمد بن قاسم نے اپنی فنی مہارت اور کمال حکمت عملی سے کشتیوں کا پل باندھ کر دریائے سندھ کو پار کیا۔ (۶)

دریا کو پار کرتے ہی دونوں فوجوں کے درمیان معرکہ کارزار گرم ہوا۔ راجہ داہر کی فوج میں بے شمار ہاتھی بھی موجود تھے۔ خود راجہ بھی ایک فیلِ سفید پر سوار تھا۔ جنگ کے دوران ان ہاتھیوں نے مسلمانوں کو بہت زیادہ نقصان پہنچایا۔ بالآخر محمد بن قاسم نے ایک جنگی تکنیک اپناتے ہوئے اپنی فوج کو جلتے ہوئے تیر ہاتھیوں پر برسانے کا حکم دیا۔ جلتے ہوئے تیروں کی بارش نے ہاتھیوں کو بدحواس کر دیا۔ انہوں نے اس بدحواسی کے عالم میں اپنی ہی فوج کو کچلنا شروع کر دیا۔ ایک جلتا ہوا تیر راجہ داہر کے فیلِ سفید کی سونڈھ پر لگا جس سے ہاتھی گھبرا کر بھاگ کھڑا ہوا اور اس نے پانی کا رخ کیا۔ راجہ ساحل پر پہنچ کر ہاتھی سے کود گیا لیکن اس کا پیچھا کرنے والے ایک مسلم شہ سوار نے اس کا سر قلم کر دیا۔

راجہ داہر کے مرنے کے بعد اس کی فوج اور زیادہ جوش و خروش سے لڑنے لگی، لیکن مسلمانوں کی شجاعت و استقامت کے سامنے ٹھہر نہ سکی اور راہِ فرار اختیار کی۔ راجہ داہر کے بیٹے جے سنگھ نے شکست

Marfat.com

خوردہ فوج کو منظم کر کے لڑنے کی تیاریاں شروع کر دیں۔لیکن اس کے وزیر سی ساکر نے مشورہ دیا کہ چونکہ اس علاقے میں لوگوں پر مسلمانوں کی ہیبت بیٹھ چکی ہے، اس لیے اس علاقے میں ٹھہرنا مناسب نہیں۔ بلکہ بہتر یہ ہے کہ برہمن آباد کو مرکز بنا کر دشمن سے مقابلہ کی تیاری کی جائے۔ جے سنگھ نے برہمن آباد کو مرکز بنا کر محمد بن قاسم کے مقابلے کی تیاری شروع کر دی، لیکن سی ساکر ان تیاریوں کو محمد بن قاسم کے مقابلے میں بہت کم تر سمجھتا تھا۔ اسے جے سنگھ کی کمزوریوں کا بھی علم تھا اس لیے اس نے محمد بن قاسم سے اطاعت کی درخواست کی۔ ابن قاسم نے اس کی قدر شناسی کی۔ اس موقع پر سی ساکر نے وہ تمام مسلمان عورتیں محمد بن قاسم کے حوالے کیں جن کی وجہ سے مسلمانوں نے سندھ پر حملہ کیا تھا۔

جے سنگھ برہمن آباد میں جنگی تیاریاں مکمل کر کے خود شہر سے نکل گیا۔ محمد بن قاسم نے فوراً آگے بڑھ کر شہر کا محاصرہ کر لیا۔ اہلِ شہر نے بھرپور مدافعت کی۔ محمد بن قاسم کے حملے کی خبر سن کر جے سنگھ نے مسلمانوں کی فوج کو گھیر لیا۔ محمد بن قاسم نے راجہ موکا کے مشورہ سے ایک فوج جے سنگھ کے مقابلے کے لیے بھیج دی۔ چونکہ جے سنگھ کے پاس بہت بڑی فوج نہ تھی اس لئے زیادہ دیر تک وہ مسلمانوں سے نہ لڑ سکا۔ جے سنگھ نے اپنے بھائی گوپی کو اپنا نائب مقرر کیا اور خود منزلیں طے کرتا ہوا کشمیر نکل گیا۔ (۷)

جے سنگھ کے فرار کی خبر سن کر اہلِ شہر کے حوصلے پست ہو گئے۔ انہوں نے ابن قاسم سے امن کی درخواست کی اور شہر کے دروازے کھول دیے۔ محمد بن قاسم نے اہل شہر کے لیے عام معافی کا اعلان کیا۔ راجہ داہر کی ایک رانی "لاڈلی" جو برہمن آباد میں گرفتار ہوئی، محمد بن قاسم نے اسے عزت کے ساتھ پردہ میں ٹھہرایا، پھر حجاج کی اجازت سے اسے اپنے عقد میں لے لیا۔ (۸)

چند دیگر علاقے فتح کرنے کے بعد محمد بن قاسم دریائے چناب کو عبور کر کے ملتان کی طرف بڑھا۔ ملتان کا دفاع بہت مضبوط تھا۔ پہلے تو اہلِ ملتان نے میدان میں مسلمانوں کا مقابلہ کیا لیکن جلد ہی پسپا ہو کر شہر میں قلعہ بند ہو گئے۔ محاصرہ طویل ہونے کی وجہ سے مسلمانوں کو بہت زیادہ مصائب کا سامنا کرنا پڑا۔ اتفاقاً شہر کا ایک باشندہ مسلمانوں کے ہاتھوں گرفتار ہو گیا، اس سے تفتیش کی گئی تو اس نے قلعہ کے کمزور حصے کے بارے میں بتا دیا۔ محمد بن قاسم نے اس حصے پر شدید سنگ باری کروائی جس سے دیوار منہدم ہو گئی اور اہلِ شہر کو میدان میں آ کر مقابلہ کرنا پڑا۔ جلد ہی وہ مغلوب ہو گئے اور شہر ملتان پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔ ملتان بدھوں کا بہت بڑا تیرتھ تھا اور یہاں کے صنم کدہ میں بے اندازہ دولت

Marfat.com

تھی۔ یہ سب مسلمانوں کے قبضہ میں آئی۔ بلازری کے بیان کے مطابق اٹھارہ گز لمبا اور دس گز چوڑا کمرہ سونے سے بھرا ہوا تھا۔ چچ نامہ کے بیان کے مطابق اس کی مقدار کئی سو من تک پہنچ جاتی ہے۔(۹)

In 713 Multan surrendered, the spoils of the rich Buddhist shrine there paying twice over the cost of the expedition.(10)

"۷۱۳ء میں ملتان فتح ہو گیا۔ یہاں سے مسلمانوں کو اب تک ہونے والے خرچ سے دوگنی وصولی ہو گئی تھی۔"

فتح ملتان کے بعد ابنِ قاسم فوج کو لے کر برہمن آباد کے راستے گجرات کے پایہ تخت کیرج کی طرف بڑھا۔ یہاں کے راجہ نے شہر کا دفاع کرنے کے لیے خاطر خواہ انتظامات کیے تھے، لیکن محمد بن قاسم کے شدید حملے کی تاب نہ لا کر راجہ بھاگ گیا۔ کیرج کی فتح کے بعد محمد بن قاسم شمالی ہندوستان کی طرف بڑھنا چاہتا تھا، لیکن دمشق میں تیزی سے آنے والی سیاسی تبدیلیوں نے اس کے قدم روک دیئے۔ ابنِ قاسم نے قنوج کے راجہ کو اطاعت کا پیغام بھجوایا مگر اس نے انکار کیا، لہٰذا ابنِ قاسم قنوج پر حملے کی تیاریاں مکمل کر کے روانہ ہوا، ابھی وہ اودھا پور پہنچا ہی تھا کہ دارالخلافہ سے اس کی معزولی کا حکمنامہ پہنچ گیا۔(۱۱)

محمد بن قاسم کی سندھ اور ملتان کی فتوحات کے برصغیر کی تاریخ پر نہایت گہرے اثرات مرتب ہوئے۔ اس علاقے کے باشندے مسلمانوں کی اعلیٰ اخلاقی اقدار کے گرویدہ ہو گئے۔ اُن تک اسلام کا آفاقی پیغام پہنچا تو اُن کی بے چین روحوں نے فوراً لبیک کہتے ہوئے اسلام قبول کر لیا اور پھر ان کی نسلیں صدیوں تک اسلام کی وفادار رہیں۔ جنہوں نے اسلام قبول نہ کیا انہیں بھی مکمل مذہبی آزادی دی گئی، اور ان کی عبادت گاہوں کو مکمل تحفظ دیا گیا۔ جن علاقوں کو محمد بن قاسم نے فتح کیا تھا وہ آج بھی مسلم اکثریت کے علاقے ہیں۔ ہندوستان کی تاریخ کے کسی دور میں بھی یہاں مسلمان آبادی میں کمی نہیں آئی۔ یہ علاقے صوفیاء کرام کی توجہ کا خصوصی مرکز رہے۔ سندھ اور ملتان میں صوفیاء نے تبلیغ اسلام کے ذریعے اسلام کا سرمدی پیغام لوگوں کے دلوں میں راسخ کیا۔ ملتان تو آج بھی مدینۃ الاولیاء کہلاتا ہے۔ سندھ کے لوگ محمد بن قاسم کے اخلاق سے خاص طور پر متاثر ہوئے۔ اس نوجوان مسلم جرنیل نے نہ صرف اس علاقے کی زمین کو فتح کیا بلکہ یہاں کے رہنے والوں کے دل بھی جیت لیے۔ محمد بن قاسم اپنے عدل و

Marfat.com

انصاف اور رواداری کی وجہ سے سندھ میں بہت مقبول ہو چکا تھا۔لہٰذا جب سلیمان بن عبدالملک کے حکم پر اُسے گرفتار کر کے واپس بھیجا گیا تو یہاں کے لوگ اس صدمے کی وجہ سے رونے لگے اور شہر کیرج میں اس کی مورتیاں بنائی گئیں۔(۱۲)

مسلم تاریخ کے اس اہم موڑ پر جب ایک طرف مغرب میں موسیٰ بن نصیر اور طارق بن زیاد اہم فتوحات حاصل کر رہے تھے اور دوسری طرف قتیبہ بن مسلم اور محمد بن قاسم مشرق میں کامیابیوں کے پرچم لہرا رہے تھے، اُموی حکمرانوں کے سیاسی اختلافات کی وجہ سے مسلمانوں پر ان کامیابیوں اور کامرانیوں کے دروازے طویل مدت کے لیے بند ہو گئے۔

حوالہ جات وحواشی

(۱) تاریخ طبری، طبری، ابن جریر مترجم محمد ابراہیم ندوی نفیس اکیڈمی، کراچی، ج ۵، ص ۴۷۴، ۱۹۸۴ء

(۲) اردو دائرہ معارف اسلامیہ، محمد عبداللہ، سید، ڈاکٹر، پنجاب یونیورسٹی، لاہور، ج ۱۹، ص ۳۴۶

(۳) بعض مورخین کے نزدیک سندھ کا موجودہ شہر بھنبھور ہی دیبل ہے۔ جو کہ کراچی اور ٹھٹھہ کے درمیان واقع ہے۔ اٹلس فتوحات اسلامیہ، دارالسلام لاہور، ص ۲۷۱

(۴) مذکورہ بالا حوالہ، ص ۴۵۷

(۵) تاریخ ملت، میرٹھی، زین العابدین، شہابی، انتظام اللہ، ادارہ اسلامیات، لاہور، ج ا، ص ۶۰۳، ۱۹۹۱ء

(۶) اردو دائرہ معارف اسلامیہ، محمد عبداللہ، سید، ڈاکٹر، پنجاب یونیورسٹی، لاہور، ج ۱۹، ص ۲۴۷

(۷) تاریخ ملت، میرٹھی، زین العابدین، شہابی، انتظام اللہ، ادارہ اسلامیات، لاہور، ج ا، ص ۶۰۲، ۱۹۹۱ء

(۸) تاریخ اسلام، ندوی، معین الدین احمد، المیزان ناشران، لاہور، ص ۳۶۵

(۹) مذکورہ بالا حوالہ، ص ۳۶۸

(۱۰)A History of Medieval Islam, Page 89, J.J.Saunders, Routledge and Kegan Paul, LONDON.

(۱۱) اردو دائرہ معارف اسلامیہ، محمد عبداللہ، سید، ڈاکٹر، پنجاب یونیورسٹی، لاہور، ج ۱۹، ص ۳۴۷

(۱۲) مذکورہ بالا حوالہ، ص ۳۴۸

Marfat.com

عظیم جرنیلوں سے بدسلوکی

شہادتِ عثمانؓ کے بعد مسلمان داخلی انتشار کا شکار ہو گئے اور فتوحات کا سلسلہ رک گیا۔ امیر معاویہؓ نے استحکامِ حکومت کے بعد فتوحات کے اس سلسلہ کو دوبارہ شروع کیا، بحری بیڑہ کو مضبوط بنایا اور قسطنطنیہ پر حملہ آور ہونے کے لیے بھی ایک لشکر روانہ کیا۔ آپؓ نے اپنے بعد اپنے بیٹے یزید کو جانشین مقرر کیا جس کی وجہ سے ایک بار پھر مسلمانوں کا امن وسکون تباہ ہو گیا اور خانہ جنگی شروع ہو گئی۔ عبداللہ بن زبیرؓ کی شہادت کے بعد عبدالملک بن مروان نے بنواُمیہ کی حکومت کو مضبوط بنیادوں پر استوار کیا۔

عبدالملک بن مروان کے بعد اس کا بیٹا ولید بن عبدالملک سریر آرائے سلطنت ہوا۔ اس کے دور میں ایک بار پھر عہدِ فاروقیؓ کی یاد تازہ ہونے لگی۔ سلطنت کا امن وسکون لوٹ آیا۔ بادِ سموم کے جھونکوں سے سوختہ گلشن پر بہار آنے لگی۔ جہادی جذبہ پھر بیدار ہوا۔ موسیٰ بن نُصیر، طارق بن زیاد، قتیبہ بن مسلم اور محمد بن قاسم نے عبقریت اور شجاعت سے جزیرہ نمائے اندلس، ماوراالنہر، ترکستان، کاشغر اور سندھ تک کے علاقوں پر اسلامی پرچم لہرایا۔ شومئی قسمت کہ اموی حکمرانوں کے باہمی اختلافات اور حسد و رقابت نے فتوحاتِ اسلامی کے اس بلند ہوتے آفتاب کو گہنا دیا۔ پھولوں کی سیج کے لائق ان مجاہدین کو خارِ مغیلاں پر لٹایا گیا۔ اُن کو قدر و منزلت دینے کی بجائے ذلت کا طوق پہنایا گیا۔ ان نامور فاتحین کے ساتھ اس ذلت آمیز سلوک کے بعد ایک بار پھر فتوحاتِ اسلامی کا سلسلہ رک گیا۔ ذیل میں ہم ان نامور مسلم جرنیلوں کے ساتھ بدسلوکی کے اسباب اور نتائج کا تجزیہ کرتے ہیں۔

عبدالملک بن مروان نے حکومت کے تمام مخالف عناصر کی بیخ کنی اور اندرونی خلفشار کا خاتمہ کرنے کے بعد چند ایک اصلاحات کیں جس سے امن و استحکام قائم ہوا۔ ولید بن عبدلملک کا دور ملکی استحکام کے لحاظ سے بہترین دور تھا۔ یہ اس کی خوش قسمتی تھی کہ اسے بہترین جرنیل اور سپہ سالار مل گئے۔ جس کی وجہ سے اسلامی حکومت کی سرحدیں سندھ، اندلس، چین اور یورپ تک پہنچ گئیں۔ ولید بن عبدالملک کے دور میں قتیبہ بن مسلم خراسان کا والی مقرر ہوا تو اس نے ایک بہادر جرنیل کی طرح ان

Marfat.com

علاقوں میں فتوحات کا سلسلہ شروع کیا۔قتیبہ نے ترکستان کے حکمرانوں کی نااتفاقی کا فائدہ اٹھاتے ہوئے بہت سے حکمرانوں کو اپنا مطیع اور فرمانبردار بنالیا۔باذغیس کے حکمران نیزک نے اپنے علاقے کو محفوظ رکھنے کے لیے قتیبہ سے صلح کرلی اور ترکستان کے معرکوں میں اس کا معاون بن گیا۔قتیبہ نے اس کی مدد سے بخارا فتح کیا۔کچھ عرصہ بعد نیزک باغی ہوگیا۔اس نے آس پاس کے حکمرانوں کو اپنے ساتھ ملا کر بغاوت کردی۔قتیبہ نے نہایت بہادری کے ساتھ اس بغاوت کو کنٹرول کیا۔کچھ عرصہ بعد قتیبہ نے خوارزم فتح کرلیا۔وہاں کے بادشاہ نے خراج دینے کا وعدہ کیا اور اطاعت کا اقرار کیا۔قتیبہ نے اس کا ملک اسے واپس لوٹا دیا۔

قتیبہ کی فتوحات میں سمرقند کی فتح خصوصی اہمیت کی حامل ہے۔اہلِ سمرقند بُت پرست تھے ان کا عقیدہ تھا کہ ان کے بعض دیوتا ایسے ہیں جن کو ہاتھ لگانے والا ہلاک ہوجائے گا۔اُن کے اس وہم کو دور کرنے کے لیے قتیبہ نے اُن بتوں کو نذرِ آتش کردیا۔جب اس سے مسلمانوں کو کوئی گزند نہ پہنچا تو بہت سے بُت پرست دائرہ اسلام میں داخل ہوگئے۔(۱)

مسلمانوں کے مقابلے میں خاقانِ چین نے اہلِ سمرقند کی مدد کی تھی، اس لیے سمرقند کی تسخیر کے بعد قتیبہ اس طرف متوجہ ہوا۔خاقان نے پہلے تو دھمکیوں اور گیدڑ بھبکیوں سے کام چلانا چاہا۔لیکن جب اُسے قتیبہ کا یہ پیغام ملا کہ جب تک اپنے پیروں سے تمہاری زمین کو پامال کر کے جزیہ وصول نہ کرلوں ہرگز واپس نہیں جاؤں گا۔خاقان نے مسلمانوں سے صلح میں عافیت سمجھی، چنانچہ اس نے جزیہ دے کر قتیبہ سے صلح کرلی۔

قتیبہ بن مسلم کے گورنرِ عراق حجاج بن یوسف کے ساتھ بہت اچھے تعلقات تھے۔ولید بن عبدالملک کے دور میں حجاج اور اس کے دیگر ساتھیوں کی بہت زیادہ عزت افزائی ہوئی تھی۔جب ولید نے اپنے بھائی سلیمان کو جانشینی سے ہٹا کر اپنے بیٹے عبدالعزیز کو اپنا ولی عہد بنانا چاہا تو اعیان وارکانِ دولت سے مل کر خفیہ طور پر سازش شروع کی۔زیادہ تر نے اس کی مخالفت کی، لیکن قتیبہ عبدالعزیز کو ولی عہد بنانے کے لیے رضامند ہوگیا۔اس لیے ولید کے مرنے کے بعد جب سلیمان کا عہد شروع ہوا تو اسی وقت سے قتیبہ کو سلیمان کی جانب سے کھٹکا لگا ہوا تھا۔(۲) اُسے خدشہ تھا کہ اس کی خدمات کا صلہ دینے کی بجائے سلیمان اسے خراسان کی ولایت سے معزول کر کے اس کے حریف یزید بن مہلب کو والی مقرر

Marfat.com

کرے گا۔سلیمان بن عبدالملک نے بھی اس کے خدشات دور کرنے کی کوشش نہ کی۔اس طرح دونوں کے درمیان غلط فہمیاں بڑھتی چلی گئیں۔شدید اعصابی دباؤ کے باعث قتیبہ نے خراسان میں علمِ بغاوت بلند کر دیا،لیکن اس کی فوج نے اس بغاوت میں اس کا ساتھ نہ دیا۔اس بغاوت کی وجہ سے اس کی فوج دو حصوں میں منقسم ہوگئی۔دونوں گروہوں کے درمیان خون ریز جنگ ہوئی۔قتیبہ قتل ہوگیا۔اس کا سر قلم کر کے سلیمان کے پاس بھجوا دیا گیا۔اس طرح وسطِ ایشیاء کے اس عظیم فاتح کا یہ عبرتناک انجام ہوا۔

ولید بن عبدالملک کے دور میں موسیٰ بن نصیر شمالی افریقہ کا گورنر تھا۔اس نے یہاں کا نظم ونسق بڑے احسن طریقے سے چلایا۔موسیٰ نے اپنے آزاد کردہ غلام طارق بن زیاد کو اندلس پر حملہ کرنے کا حکم دیا۔اور پھر خود بھی طارق کی مدد کے لیے اندلس پہنچا اور قرمونہ،اشبیلہ اور ماردہ کے علاقے فتح کیے۔موسیٰ ابھی تک طارق کیساتھ مل کر اندلس کے دیگر علاقوں اور فرانس کی فتح کے لیے مہمات میں مصروف تھا کہ اسے ولید بن عبدالملک کی طرف سے واپسی کے احکامات موصول ہوئے۔موسیٰ بن نصیر نے طارق کو ساتھ لیا اور دمشق کی طرف عازمِ سفر ہوا۔

دمشق کی سیاست میں خاصی گرمی آ چکی تھی،خود ولید مرض الموت میں مبتلا تھا۔وہ اپنے بھائی سلیمان کی بجائے اپنے بیٹے عبدالعزیز کو اپنا جانشین بنانے کی ناکام کوشش کر چکا تھا۔سلیمان بن عبد الملک اپنے بھائی ولید کی وفات کا منتظر تھا۔جب اسے موسیٰ بن نصیر کی آمد کی اطلاع پہنچی تو اس نے موسیٰ کی طرف پیغام بھجوایا کہ امیر المومنین بستر مرگ پر ہیں۔تم ایسی رفتار سے سفر کرو کہ جب ان کی وفات کے بعد میں تخت نشین ہو جاؤں تو تم دمشق میں فاتحانہ داخل ہو۔اس بات سے سلیمان کا مقصد یہ تھا کہ اس طرح نہ صرف یہ اس کے دورِ خلافت کے لیے اچھا شگون ہوگا بلکہ اندلس کی بے کراں دولت اور مژدۂ فتح بھی اس کے دور خلافت کا کارنامہ شمار ہوگا۔لیکن موسیٰ بن نصیر، جلد از جلد ولید بن عبدالملک کو اپنی کارگزاری دکھانا چاہتا تھا،چنانچہ وہ سلیمان کے حکم کو نظر انداز کرتے ہوئے ولید کی زندگی میں ہی دمشق پہنچ گیا۔ولید اگرچہ بستر مرگ پر تھا۔تاہم وہ موسیٰ کی آمد سے بہت مسرور ہوا،اس کی قدر افزائی کی اور انعام واکرام سے نوازا۔اسی بات سے سلیمان کو اس سے رنجشِ قلبی پیدا ہوگئی۔چند دنوں کے بعد ولید کا انتقال ہوگیا اور سلیمان تخت نشین ہوا تو اس کے عتاب کا پہلا نشانہ موسیٰ بن نصیر بنا۔سلیمان نے اس کی تحقیر کی۔اس کی ساری جائیداد ضبط کر کے اس پر بھاری تاوان عائد کر دیا۔موسیٰ میں اتنی بڑی رقم کی

Marfat.com

ادائیگی کی سکت نہ تھی۔اس نے اپنی حیات کے آخری ایام انتہائی کسمپرسی کی حالت میں گزارے اور چند ہی دنوں کے بعد اسی بدحالی کی حالت میں موت کی آغوش میں چلا گیا۔

شمالی افریقہ کے گورنر، اتنے بڑے فاتح، منتظم اور مدبّر شخصیت کے ساتھ اس قدر گھٹیا سلوک سلیمان بن عبدالملک کو کسی طور بھی زیب نہ دیتا تھا اور پھر وہ بھی محض اپنی ذاتی انا کی تسکین کے لیے!اگر سلیمان' موسیٰ کی عزت وتوقیر کرتا اور اس کے تجربے سے فائدہ اٹھاتے ہوئے دوبارہ یورپ پر فوج کشی کرتا تو یقیناً بہت جلد فرانس اور یورپ کے گرجہ گھروں میں گھنٹیوں اور باجوں کی بجائے اللہ اکبر کی صدائیں بلند ہو رہی ہوتیں۔سلیمان بن عبدالملک نے موسیٰ کے تربیت یافتہ سپہ سالار، فاتح اندلس طارق بن زیاد کے ساتھ بھی کوئی اچھا سلوک نہ کیا۔بجائے اس کے کہ اس کی قدردانی کرتے ہوئے اُسے اندلس یا مراکش کی حکومت دی جاتی، اسے کچھ پنشن دے کر شام کے کسی علاقے میں گمنامی کی زندگی گزارنے پر مجبور کر دیا گیا۔(۳)

Sulaiman's treatment of Musa and Tarick, the conquerors of Spain,seem inexplicable, as both of them were Yemenites,and enjoyed the confidence of the favourite yezid. To the undying disgrace of the sovereign these two notable men were allowed to die in want. (4)

"سلیمان کا طارق اور موسیٰ جیسے فاتحینِ اندلس کے ساتھ سلوک سمجھ سے بالاتر دکھائی دیتا ہے۔ جیسا کہ یہ دونوں یمنی تھے اور یزید کے بااعتماد لوگوں میں شامل رہے تھے۔حکومت وقت کی تاابد ہونے والی تذلیل ہوئی کیونکہ ان دو قابل ذکر اشخاص کو کسمپرسی کی حالت میں مرنے کے لیے چھوڑ دیا گیا۔"

موسیٰ و طارق سے بھی زیادہ بُرا سلوک فاتح سندھ اور جوان رعنا محمد بن قاسم کے ساتھ کیا گیا۔ سلیمان بن عبدالملک کو حجاج کے ساتھ پُرخاش تھی۔حجاج تو ولید کے زمانے میں ہی انتقال کر گیا۔ سلیمان نے حجاج سے نفرت کی بناء پر اس کے رشتہ داروں کے ساتھ انتہائی بہیمانہ سلوک کیا۔محمد بن قاسم بڑا صالح نوجوان تھا۔اس نے سندھ فتح کیا۔وہاں اچھے انتظامات قائم کیے۔عادلانہ نظام حکومت قائم کیا۔لیکن چونکہ وہ حجاج کا بھتیجا تھا اس لیے اس کے عتاب سے نہ بچ سکا۔(۵)

Marfat.com

ولید بن عبدالملک اپنے بھائی سلیمان کو خلافت سے محروم کر کے اپنے بعد اپنے بیٹے عبدالعزیز کو خلیفہ بنانا چاہتا تھا، ولید کی اس خواہش کی تکمیل کے لیے حجاج بن یوسف نے اس کی پوری طرح حمایت کی اور اپنے بھتیجے محمد بن قاسم کو بھی لکھا کہ سلیمان کی بیعت ترک کر دی جائے۔ یہ کوشش کامیاب نہ ہو سکی، کیونکہ حجاج ۹۵ھ میں مر گیا اور اس کے بعد خلیفہ ولید بن عبدالملک بھی جمادی الآخر ۹۶ھ میں فوت ہو گیا۔ اب سلیمان نے ولید کے تمام حامیوں سے انتقام لینے کی ٹھان لی، اور حجاج کے بدلے محمد بن قاسم کو ولید کی طرفداری کا خمیازہ بھگتنا پڑا۔(۶)

> Hajjaj being dead, Sulaiman's vengeance fell on his protegees Kutaiba and Mohammad b.Kasim. Kutaiba withdrew from Turkestan to his headquarters at Merv in Khurasan, tried to start a revolt against the new caliph, failed and perished. Mohammad was deprived of his command, accused of various offences, and executed. The Muslim offensive in Asia came to a halt. (7)

"حجاج کی موت کے بعد سلیمان کا قہر اس کے حامیوں قتیبہ اور محمد بن قاسم پر گرا۔ قطیبہ ترکستان چھوڑ کر خراسان میں اپنے پایہ تخت مرو واپس آ گیا اور نئے خلیفہ (سلیمان) کے خلاف بغاوت کرنا چاہی، لیکن ناکام ہوا اور مارا گیا۔ محمد بن قاسم سے کمان واپس لے لی گئی، اس پر سنگین الزامات لگائے گئے اور بعد ازاں وہ بھی قتل کر دیا گیا۔ اس طرح ایشیاء میں مسلمانوں کے جارحانہ حملے رک گئے۔"

اس بات کا کوئی واضح ثبوت نہیں ملتا کہ سلیمان کو تخت نشینی سے محروم کرنے میں محمد بن قاسم نے بھی کوئی کردار ادا کیا تھا یا نہیں۔ محض حجاج کا بھتیجا ہونے کی بناء پر اسے معزول کیا گیا اور گرفتار کر کے عراق بھیج دیا گیا۔ جہاں اسے شہر واسط کی جیل میں قید کر دیا گیا، وہاں کا حاکم صالح بن عبدالرحمان تھا' جس کے بھائی کو حجاج بن یوسف نے قتل کروایا تھا۔ اس لیے وہ حجاج کا سخت دشمن تھا، چنانچہ اس نے حجاج سے دشمنی کی بناء پر اس کے بھتیجے محمد بن قاسم کو قید خانے میں اذیتیں دے دے کر ہلاک کر دیا۔(۸)

موسیٰ بن نُصیر، طارق بن زیاد اور محمد بن قاسم آسمانِ بسالت کے وہ درخشندہ ستارے تھے، جن

Marfat.com

کے اخلاق و کردار کی روشنی سے ان کے مفتوحہ علاقوں کا ذرّہ ذرّہ جگمگا اٹھا۔ ابھی ان کے تجربے، قائدانہ صلاحیتوں اور شجاعت و بہادری سے بھرپور فائدہ اٹھایا جا سکتا تھا۔ ان عظیم جرنیلوں کی بدولت جو فتوحات حاصل ہو رہی تھیں ان کا نقشہ کھینچتے ہوئے J.J.Saunders لکھتا ہے۔

Everywhere the Muslim armies were advancing, with kingdom after kingdom falling before them. Dreams of universal empire filled the minds of their leaders. Hajjaj is said to have promised the governorship of China to either Qutaiba or Mohammad b.Qasim, whichever of the two first set foot in the country, while Musa b.Nusair is credited with a plan for the total subversion of Christian Europe, involving the overthrow of the Byzantine Empire and the kingdoms of the Franks and Lombards. Neither Alexander nor the Romans had conceived of world conquest on such a scale. (9)

"مسلمان فوجیں ہر جگہ بڑھ رہی تھیں۔ ان کے سامنے سلطنتوں کی سلطنتیں گھٹنے ٹیک رہی تھیں۔ عالمگیر فرمانروائی کا خواب مسلمان قائدین کی آنکھوں میں جگمگا رہا تھا۔ حجاج یہ وعدہ تک کر چکا تھا کہ قتیبہ اور محمد بن قاسم میں سے جو بھی پہلے چین کو فتح کرے گا اس کی گورنری اسے دے دی جائے گی، جبکہ (دوسری طرف) موسیٰ بن نصیر کے سر اس منصوبے کا سہرا بندھتا ہے جس نے عیسائی یورپ میں الٹ پلٹ کی، جس میں بازنطینی حکومت، سلطنت فرانس اور Lombards کی سلطنت بھی شامل تھی۔ نہ ہی سکندر اعظم نے اور نہ ہی رومیوں نے اتنے وسیع پیمانے پر دنیا کو فتح کیا۔"

سلیمان بن عبدالملک کی طرف سے ان عظیم جرنیلوں کی بے توقیری کے بعد وسطِ ایشیا، یورپ اور برِصغیر میں مسلمانوں کے بڑھتے ہوئے قدم رک گئے اور پھر بنواُمیہ کے پورے دورِ خلافت میں فتوحات کا یہ سنہری زمانہ لوٹ کر نہ آیا۔

Marfat.com

حوالہ جات وحواشی

(۱) تاریخ اسلام، ندوی، معین الدین احمد، المیزان ناشران، لاہور، ص ۳۶۰

(۲) تاریخ طبری، طبری، ابن جریر، مترجم محمد ابراہیم ندوی، نفیس اکیڈمی، کراچی، ج ۵، ص ۴۸۵، ۱۹۸۴ء

(۳) تاریخ اسلام، نجیب آبادی، اکبرشاہ، فرید بک ڈپو، دہلی، ج ۳، ص ۳۸

(۴) A Short History of the Saracens, Page 122, Syed Ameer Ali, Islamic Book Service, LAHORE.

(۵) تاریخ اسلام، ندوی، معین الدین احمد، المیزان ناشران، لاہور، ص ۳۸۶

(۶) اٹلس فتوحات اسلامیہ، دارالسلام، لاہور، ص ۴۵۸

(۷) A History of Medieval Islam, Page 90, J.J.Saunders, Routledge and Kegan Paul, LONDON, 1965.

(۸) اردو دائرہ معارف اسلامیہ، محمد عبداللہ، سید، ڈاکٹر، پنجاب یونیورسٹی، لاہور، ج ۱۹، ص ۳۴۷

(۹) A History of Medieval Islam, Page 89-90, J.J.Saunders, Routledge and Kegan Paul, LONDON, 1965.

Marfat.com

جنگِ ٹورس ۱۱۴ھ / ۷۳۲ء

مسلمانوں نے موسیٰ بن نُصیر اور طارق بن زیاد کی قیادت میں سرزمینِ اندلس پر فتح وکامرانی کے پرچم لہرائے۔ اندلس کے شمال مشرقی حصہ کے زیرنگیں ہو جانے کے بعد موسیٰ کا ارادہ فرانس کو فتح کرنے کے بعد یورپ سے ہوتے ہوئے قسطنطنیہ تک پہنچنے کا تھا۔ اپنے اس ارادہ کی تکمیل کے لئے موسیٰ نے جنوبی فرانس کی طرف پیش قدمی کی اور نمایاں کامیابی حاصل کی۔ سب سے پہلے جنوبی فرانس کا اہم شہر اربونہ (Narbonne) پر مسلمانوں کا قبضہ ہوا۔ اس کے بعد لودون اور اوینون (Avignon) بھی مسلمانوں کے زیرتسلّط آ گئے۔

مسلمانوں کے قدم جس تیزی کے ساتھ یورپ کے قلب کی طرف بڑھ رہے تھے اس سے پورے یورپ میں ہلچل مچ گئی۔ تمام یورپی طاقتیں اکٹھی ہوئیں اور مسلمانوں کے خلاف متفقہ مزاحمت کا فیصلہ کیا۔ لیکن حقیقتاً تمام عیسائی حکمران اپنے اپنے علاقوں کے دفاع کی فکر میں تھے، اور ایک دوسرے کے ساتھ مخلص نہ تھے۔ فرانس میں سب سے زیادہ فکرمند پیپن آف ہرسٹل تھا۔ اس نے مسلمانوں سے اربونہ واپس لینے کے لیے اس کا محاصرہ کیا، لیکن مسلمانوں کے مقابلے میں ٹھہر نہ سکا، اور بے نیلِ مرام واپس لوٹ گیا۔

موسیٰ بن نصیر نے مسلمانوں کو فرانس میں فتوحات کا راستہ دکھا دیا تھا۔ فرانس پر حملہ کی دوبارہ باقاعدہ کوشش امیر السمح بن مالک نے کی۔ ان کی قیادت میں مسلمان جنوبی فرانس کے علاقے سپٹیمانیہ (Septemania) کے پایہ تخت اربونہ پہنچے۔ مسلمان اس شہر کو پہلے موسیٰ کی قیادت میں بھی فتح کر چکے تھے، لیکن اس کے کچھ ہی عرصہ کے بعد عیسائیوں نے اسے مسلمانوں سے چھین لیا۔ امیر السمح نے بڑی آسانی کے ساتھ ۷۱۹ء میں اسے دوبارہ فتح کر لیا۔ اس کے بعد بھی عیسائیوں نے اس شہر کو واپس لینے کی کئی بار سنجیدہ کوششیں کیں لیکن ہر بار ناکام رہے۔ یہ علاقہ ۷۹۷ء تک مسلمانوں کے پاس رہا۔(۱)

Marfat.com

مسلمانوں کے بڑھتے ہوئے سیلاب کے آگے بند باندھنے کے لیے ڈیوک آف ایکوٹین (Duke of Aquitaine) نے اردگرد کے حکمرانوں سے اتحاد کرلیا اور مسلمانوں کو فرانس سے نکال باہر کرنے کی تدابیر کرنے لگا۔ امیر السمح بھی ایکوٹانیہ کی بڑھتی ہوئی فوجی قوت سے آگاہ تھے۔ چنانچہ انہوں نے عیسائیوں کا زور توڑنے کے لیے ایکوٹانیہ کے پایۂ تخت طلوشہ Toulouse کا محاصرہ کرلیا۔ اہلِ شہر کی طرف سے مزاحمت کی جاتی رہی، مسلمانوں کی طرف سے سخت محاصرہ کی وجہ سے عین ممکن تھا کہ اہلِ شہر ہتھیار ڈال دیتے، لیکن ڈیوک آف ایکوٹین جو کسی مہم سے واپس آرہا تھا، طلوشہ پہنچ گیا۔ جب ڈیوک نے مسلمانوں کی فوج کو شہر کا محاصرہ کیے دیکھا تو اس نے عقب سے شدید حملہ کردیا۔ مسلمانوں نے ڈٹ کر دشمن کا مقابلہ کیا، لیکن عقب سے حملہ کی وجہ سے وہ بدنظمی کا شکار ہوگئے۔ بہت سے مسلمان لڑتے ہوئے شہید ہوئے، شہداء میں امیر السمح بھی شامل تھے۔

امیر السمح کی شہادت کے بعد مشہور مسلم جرنیل عبدالرحمان بن عبداللہ غافقی نے آگے بڑھ کر فوج کی کمان سنبھالی اور نہایت استقلال اور ہوشیاری کے ساتھ فوج کو دشمن کے نرغے سے نکالا۔ ۷۲۱ء میں ہونے والی اس لڑائی میں اگرچہ مسلمانوں کا بہت زیادہ نقصان ہوا اور امیر السمح بھی شہید ہوئے، لیکن ان کی شہادت کے بعد عبدالرحمان غافقی نے جس جانثاری و جانسپاری کا مظاہرہ کیا اس سے مسلمانوں کو ایک اور بہادر جرنیل میسر آگیا۔

امیر اندلس عنبسہ نے داخلی معاملات حل کرنے کے بعد طلوشہ میں امیر السمح کی شہادت کا بدلہ لینے کا فیصلہ کیا۔ امیر السمح نے اربونہ کو فتح کرنے کے بعد سپٹیمانیہ کے باقی علاقوں کو ویسے ہی چھوڑ دیا تھا اور ایکوٹانیہ کے دارالخلافہ طلوشہ کی طرف بڑھ گئے تھے، لیکن امیر عنبسہ نے اس سے مختلف حکمتِ عملی اختیار کرتے ہوئے پورے سپٹیمانیہ کو زیر کرنے کا فیصلہ کیا۔ عنبسہ ایک بڑی فوج کے ساتھ سپٹیمانیہ کے دوسرے اہم شہر قرقشونہ پر حملہ آور ہوئے۔ اہلِ شہر نے صلح کی درخواست کی۔ اس طرح صلح کی شرائط پر اربونہ کے بعد قرقشونہ بھی مسلمانوں کے زیرِ نگیں آگیا۔ امیر عنبسہ نے ۷۲۵ء میں صوبہ برگندی کے اہم شہر اوٹن (Autun) کو بھی فتح کرلیا، لیکن اسی مہم سے واپسی پر عیسائی فوج سے ایک جھڑپ میں امیر عنبسہ بھی شہید ہوگئے۔

فرانس میں مسلمانوں کے دو عظیم جرنیلوں امیر السمح اور امیر عنبسہ کی شہادت کے بعد اب مسلمان

Marfat.com

ہر قیمت پر پورے فرانس کو فتح کرنا چاہتے تھے، تاکہ اپنے ان عظیم جرنیلوں کے خواب کو تعبیر دے سکیں۔ جنگ طلوشہ میں امیر السمح کی شہادت کے بعد عبدالرحمان بن عبداللہ غافقی میدان جنگ میں کمال شجاعت کا مظاہرہ کرتے ہوئے فوج کو دشمن کے نرغے سے بچا کر لے آئے تھے۔ تب سے مسلمانوں میں عبدالرحمان کا بہت احترام تھا۔ ۷۳۰ء میں عبدالرحمان جب امیر اندلس مقرر ہوئے تو ان کی سب سے بڑی خواہش پورے فرانس کی تسخیر تھی۔ اس کے لیے انہوں نے اہل اندلس کو نفسیاتی طور پر تیار کیا۔ فوج اور سرمایہ کی فراہمی کے لیے مختلف صوبوں کے عاملوں کو پابند کیا کہ وہ فوجی ضروریات کی تکمیل کے لیے ہر ممکن تعاون فراہم کریں۔ جب ڈیوک آف ایکوٹین کو امیر عبدالرحمان کی جنگی تیاریوں کا علم ہوا تو اس نے اندلس کے شمال مشرقی صوبہ کے والی عثمان بن ابی نسعہ کے ساتھ اتحاد کر لیا۔ عثمان بن ابی نسعہ پہلے ہی امیر عبدالرحمان کے خلاف دل میں خار رکھتا تھا۔ امیر کی کامیابیوں کی صورت میں اسے اپنا اقتدار خطرے میں دکھائی دیتا تھا۔ اس لیے اس نے امیر کے خلاف بغاوت کا فیصلہ کیا۔

The Moslem governer of Cerdagne, on the other side of the pyrenees, called Munuza by the christian writers of the time, but whose real name was Osman bn Abu Nessa, or Abu Neza, had married the beautiful Lampegie, daughter of Eudes, the Duke of Aquitaine, and entered into a defensive and offensive alliance with him. In concert with his father-in-law he raised the standard of revolt. (2)

" کوہ پائرنیز کی دوسری طرف Cerdangne کے مسلمان گورنر نے، جسے اس دور کے عیسائی مصنّفین Munuza کے نام سے پکارتے تھے مگر جس کا اصل نام عثمان بن ابی نسعہ یا ابی نضاء تھا، نے ڈیوک آف ایکوٹین ایوڈیس کی خوبرو بیٹی Lampegie سے شادی کر رکھی تھی اور ڈیوک کے ساتھ جارحانہ اور مدافعانہ اتحاد بنا رکھا تھا۔ اپنے سسر کے ساتھ مل کر اس نے علمِ بغاوت بلند کر دیا۔"

ڈیوک آف ایکوٹین (Duke of Aquitaine) نے عثمان کے ہاتھ مضبوط کرنے کے لیے اُسے ہر ممکن تعاون کا یقین دلایا اور اتحاد کو مزید پائیدار بنانے کے لئے اپنی خوب رو اور جواں سال بیٹی کو

Marfat.com

عثمان کے نکاح میں دے دیا۔امیر عبدالرحمان نے اپنے ایک فوجی افسر ابن زیان کو اس کی سرکوبی کے لیے روانہ کیا۔عثمان مقابلہ نہ کرسکا اور لڑائی میں مارا گیا۔امیر عبدالرحمان اس بغاوت کا اصل ذمہ دار ڈیوک آف ایکوٹین کو سمجھتا تھا، جس نے عثمان بن ابی نسعہ کو اس پر آمادہ کیا تھا۔ویسے بھی امیر عبدالرحمان جنگِ طلوشہ میں ڈیوک کے ہاتھوں مسلمانوں کی شکست اور امیر السمح کی شہادت کو نہیں بھولا تھا۔چنانچہ اس نے ڈیوک کو عبرتناک شکست دینے کے لیے فرانس پر چڑھائی کا فیصلہ کیا۔

کوہ پائرینز عبور کرنے کے بعد امیر غافقی نے پہلے سے مفتوحہ شہر ارل کو دوبارہ فتح کیا۔ڈیوک آف ایکوٹین دریائے گیرون (Garonne) کے کنارے ایک بڑی فوج کے ساتھ خیمہ زن تھا۔وہ مسلمانوں کو جنگِ طلوشہ میں شکست دے چکا تھا اس لیے اس کے حوصلے بلند تھے۔لیکن مسلمان جنگِ طلوشہ کی نسبت اب کہیں زیادہ طاقتور تھے۔جنگِ طلوشہ میں مسلمانوں کی زیادہ تر فوج پیدل (Infantry) تھی۔اوران پر ڈیوک نے عقب سے حملہ کیا تھا۔لیکن اب مسلمانوں کی فوج میں گھڑسوار (Cavalry) تربیت یافتہ دستے بھی شامل تھے اور مقابلے کے لیے بھی کھلا میدان تھا۔دونوں فوجوں کے درمیان سخت معرکہ شروع ہوا۔مسلمان جنگِ طلوشہ کا بدلہ لینے کے لیے جی توڑ کر لڑے۔جلد ہی عیسائیوں پر کمزوری کے آثار دکھائی دینے لگے۔ڈیوک میدان میں قائم نہ رہ سکا اور اپنی فوج کے ساتھ پسپا ہو گیا۔امیر غافقی پیش قدمی کرتے ہوئے فرانسیسی بندرگاہ بورڈو (Bordeux) پہنچے۔یہ شہر غلہ کی بہت بڑی منڈی تھا۔ایکوٹین کے تمام غذائی ذخائر یہیں پر جمع تھے۔مسلمانوں نے آسانی کے ساتھ شہر پر قبضہ کرلیا۔مسلمانوں نے گیارہ سال بعد ڈیوک سے امیر السمح کا بدلہ لے لیا تھا۔مسلمانوں سے عبرتناک شکست کھانے کے بعد ڈیوک نے اپنے حریف فرانسیسیوں سے مدد مانگنے کا فیصلہ کیا۔فرانسیسیوں کی سلطنت آسٹریزیا اور نیوسٹریا (Austrasia & Neustria) کے علاقوں پر مشتمل تھی۔جس کا سارا کنٹرول چارلس مارٹل (Charles Martel) کے ہاتھ میں تھا۔

"یوں تو اس زمانے میں آسٹریزیا اور نیوسٹریا کے تخت پر میروونجی خاندان کا تھیری چہارم برائے نام بادشاہ تھا۔لیکن سلطنت کے سیاہ وسفید کا مالک اس زمانے کا ہیرو چارلس مارٹل ہی تھا۔"(۳)

Eudes appealed to the Franks for assistance, which Charles Martal only granted after Eudas agreed to submit to

Marfat.com

Frankish Authority. (4)

"ایوڈیس نے مدد کے لیے فرانسیسیوں سے اپیل کی جو چارلس مارٹل نے اس وقت دی جب ایوڈیس فرانسیسی حاکمیت کے تابع ہونے پر رضامند ہوگیا۔"

ڈیوک آف ایکوٹین اور چارلس مارٹل ایک دوسرے کے سخت حریف ہونے کے باوجود مسلمانوں کا مقابلہ کرنے کے لیے متحد ہو گئے۔ چارلس مارٹل نے جرمن اور فرانسیسی جنگجوؤں پر مشتمل فوج تیار کی اور مسلمانوں کا انتظار کرنے لگا۔ مسلمان امیر عبدالرحمان غافقی کی قیادت میں تیزی سے ٹورس کی طرف بڑھ رہے تھے۔ ٹورس اور پائیٹرس کے درمیان عیسائیوں کا مقدس کلیسائے مارٹن تھا۔ وہاں پر عیسائیوں کا بہت زیادہ خزانہ رکھا ہوا تھا۔ چارلس مارٹل نے اس خزانہ کی حفاظت کا خیال کرتے ہوئے مسلمانوں کی طرف پیش قدمی کی۔ اس نے عام راستے کی بجائے غیر معروف راستے کا انتخاب کیا تاکہ مسلمانوں کو عیسائیوں کی آمد کا علم نہ ہو سکے۔

چارلس مارٹل مسلمانوں کی طاقت اور خاص طور پر ان کے گھڑسوار دستوں (Cavalary) سے خوف زدہ تھا۔ وہ کسی طور پر بھی کھلے میدان میں مسلمانوں کا مقابلہ نہ کرنا چاہتا تھا۔ چنانچہ وہ ایک بلند مقام پر قبضہ کرنے میں کامیاب ہوگیا۔ جس پر گھنے درختوں کی قطاریں تھیں۔ اس طرح اس نے اپنی فوج کو امیر عبدالرحمان غافقی کی گھڑسوار فوج (Cavalary) سے محفوظ کرلیا۔

چارلس مارٹل (Charles Martel) نے اپنے سپاہیوں کو گھنے درختوں میں چھپایا ہوا تھا۔ اس لیے امیر عبدالرحمان کو اس کی اصل طاقت کا اندازہ نہ ہو رہا تھا۔ وقت تیزی سے گزر رہا تھا۔ یہی چارلس چاہتا تھا، کیونکہ موسم سرما شروع ہونے والا تھا، اور مسلمان اس شدید موسم کے لیے کوئی خاص تیاری کر کے نہ آئے تھے۔

امیر عبدالرحمان غافقی کی خواہش تھی کہ کسی طرح چارلس کو پہاڑی سے نیچے کھلے میدان میں آنے پر مجبور کیا جائے، لیکن چارلس کسی صورت یہ خطرہ مول نہ لینا چاہتا تھا۔ وہ کچھ دن پہلے مسلمانوں سے کھلے میدان میں لڑنے کا انجام ڈیوک کی عبرتناک شکست کی صورت میں دیکھ چکا تھا۔ وہ اس حقیقت سے پوری طرح آگاہ تھا کہ اگر وہ مسلمانوں کے مقابلہ میں ہزیمت سے دوچار ہوا تو مغربی عیسائیت کو بچانے والا اور کوئی نہ ہوگا۔ وہ مسلمانوں سے مدافعانہ جنگ لڑنے کا فیصلہ کر چکا تھا۔

Marfat.com

دونوں فوجیں ایک ہفتے تک ایک دوسرے کے آمنے سامنے پڑاؤ ڈالے رہیں۔ چارلس کی طرف سے حملے کا کوئی امکان نہ تھا، کیونکہ وہ تو زیادہ سے زیادہ وقت ضائع کرنا چاہتا تھا۔ موسم اب سرد ہونا شروع ہو گیا تھا، جس سے مسلمانوں کی مشکلات بڑھ رہی تھیں۔ مزید وقت ضائع کرنا مسلمانوں کے لیے انتہائی نقصان دہ تھا۔

It was a waiting game which Charles won: the fight began on the seventh day, as Abdul Rehman did not want to posponed the battle indefinitly with winter approaching.(5)

"یہ انتظار کا کھیل تھا جو چارلس نے جیتا۔ ساتویں دن جنگ شروع ہوگئی کیونکہ سردیوں کی آمد کی وجہ سے عبدالرحمان جنگ کو غیر معینہ مدت کے لیے ملتوی نہیں کرنا چاہتا تھا۔"

۱۱۔ اکتوبر ۷۳۲ء کو امیر غافقی نے جنگ کا آغاز کیا۔ دونوں طرف سے بہادری کے جوہر دکھائے گئے۔ لیکن عیسائی مدافعانہ جنگ لڑ رہے تھے، کیونکہ وہ امیر غافقی کی گھڑسوار (Cavalary) فوج کے سامنے اپنے آپ کو بے بس پاتے تھے۔ اونچائی پر ہونے کی وجہ سے وہ مسلمان گھڑسواروں کے حملوں سے پوری طرح محفوظ تھے۔ ان مشکلات کے باوجود مسلمانوں نے نہایت بہادری اور شجاعت کے ساتھ عیسائی فوج کا مقابلہ کیا۔ چشمِ خورشید نے سارا دن شجاعت و بسالت کا نظارہ کیا۔ بالآخر شام کے گہرے سائے پھیل گئے اور لڑائی رک گئی۔

رات کی تاریکی میں ڈیوک آف ایکوٹین نے اپنی فوج کو مسلمانوں کے عقب میں کمین گاہوں میں چھپا دیا۔ صبح ہوتے ہی دوبارہ جنگ کا آغاز ہو گیا۔ دوپہر تک دونوں طرف سے برابر کی طاقت آزمائی ہوتی رہی، اچانک ڈیوک نے عقب سے مسلمانوں پر حملہ کر دیا۔ عقب میں ہی مسلمانوں کی رسد اور Bordeaux کی جنگ میں حاصل ہونے والا مالِ غنیمت رکھا تھا۔ اب مسلمانوں کو بیک وقت دونوں طرف متوجہ ہونا پڑا۔ سامنے کی طرف سے چارلز اور پیچھے کی جانب سے ڈیوک کی سپاہ تابڑ توڑ حملے کر رہی تھیں۔

Next morning the action recommenced; the Moslem warriors redoubled their efforts, and the Franks began to waver, when suddenly, whilst on the verge of a decisive

Marfat.com

victory, a cry arose that Arab camp with all its treasure was in danger. At this news, the Saracens quitted their ranks and flew to the defence of their booty; in vain Abdur Rehman endeavoured to restore order; all his efforts were useless, and he fell pierced by a lance.(6)

"اگلے دن معرکہ شروع ہو گیا۔ مسلم جنگجوؤں نے اپنی کوششیں دوگنا کر دیں اور فرانسیسی گڑبڑانا شروع ہو گئے۔ تب اچانک جب کہ مسلمان فیصلہ کن فتح کے کنارے پہنچ چکے تھے، ایک شور برپا ہو گیا کہ عرب کیمپ اپنے تمام خزانے سمیت خطرے میں ہے۔ اس خبر پر عرب مسلمانوں نے اپنی صفیں چھوڑ دیں اور اپنے خزانے کو بچانے کے لیے دوڑے۔ عبدالرحمان نے دوبارہ نظم بحال کرنے کی کوشش کی مگر بے سود۔ اور پھر ایک نیزے نے اسے چھید ڈالا۔"

مسلمانوں کی صفیں ٹوٹ کر درہم برہم ہو گئیں اور فوج میں بدنظمی پیدا ہو گئی۔ امیر عبدالرحمان غافقی دادِ شجاعت دیتے ہوئے شہید ہو گئے۔(۷) دوسرے دن کا سورج بھی ڈھل گیا اور رات کی سیاہی نے میدان میں ڈیرے ڈال دیے۔ مسلمانوں نے آپس میں مشاورت کی۔ امیر عبدالرحمان کی شہادت کے بعد کوئی سپاہی بھی لڑنے کے لیے تیار نہ تھا، چنانچہ مسلمانوں نے راتوں رات میدان چھوڑ دیا۔

اگلی صبح عیسائیوں نے مسلمانوں کے خیمے خالی دیکھے۔ چارلس نے میدانِ جنگ سے فرار کو مسلمانوں کی جنگی چال سمجھا اور مسلمانوں کا پیچھا کرنا مناسب نہ سمجھا۔ مبادا مسلمان کمین گاہوں میں چھپے ہوں۔

Abd al-Rehman and many of his officers were killed,and so heavy were the Muslim casualties that the Arabic historians style this fatal battle Balat al-Shuhada, the way or path of martyrs.(8)

"عبدالرحمان اور اس کے بہت سے دوسرے افسران شہید ہو گئے تھے اور مسلمانوں کا جانی نقصان اتنا زیادہ تھا کہ عرب تاریخ دان اس خوفناک جنگ کو بلاط الشہداء یعنی "شہداء کا راستہ" کے نام سے یاد کرتے ہیں۔"

اس جنگ میں مسلمانوں کی شکست کی ایک بڑی وجہ ڈیوک آف ایکوٹین اور چارلس مارٹل کا اتحاد

Marfat.com

تھا۔ چونکہ یہ دونوں حریف قوتیں تھیں اور آپس میں دست وگریبان رہتی تھیں۔ مسلمانوں کو ان کے متحد ہو جانے کی امید نہ تھی۔ آپس کے اتحاد سے دشمن کی طاقت بہت زیادہ بڑھ گئی۔ جس کا صحیح طور پر مسلمان اندازہ نہ کر سکے۔ دوسرا یہ کہ چارلس کھل کر میدان میں نہ اترا بلکہ بلندی پر درختوں کی آڑ میں فوج کو لے کر بیٹھا رہا۔ مسلمان ان سے نیچے ہونے کی وجہ سے صحیح جنگی حکمتِ عملی اختیار نہ کر سکے۔ مسلم Cavalry تو مکمل طور پر غیر موثر رہی۔

غیر مسلم مؤرخین اس جنگ میں مسلمانوں کی شکست کو خاص اہمیت دیتے ہیں۔ گبن اور دیگر بہت سے عیسائی مورخین کا خیال ہے کہ چارلس مارٹل نے اس جنگ میں مسلمانوں کو شکست دے کر یورپ میں عیسائیت کو محفوظ کر دیا۔ اگر مسلمان اس جنگ میں فتح یاب ہو جاتے تو آج پورا یورپ مسلمان ہوتا۔

اس جنگ میں مسلمانوں کی شکست تاریخِ عالم کے ٹرننگ پوائنٹس میں سے ایک ہے۔ جس نے یورپ میں عیسائی تہذیب کو مزید پنپنے کا موقعہ دیا۔ عیسائی مورخین کے نزدیک آج جو پورے یورپ میں عیسائی اکثریت میں ہیں تو یہ جنگِ ٹورس میں چارلس مارٹل کی فتح کا ہی نتیجہ ہے۔

عیسائی مورخین کے برعکس مسلمان مورخین اس جنگ میں مسلمانوں کی شکست کو کوئی خاص اہمیت نہیں دیتے۔ کیونکہ اس جنگ میں فتح کے باوجود چارلس مارٹل مسلمانوں سے اربونہ واپس نہ لے سکا اور مزید ۸۰ برس تک مسلمانوں کو اس پر اقتدار حاصل رہا۔

مسلمان مورخین کے مطابق فرانس اور یورپ پر حملہ کا اصل مقصد یہ تھا کہ مسلمان مغرب کی طرف سے قسطنطنیہ تک پہنچنا چاہتے تھے۔ جنگِ ٹورس میں شکست کے بعد فتح قسطنطنیہ میں تاخیر ضرور ہوئی، لیکن زیادہ عرصہ تک عیسائی قسطنطنیہ کا دفاع نہ کر سکے اور سلطان محمد فاتح نے ۱۴۵۳ء میں یہ شہر فتح کر لیا۔ اگر جنگِ ٹورس میں مسلمانوں کی طاقت مکمل طور پر تباہ ہو جاتی اور فرانس سے مسلمانوں کا مکمل صفایا ہو جاتا تو یہ عیسائیوں کی بڑی فتح سمجھی جاتی لیکن ایسا نہیں ہوا بلکہ اس جنگ میں شکست کے صرف تین سال بعد امیر اندلس عقبہ بن حجاج نے فرانس میں پھر لشکر کشی کی اور بہت سے علاقے فتح کیے۔

جنگِ ٹورس عیسائی تاریخ میں بہت زیادہ اہمیت کی حامل ہے، کیونکہ چارلس مارٹل کی اس فتح کے سبب فرانس اور یورپ مسلمانوں کی دسترس سے دور ہو گئے۔

Marfat.com

حوالہ جات وحواشی

(۱) مسلمان یورپ میں، سلیمانی، احسان الحق، مقبول اکیڈمی، لاہور، ص ۷۷، طبع جولائی ۲۰۰۷ء

(۲) A Short History of the Saracens, Page 147, Syed Ameer Ali, Islamic Book Service, LAHORE.

(۳) تاریخ اندلس، ندوی، ریاست علی، مکی دارالکتب، لاہور، ص ۱۵۶، جنوری ۲۰۰۳ء

(۴) Battle of Tours, Wikipedia, Encyclopedia.

(۵) Battle of Tours, Wikipedia, Encyclopedia.

(۶) A Short History of the Saracens, Page 150, Syed Ameer Ali, Islamic Book Service, LAHORE.

(۷) اس جنگ میں مسلمانوں کی بہت زیادہ شہادتیں ہوئیں، اسی وجہ سے مسلم مورخین نے اسے بلاط الشہدا کا نام دیا ہے۔ مؤلف

(8) A History of Medieval Islam, Page 92, J.J.Saunders Routledge and Kegan Paul, LONDON,1965.

Marfat.com

جنگِ زاب ۱۳۲ھ/۷۴۹ء

بنواُمیہ نے اپنی موروثی حکومت کے استحکام کے لیے انتہائی متشددانہ پالیسی اختیار کی اور اپنے راستے میں آنے والی ہر مخالف قوت کو سختی سے کچل دیا۔ بنواُمیہ نے اپنے قصرِ خلافت کی بنیادیں بنو ہاشم سے رقابت پر استوار کی تھیں۔ جس کی وجہ سے بنواُمیہ نے ابتداء سے ہی حامیانِ بنو ہاشم کی ایک بڑی جماعت کو اپنا مخالف کرلیا تھا۔ یزید بن معاویہ کے دور میں میدانِ کربلا میں نواسہ رسول ﷺ سیّدنا امام حسینؓ کی شہادت، عبدالملک بن مروان کے دور میں نواسہ صدیق اکبرؓ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی شہادت اور ہشام بن عبدالملک کے دور میں حضرت زید بن علیؓ کی شہادت نے بنواُمیہ کے خلاف نفرت کی آگ کو تیز تر کردیا تھا۔ امام حسینؓ کی شہادت کے بعد آپؓ کے غیر فاطمی بھائی محمد بن حنفیہؓ نے امام حسینؓ کی شہادت کا بدلہ لینے کے لیے بھرپور کوششیں کیں اور مختار ثقفی کو اپنی طرف سے اس کام کے لیے مامور کیا۔ مختار ثقفی نے بالآخر ابنِ زیاد کو قتل کر کے شہادتِ حسین کا بدلہ لے لیا۔

بنو ہاشم کے دو بڑے گروہ علوی اور عباسی، بنواُمیہ کے خلاف تحریک چلانے کی منصوبہ بندی کرتے رہے۔ امام محمد بن حنفیہؒ کے بعد آپ کے بیٹے ابو ہاشم عبداللہ نے اس خفیہ تحریک کو اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ لیکن ایک سفر کے دوران جب ابو ہاشم، بنوعباس کے گاؤں حمیمہ میں تھے، اپنی موت سے پہلے انہوں نے اپنے اختیارات محمد بن علی عباسی کو منتقل کردیے۔ اس طرح بنواُمیہ کے خلاف خفیہ تحریک کی قیادت علویوں سے عباسیوں کو منتقل ہوگئی۔ (۱)

علویوں کی نسبت عباسی زیادہ محتاط تھے، کیونکہ وہ علویوں کا انجام دیکھ چکے تھے۔ یزید بن معاویہ کے دور میں امام حسینؓ نے بنواُمیہ کی موروثی حکومت کے خلاف پرچمِ حق بلند کرتے ہوئے میدانِ کربلا میں اپنی اور اپنے خاندان کی جانوں کا نذرانہ پیش کیا۔ ہشام بن عبدالملک کے دور میں زید بن علیؓ نے خروج کیا۔ امام اعظم ابوحنیفہؒ بھی زید بن علیؓ کے طرف دار تھے۔ زید بن علیؓ نے مناسب وقت کا انتظار کیے بغیر کوفیوں کے بھروسے پر خروج کردیا۔ کوفیوں نے امام حسینؓ کی طرح زید بن علیؓ سے بھی بدعہدی

Marfat.com

کی، جس کے نتیجے میں زید بن علیؓ شہید کر دیے گئے۔ محمد بن علی عباسی اس ساری صورت حال سے باخبر تھے۔ لہٰذا انہوں نے بنو اُمیّہ کے خلاف کسی انتہائی اقدام سے گریز کیا اور خفیہ طور پر اپنی تحریک کو پھیلاتے رہے۔ محمد بن علی عباسی نے اپنی وفات سے قبل اپنے اختیارات اپنے بیٹے امام ابراہیم کو منتقل کر دیے۔ امام ابراہیم بھی اپنے باپ کی طرح محتاط طبیعت رکھتے تھے۔ انہوں نے بنو اُمیّہ کے خلاف اپنی اس تحریک کو نہایت کامیابی کے ساتھ عروج کمال تک پہنچا دیا۔ انہوں نے از سرِ نو تحریک کی تنظیم کی۔ اس کے اصول و قواعد بنائے اور ایک تجربہ کار داعی بکیر بن ہامان کو ان قواعد کے اجراء کے لیے خراسان بھیجا۔ اس نے تمام عباسی داعیوں کو جمع کر کے امام کے احکام و نصائح سنائے، اور ان سے امام کی بیعت لی۔ (۲)

اگرچہ ابتداء میں بنو اُمیّہ کو بہت ہی دور اندیش اور بہادر حکمران مل گئے تھے، جنھوں نے بنو اُمیّہ کی خلافت کو مضبوط بنیادوں پر استوار کیا تھا۔ عبدالملک بن مروان، ولید بن عبدالملک، عمر بن عبدالعزیز اور ہشام بن عبدالملک جیسے حکمران بنو اُمیّہ کے خلاف عوامی نفرت کو کافی حد تک کم کرنے میں کامیاب ہو گئے تھے۔ لیکن ہشام بن عبدالملک کے بعد عیاش اور ناخلف حکمرانوں نے اموی قصر حکومت کی بنیادوں کو انتہائی کمزور کر دیا۔ یہی وہ وقت تھا جب بنو عباس اس پر کاری ضرب لگا کر زمین بوس کر سکتے تھے۔

بنو امیّہ کا آخری خلیفہ مروان بن محمد تھا۔ یہ اگرچہ مضبوط اعصاب کا مالک اور ایک بہادر شخص تھا لیکن اس کے دور میں عباسیوں اور علویوں کی خفیہ تحریک اس حد تک مضبوط ہو چکی تھی کہ مروان بن محمد کے لیے اس تحریک کا راستہ روکنا ممکن نہ تھا۔ خوارج بھی بہت مضبوط ہو کر مختلف علاقوں میں حکومت کی رٹ کو چیلنج کر رہے تھے۔ مروان کو عباسیوں کے ساتھ ساتھ خوارج سے بھی نپٹنے کے لیے وقت اور وسائل کی ضرورت تھی اور ان دونوں کی ہی اس کے پاس کمی تھی۔ خوارج، ضحاک کی سرپرستی میں بہت سے علاقوں کو تاراج کر رہے تھے۔ ضحاک خوارجی کوفہ اور موصل پر قبضہ کر کے مزید آگے بڑھنے کا ارادہ رکھتا تھا۔ مروان بن محمد نے اس خطرہ کو محسوس کرتے ہوئے اس کی طرف متوجہ ہونے کا فیصلہ کیا اور ضحاک کی سرکوبی کے لیے موصل کی طرف روانہ ہوا۔ موصل کے قریب امویوں اور خوارج کے درمیان جنگ ہوئی جس میں ضحاک خوارجی قتل ہوا۔ اسی موقع پر مروان کو پہلی بار عباسیوں کی خفیہ تحریک کا علم ہوا کیونکہ

Marfat.com

ضحاک سے ایک خط برآمد ہوا جو امام ابراہیم عباسی کی طرف سے ابو مسلم خراسانی (۳) کے نام لکھا گیا تھا۔ خط میں ابو مسلم پر برہمی کا اظہار کیا گیا تھا کہ اس نے کیوں اب تک نصر بن سیار اور جریح کرمانی کو زندہ چھوڑ رکھا ہے اور امام کی طرف سے یہ حکم بھی تحریر تھا کہ خراسان میں کسی عربی بولنے والے کو زندہ نہ چھوڑا جائے۔ (۴)

اس خط کو پڑھنے کے بعد مروان کو عباسیوں کی تحریک کے اس حد تک پھیلاؤ اور کامیابیوں کا علم ہوا لیکن اس وقت تک بہت دیر ہو چکی تھی کیونکہ امام ابرہیم کے ایماء پر ابو مسلم خراسانی' خراسان کے ساتھ ساتھ بہت سے علاقوں میں عباسی تحریک کے لیے گرانقدر کامیابیاں حاصل کر چکا تھا۔ ان علاقوں میں ہزاروں حامیان بنو عباس کسی بھی وقت بنواُمیہ کی حکومت کو چیلنج کر سکتے تھے، وہ صرف امام ابراہیم کی طرف سے اشارہ کے منتظر تھے۔

مروان بن محمد نے امام ابراہیم کو اپنے لیے ایک بڑا خطرہ سمجھتے ہوئے بلقاء کے عامل کو امام ابراہیم کی گرفتاری کا حکم دیا۔ حمیمہ کے مقام پر امام ابراہیم اور ان کے بہت سے ساتھیوں کو گرفتار کر کے مروان کے پاس بھیج دیا گیا، جس نے انہیں حران کے مقام پر قید کر دیا گیا، بعد ازاں انہیں قتل کر دیا گیا۔

Finding that Ibrahim was in communication with Abo Muslim's forces, he ordered him to be killed by his head being thrust into a leather sake filled with quick_lime. The other prisoners were executed at the same time. Before his death the unfortunate Ibrahim succeeded in passing a testament to his brother Abu'l Abbas Abdullah, which gave him the succession to the Abbasside Imamate. (5)

"یہ پتہ چلنے پر کہ ابراہیم' ابو مسلم کی فوجوں سے رابطے میں ہے۔ اس (مروان) نے حکم دیا کہ اس (ابراہیم عباسی) کو قتل کر دیا جائے اور اس کا سر چونے سے بھرے ہوئے چمڑے کے تھیلے میں ڈال دیا جائے۔ باقی قیدیوں کو بھی اسی وقت قتل کر دیا گیا۔ اپنی موت سے قبل بدقسمت ابراہیم اپنے بھائی ابوالعباس عبداللہ تک اپنی وصیت پہنچانے میں کامیاب ہو گیا جس نے اس (عبداللہ سفاح) کو عباسی امامت (خلافت) عطا کر دی۔"

Marfat.com

امام ابرہیم کے قتل سے عباسی تحریک کو کوئی خاص فرق نہ پڑا، کیونکہ ابومسلم خراسانی کی قیادت میں یہ تحریک انتہائی مضبوط بنیادوں پر استوار ہو چکی تھی۔ خراسان اور کوفہ پر قبضہ ہو چکا تھا۔ تمام عباسی حمیمہ کو چھوڑ کر عبداللہ سفاح کی قیادت میں کوفہ پہنچ گئے۔ یہاں پر ابوسلمہ خلال پہلے ہی حکومت قائم کر چکا تھا اور وزیر اہلِ بیت کہلاتا تھا۔ اس نے عبداللہ سفاح کی بیعت کر لی۔

Thus the political center of Islam swung back from Syria to Iraq, and the new dynasty arose in the city where Ali had ruled and died nearly a century before. (6)

"اس طرح اسلام کا سیاسی مرکز شام سے واپس عراق منتقل ہو گیا اور اس شہر میں ایک نیا خاندان ابھرا جہاں علیؓ نے تقریباً ایک صدی پہلے حکومت کی تھی اور یہیں وفات پائی تھی۔"

مروان بن محمد کے لیے اب اس کے علاوہ کوئی چارہ نہ تھا کہ وہ آخری بار بھرپور کوشش کر کے عباسیوں کو شکست دے، تاکہ یہ تحریک کامیاب نہ ہو سکے۔ اس مقصد کے لیے مروان ایک لاکھ بیس ہزار کا لشکر جرار لے کر عباسیوں کے مقابلے کے لیے نکلا۔ عباسیوں کی طرف سے عبداللہ سفاح کا چچا عبداللہ بن علی مقابلے پر آیا۔ دونوں فوجیں نہر زاب کے کنارے خیمہ زن ہوئیں۔

This memorable battle, which sealded the fate of the ommeyade dynasty, took place on the 11th of jamadisani,132 A.H.(7)

"یادگار جنگ جس نے اُمیہ خاندان کی قسمت پر آخری مہر ثبت کی، ۱۱۔ جمادی الآخر ۱۳۲ ہجری کو لڑی گئی۔"

مروان فوجی قوت اور بہادری میں کسی طور بھی عباسیوں سے کم نہ تھا۔ اس نے بڑی پامردی سے مقابلہ کیا۔ لیکن ایک طرف عباسیوں کے بڑھتے ہوئے اور فاتحانہ ولولے تھے، اور دوسری طرف ایک زوال پزیر حکومت کا' مخالف طاقتوں میں گھرا اور تھکا ماندہ فرمانروا تھا۔ اس لیے اسے عباسیوں کے مقابلے میں شکست ہوئی اور دریائے زاب کے کنارے بنو اُمیہ کی قسمت کا ہمیشہ کے لیے فیصلہ ہو گیا۔ (۸)

کچھ ہی عرصہ بعد عباسی افواج دمشق میں داخل ہو گئیں۔ اموی مزاحمت نہ کر سکے، اس طرح

Marfat.com

امویوں کے دارالخلافہ دمشق پر عباسیوں کا قبضہ ہو گیا۔ فتحِ دمشق کے بعد عبداللہ بن علی نے وحشت وسفاکی کا ایسا مظاہرہ کیا جس کی پوری انسانی تاریخ میں شاید چند ہی مثالیں پیش کی جا سکیں۔

With a barbarity which has few parallels in history, Abdullah bin Ali did not rest content with wreaking his vengeance upon the living. Under his orders the dead were taken up from their last resting-places, the crumpling bones were burnt and the ashes scattered to the winds.(9)

"ایک ایسی بربریت کے ساتھ جس کی مثالیں تاریخ میں بہت کم ہیں، عباسیوں نے زندہ لوگوں کو اپنے انتقام کا نشانہ بنانے تک ہی قناعت نہیں کی بلکہ ان کے احکامات پر مردوں کو ان کی آخری آرام گاہوں سے نکالا گیا۔ ان کی بچی کھچی ہڈیوں کو جلایا گیا اور راکھ ہوا میں اڑا دی گئی۔"

مروان، جان بچانے کے لیے حران اور حمص سے ہوتا ہوا فلسطین پہنچا اور یہاں گمنامی کی زندگی گزارنے لگا۔ ایک رات عباسی سپاہیوں نے اس پر شب خون مارا، مروان مزاحمت نہ کر سکا اور قتل کر دیا گیا۔ اس کے ساتھ ہی بنو اُمیہ کی موروثی حکومت کا خاتمہ ہوا اور عباسیوں کی موروثی حکومت کا آغاز ہوا۔

عباسیوں نے اپنی تحریک کے دوران امام محمد بن عبداللہ نفس زکیہ کے نام کا سیاسی استعمال کیا تھا اور عوام میں یہ بات مشہور کی گئی تھی کہ اس ہاشمی تحریک کی کامیابی کی صورت میں اقتدار نفس زکیہ کے حوالے کر دیا جائے گا۔ لیکن اموی حکومت کے خاتمہ کے بعد عباسی اقتدار پر قابض ہو گئے اور اپنے وعدہ سے مکر گئے۔ عباسیوں کو اس بات کا شدت سے احساس تھا کہ لوگوں کی ایک بڑی اکثریت ابھی تک فاطمیوں کے ساتھ ہے اور یہ فاطمی طاقت اُن کے لیے کسی بھی وقت خطرہ کا باعث بن سکتی ہے۔ پہلے عباسی خلیفہ عبداللہ سفاح نے اپنی نرم پالیسیوں سے علویوں کو کسی حد تک مطمئن کیے رکھا لیکن جونہی ابو جعفر منصور تختِ حکومت پر بیٹھا، ایک بار پھر عباسیوں اور علویوں کے درمیان فاصلے بڑھتے چلے گئے۔ نفرتوں کی یہ فضا اس حد تک مکدر ہو گئی کہ اب ان دونوں طاقتوں کا ایک دوسرے سے ٹکرانا ناگزیر ہو چکا تھا۔

Marfat.com

حوالہ جات وحواشی

(۱) تاریخ اسلام، نجیب آبادی، اکبر شاہ، فرید بک ڈپو، دہلی، ج ۲، ص ۲۴۹

(۲) تاریخ اسلام، ندوی، معین الدین احمد، المیز ان ناشران، لاہور، ص ۴۵۴

(۳) ابو مسلم خراسانی کا اصل نام ابراہیم بن عثمان تھا۔ اس نے خراسان میں نصر بن سیار اور جرتح کرمانی کے خلاف کامیابی حاصل کر کے عباسی تحریک کو کامیاب کیا۔ دوسرے عباسی خلیفہ ابو جعفر منصور نے اپنے اس محسن کو قتل کروا دیا۔ مؤلف

(۴) تاریخ اسلام، ندوی، معین الدین احمد، المیز ان ناشران، لاہور، ص ۴۵۷

(۵) A Short History of the Saracens, Page177, Syed Ameer Ali, Islamic Book Service, LAHORE.

(۶) A History of Medieval Islam, Page201, J.J.Saunders, Routledge and Kegan Paul, LONDON.

A Short History of the Saracens, Page 181, Syed Ameer (7 Ali, Islamic Book Service, LAHORE.

(۸) تاریخ اسلام، ندوی، معین الدین احمد، المیز ان ناشران، لاہور، ص ۴۶۰

(۹) A Short History of the Saracens, page 181, Syed Ameer Ali, Islamic Book Service, LAHORE.

Marfat.com

امام نفس زکیہؒ کی شہادت ۱۴۵ھ/ ۷۶۲ء

بنو عباس نے امویوں کی خلافت کے دوران اپنی خفیہ تحریک کی کامیابی کے لیے سیّدنا علیؓ کی فاطمی اولاد میں سے امام نفس زکیہ(۱) کے نام کا سیاسی استعمال کیا۔ کیونکہ امویوں کے مخالفین کی ایک بڑی اکثریت خلافت کو فاطمیوں کا حق سمجھتی تھی۔ اس لیے عباسیوں نے لوگوں کو یہی باور کرایا کہ امویوں کے خلاف تحریک کی کامیابی کی صورت میں فاطمیوں میں سے امام نفس زکیہؒ کو ہی خلافت دی جائے گی۔

واقعہ کربلا میں امام حسینؓ کی شہادت کے بعد آپ کے بیٹے علی زین العابدینؒ نے (جو کہ بیمار ہونے کی وجہ سے سانحہ کربلا میں بچ گئے تھے) خلافت کے لیے جدو جہد بند کر دی تھی۔ کیونکہ آپ نے کربلا کا دلخراش سانحہ اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا، اس لیے تمام عمر کسی قسم کی سیاسی کوشش نہ کرنے کا عہد کر چکے تھے۔ سیدنا علیؓ کی غیر فاطمی اولاد میں سے امام محمد بن حنفیہؒ نے امام حسینؓ کی شہادت کا بدلہ لینے کے لیے مختار ثقفی کو اپنی طرف سے مقرر کیا۔ مختار ثقفی نے عبید اللہ بن زیاد کو قتل کر کے شہادتِ حسین کا بدلہ لے لیا۔

امام ابو ہاشم بن محمد بن حنفیہ نے اپنی وفات سے قبل اپنے سیاسی اختیارات محمد بن علی عباسی کو تفویض کر دیے۔ اس طرح بنو اُمیہ کے خلاف سیاسی تحریک کی قیادت علویوں سے عباسیوں کی طرف منتقل ہو گئی۔ اگر چہ عباسی بھی علویوں کی طرح ہاشمی ہی تھے لیکن لوگوں کی ہمدردیاں علویوں کے ساتھ زیادہ تھیں، اور علویوں میں سے بھی حضرت علیؓ کی فاطمی اولاد لوگوں کی عقیدت کا خصوصی مرکز تھی۔ عباسی اس حقیقت سے بخوبی آگاہ تھے کہ امویوں کے خلاف کامیابی کے لیے فاطمیوں کو ساتھ ملانا بہت ضروری ہے۔ اس لئے بنو عباس نے اپنی پوری تحریک کے دوران فاطمیوں کو سیاسی طور پر استعمال کیا اور جہاں بھی موقع ملا لوگوں کو یہ باور کرانے کی کوشش کی کہ خلافت صرف فاطمیوں کا حق ہے اس لیے ہاشمی تحریک کی کامیابی کی صورت میں امام نفس زکیہ کو خلافت کا منصب دیا جائے گا۔

اپنے وعدوں سے انحراف کرتے ہوئے عباسیوں نے امویوں کے بعد اپنی خلافت قائم کر لی اور

Marfat.com

فاطمیوں کو خلافت سے دور رکھنے کے لیے حیلے بہانے تراشنے لگے۔ بنو عباس کے پہلے خلیفہ عبداللہ سفاح نے اپنے عمدہ حسن سلوک اور مالی امداد کے ذریعے فاطمیوں کو خلافت کے لیے جدوجہد کرنے سے باز رکھا، لیکن اس کے بعد جب اس کا بھائی ابو جعفر منصور تخت نشین ہوا تو اس نے اس پالیسی کو تبدیل کر کے سختی اور تشدد کی پالیسی اختیار کی اور فاطمیوں کو اپنی بیعت کے لیے مجبور کیا۔ علامہ سیوطی لکھتے ہیں کہ منصور ہی وہ پہلا شخص ہے جس نے عباسیوں اور علویوں کے درمیان فتنہ انگیزی کی، حالانکہ فتنہ وفساد سے پہلے یہ دونوں متفق و متحد تھے۔ (۲)

ابو جعفر منصور کو علویوں اور فاطمیوں میں سے اصل خطرہ محمد بن عبداللہ نفس زکیہ اور ان کے بھائی ابراہیم بن عبداللہ سے تھا۔ اس لیے اس نے ان دونوں فاطمی بھائیوں کی گرفتاری کے لیے خصوصی احکامات جاری کیے۔ امام نفس زکیہ اور امام ابراہیم بھی اس خطرہ سے آگاہ تھے، اس لیے وہ روپوش ہو گئے اور عباسیوں کے خلاف خفیہ طور پر تحریک چلاتے رہے۔ فاطمیوں کے ہمدرد بہت سے لوگ خفیہ طور پر ان کی اس تحریک میں شامل ہو گئے۔ جب ابو جعفر ہر قسم کی کوشش کے باوجود انہیں گرفتار نہ کر سکا تو اس نے امام نفس زکیہ کے والد، انکے چچاؤں اور دیگر فاطمیوں کو گرفتار کر لیا تا کہ امام نفس زکیہ کی گرفتاری کے لیے دباؤ ڈالا جا سکے۔ اُن کی جائیداد ضبط کر کے نیلام کر دی۔ جیل میں ان پر سخت مظالم کیے۔ محمد بن ابراہیم بن الحسن کو دیوار میں زندہ چنوا دیا۔ (۳) اس کے بعد اس نے فاطمیوں کے قتل عام کا حکم دے دیا۔ اس طرح عباسیوں کے ہاتھوں پہلی دفعہ فاطمیوں کا قتلِ عام ہوا۔

میدان کربلا میں تو امام حسینؓ اور انکی اولاد کا قتل امویوں کے ہاتھوں ہوا تھا لیکن اب کی بار فاطمیوں کے قتل کے زمہ دار عباسی تھے جو کہ خود بھی بنو ہاشم خاندان سے تھے۔ جب ابو جعفر منصور کے اس سفاکانہ اقدام کی خبر امام نفس زکیہ کو ہوئی تو اس وقت وہ مدینہ میں تھے اور ان کے بھائی ابراہیم بصرہ میں۔ امام نفس زکیہ نے اپنے بھائی کے ساتھ مل کر ایک ہی دن مدینہ اور بصرہ سے خروج کا فیصلہ کیا۔

The proclamation of Mansur's deposition in Basra and Medina was to be made simultaneously. Had this plan been successfully carried out, it is probable that the Abbasside rule would have come to an end.(4)

"منصور کو خلافت سے معزول کیے جانے کا اعلان بصرہ اور مدینہ سے بیک وقت ہونا تھا۔ اگر

Marfat.com

یہ منصوبہ کامیاب ہو جاتا تو عین ممکن ہے کہ عباسی خلافت کا خاتمہ ہو جاتا۔"

جنگ سے پہلے منصور عباسی اور امام نفس زکیہ کے درمیان خط و کتابت بھی ہوئی ایک نے اپنا مؤقف بیان کرتے ہوئے دوسرے کو قائل کرنے کی کوشش کی۔ امام نفس زکیہ نے اپنا مقام و مرتبہ اور اپنی خاندانی عظمت و وقار کو بیان کیا جبکہ منصور نے اپنے آباؤ اجداد کی فضیلتیں بیان کیں۔ ایک خط میں امام نفس زکیہ نے منصور کو لکھا کہ "خلافت ہمارا حق ہے اور ہمارے ہی ذریعے سے تم نے اس کا دعویٰ کیا۔ ہمارے حامیوں کو لے کر تم اس کے حصول کے لیے نکلے اور ہماری ہی فضیلتوں کے طفیل تمہیں یہ اعزاز حاصل ہوا۔:"

اس خط میں انام نفس زکیہ نے اپنے آپ کو بی بی فاطمہؓ کے فرزند ہونے پر فخر کا اظہار کرتے ہوئے اپنی خاندانی برتری ثابت کرنے کی کوشش کی۔ اس کا منصور نے جو جواب لکھا اس میں حضرت عباسؓ کی فضیلت بیان کرتے ہوئے خود کو خلافت کا حقدار ثابت کیا۔ اس طرح خط و کتابت ہوتی رہی لیکن بات کسی نتیجہ پر نہ پہنچ سکی۔ (۵)

منصوبہ کے مطابق امام نفس زکیہ نے تو مقررہ دن مدینہ میں خروج کیا، لیکن امام ابراہیم اس دن سخت بیمار ہو گئے اور خروج نہ کر سکے (۶)۔ فاطمیوں کے لیے یہ انتہائی نازک موڑ تھا اگر امام ابراہیم اس دن بیمار نہ ہوتے اور بصرہ سے خروج کرتے تو عباسی افواج دو محاذوں پر جنگ کرنے کی اہل نہ ہوتیں۔ لیکن اب انہیں پوری طرح سے امام نفس زکیہ سے نپٹنے کا موقع مل گیا۔ اس وقت کے عظیم فقہاء اور محدثین کی ہمدردیاں منصور کے مقابلے میں امام نفس زکیہ کے ساتھ تھیں، اور وہ عباسیوں کی بجائے فاطمیوں کو خلافت کے منصب پر دیکھنا چاہتے تھے۔

Imam Abu Hanifa and Imam Malik, the founders of two of the great schools of law among the Sunnis, pronounced in favour of the validity of Muhammad's claim.(7)

"اہل سنت کے دو بڑے مکتبہ ہائے فقہ کے بانیوں امام ابوحنیفہ اور امام مالک نے محمد نفس زکیہ کی حمایت کا اعلان کر دیا۔"

ابوجعفر منصور کے حکم پر اس کے بھتیجے عیسیٰ بن موسیٰ نے ایک بڑے لشکر کے ساتھ مدینہ کا رخ کیا اور

Marfat.com

مدینہ سے باہر ہی پڑاؤ ڈالا۔امام نفس زکیہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ مقابلے کے لیے نکلے۔دونوں اطراف سے سخت مقابلہ ہوا۔نفس زکیہ نے نہایت بہادری سے مقابلہ کیا۔ابتداء میں اُن کے ساتھیوں نے ان کا پورا ساتھ دیا۔لیکن آخر میں اُن کے بہت سے ساتھی اُن کا ساتھ چھوڑ گئے۔امام نفس زکیہ آخر دم تک کمال بہادری سے لڑتے ہوئے محمد بن قحطبہ کے ہاتھوں شہید ہو گئے۔

دوسری طرف امام ابراہیم بن عبداللہ بصرہ پر حکومت قائم کر چکے تھے۔انہوں نے ایک مہینہ کی مدت میں عباسیوں سے بہت سے علاقے چھین لیے۔(۸)ان کی کامیابی کا یہ سلسلہ جاری تھا کہ انہیں اپنے بھائی نفس زکیہ کی شہادت کی خبر ملی۔خلیفہ منصور، امام ابراہیم کی غیر معمولی کامیابیوں کی وجہ سے خاصا پریشان تھا۔اس نے چاروں اطراف سے اپنے جرنیلوں کو امام مذکور پر حملہ کرنے کا حکم دیا۔امام ابراہیم نے اپنی فوج کے ساتھ بصرہ چھوڑ کر کوفہ کا قصد کیا۔کوفہ سے کچھ فاصلے پر دونوں فوجوں کا ٹکراؤ ہوا۔ابتداء میں ہی امام ابراہیم کو عباسیوں پر برتری حاصل ہو گئی اور عباسی میدان چھوڑ کر فرار ہونے لگے۔امام ابراہیم کی فوج نے یہ سمجھتے ہوئے کہ انہیں دشمن کے مقابلے میں فتح حاصل ہو گئی ہے، لڑائی بند کر دی۔بھاگتے ہوئے عباسی سپاہیوں نے جب یہ صورت حال دیکھی تو انہوں نے پلٹ کر ایسا شدید حملہ کیا کہ امام ابراہیم کی فوج سنبھل نہ سکی اور انہیں دشمن کے مقابلے میں ہزیمت اٹھانا پڑی۔امام ابراہیم خود لڑتے ہوئے دشمن کے تیر کا نشانہ بنے، جس سے وہ موقع پر ہی شہید ہو گئے۔

اب مدینہ اور بصرہ پر منصور کا قبضہ ہو گیا تھا۔اس نے مدینہ اور بصرہ میں حامیان بنو فاطمہ پر عرصہ حیات تنگ کر دیا۔ان کی جائیدادیں ضبط کر لیں اور گھر مسمار کر دیئے۔حتیٰ کہ امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ کو بھی اس کے ظالمانہ رویہ کا سامنا کرنا پڑا۔امام ابوحنیفہؒ سے تو اسے اس حد تک خلش تھی کہ اس نے مختلف حیلے بہانوں سے امامؒ کو تنگ کرنا شروع کیا اور بالآخر انہیں قید خانے میں محبوس کر دیا۔جہاں پر آپؒ نے داعی اجل کو لبیک کہا۔(۹)

امام نفس زکیہؒ اور ان کے بھائی امام ابراہیمؒ کی شہادت کے نتیجہ میں عباسی خلافت مضبوط بنیادوں پر استوار ہو گئی اور فاطمیوں کی طرف سے خطرہ ٹل گیا۔یہ مسلم تاریخ کا انتہائی نازک موڑ تھا۔اگر امام نفس زکیہ کامیاب ہو جاتے تو یہیں پر عباسیوں کی خلافت کا خاتمہ ہو جاتا لیکن امویوں کے قتل عام کے بعد بہت سے علوی عباسیوں سے خوفزدہ تھے اس لیے وہ کھلے عام امام نفس زکیہ کا ساتھ نہ دے سکے۔

Marfat.com

کچھ فاطمیوں نے امام نفس زکیہ کے مقابلے میں ابوجعفر منصور کا ساتھ دیا۔ امام نفس زکیہ کی شہادت کی خبر منصور تک لے جانے والا بھی ایک فاطمی قاسم بن زید تھا(۱۰) جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ فاطمیوں کی ایک بڑی تعداد منصور کا ساتھ دے رہی تھی۔ اگر تمام فاطمی متحد ہو کر امام نفس زکیہ کا ساتھ دیتے اور عین وقت پر امام ابراہیم بیمار نہ ہوتے تو یقیناً آج بنوعباس کی تاریخ مختلف ہوتی۔

حوالہ جات وحواشی

(۱) امام نفس زکیہ کا اصل نام محمد بن عبداللہ بن حسن مثنیٰ بن حسن تھا۔ محمد مہدی کے نام سے بھی معروف ہیں۔ مؤلف

(۲) تاریخ الخلفاء، سیوطی، جلال الدین، مترجم اقبال الدین احمد، نفیس اکیڈمی، کراچی، ص ۲۶۱، ۱۹۸۳ء

(۳) خلافت وملوکیت، مودودی، سیّد ابوالاعلیٰ، اسلامک پبلیکیشنز لمیٹڈ، لاہور، ص ۱۹۴

(۴) A Short History of the Saracens, Page 221, Syed Ameer Ali, Islamic Book Service, LAHORE.

(۵) تاریخ اسلام، ندوی، معین الدین احمد، المیز ان ناشران، لاہور، ص ۵۰۳

(۶) تاریخ اسلام، نجیب آبادی، اکبر شاہ، فرید بک ڈپو، دہلی، ج ۳، ص ۳۰۱

(۷) A Short History of the Saracens, Page 221, Syed Ameer Ali, Islamic Book Service, LAHORE.

(۸) تاریخ ملت، میرٹھی، ، زین العابدین، شہابی، انتظام اللہ، ادارہ اسلامیات لاہور، ج ۲، ص ۱۱۴، ۱۹۹۱ء

(۹) مذکورہ بالا حوالہ، ص ۱۱۷

(۱۰) مذکورہ بالا حوالہ، ص ۱۱۱

Marfat.com

محمود غزنوی (۴۲۱ھ۔۳۶۰ھ/۱۰۳۰ء۔۹۷۱ء) کی فتوحات

خلافت بنو عباس خزاں سوختہ اور بے لبادہ شجر کی مانند اپنے دورِ زوال سے گزر رہی تھی اور اپنی بقاء کے لیے آندھیوں اور طوفانوں سے نبرد آزما تھی۔ ہندوستان میں فتوحات کا زمانہ کب کا بیت چکا تھا۔ ولید بن عبدالملک اُموی کے دورِ حکمرانی میں محمد بن قاسم نے سندھ کے راستے ہندوستان پر حملہ کیا اور ملتان تک کا علاقہ فتح کر لیا، اس کے بعد سے مسلمان، ہندوستان میں کوئی خاطر خواہ کامیابی حاصل نہ کر سکے تھے اور ابھی تک ہندوستان کی سرزمین کسی مردِ مجاہد کی منتظر تھی۔

غزنی کے حکمران سبکتگین کے ہاں ایک بچہ پیدا ہوا، اسی نے جوان ہو کر بُت شکن کے نام سے شہرت پائی۔ اس کی پیدائش سے چند ساعت پہلے امیر سبکتگین نے ایک خواب دیکھا کہ اس کے گھر کے آتش دان سے اتنا بلند درخت پیدا ہوا، کہ جس کا سایہ ساری دنیا پر پڑنے لگا۔ وہ اس خواب کی تعبیر سوچ ہی رہا تھا کہ بیٹے کی ولادت کی نوید ملی۔ سبکتگین عالم خوشی میں بولا، میں نے اس کا نام محمود رکھا۔(۱)

محمود غزنوی کم عمری میں ہی اپنے باپ کے ساتھ معرکوں میں دادِ شجاعت دینے لگا تھا۔ اس نے صرف پندرہ سال کی عمر میں اپنے باپ کے ہمراہ راجہ جے پال کے خلاف جنگ میں نمایاں حصہ لیا۔ بخارا کے حکمران امیر نوح کی طرف سے لڑتے ہوئے اس نے بہادری کے ایسے جوہر دکھائے کہ امیر نوح نے اسے سیف الدّولہ کے خطاب سے نوازا اور صوبہ خراسان کی سپہ سالاری کے عہدے پر فائز کیا۔(۲)

امیر سبکتگین کے بعد اس کے بیٹوں اسماعیل اور محمود میں تخت نشینی کے لیے جنگ چھڑ گئی، جس میں محمود فاتح رہا اور غزنی کا حکمران بنا۔ امیر نوح شاہِ بخارا نے صوبہ خراسان کی سپہ سالاری کا عہدہ محمود سے واپس لے لیا۔ سلطان محمود نے شاہِ بخارا کی افواج کو شکست دے کر خراسان پر قبضہ کر لیا۔ امیر سبکتگین اور راجہ جے پال کے درمیان پہلے بھی معرکے ہو چکے تھے جن میں راجہ جے پال نے شکست کھائی تھی مگر وہ پھر بھی اپنی باغیانہ روش پر قائم تھا۔ سلطان محمود اور راجہ جے پال کی فوجیں پشاور کے قریب آمنے سامنے ہوئیں اور زبردست معرکہ ہوا۔ راجہ جے پال کو عبرتناک شکست ہوئی۔ وہ اپنے

Marfat.com

بیٹوں اور پوتوں کے ساتھ گرفتار کر لیا گیا۔ راجہ جے پال نے کثیر زرِ فدیہ دے کر رہائی حاصل کی۔ مؤرخ محمد قاسم فرشتہ لکھتے ہیں کہ ہندوؤں کا یہ عقیدہ ہے کہ جو راجہ دو بار مسلمانوں سے شکست کھائے، یا ان کی قید میں رہ چکا ہو، وہ اس قابل نہیں رہتا کہ فرمانروائی کرے، اور یہ ایک ایسا گناہ ہے کہ جس کو سوائے آگ کے کوئی دوسری شے پاک نہیں کر سکتی۔ جے پال چونکہ دو مرتبہ محمود سے شکست کھا چکا تھا، اس لیے اپنے عقیدہ کے مطابق اس نے اپنے بیٹے انند پال کو ولی عہد مقرر کیا اور خود کو بھڑکتی ہوئی آگ کے شعلوں کے سپرد کر دیا۔ (۳)

تحریکِ قرامطہ (۴) عالمِ اسلام کے لئے ایک زبردست خطرہ تھی۔ بہت سے قرامطی اپنے گمراہ کن نظریات کے ساتھ سندھ اور پنجاب کے علاقوں میں اقتدار کے حصول کے لئے کوشاں تھے۔ ان کی اس کوشش میں بھاطنہ کے ہندو راجہ بجے رائے کی معاونت بھی شامل تھی۔ سلطان سبکتگین کے راستے بھاطنہ پر حملہ آور ہوا۔ راجہ بجے رائے نے سخت مزاحمت کی لیکن عبرتناک شکست سے دوچار ہوا۔ دل برداشتہ ہو کر اس نے خودکشی کر لی۔

ملتان کے علاقہ میں قرامطہ نے زبردست سیاسی قوت حاصل کر لی تھی۔ ملتان کا حاکم ابوالفتح داؤد بن نصر، قرمطی فرقے سے تعلق رکھتا تھا اور اپنے اثر ورسوخ کو استعمال کر کے اپنے گمراہ کن عقائد کی ترویج کر رہا تھا۔ سلطان اس کی سرکوبی کے لیے روانہ ہوا۔ پشاور کے قریب راجہ انند پال نے ہر ممکن مزاحمت کی، لیکن سلطان نے اس کی فوجوں کو شکست دے کر فرار پر مجبور کر دیا۔

سلطان نے ملتان پہنچ کر قرامطیوں کا محاصرہ کر لیا۔ سات دن کے محاصرے کے بعد قلعہ فتح ہو گیا۔ سلطان کے اس بروقت اقدام سے پنجاب میں قرامطیوں کا صفایا ہو گیا۔

سلطان نے بہت سے معرکوں میں انند پال کو شکست سے دوچار کیا۔ انند پال کے بعد اس کے بیٹے ترلوچن پال نے سلطان کے خلاف کئی معرکے لڑے۔ لیکن سلطان کے مقابلے میں ہمیشہ شکست ہی ہندوؤں کا مقدر بنی۔ ترلوچن پال کشمیر کے راجہ کی مدد حاصل کر کے محمود کے مقابلے پر آیا۔ جہلم کے قریب دونوں فوجوں کے درمیان گھمسان کا رَن پڑا۔ اس دفعہ فتح ایک بار پھر سلطان کے ماتھے کا جھومر بنی۔ فتح کی خبر سن کر بہت سے راجاؤں نے سلطان کی اطاعت قبول کر لی۔ سلطان نے یہاں مساجد تعمیر کروائیں اور نومسلموں کو مذہبی تعلیم دینے کے لئے معلّم مقرر کیے۔ (۵)

Marfat.com

"تھانیسر" ان دنوں ہندوؤں کا مشہور تیرتھ تھا۔ یہاں کی مشہور مورتی "سوامی" کے بارے میں ہندوؤں کے بہت عجیب نظریات تھے۔ ان کا خیال تھا کہ اس بُت کا ظہور بھی تخلیقِ انسانی کے ساتھ ہی ہوا ہے۔ اس کے علاوہ بھی یہاں بے شمار بُت تھے۔ سلطان نے تھانیسر پر پوری قوت کے ساتھ حملہ کیا۔ تھانیسر فتح ہوا۔ سلطان محمود نے تمام بتوں کو پاش پاش کر دیا۔ سب سے بڑے بُت سوامی کو غزنی بھجوا دیا اور یہ حکم دیا کہ اس بُت کو بیچ چوراہے میں ڈال دیا جائے تا کہ چلنے والوں کے پاؤں کے نیچے پامال ہو کر رہ جائے۔ (۶)

سلطان محمود نے ملتان سے قرامطیوں کا صفایا کر دیا تھا۔ ابوالفتح قرامطی کے سیاسی زوال کے بعد اب قرامطہ نے گجرات کاٹھیاواڑ کے علاقے میں پناہ لے لی تھی۔ مصر میں فاطمی خلافت قائم تھی، فاطمی خلیفہ بامر اللہ کی طرف سے ان قرامطیوں کو سیاسی طاقت مہیا کی جا رہی تھی۔ بہت سے خفیہ داعی گجرات پہنچ کر قرامطی تحریک کو کامیاب کرنے کی سازشوں میں مصروف تھے۔ سلطان قرامطیوں کی سرکوبی کے لئے جلد از جلد گجرات پہنچنا چاہتا تھا۔ گجرات کی طرف سلطان کی پیش قدمی کی چند اور وجوہات بھی تھیں۔ محمد بن حسن بن علی عراقی المعروف محمود شاہ المنگر ولی مسلسل سلطان کے پاس گجرات کے مسلمانوں کی حالتِ زار اور راجہ کے ظلم و ستم کے بارے میں خطوط ارسال کر رہا تھا۔ "ان ہی دنوں محمود شاہ منگر ولی کا خط ایک بڑھیا لے کر پہنچی جس کا اکلوتا بیٹا مارا گیا تھا۔ سلطان گجرات کے راجہ کی تادیب کے لیے فوراً روانہ ہوا اور راجپوتانے کا راستہ اختیار کیا تا کہ راجہ کو اطلاع نہ مل سکے۔" (۷)

سلطان محمود گجرات کے راجہ کی سرکوبی کے لیے غزنین سے روانہ ہوا۔ ملتان سے آگے روانہ ہونے سے پہلے سلطان نے ضروری ساز و سامان کے علاوہ پانی کا ایک بڑا ذخیرہ بھی ساتھ لے لیا کیونکہ اس نے راجپوتانہ کا وسیع و عریض صحرا عبور کرنا تھا۔ سلطان برق رفتاری سے سفر طے کرتا ہوا سومنات پہنچ گیا۔ یہاں پر سلطان کو سومنات کے بُت کے بارے میں عجیب و غریب خیالات سننے کو ملے۔ اسے معلوم ہوا کہ ہندوؤں کا عقیدہ ہے کہ سومنات کا بُت بادشاہ ہے۔ اور دیگر تمام بُت اس کے مصاحب ہیں۔ جن بتوں کو سلطان نے پہلے پاش پاش کیا ہے، دراصل ان سے سومنات ناراض تھا۔ اب اس نے اپنے ان بتوں کا بدلہ لینے کے لیے مسلمانوں کو یہاں بلایا ہے۔ سومنات کے پجاری مسلمانوں پر ہنستے اور کہتے کہ سومنات کے دیوتا نے مسلمانوں کو تباہ و برباد اور ذلیل و خوار کرنے کے لیے یہاں بلایا ہے۔

Marfat.com

جب سومنات کے بارے میں ہندوؤں کی اس بدعقیدگی اور خرافات کا علم سلطان محمود کو ہوا تو اس نے سومنات کے اس بُت کو پاش پاش کرنے کا مصمم ارادہ کرلیا۔ مسلمانوں نے پورے شہر کا محاصرہ کرلیا۔ شہر کی محافظ فوج نے زبردست مزاحمت کی۔ دوسرے روز مسلمانوں نے زبردست تیراندازی کی، جس سے ہندوؤں کا بہت زیادہ نقصان ہوا، لیکن مسلمان فصیل پر قابض نہ ہو سکے۔

تیسرے دن اردگرد کے علاقوں سے ہندوؤں کے بڑے بڑے لشکر اہلِ شہر کی مدد کے لیے پہنچ گئے۔ سلطان کو اپنی فوج کا ایک بڑا حصہ محاصرے سے واپس بلانا پڑا۔ سلطان نے فیصلہ کن انداز میں ہندوؤں پر بھرپور حملہ کیا۔ ہندو بھی آج مرنے مارنے پر تلے ہوئے تھے۔ ان کے فوجی دستے مندر میں جاتے، سومنات کے بُت کے سامنے دعائیں مانگتے اور پلٹ کر مسلمانوں پر حملہ کر دیتے۔ سلطان کسی بھی طرح سے ہندوؤں کا زور توڑنا چاہتا تھا، لیکن اس کی ہر تدبیر ناکام ہو رہی تھی۔ اسی پریشانی کے عالم میں وہ ایک گوشہ میں آیا اور شیخ ابوالحسن خرقانی کی مقدس عبا کو ہاتھ میں لے کر سجدے میں گر گیا۔ بڑے ہی خلوص کے ساتھ اس نے خداوند تعالیٰ سے فتح کی دعا مانگی اور اپنے لشکر میں واپس آ گیا۔ اس کے بعد اس نے نئے جوش اور ولولے کے ساتھ دشمن پر بھرپور حملہ کیا اور اس بار فتح اس کا مقدر بنی۔ (۸)

فتح حاصل کرنے کے بعد سلطان قلعے میں داخل ہوا۔ اور سیدھا اس بُت خانے میں پہنچا جہاں سومنات کا بُت رکھا ہوا تھا۔ مؤرخ فرشتہ نے اس بُت کی لمبائی ۵ گز بیان کی ہے۔ سلطان نے جب سومنات کے بُت کو توڑنے کا ارادہ کیا تو ہندوؤں نے سلطان سے درخواست کی کہ اگر آپ ہمارے اس بُت کو نہ توڑیں تو اس کے عوض دولت کی ایک بڑی مقدار آپ کو دی جا سکتی ہے۔ لیکن محمود نے ان کی پیشکش کا جواب ان الفاظ میں دیا۔ "اگر میں تمہارے کہنے پر چلوں گا تو دنیا مجھے "محمود بُت فروش" کہے گی، اور اگر میں اس بُت کو پاش پاش کر دوں گا تو مجھے "محمود بُت شکن" کے نام سے یاد کرے گی۔ مجھے تو یہی بہتر معلوم ہوتا ہے کہ دنیا اور آخرت میں مجھے محمود بت شکن پکارا جائے نہ کہ بت فروش۔" (۹)

سومنات کی فتح سلطان کی بہت بڑی فتح تھی۔ اس سے پوری دنیا میں سلطان کی شجاعت کا چرچا ہوا۔ عالمِ اسلام میں اس فتح پر بہت خوشی کا اظہار کیا گیا۔ خلیفہ بغداد نے سلطان کی خصوصی تحسین کی اور انہیں بہت سے خطابات عطا کئے۔ سومنات کی فتح نے ہندوؤں کو ہلا کر رکھ دیا۔ تمام ہندو مورخین نے بھی سومنات میں محمود کے ہاتھوں ہندوؤں کی شکست کا نمایاں الفاظ میں ذکر کیا ہے۔ جواہر لال نہرو نے اپنی

Marfat.com

بیٹی اندرا کے نام لکھے گئے ایک خط میں ہندوؤں کی سومنات میں ہزیمت کا نقشہ کچھ اس طرح بیان کیا ہے:

" کہتے ہیں کہ جب محمود سومنات کے قریب پہنچا، تو ہزاروں آدمیوں نے مندر کے اندر جا کر پناہ لی۔ اس توقع میں کہ ضرور کوئی معجزہ ظاہر ہوگا اور وہ دیوتا جن کی وہ پرستش کرتے ہیں انہیں بچا لے گا۔ لیکن معجزات تو بس عقیدت مندوں کے تخیل میں ہی ظاہر ہوتے ہیں۔ چنانچہ محمود نے مندر کو مسمار کر دیا اور وہاں کی دولت پر قبضہ کر لیا۔ پچاس ہزار آدمی اس معجزے کے انتظار میں فنا ہو گئے۔ جو نہ ظاہر ہونا تھا نہ ہوا۔" (۱۰)

In the thirty years between 1000 and his death in 1030 he led some seventeen massive raids into the Indus valley and the Punjab.(11)

"۱۰۰۰ء سے لے کر ۱۰۳۰ء اپنی وفات تک کے ۳۰ سالوں کے دوران اس نے وادی سندھ اور پنجاب پر تقریباً سترہ حملوں کی قیادت کی۔"

سلطان محمود کی ہندوستان میں فتوحات نے برصغیر پر اَن مٹ نقوش ثبت کیے۔ مذہبی، علمی اور ثقافتی لحاظ سے بہت زیادہ پیش رفت ہوئی۔ اگرچہ فاتح سندھ محمد بن قاسم کی فتوحات کے نتیجے میں سندھ اور ملتان تک کا علاقہ مسلمانوں کے زیرِ تسلط آ گیا تھا۔ لیکن تیسری صدی ہجری کے آخر تک ان علاقوں میں مسلمان سیاسی لحاظ سے خاصے کمزور ہو چکے تھے اور ہندوؤں کی سیاسی و عسکری قوت میں بے پناہ اضافہ ہو چکا تھا۔

اگرچہ عالمِ اسلام میں خلافتِ بنو عباس کو بڑی اہمیت حاصل تھی اور عباسی خلیفہ کو بڑی قدر و منزلت سے دیکھا جاتا تھا۔ لیکن عباسی خلافت اتنی کمزور ہو چکی تھی کہ سندھ اور ملتان کے علاقوں میں مسلمانوں کی سیاسی طاقت کی بحالی کے لیے اس سے توقع رکھنا عبث تھا۔ عباسیوں کی کمزوری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے بہت سی ضرر رساں تحریکیں زور پکڑ چکی تھیں۔ جن میں قرامطہ کی تحریک خاص طور پر نمایاں تھی۔ قرامطہ کا یہاں تک زور ہو چکا تھا کہ اب انہوں نے برصغیر میں اپنا اثر و رسوخ قائم کر لیا تھا اور ملتان کا حاکم ابوالفتح داؤد جو کہ قرمطی تھا، سیاسی اقتدار حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔

قرامطہ اپنے گمراہ کن نظریات سے مسلمانوں کے عقائد کو بگاڑ کر انتشار کا باعث بن رہے تھے۔

Marfat.com

راسخ العقیدہ مسلمانوں میں کوئی ایسی طاقت نہ تھی جو قرامطی تحریک کے اس منہ زور گھوڑے کو لگام دے سکتی۔ان مایوس کن حالات میں سلطان محمود غزنوی امید کی کرن بن کر نمودار ہوتا ہے اور ہر محاذ پر قرامطہ کی بیخ کنی کرتے ہوئے برصغیر سے ان کا مکمل صفایا کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔سلطان نے رَے سے ملتان تک قرامطہ کا پیچھا کیا اور ان کے تمام مراکز مسمار کر کے ان کی سیاسی قوت کا جنازہ نکال دیا۔ہم دیکھتے ہیں کہ مسلم تاریخ کے اس نازک موڑ پر سلطان کے بروقت اور جرأت مندانہ اقدامات کے بعد قرامطہ دوبارہ کبھی بھی برصغیر میں سیاسی اقتدار حاصل نہ کر سکے۔(ان کی جو طاقت باقی رہ گئی تھی اسے سلطان محمد غوری نے کچل دیا۔)

> The early raids up and down the Indus in the days of Mohammad bin Kasim had only touched the frings of a vast country, but Mahmud's expeditions penetrated deep into Hindustan, disorganized its defences, and opened the way to later Muslim invaders, from the Ghurids to the Moguls, who gradually brought all northern and central India within the domain of Islam.(12)

"محمد بن قاسم کے دنوں میں سندھ کے علاقوں میں ابتدائی حملوں نے تو اس وسیع مملکت کے محض کونوں کھدروں کو چھوا تھا۔لیکن محمود کے حملے ہندوستان کے اندر گہرائی تک سرایت کر گئے اور اس کے دفاع کو غیر منظم کر دیا اور بعد کے مسلمان حملہ آوروں،غوریوں سے مغلوں تک کے لیے راستہ کھول دیا۔جنھوں نے آہستہ آہستہ تمام شمالی اور وسطی ہندوستان کو اسلامی سلطنت میں شامل کر دیا۔"

سلطان محمود غزنوی کے حملوں کے بعد اسلامی تعلیمات کی ترویج کے لیے فضا سازگار ہو گئی۔صوفیاء کرام نے تبلیغ دین کے لیے برصغیر کا رخ کیا۔حضرت داتا گنج بخش علی ہجویریؒ اور خواجہ معین الدین چشتیؒ جیسے جلیل القدر صوفیاء کرام نے اپنی نورانی تعلیمات کے لیے سرزمینِ ہند کا انتخاب کیا۔برصغیر کی تاریخ گواہ ہے کہ یہاں اسلام کی اشاعت اولیائے کرام کی مساعیٔ جلیلہ کا نتیجہ ہے،یہ اعتراف کرنا بھی تاریخی حقیقت ہوگا کہ اولیاء کرام کی ان کاوشوں کے ثمرات کے لیے زرخیز زمین سلطان محمود نے ہی فراہم کی۔سلطان محمود ایک علم دوست انسان تھا۔علمی لحاظ سے نابغۂ روزگار ہستیاں ان کے دربار سے وابستہ تھیں۔

Marfat.com

He was a patron of learning and arts; and although his generosity was sometimes marred by ill-timed parsimony and narrowness of views, his court was the resort of famous scholars and savants. Al-Beruni, Firdousi, Dakiki and many other phillosophers and poets flourished in his reign.(13)

"وہ علوم وفنون کا سرپرست تھا اور اگرچہ اس کی سخاوت کبھی کبھار اس کی بے وقت کی بخیلی اور نظریات کی تنگی کا شکار ہو جاتی تھی لیکن اس کا دربار مشہور دانشوروں اور علماء کی آماجگاہ تھا۔ البیرونی، فردوسی، دقیقی اور دیگر بہت سے فلسفی اور شاعر اس کی حکمرانی میں پروان چڑھے۔"

سلطان محمودؒ برصغیر میں حملوں کے دوران اہلِ علم کو اپنے ساتھ رکھتا تھا۔ سلطان کے دربار سے وابستہ علماء میں سے البیرونی نے برّصغیر میں خاصا علمی کام کیا۔ البیرونی ۱۰۱۷ء تا ۱۰۳۱ء تک برّصغیر میں رہے۔ برصغیر میں اپنے کام کے دوران انہوں نے سنسکرت زبان پر عبور حاصل کیا۔ جس کی مدد سے انہوں نے ہندوؤں کے عقائدِ باطلہ اور تہذیب وثقافت کے بارے میں بہت مفید معلومات حاصل کیں۔ جنھیں انہوں نے اپنی کتاب "کتابُ الہند" میں تحریر کیا۔ البیرونی نے موجودہ پاکستان کے علاقے پنڈ دادنخان (ضلع جہلم) کے گاؤں نندنا میں ایک تجربہ گاہ قائم کی جہاں انہوں نے زمین کا محیط ماپا اور دیگر بہت سے تجربات سے نئی معلومات کا اضافہ کیا۔

اسلام کے تہذیبی اثرات عرب سے وسطِ ایشیاء میں پہنچے۔ سلطان محمود کے زمانے میں وسطِ ایشیاء اسلامی تہذیب وتمدّن کا گہوارہ تھا۔ سلطان کی فتوحات کے نتیجے میں اسلامی تہذیب وثقافت وسطِ ایشیاء سے برّصغیر میں پہنچی اور اسلامی تہذیبی اثرات نے اہلِ ہند کی معاشرتی زندگی کو خاصا متاثر کیا۔ "محمود غزنوی" کا مقالہ نگار لکھتا ہے کہ ہندوستان میں تمدن ومعاشرت کا یہ عالم تھا کہ مسلمانوں کی آمد سے پہلے یہاں کے لوگ کپڑے سینا نہیں جانتے تھے۔ ایک مشہور ہندو مؤرخ موجمدار لکھتا ہے کہ ایک ہی لمبا سا اَن سلا کپڑا ہوتا تھا جو کمر پر باندھنے کے بعد بدن کے اردگرد لپیٹ لیا جاتا تھا۔ لوگ پاؤں میں لکڑی کی کھڑاؤں یا گھاس کے بنے ہوئے جوتے پہنتے تھے۔ پیاز اور لہسن استعمال نہیں کرتے تھے۔ لباس اور خوراک میں جتنی تبدیلیاں آئیں ان کا آغاز غزنویوں کے ورود سے ہوا۔"(۱۴)

جس طرح بخارا وسمرقند اسلامی تہذیب وثقافت کے مراکز تھے، اسی طرح سلطان محمود کے زمانے

Marfat.com

میں شہر غزنین بھی اسلامی تہذیب کی ایک نمایاں علامت بن کر اُبھرا، اور پھر ان شہروں کی تہذیب محمود غزنوی کے حملوں کے ساتھ برّصغیر تک منتقل ہوگئی۔ برّصغیر میں فارسی زبان کی اشاعت کا سہرا سلطان محمود کے سر بندھتا ہے۔ سلطان کے دربار سے فارسی زبان کے بلند پایہ شعراء وابستہ تھے۔ جن میں عصائری، اسدی طوسی، منوچہر بلخی، حکیم عنصری، عسجدی اور فراخی قابل ذکر ہیں۔ سلطان کے دور میں لاہور فارسی زبان کا عظیم مرکز بنا اور یہاں بھی فارسی زبان کے بلند پایہ شعراء پیدا ہوئے۔ مغلیہ دور حکومت میں سرکاری زبان فارسی ہی تھی کیونکہ برّصغیر میں زیادہ تر علمی مواد فارسی میں ہی موجود تھا اور یہ سب سلطان محمود کی کاوشوں کا ثمر تھا۔

سلطان محمود کی برصغیر میں آمد نے جہاں ایک طرف اشاعتِ اسلام کے لیے راہیں ہموار کیں، وہیں اسلامی تہذیب وتمدن کے شجر کی آبیاری کے لیے کشتِ زرخیز بھی مہیا کی۔ آج پاکستان تقریباً انہیں علاقوں پر مشتمل ہے جو کبھی سلطان محمود کی عملداری میں رہے تھے۔ سلطان محمود کی برصغیر میں آمد مسلم تاریخ کا نہایت اہم موڑ ہے۔

سلطان محمود کی فتوحات کے تسلسل کو آگے بڑھاتے ہوئے شہاب الدّین غوری نے ہندوستان کے ہندو راجاؤں اور سورماؤں کو ناکوں چنے چبوائے اور پھر سلطان محمد غوری ہی کے ایک غلام، قطبُ الدّین ایبک نے ۱۲۰۶ء میں برّصغیر میں پہلی باقاعدہ اسلامی سلطنت کی بنیاد رکھی۔ اس طرح سلطان محمود کی کاوشیں رنگ لائیں اور مسلمان افریقہ، اندلس اور وسطِ ایشیا کے بعد برصغیر میں سیاسی اقتدار قائم کرنے میں کامیاب ہوگئے۔

حوالہ جات وحواشی

(۱) طبقات ناصری، منہاج الدین سراج، مترجم ممتاز لیاقت، سنگ میل پبلیکیشنز، لاہور، ص۱۱۲، ۲۰۰۴ء

(۲) اردو دائرہ معارف اسلامیہ، محمد عبداللہ، سید، ڈاکٹر، پنجاب یونیورسٹی، لاہور، ج ۲۰ ص ۴۲

(۳) تاریخ فرشتہ، فرشتہ، محمد قاسم، مترجم عبدالحی خواجہ، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور، ج ا، ص ۱۰۴، ۱۹۷۴ء

(۴) عراق میں قرمط نام کا ایک قصبہ تھا۔ وہاں کے ایک باشندے حمدان نے جو کہ اسماعیلی خیالات رکھتا تھا، کچھ لوگوں کو ساتھ ملا کر عباسیوں کے خلاف بغاوت کر دی۔ حمدان کے پیروکار قرامطہ کہلائے۔ حمدانؔ

Marfat.com

احمد بن عبداللہ ابن میمون کے خلیفہ حسین الاہوازی کا خلیفہ تھا۔تاریخ اسلام، میکش، مرتضیٰ احمد خان، مکتبہ اعلیٰ حضرت، لاہور، ج ا،ص ۴۵۳، طبع سوم، ۲۰۰۹ء

(۵)اردو دائرہ معارف اسلامیہ، محمد عبداللہ، سید، ڈاکٹر، پنجاب یونیورسٹی، لاہور، ج ۲۰، ص ۴۶

(۶) تاریخ فرشتہ، فرشتہ، محمد قاسم، مترجم عبدالحی خواجہ، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور، ج ا، ص ۱۱۵، طبع دوم، ۱۹۷۴ء

(۷)اردو دائرہ معارف اسلامیہ، پنجاب یونیورسٹی، لاہور، ج ۲۰، ص ۴۹

(۸) تاریخ فرشتہ، فرشتہ، محمد قاسم، مترجم عبدالحی خواجہ، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور، ج ا، ص ۱۳۲، ۱۹۷۴ء

(۹) مذکورہ بالا حوالہ، ص ۱۳۳

(۱۰) تاریخ عالم پر ایک نظر، نہرو، جواہر لال، مترجم طاہر منصور فاروقی، تخلیقات پبلیکیشنز، لاہور، ج ا، ص ۲۴۷

(۱۱) A History of Medieval Islam, Page 144, J.J,Saunders, Routledge and Kegan Paul, LONDON.

(۱۲)A History of Medieval Islam, Page 145, J.J.Saunders, Routledge and Kegan Paul, LONDON.

(۱۳)A Short History of the Saracens, Page 307-308, Syed Ameer Ali, Islamic Book Service, LAHORE.

(۱۴)اردو دائرہ معارف اسلامیہ، پنجاب یونیورسٹی، لاہور، ج ۲۰، ص ۵۶

Marfat.com

جنگِ ملاز کرد ۴۶۴ھ/۱۰۷۱ء

بنواُمیہ کا دارلحکومت دمشق تھا۔اندلس سے سندھ اور مراکش سے چین تک تمام سلطنتِ اسلامیہ کا یہ ایک ہی مرکز تھا،لیکن خلافتِ بنوعباس کے قیام کے کچھ عرصہ بعد ہی لباسِ فقیر کی طرح اس سلطنت میں بھی پیوند لگنے شروع ہو گئے۔اندلس میں بنواُمیہ کی الگ حکومت قائم ہو گئی، پھر مراکش،افریقہ اور مصر میں بھی الگ الگ حکومتیں قائم ہوتی چلی گئیں۔متوکل علی اللہ(۱) کے قتل کے بعد بنوعباس کے عصائے اقتدار کو دیمک لگنا شروع ہوئی اور عباسیوں کے زیرِ اقتدار علاقوں میں بھی خود مختار حکومتیں قائم ہونا شروع ہو گئیں۔ایک وقت ایسا آن پہنچا کہ آلِ بویہ نے بغداد میں اقتدار پر قبضہ کر لیا اور خلیفہ ایک کٹھ پُتلی کی طرح اُن کے اشاروں پر ناچنے لگا۔اس کے اختیارات سلب کر لیے گئے اور وہ برائے نام خلیفہ رہ گیا۔

> Since the entry of the Buyids into Baghdad in 945, the Abbasid Caliph had been little more than puppets in the hands of powerful amirs and sultans.(2)

> "۹۴۵ء میں بغداد میں آل بویہ کی آمد کے بعد سے عباسی خلیفہ طاقتور امیروں اور سلطانوں کے ہاتھوں میں کٹھ پتلی تھا۔"

یہی وہ دور تھا جب آلِ سلجوق' بنوعباس کے لیے اُمید کی کرن بن کر اُفقِ سیاست پر ظاہر ہوئے۔آلِ سلجوق نے آلِ بویہ سے اقتدار چھین کر نہ صرف خلیفہ کی عظمت کو بحال کیا بلکہ سلطنت کو ایک بار پھر نئی قوت عطا کی۔

سلجوق نسلاً ترک تھے اور ان کا آبائی وطن ترکستان تھا۔یہ سلجوق بن وقاق کی نسبت سے سلجوقی کہلاتے تھے۔سلجوق نے اپنے قبیلے کے ساتھ ترکستان سے ماوراء النہر کی طرف ہجرت کی۔یہاں پر وہ اسلام کے چشمۂ ہدایت سے فیض یاب ہوا۔محمود غزنوی کی وفات کے بعد سلجوقیوں نے خراسان کے علاقے پر اپنا اقتدار قائم کر لیا۔سلجوقی سردار طغرل بیگ نے آذربائیجان کو بھی فتح کر کے اپنی سلطنت

Marfat.com

میں شامل کر لیا۔ طغرل بیگ نے بغداد سے آلِ بویہ کو بے دخل کر کے خلیفہ کے اقتدار کو بحال کیا اور خلیفہ قائم بامر اللہ سے تعلقات کو مضبوط کرنے کے لیے اس کی بیٹی سے نکاح کر لیا۔

طغرل بیگ بے اولاد تھا۔ اس نے اپنے بھتیجے سلیمان بن چغری بیگ کو اپنا جانشین بنایا، لیکن طغرل کی وفات کے بعد الپ ارسلان نے اپنے بھائی کی جانشینی کو چیلنج کیا۔ بہت سے امراء نے بھی سلیمان کی مخالفت کی اور الپ ارسلان کے نام کا خطبہ جاری کر دیا۔

الپ ارسلان نے اقتدار حاصل کرنے کے بعد نظام الملک طوسی (۳) کو اپنا وزیر بنایا اور توسیع حکومت کی جانب متوجہ ہوا۔ مشرقی بازنطینی ایمپائر عباسیوں کی کمزوریوں سے پوری طرح آگاہ تھی۔ قیصرِ قسطنطنیہ مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہ دیتا تھا۔ بازنطینی ایمپائر سلجوقیوں کی بڑھتی ہوئی طاقت سے بہت خائف تھی، کیونکہ اس سے مسلم اُمّہ کے جسدِ ناتواں میں ایک بار پھر تازہ روح بیدار ہو رہی تھی۔

اگرچہ بازنطینی ایمپائر ماضی میں بہت بڑی طاقت رہی تھی، لیکن اب اس کے زوال کے آثار ہویدا ہو رہے تھے۔ الپ ارسلان نے بازنطینیوں کے ماتحت اور باج گزار علاقوں کی طرف پیش قدمی شروع کی اور کچھ ہی عرصہ میں بہت زیادہ عسکری کامیابیاں حاصل کیں۔ رومیوں کے بہت سے اہم شہروں پر سلجوقی پرچم لہرانے لگا۔ الپ ارسلان آرمینیا میں داخل ہوا اور اس کے دارالحکومت "شہر آنی" کا محاصرہ کر لیا۔ یہ شہر پانچ سو گرجوں کی وجہ سے گرجوں کا شہر کہلاتا تھا۔ اس کا دفاع بہت مضبوط تھا، یہ تین اطراف سے پانی میں گھرا ہوا تھا۔ الپ ارسلان نے اس کی فصیل پر شدید سنگ باری کی جس سے فصیل گر گئی۔ سلجوقی فوج شہر میں داخل ہو گئی۔ گرجستان کے فرمانروا نے جزیہ دے کر سلجوقیوں سے صلح کر لی۔

شہر آنی کی فتح نے بازنطینی ایمپائر کو سلجوقیوں کی بڑھتی ہوئی طاقت کے بارے میں بہت مشوّش کر دیا۔ آرمینیا میں ترکوں اور سلجوقیوں کی تعداد میں مسلسل اضافہ ہو رہا تھا۔ الپ ارسلان نے ترک اتحادیوں کو آرمینیا کی طرف ہجرت کی خاص طور پر ترغیب دی، تاکہ اس علاقے میں مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ ہو سکے۔

سلطنتِ رومہ پر رومانوس کا اقتدار قائم ہوا تو اس نے سلجوقیوں کی اس بڑھتی ہوئی طاقت کو کچلنے کا فیصلہ کر لیا۔ اس نے سلجوقیوں کے خلاف مختلف مہمات کی خود قیادت کی۔ شام میں سلجوقیوں کے علاقے

Marfat.com

ہیروپولس کو فتح کر کے پہلی بڑی کامیابی حاصل کی۔ ۱۰۷۰ء میں قیصر رومانوس نے اناطولیہ کے مشرق میں دوسری مہم کی قیادت کی۔ جہاں سلجوقیوں نے ایک رومی قلعے پر قبضہ کر لیا تھا۔ ان ابتدائی کامیابیوں سے رومانوس کا حوصلہ بڑھا۔ اس نے سلجوقیوں سے فیصلہ کن جنگ لڑنے کا فیصلہ کر لیا۔ اس نے اپنے بہت سے اتحادیوں کو ساتھ ملا کر ایک بہت بڑا لشکر تیار کیا اور بھرپور جنگی تیاریوں کے ساتھ مسلمانوں کے علاقے کی طرف پیش قدمی شروع کر دی۔ تھیوڈوسی پولس پہنچ کر اس نے اپنے جرنیلوں سے مشورہ طلب کیا کہ آیا یہیں پر ٹھہر کر سلجوقیوں کا انتظار کیا جائے یا سلجوقی علاقے کی طرف پیش قدمی جاری رکھی جائے؟ زیادہ تر کی رائے پیش قدمی کے حق میں تھی، چنانچہ رومی فوج تیزی سے سلجوقی علاقے کی طرف بڑھتی گئی۔

الپ ارسلان کو رومی لشکر کی سلجوقی علاقے میں گھس آنے کی اطلاع ملی تو اس کے لیے جنگی تیاریوں کے لیے وقت بالکل نہیں تھا۔ اس نے فوراً پندرہ ہزار لشکر کے ساتھ رومیوں کے مقابلے کا فیصلہ کیا۔ الپ ارسلان نے اپنے جاسوسوں کے ذریعے رومیوں کی صحیح تعداد اور ان کے ٹھکانوں کا پتہ لگا لیا، لیکن رومانوس صحیح طور پر سلجوقیوں کی تعداد سے بے خبر تھا۔ رومانوس نے اپنی فوج کو دو حصوں میں منقسم کیا اور ایک حصہ کو اپنے مشہور جرنیل "جوزف" کی کمانڈ میں ایک دوسرے راستے پر روانہ کیا تاکہ سلجوقیوں کو دونوں اطراف سے گھیر لیا جائے۔

جب جوزف رومی فوج کو لے کر آگے بڑھ رہا تھا، تو اس کی خبر الپ ارسلان کو بھی ہو گئی۔ اس نے فوراً اپنی فوج کے ساتھ رومیوں کے اس لشکر کو راستے میں ہی روک لیا۔ یہاں زبردست معرکہ پیش آیا۔ جوزف کو شکست ہوئی اور وہ خود مارا گیا۔ الپ ارسلان نے جوزف کی اس شکست کی خبر کو اس حد تک خفیہ رکھا کہ رومانوس کو آخر دم تک اپنی اس فوج کی شکست اور بربادی کا علم نہ ہو سکا۔ اس وجہ سے وہ طاقت کے زعم میں مسلسل آگے کی طرف بڑھتا رہا اور سلجوقی علاقے ملازکرد پر قبضہ کر لیا۔

الپ ارسلان نے رومیوں کے قریب ہی اپنی فوج کو خیمہ زن کیا۔ اس نے قیصر رومانوس سے مصالحت کی کوشش کی تاکہ بغیر جنگ کیے معاملات حل ہو سکیں۔ رومانوس ہر صورت عسکری جارحیت کے ذریعے ہی فیصلہ چاہتا تھا، کیونکہ وہ جانتا تھا کہ آئندہ شاید سلجوقیوں کے مقابلے میں اتنا بڑا لشکر تیار نہ کیا جا سکے۔ ویسے بھی وہ الپ ارسلان کو مزید وقت نہیں دینا چاہتا تھا۔ چنانچہ اس نے الپ ارسلان کی اس

Marfat.com

پیش کش کو سلجوقیوں کی کمزوری خیال کرتے ہوئے پائے حقارت سے ٹھکرا دیا اور رعونت بھرے لہجے میں الپ ارسلان کو پیغام بھجوایا، کہ اب تو صلح تمہارے دارالحکومت رَے پہنچ کر ہی ہوگی۔ اب ارسلان کے لیے سوائے جنگ کے کوئی چارہ نہ تھا۔

فوجی قوت کے لحاظ سے دونوں طرف کی فوج میں کوئی تناسب نہ تھا۔ رومیوں کی اتنی بڑی فوجی طاقت کی وجہ سے الپ ارسلان کسی حد تک پریشان ضرور تھا۔ اس کی فوج میں شامل ایک بزرگ امام ابو نصر محمد بن عبدالملک حنفی نے جو الپ ارسلان کے ساتھ تھے، اس کا حوصلہ بڑھایا کہ تم خدا کی حمایت میں لڑ رہے ہو۔ جس کی امداد اور غلبے کا اس نے وعدہ کیا ہے۔ اس لیے خدا تم کو ضرور کامیاب کرے گا۔ امام ابو نصر نے مشورہ دیا کہ دوسرے دن نماز جمعہ کے بعد آغازِ جنگ کر دیا جائے۔ (۴)

۲۶ اگست ۱۰۷۱ء کا آفتاب تاریخ کی اس حیرت انگیز جنگ کو دیکھنے کے لیے آسمان پر نمودار ہوا۔ جس میں دو لاکھ کے ٹڈی دَل کا مقابلہ کرنے کے لیے صرف پندرہ ہزار سرفروش میدانِ ملازکرد میں جمع تھے۔ قیصر رومانوس نے خود اپنی فوج کو ترتیب دیا اور قلب کی قیادت خود اپنے ہاتھ میں رکھتے ہوئے سلجوقی فوج کی طرف بڑھا۔ سلجوقی بھی ہلال فارمیشن بنا کر منظم تھے، الپ ارسلان ایک مناسب جگہ پر بیٹھ کر اپنی فوج کو ہدایات دے رہا تھا۔ جونہی رومی لشکر قریب پہنچا، سلجوقی تیراندازوں نے دشمن پر تیروں کی بارش کر دی۔ رومی فوج اس اچانک حملے سے حواس باختہ ہوگئی۔ سلجوقیوں نے بہترین حکمتِ عملی اپناتے ہوئے رومیوں کے گرد گھیرا تنگ کرنا شروع کر دیا۔ دونوں فوجوں کے درمیان شدید لڑائی ہوئی، رومیوں کو اپنی کثرت تعداد کی وجہ سے سلجوقیوں پر ایک طرح سے برتری حاصل تھی۔ انہوں نے اس کا فائدہ بھی اٹھایا اور سلجوقیوں کا نقصان بھی کیا۔ وہ الپ ارسلان کے کیمپ تک پہنچنے میں بھی کامیاب ہو گئے، لیکن اُن کے میمنہ اور میسرہ بری طرح سے تباہ ہو چکے تھے۔ رومی لشکر کا قلب ابھی تک رومانوس کی قیادت میں ڈٹا ہوا تھا۔ میدانِ کارزار گرم تھا۔ تلواریں آگ برسا رہی تھیں۔ بہادر، بہادروں کو اپنے نیزوں پر اچھال رہے تھے۔ ملازکرد کی زمین انسانی خون سے سرخ ہوگئی تھی۔ شکست کا اژدھا رومیوں کی طرف بڑھنے لگا۔ رومی اپنی جان بچانے کے لیے راہِ فرار اختیار کرنے لگے۔ رومیوں کا قلب جس کی قیادت رومانوس کر رہا تھا، پوری طرح سے سلجوقیوں کے گھیرے میں آ چکا تھا۔ رومانوس کو شدید زخمی حالت میں گرفتار کر لیا گیا۔

Marfat.com

For the first time in history, Christian Emperor fell a prisoner into Muslim hands.(5)

"تاریخ میں پہلی مرتبہ عیسائی حکمران مسلمانوں کے ہاتھوں قیدی بنا۔"

الپ ارسلان نے اس کے ساتھ بہت اچھا سلوک کیا۔اس موقع پر الپ ارسلان اور رومانوس کے درمیان یہ گفتگو ہوئی۔

Alp Arslan: What whould you do if I were brought before you as a prisonor?

Romanus: "Perhaps, I'd kill, or exhibit you in the streets of constantinople.

AlpArslan: My punishment is far heavier. I forgive you, and set you free.'(6)

''الپ ارسلان: اگر میں تمہارے سامنے قیدی بن کر آ تا تو تم کیا کرتے۔؟

رومانوس: شاید میں تمہیں قید کر دیتا یا قسطنطنیہ کی گلیوں میں تمہاری نمائش کرتا۔

الپ ارسلان: میری سزا اس سے بھاری ہے میں تمہیں معاف کرتا ہوں اور آزاد کرتا ہوں۔''

الپ ارسلان نے قیصر رومانوس کے ساتھ نہایت ہمدردانہ سلوک کیا۔اور پھر وہی شرائط صلح کے لیے پیش کیں جو جنگ سے پہلے پیش کر چکا تھا۔رومانوس نے صلح کی تمام شرائط تسلیم کر لیں۔

After protracted negotiations, a treaty of peace was concultedbetween the Sultan and Romanus, by which the latter agreed to marry his daughters to the sons of Alp Arslan, to pay a ransom of a million, and an annual tribute of three hundred and sixty thousand pieces of gold, and to surrender all prisoners of war.(7)

"کامیاب مذاکرات کے بعد سلطان اور رومانوس کے درمیان امن کا معاہدہ طے پا گیا۔جس کے مطابق رومانوس اپنی بیٹیوں کی الپ ارسلان کے بیٹوں کے ساتھ شادی کرنے،دس لاکھ بطور فدیہ ادا کرنے،تین سو ساٹھ ہزار سونے کے سکے سالانہ خراج ادا کرنے اور تمام جنگی قیدی رہا کرنے پر رضامند ہو گیا۔"

Marfat.com

رومانوس تقریباً ایک ہفتہ تک الپ ارسلان کے پاس رہا۔اس دوران اس کی بہت زیادہ عزت و تکریم کی گئی۔واپسی پر الپ ارسلان نے اسے بہت سے قیمتی تحائف دیے اور اس کی حفاظت کے لیے اپنے سپاہی اس کے ساتھ بھیجے۔واپسی پر رومانوس کو معلوم ہوا کہ اس کی گرفتاری کی خبر کے بعد قسطنطنیہ میں انقلاب آچکا ہے اور اس کے ایک سیاسی مخالف میخائل نے اقتدار پر قبضہ کرلیا ہے۔رومانوس نے اپنا اقتدار واپس لینے کی بہت کوشش کی لیکن ناکام رہا۔ بالآخر رومانوس کو جلاوطنی کے ساتھ بینائی سے بھی محروم ہونا پڑا۔

مسلمانوں کی قید میں رہنے کے دوران رومانوس' الپ ارسلان کے حسن سلوک سے بہت متاثر ہوا تھا۔ چنانچہ اس کے باوجود کہ وہ تخت سے محروم ہو چکا تھا، اس نے الپ ارسلان کے ساتھ کیا گیا معاہدہ نبھانے کے لیے اپنا کل اندوختہ جو اس کے پاس بچا تھا، جس کی مالیت دولاکھ تھی، اور نوے لاکھ کے قیمتی جواہرات اس معذرت کے ساتھ الپ ارسلان کی خدمت میں بھجوائے کہ اس سے زیادہ رقم کی ادائیگی میری استطاعت سے باہر ہے۔(۸)

جنگِ ملاز کرد عسکری اور سیاسی نقطۂ نظر سے بہت زیادہ اہمیت کی حامل ہے۔سلجوقیوں کی ایک مختصر فوج کے ہاتھوں دولاکھ رومیوں کی شکست نے الپ ارسلان کے حوصلے بڑھا دیے۔سلجوقی سلطنت ایک بہت بڑی طاقت بن کر ابھری، جس کا فائدہ عباسیوں کی کمزور ہوتی ہوئی خلافت کو بھی پہنچا اور انہیں آلِ بویہ سے نجات ملی۔

جنگِ ملاز کرد میں رومیوں کی شکست اور قیصر رومانوس کی گرفتاری نے بازنطینی ایمپائر کو ہلا کر رکھ دیا۔ایشیاء میں بازنطینی اقتدار کا خاتمہ ہوگیا۔سیّد امیر علی اس جنگ پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

The battle was fought which virtually destroyed the Byzantine power in Asia. (9)

"یہ ایسی جنگ لڑی گئی جس نے عملی طور پر ایشیاء میں بازنطینی طاقت کو تباہ کردیا۔"

اس جنگ میں شکست کے بعد قیصر رومانوس کو اقتدار سے محروم ہونا پڑا۔اس خانہ جنگی کی وجہ سے بازنطینی ایمپائر انتہائی ضعف کا شکار ہوگئی۔ کچھ ہی عرصہ بعد اناطولیہ کی سرزمین پر سلجوقیوں نے قبضہ کر لیا اور رومی صرف ہاتھ ملتے رہ گئے۔تمام قدیم اور جدید مورّخین اس بات پر متفق ہیں کہ جنگِ ملاز کرد

Marfat.com

میں شکست کے بعد بازنطینی ایمپائر کا زوال شروع ہو گیا۔

Most historians, including Edward Gibbon, date the defeat at Malazkert as the beginning of the end of Eastern Roman Empire.(10)

"اکثر تاریخ دان بشمول ایڈورڈ گبن، ملازکرد کی شکست کو مشرقی سلطنت روما کے اختتام کی ابتداء قرار دیتے ہیں۔"

صلیبی جنگوں کی بہت سی وجوہات میں سے ایک جنگِ ملازکرد میں بازنطینی ایمپائر کی مسلمانوں کے ہاتھوں شکست بھی ہے۔ ۱۰۷۱ء میں مسلمانوں کے مقابلے میں عبرتناک شکست سے دوچار ہونے کے بعد عیسائی بدلے کی آگ میں جلنے لگے۔ ۱۰۹۵ء میں پہلی صلیبی جنگ میں قیصرِ قسطنطنیہ کی اپیل پر تمام یورپی طاقتیں مسلمانوں کے خلاف اکٹھی ہو گئیں۔ اس طرح مسلمانوں اور عیسائیوں کے درمیان صلیبی جنگوں کا طویل سلسلہ شروع ہوا۔ پندرہویں صدی کے آغاز پر بازنطینی ایمپائر کا کھوکھلا پن نظر آنے لگا تھا۔ جنگِ ملازکرد میں شکست کے بعد بازنطینی ایمپائر کے محل کی بنیادیں اس حد تک کمزور ہو گئیں کہ یہ محل ۱۴۵۳ء میں سلطان محمد فاتح کی ہمت اور شجاعت کے سامنے ٹھہر نہ سکا اور بالآخر زمین بوس ہو گیا۔ جنگِ ملازکرد کے صرف ۱۴ سال بعد عیسائیوں کو سرزمینِ اندلس پر معرکۂ زلاقہ میں ایک بار پھر مسلمانوں کے ہاتھوں شکست کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا۔

حوالہ جات وحواشی

(۱) متوکل علی اللہ کا اصل نام جعفر بن معتصم باللہ تھا۔ یہ اپنے باپ دادا کی نسبت معتزلی عقائد کے سخت خلاف تھا۔ اس نے معتزلہ کی سرکاری سرپرستی ختم کی۔ اس کے بیٹے منتصر باللہ نے اسے قتل کروادیا۔ مؤلف

(2) A History of Medieval Islam, Page 174, J.J.Saunders, Routledge and Kegan Paul, LONDON.

(۳) نظام الملک طوسی سلجوقیوں کا وزیر تھا۔ مدبّر سیاستدان اور ماہر تعلیم تھا۔ اس نے بغداد اور نیشاپور میں مدرسہ نظامیہ کے نام سے ادارے قائم کیے۔ امام غزالی مدرسہ نظامیہ میں بطور صدر معلم خدمات انجام

Marfat.com

دیتے رہے۔نظام الملک طوسی کو حسن بن صباح کے تربیت یافتہ فدائی نے قتل کر دیا۔مؤلف

(۴) تاریخ اسلام، ندوی، معین الدین احمد، المیزان ناشران، لاہور، ص ۷۷۹

(5) Battle of Manzikert, Wikipedia, the encyclopedia.

(6) Battle of Manzikert, Wikipedia, the encyclopedia.

(7) A Short History of the Saracens, Page 313, Syed Ameer Ali, Islamic Book Service, LAHORE .

(۸) تاریخ اسلام، ندوی، معین الدین احمد، المیزان ناشران، لاہور، ص ۷۸۰

(9) A Short History of the Saracens, Page 313, Syed Ameer Ali, Islamic Book Sevice, LAHORE.

(10) Battle of Manzikert, Wikipedia, the encyclopedia.

Marfat.com

جنگ زلاقہ ۴۷۹ھ/۱۰۸۶ء

سرزمینِ اندلس ولید بن عبدالملک اموی کے دورِ خلافت میں موسیٰ بن نُصیر اور طارق بن زیاد کی قیادت میں مسلمان مجاہدین کے قدم چوم چکی تھی۔اس وقت سے پورے عالم اسلام میں امویوں کی عظمت کا آفتاب اپنی پوری تابانیوں کے ساتھ مسلسل بلند ہوتا چلا گیا،لیکن بنوعباس کی خفیہ تحریک اپنی کامیابیوں کے زینے طے کرتی ہوئی قصرِ خلافت کی بلند منزل پر متمکن ہوئی تو بنواُمیّہ کی عظمت کا یہ آفتاب، دمشق میں تو گہنا گیا لیکن ہشام کے پوتے سرخ بالوں والے عبدالرحمان الدّاخل کی بلند ہمتی اور بہادری کی بدولت ایک بار پھر اندلس کے افق پر پوری آب وتاب سے طلوع ہوا۔

جنگِ زاب میں مروان ثانی کی شکست کے بعد عباسی خلافت کا آغاز ہوا۔امویوں کی شان و شوکت کی قبا تارتار ہوگئی۔ان پر عرصۂ حیات تنگ ہوگیا۔عباسیوں نے چُن چُن کر اُن کا قتل کیا۔اُن کی نیم بسمل لاشوں پر دسترخوان بچھائے گئے۔ان جاں گسل مصائب میں عبدالرحمان بن معاویہ بن ہشام عباسیوں کی خون آشام تلواروں سے بچ نکلا۔وہ دریائے فرات کی لہروں سے لڑتا، وقت کی تند آندھیوں سے ٹکراتا اور مصائب کے کوہِ گراں عبور کرتا ہوا فلسطین پہنچا۔یہاں پر مختصر قیام کے بعد افریقہ میں داخل ہوا،لیکن حالات کو ناسازگار خیال کرتے ہوئے وہاں سے نکلا اور بربر قبیلہ بنونفاسہ کے پاس پہنچ گیا۔عبدا لرحمان کی والدہ اسی قبیلہ سے تعلق رکھتی تھیں، چنانچہ اس قبیلہ نے عبدالرحمان کا بھرپور ساتھ دیا۔

عبدالرحمان نے کچھ ہی عرصہ میں بھرپور عسکری کامیابیاں حاصل کیں اور اندلس میں بنواُمیّہ کی حکومت کو مضبوط بنیادوں پر استوار کیا۔عباسی خلیفہ ابوجعفر منصور نے عبدالرحمان کو زیر کرنے کی بہت کوشش کی لیکن ناکام رہا۔عبدالرحمان الدّاخل نے فرانس میں داخل ہوکر شارلیمان (Charlemegne) کو بھی شکست دی۔شارلیمان نے عبدالرحمان سے صلح کی درخواست کی، جو عبدالرحمان نے منظور کرلی۔

اندلس میں بنواُمیّہ کی جس سلطنت کو عبدالرحمان نے مضبوط بنیادوں پر استوار کیا تھا، وہ عبدالرحمان سوم کے زمانے میں اوجِ ثریا کو چھونے لگی، لیکن اس کے بعد اس قصرِ سلطنت کی دیواریں

Marfat.com

بوسیدہ ہوگئیں اور زوال کے آثار ہویدا ہونے لگے۔ مسلمانوں کی صفوں میں اتحاد مفقود ہو گیا۔ انتشار کا زمانہ شروع ہوا، اُموی قصرِ خلافت کی بوسیدہ دیواروں کو آخری دھکا لگا، اور ہشام بن محمد کے دور میں یہ خلافت زمین بوس ہو گئی۔ عظیم الشان سلطنتِ اندلس کئی ٹکروں میں بٹ گئی۔ اشبیلیہ، بلنسیہ، سرقسطہ، طرطوشہ، طلیطلہ اور غرناطہ کی خودمختار ریاستیں وجود میں آ گئیں۔ قشتالہ اور لیون پر عیسائی بادشاہ الفانسو ششم حکومت کر رہا تھا۔ اس نے مسلمانوں کے اس باہمی نفاق کا بھرپور فائدہ اٹھایا اور سب سے پہلے طلیطلہ کی مسلم ریاست پر قبضہ کر کے اپنی سلطنت میں شامل کر لیا۔ الفانسو، اندلس کی فضا پر مانندِ عقاب اپنا رُعب ودبدبہ قائم کر چکا تھا اور مسلم ریاستوں کے حکمران گنجشک فرومایہ کی طرح اپنی جانیں بچانے کے لیے چھپتے پھرتے تھے۔

سب سے بڑی مسلم ریاست اشبیلیہ کا حاکم معتمد شراب وشباب کا دلدادہ تھا۔ رمیکیہ اور ابنِ عمار کے ساتھ اس کی عشقیہ داستانیں زبان زدِ عام تھیں۔ وہ رمیکیہ کی زلفوں کا اسیر ہو کر انتظامِ سلطنت سے بالکل لاپرواہ ہو چکا تھا۔ چاندنی راتوں میں زہرہ جمال لونڈیوں کے جلو میں جامِ شراب سے لطف اندوز ہونا اس کا محبوب مشغلہ تھا۔ رمیکیہ کی نوکِ مژگاں سے گھائل ہونے والا یہ مسلم حکمران، بڑی خوشی کے ساتھ الفانسو کو خراج ادا کرنے میں اپنی عافیت سمجھتا تھا، لیکن ایک واقعہ نے اس کے احساسِ غیرت کو بیدار کر دیا اور اس کی زندگی یکسر بدل گئی۔ اب وہ شبستانوں میں دادِ عیش دینے والا معتمد نہ تھا بلکہ جنگ کے میدانوں میں دادِ شجاعت دینے والا مردِ حُر تھا۔

معتمد ہر سال باقاعدگی سے الفانسو کو خراج کی رقم ادا کیا کرتا تھا۔ جس سے الفانسو انتہائی مغرور اور خودسر ہو گیا۔ وہ اور اس کے امرائے سلطنت معتمد کی تذلیل کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیتے تھے۔ معتمد اس ذلت آمیز زندگی سے انتہائی تنگ آ چکا تھا۔ وہ اس قبائے غلامی کو اُتار پھینکنا چاہتا تھا۔

الفانسو نے اپنے ایک یہودی وزیر ابنِ کلیب کو چند لوگوں کے ساتھ خراج کی وصولی کے سلسلہ میں اشبیلیہ روانہ کیا۔ معتمد کے وزیر ابوبکر زیدون نے خراج کی رقم چاندی کے سکوں کی صورت میں فوراً ادا کر دی۔ سفیر نے یہ رقم معتمد کے پاس واپس بھیج دی اور کہا کہ میں چاندی کے سکے یعنی روپیہ نہ لوں گا بلکہ سونے کے سکے یعنی اشرفیاں وصول کروں گا۔ (۱)

ابنِ کلیب نے یہ بھی کہا کہ امسال تو خراج کی رقم خالص سونے کے سکوں کی صورت میں وصول

Marfat.com

کروں گا اور آئندہ تمہارے شہروں کی چابیاں بھی لوں گا۔(۲)

الفانسو کے یہودی سفیر کی اس خودسری اور گستاخی کی اطلاع معتمد تک پہنچی تو وہ آگ بگولا ہو گیا۔ اس نے ابنِ کلیب اور اس کے ساتھیوں کو گرفتار کر کے جیل میں ڈال دیا۔ ابنِ کلیب نے اپنی زندگی کی بھیک مانگتے ہوئے عہد کیا کہ اگر مجھے رہا کر دیا جائے تو میں اپنے وزن کے برابر سونا آپ کی خدمت میں پیش کر دوں گا، لیکن معتمد نے اس کی یہ پیشکش ٹھکرا دی اور اسے پھانسی پر لٹکا دیا۔ دوسرے تمام سفارتی ارا کین کو رہا کر دیا گیا۔

الفانسو اور معتمد کے درمیان بداعتمادی کی فضا پیدا ہو چکی تھی۔ الفانسو نے معتمد کو اس کی گستاخی کا مزہ چکھانے کا تہیہ کر لیا تھا۔ دوسری طرف خود معتمد کو بھی اس صورت حال کی نزاکت کا مکمل ادراک تھا، لیکن اس وقت تمام مسلم ریاستیں آپس میں برسرِ پیکار تھیں اور ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کی کوشش میں لگی رہتی تھیں۔ اندلس میں مسلم حکمرانوں کی کمزوری سے فائدہ اٹھا کر عیسائی قوتیں سازشوں میں مصروف تھیں۔ اس زمانے میں شمالی افریقہ میں پاسبانانِ حرم کی ایک نئی جماعت اٹھ کھڑی ہوئی یہ لوگ "مرابطین" کہلاتے تھے۔ یوسف بن تاشفین (۳) اس سلسلے کا عظیم مجاہد تھا۔ جس کی جرأت، شجاعت اور تدبّر نے سپین میں مسلمانوں کے زوال پذیر اقتدار کو سہارا دیا اور سپین میں مزید کئی صدیوں تک مسلمانوں کی عظمت کے جھنڈے لہراتے رہے۔(۴)

معتمد نے یوسف بن تاشفین کو مدد کے لیے بلانے سے پہلے اپنے بیٹے سے مشورہ کیا۔ دونوں باپ بیٹے میں دلچسپ گفتگو ہوئی۔ بیٹے نے اپنے باپ معتمد کو مشورہ دیتے ہوئے کہا کہ یوسف بن تاشفین کو مدد کے لیے نہ بلایا جائے، کیونکہ اگر وہ ہماری مدد کو آیا تو پھر جلد ہی اشبیلیہ پر بھی قبضہ کر لے گا اور معتمد کو اس کے ایک غلام کی حیثیت سے زندگی گزارنا پڑے گی۔

معتمد نے اپنے بیٹے کے ان خدشات کو دور کرتے ہوئے کہا کہ اگر یوسف سے مدد نہ مانگی گئی تو الفانسو، اشبیلیہ کے مسلمانوں پر ظلم و جبر کی تلوار بن کر ٹوٹ پڑے گا۔ ایسی صورت میں مجھے اس کا غلام بننا پڑے گا۔ اس نے اپنے بیٹے سے کہا:

"اگر خدا کو یہی منظور ہے کہ میں سلطنت سے محروم کر کے کسی غیر ملکی کا غلام بنایا جاؤں تو مجھے افریقہ میں شتربان بننا منظور ہے۔ مگر قشتالہ کے عیسائیوں کے سؤر چرانے منظور نہیں۔"(۵)

Marfat.com

معتمد نے اہلِ علم پر مشتمل ایک سفارت یوسف بن تاشفین کے پاس مراکش بھیجی اور الفانسو کے مقابلے میں اندلُس کے مسلمانوں کی مدد کرنے کی درخواست پیش کی۔ یوسف نے اس درخواست کا مثبت جواب دیا اور اندلُس آ کر مسلمانوں کی مدد کرنے کا وعدہ کیا۔

یوسف بن تاشفین کو خود بھی مراکش میں بہت سے داخلی مسائل کا سامنا تھا اور اس کا مراکش سے نکلنا، بہت سی بغاوتوں کو ہوا دے سکتا تھا۔ جس سے اس کی حکومت کے چھن جانے کا بھی خطرہ تھا، لیکن اس نے ان تمام تر خدشات کے باوجود اندلُسی مسلمانوں کی مدد کا عزم کر لیا۔ جس طرح معتمد نے اپنے بیٹے سے مشورہ کیا تھا، اسی طرح اندلُس روانگی سے پہلے یوسف نے بھی اپنے بیٹے سے مشورہ کیا۔ اس کے بیٹے نے بہت سے خدشات کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ کیا آپ ہمیں ایسے لوگوں کے سپرد کر کے جا رہے ہیں جو ہمیں آپ کی غیر موجودگی میں برباد کر کے حکومت پر قبضہ کر لیں گے؟ یوسف نے اپنے بیٹے کے ان خدشات کو سننے کے بعد جواب دیا:

"میرے بیٹے! خدا کی قسم لوگ میرے متعلق کسی کی زبان سے یہ نہیں سنیں گے کہ میں نے اندلُس کو دوبارہ دارِ کفر بننے دیا، اور نہ یہ سنیں گے کہ میں نے اندلُس کو عیسائیوں کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا۔ میں نہیں چاہتا کہ اسلام کے منبروں سے مجھ پر بھی وہی لعنتیں برسیں جو دوسروں پر برس رہی ہیں۔ خدا کی قسم! اونٹوں کے خطروں کو برداشت کرنا میرے لیے خنزیروں کے خطرے کو برداشت کرنے سے بہتر ہے۔"(۶)

یوسف بن تاشفین سات ہزار کے لشکر کے ساتھ بحیرۂ روم عبور کر کے اندلُس میں داخل ہوا۔ معتمد نے بڑھ کر اُن کا استقبال کیا اور اندلُس آنے پر ان کا شکریہ ادا کیا۔ یوسف اور معتمد کی مشترکہ افواج نے بھر پور جنگی تیاریاں شروع کر دیں۔ الفانسو ان دنوں مسلمانوں کے علاقے حصنُ اللیط کا محاصرہ کیے ہوئے تھا، اور بہت قریب تھا کہ مسلمان شکست کھا جاتے، لیکن الفانسو کو یوسف بن تاشفین کی اندلُس میں آمد کا علم ہوا تو وہ بہت پریشان ہوا۔ اس نے فوراً محاصرہ اٹھا لیا اور قشتالیہ لوٹ گیا۔ اس نے عیسائی ریاستوں سے مسلمانوں کے خلاف مدد طلب کی اور پوپ کی تائید اور حمایت سے ایک بہت بڑا لشکر تیار کرنے میں کامیاب ہو گیا۔

یوسف بن تاشفین نے الفانسو کو خط لکھا کہ یا تو اسلام قبول کر لو، یا جزیہ ادا کرو یا جنگ کے لیے تیار

Marfat.com

ہو جاؤ۔ الفانسو نے جنگ کا راستہ اختیار کرتے ہوئے جواب میں لکھا:۔

"میں تمہاری اس مغرورانہ تحریر کی چنداں پرواہ نہیں کرتا۔ میرے پاس ایسے نڈر اور جری سپاہی ہیں جن کی مدد سے میں شیطانوں، فرشتوں اور بھوتوں سے لڑ سکتا ہوں، اور ان کے غرور کو خاک میں ملا سکتا ہوں۔" (۷)

الفانسو ششم ساٹھ ہزار کے لشکر کے ساتھ زلاقہ کے میدان میں پہنچ گیا۔ "روایت ہے کہ جنگ سے چند دن پہلے الفانسو نے خواب دیکھا کہ وہ ہاتھی پر سوار ہے، اور ہاتھی بار بار اپنی سونڈ نقارے پر مار رہا ہے۔ اس نے پادریوں سے اس خواب کی تعبیر پوچھی لیکن کسی کے جواب سے تسلی نہ ہوئی۔ آخر ایک یہودی کے ذریعے ایک مسلمان عالم سے تعبیر پوچھی گئی تو اس نے یہودی سے کہا کہ یہ خواب تیرا نہیں ہو سکتا۔ بالآخر یہودی نے الفانسو کا نام بتا دیا تو اس عرب عالم نے "سورۃ فیل" پڑھی اور کہا کہ الفانسو کو اصحابِ فیل کی طرح صدمہ پہنچنے والا ہے اور نقارے پر سونڈ مارنے کا مطلب ہے کہ اسے جنگ میں زخم آئے گا۔" (۸)

الفانسو نے جنگ سے پہلے مسلمانوں کو تجویز دی کہ لڑائی جمعہ کی بجائے پیر سے شروع کی جائے کیونکہ جمعہ، ہفتہ اور اتوار مسلمانوں، یہودیوں اور عیسائیوں کے لیے متبرک ہیں۔ یوسف نے اس تجویز کو قبول کر لیا لیکن معتمد، الفانسو کی مکاریوں سے آگاہ تھا اور جانتا تھا کہ الفانسو مسلمانوں کو دھوکہ دینا چاہتا ہے۔ اس لیے جب یوسف نے اپنی افواج کے ساتھ نماز جمعہ کی ادائیگی شروع کی تو الفانسو نے حملہ کر دیا لیکن معتمد اس حملے کے لیے پہلے سے تیار تھا۔ اس نے جانثاری اور سرفروشی کا مظاہرہ کرتے ہوئے عیسائیوں کے ٹڈی دَل کا رُخ موڑ دیا۔ اگرچہ اس کی فوجی قوت الفانسو کے مقابلے میں بہت کم تھی لیکن معتمد نے بہادری کے وہ جوہر دکھائے کہ الفانسو کے قدم اکھڑنے لگے۔ اتنے میں یوسف کی افواج نماز جمعہ کی ادائیگی سے فارغ ہو چکی تھیں۔ یوسف کو الفانسو کی اس بدعہدی کا بہت دکھ پہنچا۔ اس نے معتمد کی بہادری اور جرأت پر اُسے داد و تحسین سے نوازا۔ یوسف نے الفانسو اور معتمد کو برسرِ پیکار دیکھا تو فوراً جنگی حکمت عملی ترتیب دیتے ہوئے اپنی فوج کے ساتھ عیسائیوں پر عقب سے حملہ آور ہوا۔

جنگ سے پہلے یوسف نے الفانسو کو دعوت اسلام دی تھی تو اس کے جواب میں الفانسو نے بڑی رعونت بھرے لہجے میں جواب دیا تھا۔ اس کے بعد اس نے معتمد اور یوسف کے مقابلے میں بھرپور جنگی

Marfat.com

تیاریاں کی تھیں۔اس کی افواجِ قاہرہ بڑے کروفر اور طمطراق کے ساتھ زلاقہ کے میدان میں پہنچی تھیں۔اس کی فوج کا ہر سپاہی سرتاپا غرق آہن تھا۔عیسائی پادریوں کی ترغیب سے امرائے فرانس بھی الفانسو کے لشکر میں شامل تھے جو پوپ کی تائید وحمایت سے اس جنگ میں الفانسو کی فتح کو یقینی خیال کرتے تھے۔ان تمام تر تیاریوں کے باوجود الفانسو نے مسلمانوں کو دھوکہ دیتے ہوئے نماز جمعہ کے وقت حملہ کیا۔لیکن معتمد بن عباد کے بروقت دفاع نے مسلمانوں کو بڑے نقصان سے بچالیا۔نمازِ جمعہ کے بعد یوسف نے عیسائیوں کے عقب سے جو حملہ کیا اس سے عیسائیوں میں سراسیمگی پھیل گئی۔عیسائی دونوں طرف سے مسلمانوں کے نرغے میں آگئے اور گاجر، مولی کی طرح کٹ کٹ کر گرنے لگے۔کچھ نے راہِ فرار اختیار کی۔ان فرار ہونے والوں میں خود الفانسو بھی شامل تھا جو شدید زخمی ہونے کے بعد پیٹھ دکھا کر بھاگ کھڑا ہوا۔

> Alfonso fled, says Ibn ul-Athir, from the scene of action with only three hundred cavaliers, whilst the rest lay dead or dying on the field. The victory of Zallaka paralysed for a time the Christian Kingdom of Leon.(9)

"ابن الطاہر کے مطابق الفانسو صرف تین سو گھڑ سواروں کے ساتھ موقع سے فرار ہو گیا جبکہ باقی تمام مر گئے تھے یا میدان جنگ میں مر رہے تھے۔زلاقہ کی فتح نے لیون کی عیسائی سلطنت کو کچھ عرصہ کے لیے مفلوج ہی کر دیا۔"

زلاقہ کے میدان میں یہ مسلمانوں کی بہت عظیم فتح تھی۔اس سے اندلس میں مسلمانوں کے اقتدار کی گرتی ہوئی دیوار ایک بار پھر مضبوط بنیادوں پر کھڑی ہوگئی اور عیسائیوں کا اندلس میں مکمل عیسائی ریاست قائم کرنے کا خواب شرمندہ تعبیر نہ ہو سکا۔مسلم ریاستوں میں بھی کچھ عرصہ تک باہمی اتحاد و اتفاق قائم ہو گیا، حالانکہ اس جنگ سے پہلے حالات بہت زیادہ ابتر تھے۔مسلمان حکمرانوں کی اس حالتِ زار کے بارے میں نواب ذوالقدر جنگ بہادر لکھتے ہیں کہ اندلس میں عیسائی مسلسل ترقی کرتے جاتے تھے۔اس ترقی کے اسباب بھی وہی تھے جو صدیوں کے بعد ہندوستان میں انگریزوں کے تسلط کا باعث ہوئے۔یہ سب خود مختار حکمران ایک دوسرے کے خون کے پیاسے تھے یہاں تک کہ ہر مسلمان امیر' عیسائیوں کی تائید کے وعدے پر ان کی ہر شرط منظور کر لیا کرتا تھا۔(۱۰)

Marfat.com

جنگِ زلاقہ میں عیسائیوں کو جس عبرتناک شکست سے دوچار ہونا پڑا اس سے عیسائیوں کے بڑھتے ہوئے سیلاب کے آگے بند باندھنے میں خاطر خواہ کامیابی حاصل ہوئی اور اندلس میں مسلمانوں کا اقتدار ایک بار پھر کئی سو سالوں تک قائم ہو گیا۔

جنگِ زلاقہ میں اگرچہ معتمد بن عباد نے بھی مردانگی کے کمال جوہر دکھائے لیکن حقیقی فتح کا سہرا یوسف بن تاشفین کے سر بندھتا ہے۔ یوسف کی بروقت مدد سے گلشنِ اندلس میں ایک بار پھر بہاریں لوٹ آئیں۔

یوسف فتحِ زلاقہ کے بعد حکومت معتمد کے حوالے کر کے واپس مراکش لوٹ گئے۔ لیکن اُن کے مراکش واپس جانے کے کچھ ہی عرصہ بعد مسلم ریاستوں کے حکمران ایک بار پھر اپنی اُنہیں حرکتوں پر اتر آئے اور ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کے لیے عیسائیوں سے ساز باز کرنے لگے۔ جنگِ زلاقہ کے بعد اندلس میں عیسائیوں کی عسکری قوت بالکل ختم ہو چکی تھی اور مسلمانوں کے پاس بہت اچھا موقع تھا کہ وہ اپنی حالت کو درست کر لیتے لیکن وہ ایک بار پھر ایک دوسرے کے خلاف برسرِ پیکار ہو گئے اور اندلس میں پھر سے خانہ جنگی شروع ہو گئی۔ عیسائیوں نے اس کا بھرپور فائدہ اٹھایا اور مسلمانوں سے اُن کے علاقے چھیننا شروع کر دیے۔

وقت نے ایک بار پھر یوسف بن تاشفین کو دعوت دی کہ وہ اندلس میں آ کر تمام اختیارات اپنے ہاتھ میں لے لیں اور مسلمانوں کو عیسائیوں کے شر سے نجات دلائیں۔ چنانچہ یوسف مراکش سے اندلس میں داخل ہوئے۔ عیسائیوں کو کئی محاذوں پر شکست دی اور مسلم اندلس کو باقاعدہ مراکش کی مرابطین حکومت میں شامل کر لیا۔ احسان الحق سلیمانی نے یوسف بن تاشفین کو خراجِ عقیدت پیش کرتے ہوئے لکھا ہے کہ یوسف بن تاشفین ایک پوری زندہ صدی ہیں۔ اُن کی زندگی پاکیزہ تھی، اُن کے مشاغل مُتقیانہ تھے اور اُن کی سیاسی بصیرت مسلّمہ تھی۔ اس میں شک نہیں کہ وہ علم و ادب کے شناسا تھے نہ کہ شعر و فلسفہ کے شیدائی۔ وہ تلوار کے دھنی تھے اور تمام عمر تلوار سے ہی تاریخ کے اہم فیصلے رقم کرتے رہے۔ (۱۱)

ملازکرد کے میدان میں سلجوقی سلطان الپ ارسلان نے قیصر ارمانوس دیوجانس کو عبرتناک شکست دی تھی، جس سے پوری عیسائی دنیا میں تہلکہ مچ گیا تھا، اور ابھی اس شکست کے زخم مندمل نہ ہوئے تھے کہ زلاقہ کے میدان میں عیسائیوں کو یوسف بن تاشفین کے ہاتھوں ایک اور زخم سہنا پڑا، جس

Marfat.com

سے ملاز کرد میں شکست کا زخم پھر سے ہرا ہو گیا۔اب عیسائی ان ہزیمتوں کا بدلہ چکانے کے لیے تلملا رہے تھے اور مسلمانوں سے فیصلہ کن معرکہ لڑنا چاہتے تھے۔انہیں یہ موقع کچھ ہی عرصہ بعد مل گیا اور اس طرح مسلمانوں اور عیسائیوں کے درمیان طویل صلیبی جنگوں کا آغاز ہو گیا۔

حوالہ جات وحواشی

(۱) تاریخ اسلام، نجیب آبادی، اکبر شاہ، فرید بک ڈپو، دہلی، ج ۳،ص ۲۰۹

(۲) مسلمان یورپ میں، سلیمانی، احسان الحق، مقبول اکیڈمی، لاہور، ص ۱۸۷، جولائی ۲۰۰۷ء

(۳) یوسف بن تاشفین نے ۱۰۷۲ء میں مراکش کی بنیاد رکھی۔امام غزالی ان سے ملاقات کرنے کے لیے تشریف لے گئے، لیکن وہاں پہنچے تو معلوم ہوا کہ یوسف ۱۱۰۶ء میں وفات پا گئے ہیں۔مؤلف

(۴) ضیاء النبی، الازہری، محمد کرم شاہ، عبد الرسول، علامہ، ضیاء القرآن پبلیکیشنز، لاہور، ج ۶،ص ۶۰، ۱۹۹۴ء

(۵) مسلمان یورپ میں، سلیمانی، احسان الحق، مقبول اکیڈمی، لاہور، ص ۱۸۹، ۲۰۰۷ء

(۶) ضیاء النبی، الازہری، محمد کرم شاہ، عبد الرسول، علامہ، ضیاء القرآن پبلیکیشنز، لاہور، ج ۶،ص ۶۱

(۷) مسلمان یورپ میں، سلیمانی، احسان الحق، مقبول اکیڈمی، لاہور، ص ۱۹۰

(۸) سقوط بغداد سے سقوط ڈھاکہ تک، میاں محمد افضل، الفیصل ناشران، لاہور، ص ۱۱۹، ۲۰۰۳ء

(۹) A Short History of the Saracens, Page 533, Syed Ameer Ali, Islamic Book Service, LAHORE.

(۱۰) خلافت اندلس، جنگ بہادر، ذوالقدر، نواب، مقبول اکیڈمی، لاہور، ص ۲۱۴، بار دوم، ۱۹۸۷ء

(۱۱) مسلمان یورپ میں، سلیمانی، احسان الحق، مقبول اکیڈمی، لاہور، ص ۱۹۷، ۲۰۰۷ء

Marfat.com

صلیبی جنگیں ۶۹۰ھ۔۴۹۰ھ/۱۲۹۱ء-۱۰۹۶ء

فاروق اعظمؓ کے دورِ خلافت میں معاہدۂ امن کے ذریعے بیت المقدس پر مسلمانوں کی حکومت قائم ہوئی۔ فاروق اعظمؓ نے عیسائیوں کے ساتھ ہمدردانہ سلوک کیا۔ اُن کی زندگیاں بخش دی گئیں اور انہیں مکمل مذہبی آزادی دی گئی۔ بیت المقدس دنیا کا واحد شہر ہے جو دنیا کے تین بڑے مذاہب اسلام، یہودیت اور عیسائیت کے لیے نہایت تقدس کا درجہ رکھتا ہے۔ اسی شہر میں ہیکل سلیمانی تعمیر ہوا، جس کی ایک دیوار کے ساتھ آج بھی یہودی لپٹ لپٹ کر گریہ وزاری کرتے ہیں۔ اسی شہر میں عیسیٰؑ کی ولادت ہوئی۔ اسی شہر میں شبِ معراج نبی کریم ﷺ نے انبیاء کی امامت کروائی اور یہی شہر مسلمانوں کا قبلہ اوّل رہا۔

یہود ونصاریٰ اس شہر کو مسلمانوں سے واپس لینے کی خواہش کو دل میں چھپائے مناسب وقت کا انتظار کرتے رہے۔ دورِ فاروقی کے کچھ عرصہ بعد مسلمان سیاسی انتشار کا شکار ہو گئے تو عیسائیوں کو اپنی آرزوؤں کی تکمیل کی اُمید پیدا ہوئی لیکن جلد ہی مسلمان سنبھل گئے۔

ولید بن عبدالملک کے دور میں فتوحات کا دوسرا دور شروع ہوا تو اسلامی سلطنت کی سرحدیں مشرق میں سندھ، ملتان اور ماوراء النہر سے مغرب میں اندلس اور مراکش تک پھیل گئیں۔ بنوعباس کے دور خلافت کے دوران مسلم خلافت تین مراکز میں تقسیم ہوگئی۔ اندلس میں اموی، بغداد میں عباسی اور قاہرہ میں فاطمیوں کی الگ الگ حکومتیں وجود میں آ گئیں۔ یورپ کے عیسائیوں نے اس انتشار کو مسلمانوں کی کمزوری پر محمول کیا اور مسلمانوں کے خلاف جنگی تیاریاں شروع کر دیں۔ جب بغداد میں عباسی خلافت کمزور ہوئی اور آلِ بویہ طاقت پکڑ گئے تو اس موقع پر سلجوقیوں نے عباسیوں کو سہارا دیا، جبکہ اندلس میں مسلمانوں کے قصرِ سلطنت کو گرنے سے بچانے کے لیے مراکش سے یوسف بن تاشفین نے مدد فراہم کی۔

مسلمانوں کی طرف سے یورپ کو آٹھویں صدی کے بعد سے کوئی زک نہیں پہنچی تھی۔ اس لیے

Marfat.com

یورپ کی عیسائی قوتیں مسلمانوں کے خلاف منظم اتحاد قائم کر چکی تھیں، لیکن مشرق میں جنگِ ملازکرد اور مغرب میں جنگِ زلاقہ کی ہزیمتوں نے یورپ کی عیسائی دنیا میں کہرام بپا کر دیا۔ اب انہیں یورپ بھی ہاتھ سے نکلتا ہوا محسوس ہونے لگا تو یورپ کے عیسائی حکمرانوں نے آپس کے اختلافات کو بھلا کر پورے جنگی جنون کے ساتھ مسلمانوں کے مقابلے میں مشترکہ تیاریاں شروع کر دیں۔ دو عیسائی راہنماؤں نے مسلمانوں کے خلاف صلیبی جنگوں (۱) کے آغاز کے لیے راہ ہموار کی۔ ان میں سے ایک راہب تھا اور دوسرا پوپ۔

راہب "پطرس" یروشلم کی زیارت کے لیے گیا۔ یہاں اس نے مسلمانوں کی سیاسی کمزوری کا خاص طور پر مشاہدہ کیا۔ وہ عیسائیوں کے مقدس مقامات کو مسلمانوں کے زیر کنٹرول دیکھ کر رنجیدۂ خاطر ہوا، چنانچہ اس نے عیسائیوں کو منظم کر کے مسلمانوں سے بیت المقدس آزاد کرانے کا فیصلہ کر لیا۔ وہ یروشلم سے یورپ پہنچا اور پوپ اربن ثانی سے ملاقات کی۔ پوپ اربن ثانی خود بھی مسلمانوں کے خلاف شدید تعصب رکھتا تھا۔ راہب پطرس اور پوپ اربن ثانی نے مل کر یورپ میں مسلمانوں کے خلاف جنگی جنون پیدا کر دیا۔ اس مقصد کے لیے پطرس نے پورے یورپ کا چکر لگایا اور عیسائیوں کو مسلمانوں کے خلاف بھڑکایا۔ دوسری طرف پوپ اربن ثانی نے فرانس کے شہر کلیرمونٹ میں ایک بہت بڑی عیسائی کانفرنس کا اہتمام کیا۔ اس کانفرنس میں پوپ نے مسلمانوں کے خلاف جی بھر کر زہر اگلا۔ پوپ نے انجیل مقدس کی آیات کی غلط تشریح کرتے ہوئے عیسائیوں کو مسلمانوں کے خلاف صلیبی جنگیں شروع کرنے کی ترغیب دی۔ پوپ نے ایک آیت کا مطلب یہ بیان کیا کہ اس وقت جو شخص اپنی صلیب کو نہ اٹھائے گا اور میرے ساتھ نہ چلے گا۔ وہ میرا پیروکار نہیں ہے۔ (۲)

پطرس راہب اور پوپ اربن کی زہر آلود تقریروں نے پورے یورپ میں مذہبی جنون کی آگ بھڑکا دی، عیسائی مسلمانوں کے خلاف اُٹھ کھڑے ہوئے۔ لاکھوں مردوں، عورتوں، بوڑھوں اور بچوں کے غیر منظم گروہ بیت المقدس کو آزاد کروانے کے لیے یورپ سے روانہ ہوئے۔ ضیاء النبی جلد ششم میں عیسائیوں کے اس جنگی جنون کا نقشہ کچھ اس طرح کھینچا گیا ہے۔

"دینی اور دنیوی نعمتوں کے لالچ میں لاکھوں انسانوں کا لشکر مشرق سے روانہ ہوا۔ اس لشکر میں مرد بھی تھے، عورتیں بھی تھیں اور بچے بھی۔ ان کی تعداد تیرہ لاکھ تھی۔ یورپی انسانوں کا یہ انبوہ کثیر پطرس

Marfat.com

راہب کی قیادت میں قسطنطنیہ سے روانہ ہوا۔ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے پورا یورپ ایشیاء پر چڑھ دوڑا ہے۔"(۳)

Urban's appeal for a crusade was far more successful than he expected. There arose not only an army in southern France but also several in northern France and one in Apulia in southern Italy, all led by powerful feudal princes; there were also several bands of common people with popular leaders.(4)

"صلیبی جنگوں کے لیے اربن کی اپیل توقع سے بہت زیادہ کامیاب رہی۔نہ صرف جنوبی فرانس سے ایک فوج تیار ہوئی بلکہ جنوبی اٹلی اور اپولیہ سے ایک ایک اور شمالی فرانس سے کئی افواج لڑنے کے لیے تیار ہو گئیں۔ان ساری افواج کی قیادت طاقتور جاگیردار شہزادوں کے ہاتھ میں تھی۔ان مقبول لیڈروں کے ساتھ بہت سارے گروہ عام لوگوں کے تھے۔"

اس پہلے صلیبی حملے کے وقت یروشلم میں فاطمی خلیفہ المستعلی کی حکومت تھی، جس نے شہر کے دفاع کے لیے خاطر خواہ انتظام نہ کیا۔عیسائی جرنیلوں ریمنڈ، ٹینکرڈ اور گڈفرے کی قیادت میں یہ پہلا صلیبی حملہ کامیاب رہا۔اس طرح ساڑھے چار سو سال کے بعد بیت المقدس پر عیسائیوں کا دوبارہ قبضہ ہو گیا۔۶۳۶ء میں فاروق اعظمؓ کے حسنِ سلوک کے برعکس عیسائیوں نے بیت المقدس میں کئی ہفتوں تک مسلمانوں کا قتل عام کیا۔بیت المقدس کے گلی کوچے خون مسلم سے بھر گئے۔

ایک غیر جانب دار مورّخ جب مسلمانوں کی یروشلم پر فتح اور اس کے بعد اس شہر پر عیسائیوں کے قبضہ کی داستان رقم کرے گا اور ان دونوں عسکری مہمات کا موازنہ کرے گا تو اسے ایک واضح فرق نظر آئے گا۔ایک نے مذہب کے نام پر رواداری کی ایک ایسی مثال قائم کی جو رہتی دنیا تک قائم رہے گی، اور دوسرے نے مذہب کے نام پر ظلم وستم، درندگی اور بربریت کا وہ نمونہ پیش کیا جو اپنی مثال آپ تھا۔(۵)

بیت المقدس کے چھن جانے کے بعد مسلمان حکمرانوں کو ہوش آیا۔عیسائیوں سے مسلم علاقے واپس لینے کی پہلی سنجیدہ کوشش عمادُ الدین زنگی نے کی۔اس نے عیسائیوں سے معرتُ النعمان اور الرّہا

Marfat.com

کے علاقے واپس چھین لیے۔ایک بار پھر یورپ اشتعال میں آ گیا اور جنوبی صلیبیوں کے ایک بہت بڑے لشکر نے بیت المقدس پر اپنا قبضہ برقرار رکھنے کے لیے پیش قدمی کی۔۱۱۴۸ء میں عیسائیوں نے دمشق کا محاصرہ کر لیا، لیکن عماد الدّین زنگی کے بیٹے نور الدّین زنگی کی بروقت کارروائی کی وجہ سے صلیبی محاصرہ اٹھانے پر مجبور ہو گئے اور نامراد لوٹ گئے۔نور الدّین زنگی نے عیسائیوں کے خلاف مقدس جہاد جاری رکھا۔

نور الدین زنگی کے بعد صلاح الدّین ایوبی (۶) نے بیت المقدس کی آزادی کے لیے کمرِ ہمت باندھی۔مسلمانوں کو آپس میں متحد کیا۔اپنی فوجی قوت میں بے پناہ اضافہ کیا۔جدید ترین ہتھیار تیار کروائے اور بیت المقدس کی آزادی کا نعرہ بلند کرتے ہوئے مسلم حکمرانوں کو دعوتِ جہاد دی۔مکمل تیاری کے بعد سلطان صلاح الدّین ایک بڑے لشکر کے ساتھ بیت المقدس کی طرف عازم ہوا۔حطین کے مقام پر معرکہ ٔ کارزار گرم ہوا۔جس میں عیسائیوں کو عبرتناک شکست ہوئی۔حطین کی یہ فتح سلطان ایوبی کا بہت بڑا تاریخی کارنامہ تھا۔اس فتح سے سلطان کے دل میں مختلف خیالات جاگزیں ہوئے۔"اس کی کرد فطرت اس فتح کو اپنے قبیلے کی فتح مندی سمجھ کر خوش تھی۔اس کا عالمانہ ذوق اس فتح کے معانی پر غور کرنے میں مصروف تھا۔اس کا زہد و تقوی اس حیران کن کامرانی کو نصرتِ الٰہی کی دلیل جان کر عظیم تر مستقبل کی تمہید سمجھتا تھا۔تائیدِ الٰہی کے بغیر حطین کے میدان میں دشمنوں کا یہ حشر نہیں ہو سکتا تھا۔"(۷)

انسائیکلوپیڈیا بریٹینیکا کا مقالہ نگار لکھتا ہے:۔

Saladin then proceeded to take most of the cities and castles of the defenseless Latin states. Jerusalem fell on Oct. 2, 1187. After two years, only Tyre and the castle of Belfort were left in the Kingdom, Tripoli and four castles in the countship of Tripoli and Antioch and a few small places in the north. In general the wealthy Franks bought their freedom and departed while the poorer ones remained. The Jews, the native Monophysites and the Orthodox Christians were kindly treated and willingly accepted Muslim rule.(8)

Marfat.com

"اس کے بعد سلطان صلاح الدین ایوبی نے دفاعی لحاظ سے کمزور شہروں اور قلعوں کو فتح کرنا شروع کیا۔ بیت المقدس کو ۲۔اکتوبر ۱۱۸۷ء کو فتح کیا۔ دو سالوں کے بعد سلطنت میں صرف ٹائر اور بلفورٹ کا قلعہ، طرابلس کا شہر اور چار قلعے اور شمال میں کچھ علاقے باقی رہ گئے۔ زیادہ تر امیر فرانسیسیوں نے اپنی آزادی خریدی اور ہجرت کر گئے جبکہ غریب لوگ وہیں رہے۔ یہودی ،مقامی ہم عقیدہ اور قدامت پرست عیسائیوں کے ساتھ مہربانی کا سلوک کیا گیا اور انہوں نے مسلم اقتدار کو قبول کر لیا۔"

جنگِ حطین میں عیسائیوں کی ساری قوت ختم ہوگئی چنانچہ وہ بیت المقدس کے دفاع کے لیے کوئی خاص مزاحمت نہ کر سکے۔ اس طرح صرف ۸۸ سال کے بعد ۱۱۸۷ء میں سلطان صلاح الدین ایوبی کی قیادت میں مسلمانوں نے عیسائیوں سے بیت المقدس چھین لیا۔ سلطان نے بیت المقدس کے رہنے والے عیسائیوں کے ساتھ بہت عمدہ اور رحمدلانہ سلوک کیا۔ عیسائیوں کے ساتھ اس ہمدردانہ سلوک کے بارے میں سیّد امیر علی لکھتے ہیں:

The Greeks and Syrian christians within Jerusalem received permission to abide in the Sultan's dominions in the full enjoyment of their civil rights, and the Franks and Latins who wished to settle in Palestine as subjects of the Sultan were permitted to do so. All the combatants within the city were to leave with their women and children within fourty days, under the safe- conduct of the Sultan's soldiers and betake themselves either to Tyre or Tripoli. The ransom was fixed at Ten Syrian dinars for each man, five for each woman and one for each child. On failure to pay the stipulated ransom, they were to remain in bondage. But this was a mere nominal provision. The Sultan himself paid the ransom for ten thousand people, whilst his brother Saif-ud-din released seven thousand more. Several thousand were dismissed by Saladin's clemency without any

Marfat.com

ransom.(9)

"یونانی اور شامی عیسائیوں کو ان کے پورے سماجی حقوق کے ساتھ سلطان کی ریاستوں میں رہنے کی اجازت مل گئی۔ جبکہ وہ فرانسیسی اور لاطینی عیسائی جو کہ فلسطین میں سلطان کی رعایا کی حیثیت سے رہنا چاہتے تھے، اُن کو بھی ایسا کرنے کی اجازت دے دی گئی۔ وہ عیسائی جنگجو جو شہر میں موجود تھے، ان کو اپنے بیوی بچوں کے ہمراہ چالیس دن کے اندر اندر شہر چھوڑنے کا حکم دیا گیا۔ سلطان کی فوج نے انہیں ٹائر یا طرابلس تک جانے کا محفوظ راستہ فراہم کیا۔ سلطان نے عیسائی مردوں کے لیے دس، عورتوں کے لیے پانچ اور بچوں کے لیے ایک ایک شامی دینار تاوان مقرر کیا۔ تاوان کی ادائیگی میں ناکامی کی صورت میں انہیں غلام رہنا تھا۔ مگر یہ شرط بھی صرف برائے نام تھی۔ سلطان نے خود دس ہزار، اس کے بھائی سیف الدین نے سات ہزار لوگوں کا تاوان ادا کیا اور کئی ہزار لوگوں کو بغیر تاوان کے آزاد کر دیا گیا۔"

بیت المقدس پر مسلمانوں کے دوبارہ قبضہ کی خبر سے پورے یورپ میں کہرام مچ گیا۔ سرد صلیبی جذبے پھر آگ پکڑنے لگے۔ بقول لین پول جب یروشلم کے زوال کے خبر یورپ پہنچی تو کوئی شاہی دربار، کوئی لشکر گاہ، کوئی قریہ اور کوئی قصبہ ایسا نہ تھا جہاں سے اک عالمگیر صدائے طیش والم نہ اٹھی ہو۔(۱۰) عیسائیوں کی اس شکست کا پوپ اربن سوئم کو اتنا دکھ ہوا کہ اس کا دل بند ہو گیا۔ گریگوری ہشتم نے اس موقع پر کہا کہ ہم اور ہمارے بھائی سکتے کی حالت میں ہیں۔ اس خوفناک اور دردناک خبر نے ہمارے حواس چھین لیے ہیں۔ ہماری سمجھ میں کچھ نہیں آتا کہ کیا کریں۔(۱۱)

یورپ میں اس وقت تین بڑی طاقتیں تھیں:۔ ۱۔انگلینڈ ۲۔فرانس ۳۔جرمنی اگرچہ یہ تینوں طاقتیں آپس میں برسرِ پیکار رہتی تھیں، لیکن ارضِ مقدس کی آزادی کے لیے ان تینوں نے آپس میں اتحاد کر لیا۔ انگلینڈ میں ہنری دوم کے بعد رچرڈ شیر دل (Richard) حکومت سنبھال چکا تھا۔ فرانس میں فلپ آگسٹس (Philip Augustus) اور جرمنی میں رومن شہنشاہ فریڈرک باربروسا (Frederick Barbrossa) حکمران تھے۔ رچرڈ اور فلپ ایک دوسرے کے سخت دشمن تھے، لیکن آپس کے اختلافات کو بھلا کر اکٹھے ہو چکے تھے۔ فریڈرک اپنی طاقت کے زعم میں ایک لشکرِ جرار کے ساتھ خود ہی ارضِ مقدس کی طرف روانہ ہوا، لیکن راستہ کی سختیوں اور صعوبتوں نے سارے لشکر کو تباہ

Marfat.com

کر کے رکھ دیا اور فریڈرک خود دریا میں ڈوب مرا۔

رچرڈ اور فلپ مشترکہ افواج کے ساتھ ارضِ مقدس کی طرف بڑھے۔ مختلف علاقوں کو تاخت و تاراج کرتے ہوئے عکّہ (Acre) پہنچے اور اس کا محاصرہ کر لیا۔ سلطان ایوبی اس کا دفاع نہ کر سکا۔ چنانچہ ۱۱۹۱ء میں عکّہ پر صلیبیوں کا قبضہ ہو گیا۔ ایوبی افواج یروشلم کے دفاع کو مضبوط بنانے کے لیے یافہ سے بھی پیچھے ہٹ گئیں۔ چنانچہ یافہ بھی صلیبیوں کے ہاتھ آ گیا۔

ان فتوحات نے صلیبیوں کے حوصلوں کو بڑھا دیا۔ اب رچرڈ شیر دل جلد از جلد یروشلم فتح کرنا چاہتا تھا، لیکن سلطان صلاح الدین نے ہر محاذ پر رچرڈ کو شکست فاش دی۔ جلد ہی رچرڈ کے غرور کا سارا نشہ ہَرن ہو گیا۔ اسے اس بات کا احساس ہو گیا کہ یروشلم کو بزورِ شمشیر فتح کرنا، ناممکن ہے۔ چنانچہ اس نے سلطان کے ساتھ مذاکرات کر کے اس مسئلہ کا حل نکالنے کی کوشش کی۔ سلطان مذاکرات کے لیے تیار ہو گیا۔ معاہدۂ صلح کے مطابق بیت المقدس مسلمانوں کے پاس ہی رہا، تاہم عیسائیوں کو زیارتِ بیت المقدس کی اجازت دے دی گئی۔ عکّہ سے یافہ تک کے علاقے پر عیسائیوں کے قبضہ کو تسلیم کر لیا گیا۔

The third Crusade accomplished little more than the capture of Acre or Akka, and the peace of Ramla in 1192 left to the Christians only the narrow coastal strip from Acre to Jaffa, and the right of unarmed pilgrims to visit Jerusalem.(12)

"عیسائی تیسری صلیبی جنگ سے عکہ پر قبضہ سے زیادہ کچھ حاصل نہ کر سکے اور ۱۱۹۲ء میں رملہ میں ہونے والے معاہدہ صلح کے نتیجہ میں صرف عکہ سے یافہ تک کی تنگ سی ساحلی پٹی پر عیسائی قبضہ کو تسلیم کر لیا گیا۔ اس کے ساتھ غیر مسلح عیسائی زائرین کو بیت المقدس کی زیارت کی اجازت دے دی گئی۔"

بیت المقدس کی آزادی کے لیے یہ عیسائیوں کا آخری بڑا حملہ تھا، جو بُری طرح ناکام ہوا۔ پورا یورپ مل کر بھی مسلمانوں سے بیت المقدس کو آزاد نہ کرا سکا۔ اس کے بعد بھی صلیبی حملوں کا سلسلہ جاری رہا۔ ۱۲۲۸ء میں جرمنی کے بادشاہ فریڈرک دوم نے چھٹا صلیبی حملہ کیا اور مسلم حکمران الملک الکامل سے بیت المقدس کی واپسی کا مطالبہ کیا۔ اس ناعاقبت اندیش حکمران نے ۱۸ فروری ۱۹۲۹ء کو ایک صلح نامہ کے

Marfat.com

ذریعے بیت المقدس عیسائیوں کے حوالے کر دیا۔ صرف پندرہ سال کے بعد ۱۲۴۴ء میں دس ہزار خوارزمی ترک مسلم نوجوانوں کے لشکر نے بھرپور حملہ کر کے ایک بار پھر بیت المقدس عیسائیوں سے چھین لیا۔ مسلم مملوک حکمرانوں نے بیت المقدس کی حفاظت کا حق ادا کر دیا۔ سلطان بیبرس نے ایک طرف عین جالوت کے ایک اہم معرکہ میں تاتاریوں کو شکست دے کر ان وحشیوں کا زور توڑا تو دوسری طرف ۱۲۶۸ء میں انطاکیہ کا اہم علاقہ عیسائیوں سے چھین لیا۔ سلطان قلاؤن (Qalawun) نے ۱۲۸۹ء میں طرابلس فتح کیا اور اس کے بیٹے سلطان ملک الاشرف نے ۱۲۹۱ء میں عکّہ کے قلعے کا محاصرہ کر لیا اور صرف چھ ہفتوں کی جاں توڑ جدوجہد کے بعد شہر پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔ ہیرلڈ لیم لکھتا ہے کہ فتح عکّہ کے دن تیس ہزار کافر مارے گئے۔ ٹمپلروں کی لاشوں سے برج اَٹے ہوئے تھے، اُن کو وہیں جلا دیا گیا۔ فلسطین میں کہرام مچ گیا۔ چھوٹی بندرگاہوں پر صلیبیوں کا ہجوم ہو گیا اور صلیبی نہایت بے سروسامانی کی حالت میں بھاگنے لگے۔ عکّہ، عظیم الشان عکّہ! صلیبی قوت کا آخری نشان سرنگوں ہو چکا تھا۔ اب صلیبی خوف زدہ اور بے سہارا رہ گئے تھے۔ (۱۳)

۱۲۹۱ء کے وسط تک صلیبیوں کے پاس سرزمینِ فلسطین کی ایک اینٹ بھی نہ تھی۔ (۱۴) عیسائیوں نے جس مقصد کے لیے صلیبی جنگوں کا سلسلہ شروع کیا تھا، وہ حاصل نہ ہو سکا اور بیت المقدس مسلمانوں کے پاس ہی رہا۔

One tragic result of the Crusades was the destruction of the Byzantine empire and civilization. The Byzantines never recovered from the fourth crusade. Their government, restored to Constantinople in 1261, was thenceforth a shadow of its former self and fell to the Ottoman Turks in 1453. Thereafter Christian Orthodox culture inevitably declined throughout the territories of the former empire. Pope Urban's hope of Christian unity between east and west was destroyed.(15)

"صلیبی جنگوں کا المناک نتیجہ بازنطینی سلطنت اور تہذیب کی تباہی تھی۔ یہ سلطنت چوتھی صلیبی جنگ کے بعد بھی بحال نہیں ہو سکی۔ اس کی حکومت جو کہ قسطنطنیہ میں ۱۲۶۱ء میں بحال کی گئی وہ

Marfat.com

اپنی سابقہ شان و شوکت کا محض ایک عکس تھی اور ۱۴۵۳ء میں ترکوں نے اسے آسانی سے فتح کر لیا اور اس کے بعد ناگزیر طور پر قدامت پرست عیسائی تہذیب کو اس علاقے میں زوال آ گیا۔ اور پوپ اربن کی مشرق اور مغرب کے عیسائیوں کو متحد کرنے کی خواہش پوری نہ ہو سکی۔"

عسکری میدان میں ناکامیوں کے بعد صلیبیوں نے مسلمانوں کے خلاف اپنی حکمتِ عملی تبدیل کرتے ہوئے تحریکِ استشراق (Orientalism) کی بنیاد ڈالی۔ آج ایک مستشرق خدمتِ علم کے نام پر ایک صلیبی ہی کا کردار ادا کر رہا ہے۔ جس طرح ایک صلیبی جنگجو اپنے سینے میں اسلام کے خلاف بغض و نفرت رکھتا تھا آج کے مستشرق کا دل بھی اسلام کے خلاف اسی تعصب و عناد سے لبریز ہے۔

گیارہویں صدی عیسوی سے لے کر تیرہویں صدی عیسوی تک مسلمانوں کے خلاف لڑی جانے والی صلیبی جنگوں کی قیادت یورپی عیسائیوں نے کی تھی مگر آج یہی فریضہ امریکہ انجام دے رہا ہے۔ نائن الیون کے بعد امریکی صدر جارج ڈبلیو بش نے مسلمانوں کے خلاف ایک بار پھر صلیبی حملے شروع کرنے کا عندیہ دیا اور ساتھ ہی ایک مسلم ریاست افغانستان پر چڑھ دوڑا۔ پرانے صلیبی انگلستان اور فرانس اس کے اتحادی بنے اور ان صلیبیوں نے ۱۰۹۹ء کی یادوں کو تازہ کرتے ہوئے ۲۰۰۱ء میں اس مسلم ملک پر گولہ و بارود کی بارش کر دی۔ جس سے لاکھوں بے گناہ اور معصوم مسلمان لقمۂ اجل بن گئے۔

ان صلیبیوں نے اگلے مرحلے میں ایک دوسرے اسلامی ملک عراق پر خطرناک ایٹمی ہتھیاروں کی تیاری کا الزام لگاتے ہوئے خطرناک ہتھیاروں سے حملہ کر دیا اور اپنی افواج عراق میں داخل کر دیں۔ اس کے باوجود عراق سے کسی قسم کے ایٹمی ہتھیار نہ مل سکے اور اس بات کا اعتراف خود امریکہ اور اس کے اتحادیوں نے کیا۔ امریکہ اور اس کے اتحادی ایک بار پھر مسلمانوں کے خلاف صلیبی حملوں کا آغاز کر چکے ہیں۔ ایران، شام فلسطین، لبنان، سومالیہ، یمن، سوڈان اور پاکستان ان کا اگلا ہدف ہو سکتے ہیں۔ امریکہ ان ممالک، خاص طور پر پاکستان میں اپنا کھیل شروع کر چکا ہے۔ اس موقع پر تمام اسلامی ممالک کے حکمران خاموش تماشائی بنے صلیبیوں کو کھل کھیلتا دیکھ رہے ہیں۔ اگر افغانستان اور عراق کی تباہی کے بعد بھی مسلم حکمرانوں نے ہوش کے ناخن نہ لیے تو خدا جانے ان صلیبی سورماؤں کا کلیجہ کتنے مسلمانوں کے خون سے ٹھنڈا ہو گا۔

گیارہویں صدی عیسوی میں مسلمانوں کے خلاف صلیبی جنگی جنون پیدا کرنے والے دو اہم

Marfat.com

کردار پیٹر راہب اور پوپ اربن ثانی تھے۔ آج بھی عیسائیت کے مذہبی ادارے اپنے مذموم مقاصد کی تکمیل کے لیے سرگرم عمل ہیں۔ آج یورپ اور امریکہ میں نبی رحمت ﷺ کی ذاتِ گرامی کو بغض وعناد کا نشانہ بنا لیا گیا ہے۔ آپ ﷺ کے روشن اور مبارک کردار کو مسخ کر کے پیش کرنے کے لیے (نعوذ باللہ) آپ ﷺ (فداہ ابی و امّی) کے کے خاکے شائع کیے جا رہے ہیں۔ انٹرنیٹ کی سائٹ "فیس بک" پر خاکے بنانے کا مقابلہ کروایا گیا ہے۔ اسلام مخالف فلموں میں قرآن مجید کی مقدس آیات کی تضحیک کی جا رہی ہے۔ فلوریڈا چرچ کا پادری ٹیری جونز قرآن پاک کے نسخے جلانے کے شرانگیز ارادے ظاہر کر چکا ہے۔ مستشرکین، قرآن اور صاحبِ قرآن ﷺ کے خلاف قلم کے نشتر چلا رہے ہیں۔ ان تمام مذموم مقاصد کے لیے دن رات کام ہو رہا ہے۔

سلطان صلاح الدین ایوبی نے ۱۱۸۷ء میں عیسائیوں سے دوبارہ بیت المقدس چھین لیا تھا۔ بیسویں صدی تک بیت المقدس مسلمانوں کے پاس رہا، لیکن اس دوران عیسائی بیت المقدس کے حصول کے لیے سازشوں کے جال بنتے رہے۔ ۱۹۱۷ء کے اعلانِ بالفور میں یہ سازشیں اور خفیہ منصوبے طشت از بام ہو گئے۔ یورپ اور امریکہ نے ۱۹۴۸ء میں مشرقِ وسطیٰ کے ممالکِ اسلامیہ کے قلب میں اسرائیل کی ریاست قائم کر دی۔ ۱۹۶۷ء میں عرب اسرائیل جنگ کے نتیجہ میں بیت المقدس پر اسرائیل کا قبضہ ہو گیا۔ یہودیوں نے مسجدِ اقصیٰ کو آگ لگا دی اور اب وہ مسجدِ اقصیٰ کو منہدم کر کے اس پر ہیکل سلیمانی تعمیر کرنا چاہتے ہیں۔ تاریخ کے اس نازک موڑ پر مسلم حکمران اپنے اقتدار کی رنگینیوں سے لطف اندوز ہونے کے لیے نہ صرف امریکیوں اور اسرائیلی صلیبیوں کے آلہ کار بنے ہوئے ہیں بلکہ کٹھ پتلیوں کی طرح اس ڈرامے میں اپنا اپنا مکروہ کردار بھی ادا کر رہے ہیں۔

حوالہ جات وحواشی

(۱) مسلمانوں اور عیسائیوں کے درمیان ہونے والی جنگوں کا طویل سلسلہ جو تقریباً دو سو سال تک جاری رہا۔ عیسائیوں نے صلیب کی حفاظت کے نام پر یہ جنگیں شروع کیں، اس لیے انہیں صلیبی جنگیں کہا جاتا ہے۔ اردو انسائیکلوپیڈیا، فیروز سنز، لاہور۔

(۲) تاریخ اسلام، ندوی، معین الدین احمد، المیزان ناشران، لاہور، ص ۸۰۸

Marfat.com

(۳)ضیاء النبی، الازہری، محمد کرم شاہ، عبدالرسول، علامہ، ضیاء القرآن پبلیکیشنز، لاہور، ج ۶، ص ۶۵، ۱۹۹۴ء

(4) Encyclopaedia Britannica, Volume 6, Page 828, William Benton, Publisher.

(۵)صلیبی جنگیں، ٹیری جونز، ایلن اریرا، مترجم امان اللہ قریشی، ڈاکٹر تخلیقات، لاہور، ص ۵۲، ۲۰۰۰ء

(۶)صلاح الدین ایوبی کا اصل نام یوسف بن ایوب تھا۔ وہ ۱۱۳۸ء میں تکریت میں پیدا ہوئے۔ ساری زندگی عیسائیوں کے خلاف جہاد میں مصروف رہے۔ ۱۱۹۵ء میں دمشق میں وفات پائی۔ مؤلف

(۷)صلیبی جنگیں، ہیرلڈلیم، نگارشات، لاہور، ص ۷۵، ۲۰۰۷ء

(8) Encyclopaedia Britannica, Volume 6, Page 32, William Benton, Publisher.

(9) A Short History of the Saracens, Page 357 Syed Ameer Ali, Islamic Book Service, LAHORE.

(۱۰)تاریخ اسلام، ندوی، معین الدین احمد، المیز ان ناشران، لاہور، ص ۸۹۲

(۱۱)صلیبی جنگیں، ٹیری جونز، ایلن اریرا، مترجم امان اللہ قریشی، ڈاکٹر تخلیقات، لاہور، ص ۱۲۶

(12) A History of Medieval Islam, Page 165, J.J.Saunders, Routledge and Kegan Paul, LONDON.

(۱۳)صلیبی جنگیں، ہیرلڈلیم، نگارشات، لاہور، ص ۴۱۳، ۲۰۰۷ء

(۱۴)صلیبی جنگیں، ٹیری جونز، ایلن اریرا، امان اللہ قریشی، ڈاکٹر تخلیقات، لاہور، ص ۱۹۰، ۲۰۰۱ء

(15) Encyclopedia Britannica, Volume 6, Page 833, William Benton, Publisher.

Marfat.com

ترائن کی دوسری جنگ ۵۸۸ھ/۱۱۹۲ء

محمود غزنوی کے جانشینوں میں کوئی ایسا جوہر قابل نہ تھا جو برصغیر میں فتوحات کے سلسلہ کو جاری رکھتا۔ غزنوی خاندان کے دیگر حکمرانوں نے اپنی غیر ذمہ دارانہ حرکات سے نہ صرف غزنی کی حکومت کو کھو دیا بلکہ ان تمام قوتوں کو دوبارہ پنپنے کا موقع دیا جنہیں محمود نے اپنی جرأت، بہادری اور فراستِ ایمانی سے دبا دیا تھا۔ ملتان اور آس پاس کے علاقوں میں ایک دفعہ پھر قرامطہ منظم ہو چکے تھے۔ راجپوتوں کا منتشر شیرازہ ایک بار پھر یکجا ہو رہا تھا۔ شمالی ہند میں راجہ پرتھوی بہت بڑی عسکری اور سیاسی قوت بن چکا تھا۔ راجپوت اس حد تک مضبوط ہو چکے تھے کہ اب انہوں نے مسلمانوں سے اُن کے مفتوحہ علاقے واپس چھیننا شروع کر دیے تھے۔ ایک دفعہ راجپوتوں نے غزنویوں سے لاہور واپس لینے کے لیے بھی بھرپور حملہ کیا، جس میں انہیں ناکامی ہوئی۔ غزنویوں کے اس جرمِ ضعیفی کی سزا ہندوستان کے مختلف علاقوں میں آباد مسلمان' برداشت کر رہے تھے۔ سلطان محمود غزنوی سے دو صدیوں بعد سلطان محمد غوری نے ہندوستان میں فتوحات کا سلسلہ دوبارہ شروع کیا۔ قرامطہ کی طاقت کو کچلا، راجپوتوں کے سرِ غرور کو خاک میں ملایا اور برصغیر میں اسلامی نظام حکومت کے لیے مضبوط بنیادیں فراہم کیں۔ شیخ محمد اکرام ان الفاظ میں سلطان محمد غوری کا تعارف کرواتے ہیں۔

"جس مردِ مجاہد نے شمالی ہندوستان کے عسکری نظام کو پھر درہم برہم کیا اور صرف تخریب پر ہی نہیں اکتفا کیا بلکہ اس کی جگہ اسلامی نظام حکومت کی مستحکم بنیادیں فراہم کیں، اس کا نام محمد غوری تھا۔ وہ محمود غزنوی جیسا کامیاب سپہ سالار تو نہ تھا لیکن کریکٹر کی مضبوطی اور عقل و دانش میں اس سے بڑھ کر تھا۔ اسے کئی دفعہ ہزیمتوں کا سامنا کرنا پڑا لیکن وہ اس سے ہراساں نہ ہوتا۔ ایسے میں اس کی بلند ہمتی اور قابلیت قابلِ دید تھی۔ اُس کی ہمت اور خوش تدبیری شکست کو فتح میں بدل دیتی اور اپنی مشکلوں کے باوجود اس نے اس قدر ٹھوس اور پائیدار کام کیا جس کا عشرِ عشیر بھی محمود سے، جسے کبھی ناکامی کا منہ نہ دیکھنا پڑا تھا، نہ ہو سکا۔"(۱)

Marfat.com

سلطان محمد غوری نے ملتان سے قرامطہ کا مکمل صفایا کر کے محمود غزنوی کے مشن کی تکمیل کی۔ ہندوستان میں لاہور، ملتان، اُچ اور بٹھنڈہ پر اپنی فتح کا پرچم لہرانے کے بعد سلطان غوری ابھی واپسی کا ارادہ کر رہا تھا کہ اسے اطلاع ملی کہ اجمیر کا ہندو راجہ پرتھوی راج اپنے بھائی حاکمِ دہلی گوبند رائے کے ساتھ مل کر بٹھنڈہ کی جانب پیش قدمی کر رہا ہے۔ سلطان محمد غوری نے واپسی کا ارادہ ملتوی کر دیا اور پرتھوی راج کے مقابلے کے لیے آگے بڑھا۔ دونوں فوجوں کا ترائن کے مقام پر آمنا سامنا ہوا۔ راجپوت لشکر کی تعداد دو لاکھ سے زیادہ تھی۔ جنگ کا آغاز ہوا۔ دونوں طرف سے بہادری کے جوہر دکھائے گئے۔ ہندو راجپوت بڑی بہادری اور جوانمردی سے لڑے۔ اگرچہ مسلمانوں نے بھرپور جنگ لڑی لیکن قلت تعداد کی وجہ سے اُن کے قدم اُکھڑنے لگے اور صفیں منتشر ہو گئیں۔ اس موقع پر سلطان محمد غوری نے ایک بہادر سپہ سالار کی طرح میدانِ جنگ نہ چھوڑا، بلکہ خود اپنی جان کو خطرے میں ڈالتے ہوئے گھوڑے پر سوار ہو کر پرتھوی راج کے مقابلے پر آیا، جو ہاتھی پر سوار ہو کر فوج کی کمان کر رہا تھا۔ دونوں بہادروں کے درمیان حملہ و جوابی حملہ ہوا، اور دونوں ہی شدید زخمی ہوئے۔ سلطان غوری کو شدید زخمی حالت میں ایک مسلمان سپاہی نے اپنے گھوڑے پر سوار کرایا اور میدانِ جنگ سے نکال کر محفوظ مقام پر لایا۔ سلطان کے امیروں کی بے وفائی اور راجپوت ہندو سرداروں کی بہادری کی وجہ سے سلطان غوری کو شکست ہوئی۔

اس فتح سے پرتھوی راج کے حوصلے بلند ہو گئے اور اس نے بٹھنڈہ کا محاصرہ لیا۔ تاریخ فرشتہ کے مطابق یہ محاصرہ ۱۳ ماہ تک رہا۔ آخر تنگ آ کر امیرِ شہر ضیاء الدین ٹونکی نے پرتھوی راج سے صلح کر لی۔ بٹھنڈہ پر قبضہ کے بعد ہندوؤں کے عزائم نے خطرناک صورت اختیار کر لی۔ اب انہوں نے مسلمانوں سے اپنے دیگر مفتوحہ علاقوں کی واپسی کے لئے جدوجہد شروع کر دی۔ سلطان محمد غوری کو اس شکست کا دلی صدمہ ہوا، کیونکہ اس شکست کی وجہ اس کے خلجی اور غوری امیروں کی بزدلی اور بے وفائی تھی۔ وہ پرتھوی راج کے حملوں کی تاب نہ لا کر میدانِ جنگ سے فرار ہوئے تھے۔ سلطان غوری نے اُن کی سرزنش کی۔ مؤرخ فرشتہ کے مطابق سلطان نے توبروں میں کچے جو بھروا کر اُن امیروں کی گردنوں میں لٹکا دیے اور اس عالم میں انہیں سارے شہر میں پھروایا۔ سلطان نے یہ حکم دیا کہ جو امیر اپنے توبروں کے کچے جو نہ کھائے اسے قتل کر دیا جائے۔ امیروں نے اپنی جانوں کی سلامتی کو غنیمت سمجھا اور توبروں کے کچے جو

Marfat.com

کھا لیے اور اس مصیبت سے چھٹکارا حاصل کیا۔"(۲)

سلطان محمد غوری، ہندو راجہ سے اپنی شکست کا ہر صورت انتقام لینا چاہتا تھا۔ اسے اس بات کا بخوبی احساس تھا کہ اگر شمالی ہندوستان میں پرتھوی راج کی طاقت کو نہ کچلا گیا تو نہ صرف ہندوستان میں مسلمانوں کی فتوحات کا باب بند ہو جائے گا بلکہ ہندوؤں کی شہہ پر قرامطہ جیسے شرپسند اور بے دین عناصر ایک بار پھر اپنے مذموم عزائم کی تکمیل چاہیں گے۔ مؤرخین کے بیان کے مطابق ترائن میں ہزیمت سے دوچار ہونے کے بعد سلطان محمد غوری کے شب و روز میں واضح تبدیلی دیکھنے میں آئی۔ اس نے دن کا چین اور رات کا آرام تج دیا، خوش لباسی اور خوش طعامی موقوف کر دی۔ یہاں تک کہ اپنی بیوی سے جدائی اختیار کر لی۔ ایک سال کی بھرپور تیاری کے بعد ایک بار پھر وہ ایک لاکھ سے زائد لشکر کے ساتھ ہندوستان روانہ ہوا۔ اس نے اس مہم کو اس حد تک صیغۂ راز میں رکھا کہ پشاور کے قریب پہنچ جانے کے باوجود اس کے امیروں کو علم نہ ہو سکا کہ سلطان کا ارادہ کیا ہے۔ یہاں پر سلطان کے امیروں نے سلطان کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنی گذشتہ غلطی کی معافی مانگی اور آئندہ میدانِ جنگ میں پیٹھ نہ دکھانے کا عہد کیا۔ سلطان نے معتوب امیروں کو گراں قدر خلعت اور مرصع خنجر عطا کیے اور اُن کی غفلت کو معاف کر کے آئندہ احتیاط سے کام لینے کی تلقین کی۔ (۳)

سلطان غوری اپنے لشکر کے ساتھ ملتان سے ہوتا ہوا لاہور پہنچا۔ یہاں سے اس نے اجمیر کے راجہ کو قبولِ اسلام کے لیے پیغام بھیجا جس کا اس نے بڑے رعونت آمیز لہجے میں جواب دیا۔ اس نے سلطان کے خلاف ہندوستان کے تمام راجاؤں کو اپنی مدد کے لیے خطوط لکھے اور بھرپور جنگی تیاریاں شروع کر دیں۔ فریقین اس جنگ کی اہمیت سے بخوبی آگاہ تھے۔ ہندو ایک دفعہ پہلے چونکہ محمد غوری کو شکست دے چکے تھے اس لیے اُن کے حوصلے بلند تھے اور وہ جانتے تھے کہ اگر اس دفعہ بھی محمد غوری کی طاقت کو مکمل طور پر کچل دیا جائے تو آئندہ پورے ہندوستان پر ہندوؤں کی حکومت ہو گی اور کبھی کسی مسلمان سپہ سالار کو جرأت نہ ہو گی کہ وہ ہندوستان کا رُخ کرے۔ سلطان محمود غزنوی کے بعد ایک بار پھر ہندوستان کے سارے راجے مہاراجے اتحاد کر چکے تھے، اور اب پرتھوی راج کی کمان میں ایک سو پچاس راجے اپنی اپنی فوج کے ساتھ شریک تھے۔ راجہ پرتھوی تین لاکھ کے لشکر کے ساتھ سلطان محمد غوری کے مقابلے میں آیا اور ترائن کے مقام پر خیمہ زن ہوا۔ ہندو راجاؤں کے جوش و خروش کا یہ عالم تھا کہ انہوں نے آپس

Marfat.com

میں جہاد کیا۔ یہ وہ قسمت تھی کہ جب تک مسلمانوں کو جہاد سے وابستگی رہی وہ ترقی کرتے رہے
ہوتے گئے۔

بعد ازاں سلطان محمد غوری جس کا اصل نام معز الدین تھا کے ہاتھوں پنجاب میں غزنوی خاندان کا خاتمہ ہو گیا۔ سلطان نے کئی حملے کیے۔ اس نے ملتان اور اُچ فتح کیے۔ اس وقت کے ہندوستان میں غوری سلطنت سب سے مضبوط اسلامی طاقت تھی۔ اس نے گجرات پر بھی حملہ کیا مگر سلطان کو شکست ہوئی کیونکہ اسے کافی نقصان اٹھانا پڑا۔

سلطان محمد غوری نے پرتھوی راج کے خلاف ۱۱۹۱ء میں شکست کھائی۔ پرتھوی راج نے ہندو راجوں کے ساتھ مل کر جنگ کی۔ اس میں ہندوؤں کی تعداد بہت زیادہ تھی۔ سلطان زخمی ہو گیا اور جنگ سے باہر لے جایا گیا۔ اس شکست کا بدلہ لینے کے لیے ۱۱۹۲ء میں سلطان نے پھر حملہ کیا۔ جب ہندو راجوں کی فوج مسلمانوں پر حملہ آور ہوتی تو یہ ایک دفعہ تو پیچھے ہٹ جاتے اور جب ہندو فوج تعاقب کرتے ہوئے میدان جنگ سے دور نکل آتی تو مسلمان سپاہی پلٹ کر حملہ کر دیتے۔ چنانچہ سلطان نے اسی طرح کیا۔ اور جب ہندو خوب تھک چکے تو ایک نئے دستے نے حملہ کیا اور ہندو شکست کھا کر بھاگ نکلے۔(۱)

اس شکست کے بعد سلطان غوری نے ہندوؤں پر فتح حاصل کی۔ راجہ پرتھوی راج میدان جنگ میں مارا گیا۔ پرتھوی راج نے فرار ہونے کی کوشش کی مگر مسلمان سپاہیوں نے اس کا تعاقب کرتے ہوئے اسے قتل کر دیا۔ اس لڑائی سے ہندوؤں کی طاقت ختم ہو گئی۔ پنجاب میں دہلی تک سوائے چند علاقوں کے جس میں ہانسی وغیرہ بھی شامل تھے، سلطان کے قبضے میں آ گئے۔ سلطان دہلی فتح کرنے کے بعد قطب الدین ایبک کو اپنا نائب چھوڑ کر غزنی واپس چلا گیا۔(۲)

ترائن کی یہ مشہور جنگ ۱۱۹۲ء میں لڑی گئی۔ اس جنگ میں سلطان محمد غوری کی فتح نے شمالی ہند کے دروازے مسلمانوں پر کھول دیے۔ یہ ایک فیصلہ کن جنگ تھی جس میں ہندوستان کے تمام راجے اپنی تمام عسکری طاقت کے ساتھ مسلمانوں کے مقابلے پر آئے۔ اب راجہ پرتھوی کے قتل کے بعد ہندوستان میں کوئی ایسی طاقت نہ تھی جو مسلمانوں کا راستہ روک سکتی۔ سلطان محمد غوری نے اجمیر میں ہندو رعایا کے ساتھ بہت اچھا سلوک کیا۔ اس نے اجمیر کی حکومت پرتھوی راج کے بیٹے راجہ گولا کے سپرد کی اور اسے اپنا

Marfat.com

باجگزار بنالیا، لیکن کچھ عرصہ کے بعد جب راجہ کولا کو اس کے چچا نے شکست دے کر سرکشی اختیار کی تو قطب الدین ایبک اجمیر کی طرف بڑھا، ایک شدید جنگ کے نتیجے میں ہندوؤں کو ایک بار پھر ہزیمت اٹھانا پڑی اور اجمیر پر مسلمانوں کی حکومت قائم ہو گئی۔

قنوج کے راجہ جے چند کی وجہ سے ابھی تک ہندو طاقت کا مکمل خاتمہ نہ سکا تھا، چنانچہ سلطان محمد غوری دو سال بعد ایک بار پھر ہندوستان آیا۔ راجہ جے چند نے تین ہزار ہاتھیوں اور لشکر جرار کے ساتھ سلطان کا مقابلہ کیا۔ جے چند سلطانی حملوں کی تاب نہ لا سکا اور میدانِ جنگ سے فرار ہو گیا۔ ۱۲۰۶ء میں لاہور کے قریب کھوکھروں نے بغاوت کر دی۔ یہ قوم انتہائی سفاک اور بدتہذیب تھی۔ سلطان غوری نے ہندوستان واپس آ کر اُن کی بغاوت کا خاتمہ کیا۔

سلطان کی تمام زندگی ہندوؤں، قرامطیوں اور شرپسند عناصر کی بیخ کنی میں گزری۔ اس لیے یہ تمام لوگ سلطان کے جانی دشمن بن چکے تھے۔ سلطان جب کھوکھروں کی بغاوت کا خاتمہ کر کے واپس غزنہ جا رہا تھا تو ۱۲۰۶ء میں دریائے سندھ کے کنارے دمیک نامی مقام پر سلطان نے پڑاؤ ڈالا۔ اسی مقام پر ایک جنونی اسماعیلی فدائی نے اچانک حملہ کر کے سلطان کو شہید کر دیا۔ (۷)

سلطان محمد غوری کی شہادت مسلمانانِ ہند کے لیے نقصانِ عظیم تھا لیکن سلطان کا کام اتنا پائیدار تھا کہ اس کے اثرات فوراً ظاہر ہونا شروع ہو گئے۔ اشاعتِ اسلام میں اس قدر تیزی آ گئی کہ اس سے پہلے ہندوستان میں ایسا کبھی نہ ہوا تھا۔ اگرچہ فتح سندھ و ملتان کے بعد اسلام ہندوستان میں پوری آب و تاب کے ساتھ داخل ہوا لیکن اس کے بعد اُمویوں، عباسیوں اور علویوں کی آپس کی سیاسی کشمکش کے باعث ہندوستان میں فتوحات کا سلسلہ رک گیا۔ جس سے اشاعتِ اسلام کی رفتار بھی خاصی کم ہو گئی۔

محمد بن قاسم کے بعد سلطان محمود غزنوی نے ہندوستان پر پے در پے حملوں سے فتوحات کا دروازہ ایک بار پھر کھولا، جس سے اشاعتِ اسلام کے لیے بھی راہ ہموار ہوئی لیکن سلطان محمود غزنوی نے ہندوستان میں باقاعدہ اسلامی حکومت کے قیام کے لیے کوئی سنجیدہ کوشش نہ کی جس سے اُن کی فتوحات کے ثمرات حقیقی طور پر ظاہر نہ ہو سکے۔ لیکن سلطان محمد غوری کی کوششیں بار آور ہوئیں اور اس کی وفات کے سال ۱۲۰۶ء میں ہی برصغیر میں پہلی باقاعدہ اسلامی حکومت قائم ہوئی اور قطب الدین ایبک نے برصغیر میں خاندانِ غلاماں کی حکومت کی بنیاد رکھی۔ اس طرح برصغیر میں مسلمانوں کی باقاعدہ حکمرانی کا

Marfat.com

آغاز ہوا اور خاندانِ غلاماں، خلجی، تغلق، سیّد، لودھی اور عظیم مغل حکومتیں قائم ہوئیں۔ سلسلۂ چشتیہ کے عظیم اولیاء کرام کے مساعیٔ جلیلہ کے نتیجہ میں لاکھوں ہندو دائرہ اسلام میں داخل ہوئے۔ خواجہ معین الدّین اجمیریؒ نے اجمیر، خواجہ قطبُ الدّین بختیار کاکیؒ اور خواجہ نظام الدین اولیاءؒ نے دہلی، بابا فرید الدّین گنجشکرؒ نے پاکپتن اور علاؤ الدین صابرؒ نے کلیر میں معرفتِ الٰہی کے جام پلائے۔

جنگِ ترائن میں مسلمانوں کی فتح بارہویں صدی عیسوی کی آخری بڑی فتح ہے۔ جنگِ ترائن سے صرف پانچ سال پہلے سلطان صلاح الدین ایوبیؒ نے صلیبیوں کو عبرتناک شکست سے دوچار کرتے ہوئے ان سے بیت المقدس واپس لے لیا تھا۔ تیرہویں صدی عیسوی میں تاتاری طوفان اٹھا اور مسلمانوں پر قہر بن کر گرا۔ ۱۲۵۸ء میں تاتاریوں نے بغداد کو تباہ و برباد کرنے کے علاوہ آخری عباسی خلیفہ مستعصم باللہ کو نہایت بے دردی سے قتل کر دیا، لیکن سلطان محمد غوری نے ہندوستان کی سرزمین کو اس قدر زرخیز بنا دیا تھا کہ تاتاریوں کے ہاتھوں پامال ہونے والے علاقوں سے صوفیاء کرام نے ہندوستان کا رخ کیا اور برِصغیر میں اشاعتِ اسلام نے اوجِ ثریا کو چھوا۔

حوالہ جات و حواشی

(۱) آبِ کوثر، شیخ محمد اکرام، ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور، ص ۹۰، جنوری ۲۰۰۰ء

(۲) تاریخ فرشتہ، فرشتہ، محمد قاسم، مترجم عبدالحی خواجہ، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور، ج ۱، ص ۲۲۰، طبع دوم، ۱۹۷۴ء

(۳) مذکورہ بالا حوالہ

(۴) آبِ کوثر، شیخ محمد اکرام، ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور، ص ۲۰۲، جنوری ۲۰۰۰ء

(۵) طبقات ناصری، منہاج الدین سراج، مترجم ممتاز لیاقت، سنگ میل پبلیکیشنز، لاہور، ص ۱۶۵، ۲۰۰۴ء

(۶) اردو دائرہ معارف اسلامیہ، محمد عبداللہ، سید، ڈاکٹر، پنجاب یونیورسٹی، لاہور، ج ۲/۱۴

(۷) مذکورہ بالا حوالہ

Marfat.com

سقوطِ بغداد ۶۵۶ھ/۱۲۵۸ء

سلطنتوں کا معاملہ بھی انسانی زندگی کی طرح ہوتا ہے۔ جس طرح ایک انسان پیدا ہوتا ہے، بچپن گزار کر جوانی کی لذتوں سے لطف اندوز ہوتا ہے، پھر بڑھاپے کی طرف اپنا سفر شروع کرتا ہے اور بالآخر موت کی آغوش میں چلا جاتا ہے۔ اسی طرح سلطنتیں اپنا وجود قائم کرتی ہیں، عروج کا دور مکمل کر کے زوال کی طرف سفر شروع کرتی ہیں اور بالآخر اپنی شناخت تک گنوا دیتی ہیں۔

جس طرح بنواُمیہ کی حکومت اپنے چمنستانوں میں بہاروں سے لطف اندوز ہونے کے بعد بالآخر خزاؤں کی چیرہ دستیوں کا شکار ہوئی۔ اسی طرح اُمویوں اور علویوں کے خون پر اپنی بنیادیں استوار کرنے والی خلافتِ عباسیہ بھی قدرت کے اٹل قوانین سے بچ نہ سکی اور زوال پذیر ہوگئی۔ جس سلطنتِ عباسیہ نے ابوجعفر منصور، ہارون الرشید، مامون الرشید اور معتصم باللہ کے ادوار میں ترقی وعظمت کے بلند میناروں کو چھوا تھا، متوکل علی اللہ کے اپنے بیٹے کے ہاتھوں قتل کے بعد زوال کی پستیوں میں گرتی چلی گئی اور مستعصم باللہ کے دور میں ہلاکو خاں کے ہاتھوں فنا کے گھاٹ اتر گئی۔

خلفائے بنوعباس ابتداء سے ہی اپنے وزیروں کے زیرِ اثر آ گئے تھے۔ ہارون الرشید کی شہرت و عظمت کے پیچھے اس کے وزراء برآمکہ(۱) کا ہاتھ نظر آتا ہے۔ مامون الرشید اور امین الرشید کے درمیان جنگ جو کہ بنوعباس کے دور کا ایک دل خراش واقع ہے۔ درحقیقت دو وزیروں فضل بن ربیع اور فضل بن سہل کی باہمی دشمنی کا نتیجہ تھی۔ وزیر ابنِ زیات کے خلفائے بنوعباس پر اثر سے کون واقف نہیں۔

امام نفس زکیہ اور امام ابراہیم کی ابوجعفر منصور کے ہاتھوں شہادت کے بعد شیعانِ علی، عباسیوں کے سخت خلاف ہو گئے اور انہوں نے بنوعباس کے پورے دور میں اپنی کارروائیاں اور خفیہ سازشیں جاری رکھیں۔

آخری عباسی خلیفہ مستعصم باللہ کا وزیر مؤالدّین ابنِ علقمی ایک شیعہ ہونے کی وجہ سے عباسی سلطنت کی جگہ علویوں کی حکومت کا خواہشمند تھا۔ وہ اپنی عیاریوں اور چال بازیوں کی وجہ سے خلیفہ پر

Marfat.com

مکمل طور پر حاوی ہو چکا تھا اور خلیفہ کو اپنے مقاصد کے لیے استعمال کر رہا تھا۔ خلیفہ کا بیٹا ابو بکر اور دیگر رؤسائے سلطنت ابنِ علقمی کی ان سازشوں سے آگاہ تھے اور خلیفہ کو بار بار متوجہ کرنے کی کوششیں کرتے رہتے تھے، لیکن خلیفہ کسی طرح بھی ابنِ علقمی کو زیرِ عتاب لانے کے لیے تیار نہ تھا۔ بلکہ پہلے سے زیادہ اس پر اعتماد و بھروسہ کرنے لگا تھا۔ (۲)

سلطنتِ عباسیہ بہت عرصہ پہلے ہی اپنی قوت و جبروت کھو کر اپنی مرکزی حیثیت سے دستبردار ہو چکی تھی اور سلجوقیوں اور مملوکوں کے سہارے پر اپنے دن پورے کر رہی تھی۔ صلیبی جنگوں میں عباسیوں نے کوئی کردار ادا نہ کیا تھا اور بیت المقدس کی آزادی اور خونِ مسلم کے تحفظ کی تمام تر ذمہ داری زنگیوں اور سلطان صلاح الدین ایوبی نے ادا کی تھی۔ سلطان ایوبی نے ۱۱۸۷ء میں عیسائیوں سے بیت المقدس آزاد کروایا لیکن اس کے صرف اکہتر سال بعد ۱۲۵۸ء میں عباسیوں نے بغداد گنوا دیا اور چشمِ فلک نے تاتاریوں کے ہاتھوں مسلمانوں کے قتلِ عام کا دل سوز نظارہ دیکھا۔

صلیبی جنگوں میں مسلمانوں سے شکست کھانے کے بعد عیسائی اس بات کے خواہش مند تھے کہ منگول طاقت مسلمانوں سے ٹکرائے اور ایسے میں عیسائی، منگولوں کا ساتھ دے کر مسلمانوں سے بدلہ لیں۔ جب منگولوں نے بغداد پر حملہ کیا تو اُن کے ساتھ عیسائی بھی شامل تھے اور مسلمانوں کے ہاتھوں لگنے والے زخموں کا مداوا کر رہے تھے۔

الف لیلوی داستانوں کا مرکز بغداد؛ ابو جعفر منصور کے ہاتھوں آباد ہوا اور ہارون الرشید کے زمانے میں عروس البلاد کہلایا۔ مامون الرشید کے زمانے میں بغداد علم و فن کا عظیم مرکز بنا۔ عالمِ اسلام کے بلند پایہ علماء، فضلاء، فقہاء، مورخین اور محققین اس شہر کو اپنی علمی خوشبو سے معطر کرتے رہے۔ یہاں کے بیت الحکمت میں یونانی فلسفہ کی کتابوں کے تراجم ہوتے رہے۔ اپنی انہی خوبیوں کی وجہ سے بغداد نہ صرف عالمِ اسلام کا شہرِ بے مثال تھا بلکہ اس وقت کی دنیا کا سب سے عظیم اور خوبصورت شہر تھا۔

مستعصم باللہ، بنو عباس کا آخری خلیفہ انتہائی عیاش اور غیر ذمہ دارانہ سوچ رکھتا تھا اور پوری طرح سے اپنے وزیر ابنِ علقمی کی گرفت میں تھا۔ ابنِ علقمی علویوں کا حامی ہونے کی وجہ سے عباسیوں کے خلاف دل میں خار رکھتا تھا اور موقع کی تلاش میں تھا کہ کب عباسیوں سے علویوں کے خون کا بدلہ لے۔

چنگیز خان کا پوتا ہلاکو خان اُن دنوں ایران میں حسن بن صباح کے قلعہ الموت کو فتح کر کے اب

Marfat.com

بغداد کو ہوس پرستانہ نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ مشہور مسلمان سائنسدان نصیر الدین طوسی ہلاکو خان کے دربار سے وابستہ تھا۔ یہ بھی علویوں کا ہمدرد تھا اور عباسیوں کو غاصب سمجھتا تھا۔ ہلاکو کے دربار میں اس کا اس قدر اثر و رسوخ تھا کہ ہلاکو اس کے ہر مشورے پر عمل کرتا۔ (۳)

ابنِ علقمی اور نصیر الدین طوسی کے درمیان بنو عباس کی خلافت کے خاتمے کے لیے سازش تیار ہوئی اور پھر اسے عملی جامہ پہنانے کے لیے ابنِ علقمی نے ہلاکو خان کے پاس ایک خفیہ خط بھیجا، جس میں ہلاکو خان کو بغداد پر حملہ آور ہونے کی دعوت دی گئی تھی۔ ابنِ علقمی نے اُسے یقین دلایا تھا کہ اگر تاتاری لشکر بغداد پر حملہ آور ہوا تو میں بغیر جنگ کے بغداد پر تاتاریوں کا قبضہ کروا دوں گا، لیکن ہلاکو خان نے ابنِ علقمی کے قاصد سے کہا کہ مجھے اس بات کا یقین نہیں کہ اتنی بڑی اور مضبوط عباسی سلطنت پر اتنی آسانی سے قبضہ ممکن ہے۔؟ اور یہ کہ وہ ابنِ علقمی کی زبانی ضمانت کو کافی نہیں سمجھتا۔

ہلاکو خان کی اس تشویش کو دور کرنے کے لیے ابنِ علقمی نے بغداد کو فوجوں سے خالی کرانے پر کام شروع کیا اور اس سلسلے میں خلیفہ کو مختلف دلائل سے قائل کرنے کی کوشش کی۔ مستعصم باللہ نے حالات کی نزاکت کا احساس نہ کرتے ہوئے صرف اپنے وزیر کے کہنے پر بغداد میں فوجوں کی کمی کا فیصلہ کر لیا۔ اس طرح شہرِ بغداد سے فوجوں کا انخلاء شروع ہو گیا۔ اپنے اس مقصد میں کامیاب ہونے کے بعد ابنِ علقمی نے نصیر الدّین طوسی کو خط لکھا کہ ہلاکو خان کو بغداد پر حملہ کرنے کی ترغیب دو۔ ایک خط اس نے ہلاکو خان کو بھی لکھا جس میں بغداد کے کمزور دفاع کے بارے میں معلومات دینے کے علاوہ حملے کی دعوت بھی دی گئی۔ ابنِ علقمی کا خط ملنے پر ہلاکو خان نے نصیر الدّین طوسی سے مشورہ کیا۔ نصیر الدّین طوسی نے کہا کہ علمِ نجوم کی روشنی میں صاف معلوم ہوتا ہے کہ بغیر جنگ و جدل کے بغداد پر آپ کا قبضہ ہو جائے گا۔ چنانچہ ہلاکو خان نے ایک بڑے لشکر کے ساتھ بغداد پر حملہ کا فیصلہ کیا۔ تاتاریوں اور ابنِ علقمی کے درمیان معاہدہ ہوا کہ تاتاریوں کے بغداد پر قابض ہونے کے بعد ابنِ علقمی ہی وزیرِ اعظم رہے گا۔ (۴)

ہلاکو خان نے بغداد کی طرف پیش قدمی کی۔ امرائے بغداد نے خلیفہ کی توجہ ابنِ علقمی کی سازشوں اور تاتاریوں کی غیر معمولی سرگرمیوں کی طرف مبذول کرانے کی کوشش کی۔ ابنِ علقمی نے خلیفہ کو سہانے خواب دکھاتے ہوئے کہا کہ اے امیر المومنین! منگولوں میں اتنی جرأت و طاقت کہاں کہ وہ آپ کو للکار سکیں۔ خلیفۂ ابن الوقت اور سازشی وزیر کی باتوں پر اعتماد کرتے ہوئے دفاع سے یکسر غافل ہو گیا، لیکن

Marfat.com

خطرے نے نہ ٹلنا تھا اور نہ ہی ٹلا۔ جلد ہی منگول فوجیں بغداد کے دروازوں پر دستک دے رہی تھیں۔ اب خلیفہ کو کچھ ہوش آیا تو اس نے اپنے ایک بہادر اور تجربہ کار جرنیل فتح الدین کو دس ہزار کا لشکر دے کر منگولوں سے لڑنے کے لیے بھیجا۔ فتح الدّین نے پوری قوت کے ساتھ دشمن پر حملہ کیا۔ منگول شکست کھا کر بھاگے۔ فتح الدّین نے اُن کا پیچھا کرنا مناسب نہ سمجھا لیکن بہت سے مجاہدین نے نا تجربہ کاری کی بناء پر منگولوں کے تعاقب پر اصرار کیا۔ بالآخر فتح الدین منگولوں کے تعاقب کے لیے آگے بڑھا۔ پیچھے سے کمین گاہوں میں چھپے ہوئے منگولوں نے مجاہدین پر حملہ کر دیا۔ اب مجاہدین دونوں طرف سے گھر چکے تھے۔ لڑتے ہوئے فتح الدین شہید ہوا۔ باقی لشکری اپنی جانیں بچا کر بغداد پہنچے۔ خلیفہ نے اُن کی اس بزدلی کو بھی بہادرانہ کارروائی میں شمار کیا اور ان بھگوڑوں کا بڑھ کر استقبال کیا۔ منگول لشکر مسلسل آگے بڑھ رہا تھا یہاں تک کہ ہلاکو خان نے اپنی فوج کے ساتھ شہر کا محاصرہ کر لیا۔

عباسی فوج اور اہلِ شہر نے مل کر پچاس دن تک کامیابی کے ساتھ دفاع کیا۔ اس دوران سازشی وزیر ابن علقمی گرگِ باراں دیدہ کی طرح اپنی چالبازیوں میں مصروف رہا اور ہلاکو خان کو شہر کے اندر کی خبریں بھیجتا رہا۔ اس کے اس طرزِ عمل کی وجہ سے شہر کا دفاع کمزور سے کمزور تر ہوتا جا رہا تھا۔ ان حالات میں ابنِ علقمی شہر سے نکلا اور ہلاکو خان کے لشکر میں پہنچا۔ اس نے اپنے لیے امان حاصل کر لی اور پھر خلیفہ کے پاس آیا اور کہا:۔

"اے امیر المومنین! میں ہلاکو خان سے آپ کے لیے امان طلب کر کے آیا ہوں۔ تاتاری لشکر تعداد میں ہم سے کئی گنا ہے، اُن کا مقابلہ ناممکن ہے۔ اگر ہلاکو خان نے بزورِ شمشیر شہر کو فتح کر لیا تو تمام شہریوں کا قتل عام ہوگا۔ اس صورت میں آپ اور آپ کے خاندان کی جانوں کو بھی خطرہ ہوگا۔ بہتر یہ ہے کہ باہر نکل کر ہلاکو خان سے ملاقات کریں۔ وہ نہ صرف آپ کو امان دے گا بلکہ پہلے کی طرح عراق پر حاکم وفرمانروا بھی رکھے گا۔"

خلیفہ نے کچھ وقت سوچنے کی مہلت مانگی۔ ابنِ علقمی نے خلیفہ سے کہا، اے امیر المومنین! آپ کو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ آپ پہلے اپنے بیٹے کو اس کی خدمت میں بھیج کر دیکھ لیجیے، تاکہ آپ کو تاتاریوں کے عزائم کا علم ہو جائے۔ خلیفہ نے اس تجویز کو پسند کیا اور اپنے بیٹے ابوبکر کو ہلاکو خان کی خدمت میں بھیجا۔ ہلاکو خان نے ابنِ علقمی کے پھیلائے ہوئے جال میں پھانسنے کے لیے آگے بڑھ کر

Marfat.com

شہزادہ کا استقبال کیا۔ اسے عزت دی اور انعام و اکرام دے کر واپس لوٹایا۔ شہزادہ نے واپس جا کر اپنے باپ مستعصم باللہ کے سامنے ہلاکو خان کی تعریف کی اور اس کی خلیفہ سے وفاداری کے بارے میں بیان کیا۔ جس سے خلیفہ ہلاکو خان کے بارے میں کافی حد تک مطمئن ہو گیا۔

ابنِ علقمی نے خلیفہ کو اس بات پر راضی کر لیا کہ وہ خود ہلاکو خان کی خدمت میں حاضر ہو، تا کہ ہلاکو خان خلیفہ کی دست بوسی کا شرف حاصل کر سکے۔ شومیٔ قسمت کہ حالات کے شکنجہ میں جکڑا ہوا خلیفہ بڑی آسانی سے ابنِ علقمی کی باتوں میں آ گیا۔ اس نے اپنے اقتدار کو قائم رکھنے کے لیے ہلاکو خان کی خدمت میں حاضر ہونے کو بڑا آسان راستہ خیال کیا۔ خلافتِ عباسیہ کا یہ آخری خلیفہ اپنے بیٹے کے ہمراہ شہرِ بغداد سے باہر نکلا اور ہلاکو خان کے کیمپ میں پہنچ گیا۔

ابو جعفر منصور اور ہارون الرشید کا جانشین، فرمانروایانِ عباسیہ کا چشم و چراغ، عالمِ اسلام کا عظیم حکمران غیرت وحمیت سے تہی دست ہو کر اپنی اور اپنے خاندان کی زندگی کی بھیک مانگنے کے لیے ایک تاتاری حکمران کے سامنے دست بستہ کھڑا، تقدیر کے فیصلے کے لیے اس کے اشارۂ ابرو کا منتظر تھا۔ ہلاکو خان نے خلیفہ کو ایک الگ کیمپ میں بٹھایا اور اس سے کہا کہ آپ اپنے دیگر اراکینِ سلطنت اور علماء و فقہاء کو بھی بلوا لیں تا کہ سب کے سروں پر عزت و شرف کے تاج پہنائے جائیں۔ خلیفہ کے حکم پر جب تمام اصحابِ قدر و منزلت، شرفائے شہر، عوام الناس اور علماء و فقہاء بغیر ہتھیاروں کے شہر سے باہر نکل آئے تو تاتاریوں نے اپنی سرشتِ حیوانی کے عین مطابق ان کا قتلِ عام شروع کر دیا۔ اس دن خونِ مسلم بہت ارزاں تھا اور بغداد کی گلیاں اس سے سرخ ہو گئی تھیں۔

For three days the streets ran with blood, and the water of the Tigris was dyed red for miles along its course. The horrors of rapine, slaughter and outraged humanity lasted for six weeks.(5)

"تین دن تک گلیوں میں خون بہتا رہا اور کئی میلوں تک دریائے دجلہ کا پانی سرخ ہو گیا۔ لوٹ مار، قتل و غارت اور عصمت دریوں کا خوفناک سلسلہ چھ ہفتوں تک جاری رہا۔"

بغداد کے علماء و فقہاء ہی قتل نہیں ہو رہے تھے بلکہ علم و تہذیب کا بھی خون ہو رہا تھا۔ مسلمان عورتوں کی عزت و ناموس کا ایک بھی رکھوالا دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ چھوٹے چھوٹے معصوم بچے تاتاریوں کے

Marfat.com

نیزوں کی انیوں پر اچھالے جا رہے تھے۔ اپنے سروں پر قرآن مجید رکھ کر امان طلب کرنے والی معصوم بچیاں تاتاریوں کے تیروں سے گھائل ہو رہی تھیں اور خلیفۂ اسلام اپنی آنکھوں سے اس جشنِ مقتل کا نظارہ کر رہا تھا۔

> Baghdad, the abode of learning, the seat of culture, the eye and centre of the Saracenic world, was ruined for ever. The population before the sake was over two millions; according to Ibn Khaldun, one million six hundred thousand people perished in the slaughter of six weeks.(6)

"علم کا مرکز، تہذیب و تمدن کا گہوارہ اور عرب مسلمانوں کی چشم اور مرکز بغداد، ہمیشہ کے لیے تباہ ہو گیا۔ ابن خلدون کے مطابق اس وقت بغداد کی آبادی ۲۰ لاکھ تھی اور چھ ہفتوں کے اندر سولہ لاکھ لوگوں کو تہہ تیغ کر دیا گیا۔"

اس قتل و غارت گری کے بعد ہلاکو خان، خلیفہ کو لے کر اس کے محل میں داخل ہوا، اور خلیفہ سے خزانوں کی کنجیاں طلب کیں، جو اس کے حوالے کر دی گئیں۔ تاتاریوں نے جی بھر کر خزانوں کو لوٹا اور پھر خلیفہ سے اس کے خفیہ خزانوں کی بابت دریافت کیا اور کہا کہ یہ خزانے تو تمہارے بتائے بغیر بھی ہمارے ہی تھے۔ ان خفیہ خزانوں کے بارے میں بتاؤ جو تمہارے علاوہ کسی دوسرے کو معلوم نہ ہیں۔ خلیفہ نے فوراً ان خزانوں کے بارے میں بتا دیا۔ جب زمین کھود کر دیکھا گیا تو قیمتی خزانوں اور اشرفیوں سے بھرے ہوئے حوض برآمد ہوئے۔ ان سب پر تاتاریوں نے قبضہ کر لیا۔

ہلاکو خان نے خلیفہ کو بھوکا پیاسا رکھا۔ جب خلیفہ نے کھانا مانگا تو ہلاکو خان نے ایک طشت ہیرے جواہرات کا بھر کر خلیفہ کو کھانے کے لیے پیش کیا۔ خلیفہ نے حیرت سے پوچھا۔ میں انہیں کیسے کھا سکتا ہوں؟ ہلاکو خان نے اس موقع پر ایک تاریخی جملہ کہا کہ جو جواہرات تم کھا نہیں سکتے انہیں اس طرح جمع کیوں کیا تھا؟ پھر اس نے تمام سیم و زر کے بھرے ہوئے حوضوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ کیا یہ بہتر نہ تھا کہ تم یہ سب کچھ زمین میں دبا کر رکھنے کی بجائے اپنی سلطنت کی مضبوطی کے لیے خرچ کرتے، اپنی افواج کو مضبوط بناتے تاکہ میرے مقابلے میں اس طرح ہزیمت سے دوچار نہ ہوتے۔

ہلاکو خان نے خلیفہ کی زندگی سے متعلق فیصلہ کرنے کے لیے اپنے درباریوں سے مشورہ کیا۔ سب

Marfat.com

نے خلیفہ کے قتل کی رائے دی، جس پر عمل ہونے ہی والا تھا کہ ابنِ علقمی نے ہلاکو خان کے سامنے درخواست پیش کی کہ امیر المومنین کا خون زمین پر گرنا اچھا شگون نہیں ہوگا۔ اس لیے بہتر ہے امیر المومنین کو نمدے میں لپیٹ کر لاتوں سے پیٹا جائے تاکہ خلیفہ زندگی سے آزاد ہو جائے۔ چنانچہ اس کی رائے کا احترام کرتے ہوئے عباسی سلطنت کے آخری تاجدار، خلیفۂ اسلام، مستعصم باللہ کو تاتاریوں نے اپنی لاتوں سے روند ڈالا اور ابنِ علقمی اپنے خلیفہ کی اس ذلت آمیز موت کو علویوں کے خون کا حساب سمجھتے ہوئے دل ہی دل میں مسکراتا رہا۔

Musta'sim and his sons were taken to a village outside Baghdad, and there killed in cold blood; according to reports, in view of the Mongol superstition about shedding with the sword the blood of sovereign princes, they were rolled in carpets and trampled to death by horses.(7)

"مستعصم باللہ اور اس کے بیٹوں کو بغداد سے باہر ایک گاؤں میں لے جایا گیا اور بے رحمی سے قتل کر دیا گیا۔ منگولوں کے توہم پرست اعتقاد کے مطابق بادشاہوں اور شہزادوں کا خون تلوار سے نہیں بہایا جا سکتا تھا۔ اس لیے ان لوگوں کو ایک قالین میں لپیٹ کر گھوڑوں کے قدموں تلے روند دیا گیا۔"

علامہ جلال الدین سیوطی اس سانحہ کے بارے میں لکھتے ہیں کہ "چالیس دن تک تاتاریوں کی تلواریں نیام نہیں ہوئیں۔ اس شورش میں کئی لاکھ مسلمان شہید کیے گئے۔ البتہ کنوؤں اور تہہ خانوں وغیرہ میں چھپنے والوں کی جان بچ گئی اور خلیفہ مستعصم باللہ کو تاتاریوں نے ٹھوکریں مار مار کر ہلاک کر ڈالا۔"(۸)

منگولوں کا یہ حملہ مسلمانوں کے لیے کسی قیامت سے کم نہ تھا۔ منگول خون خوار اور درندہ صفت ہونے کے ساتھ ساتھ تہذیب و تمدن اور علم و فن سے بھی عاری تھے۔ وہ صحراؤں کے پروردہ اور شہری زندگی سے ناآشنا تھے۔ بغداد جو کبھی عروس البلاد کہلاتا تھا، دنیا کا کوئی شہر اس کی ہمسری نہ کر سکتا تھا۔ اس گئی گزری حالت میں بھی جبکہ انقلابات زمانہ سے اس کا حسن ماند پڑ گیا تھا۔ یہ دنیائے اسلام کے ممتاز ترین شہروں میں شمار ہوتا تھا۔ تاتاریوں نے اس عظیم الشان شہر کو لوٹ کر ویران کر ڈالا۔(۹)

Marfat.com

بغداد کی اینٹ سے اینٹ بجادی گئی۔تہذیب وتمدن کے مراکز مسمار کر دیے گئے۔انسانی لاشوں کے ڈھیر جا بجا دکھائی دے رہے تھے۔جن کے خون سے دریائے دجلہ کا پانی سرخ ہو گیا تھا۔علم دشمن منگولوں نے شاہی کتب خانہ کی لاکھوں کتابیں دریائے دجلہ میں پھینک دیں، جن کی سیاہی دریائے دجلہ میں انسانی خون کی سرخی پر غالب آ گئی۔

۷۴۹ء میں عباسیوں نے اُمویوں کی لاشوں پر اپنے دستر خوان بچھائے تھے اور پھر اپنے قصرِ سلطنت کی بنیادوں کو علویوں کے خون سے تقویت دی تھی۔۱۲۵۸ء میں ۷۴۹ء کی تاریخ کو دہرایا جا رہا تھا، فرق صرف یہ تھا کہ اب کی بار مقتول ہونے کی باری عباسیوں کی تھی۔جن کے ساتھ لاکھوں بے گناہ مسلمان بھی منگولوں کی درندگی کی بھینٹ چڑھ گئے۔

تاریخ اپنے آپ کو دہراتی ہے۔منظر وہی رہتا ہے، کردار بدل جاتے ہیں۔کل کے قاتل آج کے مقتول بنتے ہیں اور آج کے قاتلوں کو کل کو مقتول ہونا پڑتا ہے۔۱۲۵۸ء میں مسلمانوں کے خون سے ہولی کھیلنے والے منگولوں کو صرف دو سال بعد مسلمانوں کے خون کا حساب چکانے کے لئے عینِ جالوت کے میدان میں جانا تھا۔

حوالہ جات وحواشی

(۱) برآمکہ کا آبائی مذہب آتش پرستی اور آبائی علاقہ بلخ تھا۔ابوسلمہ خلال کے بعد خالد برمکی عباسیوں کا دوسرا وزیر بنا۔یحییٰ برمکی اور اس کے بیٹوں فضل برمکی اور جعفر برمکی نے ہارون الرشید کے دور میں بہت عروج حاصل کیا۔یحییٰ برمکی، ہارون الرشید کا رضائی باپ بھی تھا۔فضل اور جعفر، ہارون الرشید کے وزیر رہے۔چند سیاسی وجوہات کی بناء پر ہارون الرشید نے جعفر برمکی کو قتل کروادیا۔جس کے بعد برآمکہ خاندان فنا کی گھاٹیوں میں گم ہو گیا۔مؤلف

(۲) تاریخ اسلام، نجیب آبادی، اکبر شاہ، فرید بک ڈپو، دہلی، ج ۲، ص ۵۶۱

(۳) تاریخ اسلام، ندوی، معین الدین احمد، المیزان ناشران، لاہور، ص ۹۳۳

(۴) تاریخ الخلفاء، سیوطی، جلال الدین، مترجم اقبال الدین احمد، نفیس اکیڈمی، کراچی، ص ۴۳۸

(5) A Short History of the Saracens, Page398, Syed Ameer Ali, Islamic Book Service, LAHORE.

Marfat.com

(6) A Short History of the Saracens, Page398, Syed Ameer Ali, Islamic Book Service, LAHORE.

(7) A History of Medieval Islam, Page182, J.J.Saunders,Routledge and Kegan Paul, LONDON.

(۸) تاریخ الخلفاء، سیوطی، جلال الدین، مترجم اقبال الدین احمد، نفیس اکیڈمی، کراچی، ص ۴۴۲

(۹) تاریخ اسلام، ندوی، معین الدین احمد، المیز ان ناشران، لاہور، ص ۹۳۳

Marfat.com

جنگِ عینِ جالوت ۶۵۸ھ/۱۲۶۰ء

تاتاری وحشت و بربریت کا طوفان بن کر اُٹھے اور قہر و غضب کی بجلی بن کر مسلمانوں پر گرے۔ جس سے دیکھتے ہی دیکھتے صدیوں سے قائم مسلم سلطنتیں خاکستر ہو گئیں۔ تاتاریوں نے ایران، خراسان اور ترکستان کی اسلامی سلطنتوں کو تباہ و برباد کر دیا اور اسلامی تہذیب و تمدن کے تمام آثار مٹا دیے۔ انہوں نے ہلاکو خان کی سربراہی میں بغداد پر حملہ کیا۔ سلطنتِ بغداد داخلی سازشوں کی وجہ سے مقابلہ نہ کر سکی اور خلیفہ مستعصم باللہ نہایت بے دردی سے قتل کر دیا گیا۔ جب منگو خان ۱۲۵۱ء میں منگولیا میں خانِ اعظم بنا تو اس نے اسی وقت اپنے دادا چنگیز خان کے خواب کی تعبیر کے لیے تمام دنیا پر اپنی حکومت قائم کرنے کا عہد کیا۔ اس کے لیے اس نے اپنے بھائی ہلاکو خان کا انتخاب کیا۔ ہلاکو خان جس تیز رفتاری سے مسلم سلطنتوں کو فتح کرتا جا رہا تھا، اس سے ایک وقت یوں دکھائی دیتا تھا کہ بہت جلد تاتاری ساری مسلم دنیا پر چھا جائیں گے، لیکن مسلمانوں کے جسدِ ناتواں میں ابھی اتنی جان باقی تھی کہ وہ تاتاریوں کے ناپاک عزائم کو سرزمینِ عینِ جالوت کی خاک میں ملا سکیں۔

بغداد کو تباہ و برباد کرنے کے بعد ہلاکو خان کی فوجیں مسلم علاقوں کو تاخت و تاراج کرتے ہوئے شام میں داخل ہو گئیں۔ یہاں بھی تاتاریوں نے خونِ مسلم کی بڑی بے قدری کی اور خون کی ندیاں بہا دیں۔ سواحلِ شام اور دمشق پر قبضہ کرنے کے بعد اب ہلاکو خان کا منصوبہ جنوب میں فلسطین سے ہوتے ہوئے مصر پر حملہ آور ہونے کا تھا، تاکہ مسلمانوں کی آخری بڑی مملوک سلطنت کو تباہ و برباد کر کے رکھ دے اور پھر وہاں سے یورپ کا رخ کرے۔ مصر میں اس وقت مسلمان مملوکوں کی حکومت تھی اور سلطان سیف الدین مظفر قطز حکمران تھا۔ وہ تاتاریوں کی وحشت انگیز کارروائیوں کی خبریں سنتا رہتا تھا۔ اسے اس بات کا مکمل یقین تھا کہ ہلاکو خان یقیناً مصر پر بھی حملہ آور ہو گا، لہٰذا اس نے اپنی فوج کو نئے سرے سے منظم کرنا شروع کر دیا تھا۔ اس نے تاتاریوں کی جنگی چالوں کا مقابلہ کرنے کے لیے خصوصی فوجی دستے تیار کیے اور فوج کو نفسیاتی طور پر تاتاریوں سے لڑنے کے لیے تیار کیا۔ شام پر قبضہ کرنے کے بعد

Marfat.com

ہلاکو خان نے مصر کو تاخت کرنے کا فیصلہ کیا اور سلطان مظفر کے پاس اپنے ایلچی اس دھمکی آمیز خط کے ساتھ روانہ کیے۔

"From the king of kings of the East and West, the Great Khan.

To Qutuz the Mumluk, who fled to escape our swords. You should think of what happened to other countries and submit to us. You have heard how we have conquered a vast empire and have purified the earth of the disorders that tainted it. We have conquered vast areas, massacring all the people. you can not escap from the terror of our enemies. Where can you flee? What road will you use to escape us? Our horses are swift, our arrows sharp, our swords like thunderbolts. Fortress will not detain us, nor arms stop us. Your prayers to God will not avail against us. We are not moved by tears nor touched by lamentations. Only those who beg our protection will be safe. Hasten your reply before the fire of war is kindled. Resist and you will suffer the most terrible catastrophes. We will shatter your mosques and reveal the weakness of your God and then we will kill your children and your old men together. At present you are the only enemy against whom we have to march." (1)

"مشرق و مغرب کے بادشاہوں کے بادشاہ خان اعظم کی طرف سے قطز مملوک کے نام، جو کہ ہماری تلواروں سے ڈر کر بھاگ گیا۔ تمہیں سوچنا چاہیے کہ دوسرے ممالک کا کیا عبرتناک انجام ہوا اور تمہیں (تمھیں) ہمارے سامنے سر تسلیم خم کر دینا چاہیے۔ تم تک یہ بات پہنچ چکی ہو گی کہ ہم نے کیسے ایک بہت بڑی سلطنت کو فتح کیا اور مقدس زمین کو کس طرح سے ناپاک جھگڑوں سے نجات دلوائی۔ ہم نے وسیع و عریض علاقوں کو فتح کیا اور وہاں موجود لوگوں کو تہہ تیغ کر دیا۔ تم ہماری دہشت سے بچ نہیں سکتے۔ تم کہاں بھاگ سکتے ہو اور کس سڑک سے بھاگنے

Marfat.com

میں کامیاب ہو سکتے ہو۔ ہمارے گھوڑے تیز رفتار، ہمارے تیر بہت تیز اور ہماری تلواریں بجلی کی چمک کی مانند ہیں۔ نہ تو ہتھیار اور نہ ہی قلعے ہمارا راستہ روک سکتے ہیں۔ خدا سے تمھاری دعا بھی کوئی اثر نہ لائے گی۔ نہ تو ہم پر آنسوؤں کا کوئی اثر ہوتا ہے اور نہ ہی آہ و بکا کا۔ صرف وہ لوگ محفوظ ہوں گے جو ہم سے حفاظت مانگیں گے۔ جنگ کا شعلہ بھڑکنے سے پہلے اپنا جواب دو۔ اگر تم نے کوئی دیر کی تو خوفناک تباہی تمہارا مقدر بنے گی۔ ہم تمہاری مساجد کو تباہ کر دیں گیا اور تمہارے خدا کی کمزوری ظاہر کر دیں گے، پھر ہم تمہارے بوڑھوں اور بچوں کو اکٹھا قتل کریں گے۔ اس وقت صرف تم واحد دشمن ہو جس کے خلاف ہمیں پیش قدمی کرنی ہے۔"

اس خط کو پڑھنے کے بعد سلطان مظفر قطز نے اپنے اراکین سلطنت سے مشورہ کیا۔ سب نے تاتاریوں کے آگے ہتھیار نہ ڈالنے اور میدانِ جنگ میں لڑنے کا مشورہ دیا۔ اس کے بہادر جرنیل بیبرس نے تاتاریوں سے لڑائی کو یقینی بنانے کے لیے ہلاکو خان کے تمام ایلچیوں کے سر قلم کروا دیے اور انہیں قاہرہ کے دروازوں پر لٹکا دیا۔ یہ اقدام یقیناً ہلاکو خان کے آتشِ غضب کو بھڑکانے کے مترادف تھا، لہٰذا سلطان مظفر قطز نے ہنگامی حالت کا اعلان کرتے ہوئے اپنے عظیم سپہ سالار بیبرس کو فوراً جنگی تیاریوں کا حکم دیا۔

ہلاکو خان کو جب اپنے ایلچیوں کے قتل کیے جانے کا علم ہوا تو وہ نہایت غصے کے عالم میں پیچ و تاب کھانے لگا اور فوراً اپنے تاتاری لشکر کو مصر پر حملہ کے لیے تیاری کا حکم دیا، لیکن کارکنانِ قضاء و قدر نے تاتاریوں کو اُن کے داخلی معاملات میں الجھا دیا۔ خانِ اعظم منگو خان کا منگولیا میں انتقال ہو گیا اور اس کی جانشینی کے لیے منگول سردار آپس میں الجھ پڑے۔ داخلی معاملات کو سلجھانے کے لئے ہلاکو خان فوج کو اپنے عیسائی ترک جرنیل کبتغاء کی کمان میں دے کر خود منگولیا روانہ ہو گیا۔

علامہ ابنِ خلدون لکھتے ہیں کہ ہلاکو خان نے شام کے ایک ایک شہر کو فتح کر لیا۔ اس نے ان شہروں کی فصیلیں گروا کر وہاں اپنے حکام مقرر کیے۔ پھر وہ عراق کی طرف لوٹ گیا کیونکہ اس کے بھائیوں میں اختلاف پیدا ہو گیا تھا۔ اس لئے اس نے اپنے ایک بڑے جرنیل کبتغاء کو علاقہ شام کا حاکم مقرر کیا اور اس کے ماتحت بارہ ہزار فوج چھوڑی۔" (۲)

دونوں طرف بھرپور جنگی تیاریاں ہونے لگیں۔ سلطان مظفر نے عربوں اور ترکمانوں کو فوج میں

Marfat.com

بھرتی کرنا شروع کیا۔ اُن کی خاص جنگی تربیت کی۔ اُنہیں انعام واکرام سے نوازا۔ اُن کی خامیوں اور کمزوریوں کو دور کیا اور ہر لحاظ سے تاتاریوں کے مقابلہ کے لئے تیار کیا۔ کِبتغاء اپنی فوج کو مسلمانوں کے مقابلے میں کمزور تصور کرتے ہوئے فلسطین میں عکّہ کی عیسائی ریاست سے گٹھ جوڑ کی کوششیں کرنے لگا، لیکن عیسائی حکمران، مسلمانوں کے خلاف تاتاریوں کی مدد کر کے خود کو ہلاکت میں نہیں ڈالنا چاہتے تھے لہٰذا پوپ الیگزینڈر (۷)[۶] نے کِبتغاء کو مدد فراہم کرنے سے انکار کر دیا۔

اگرچہ عکّہ کے عیسائی حکمران مسلمان مملوکوں کی طاقت کو تسلیم کرتے تھے لیکن ساتھ ہی تاتاریوں کی سفاکانہ کارروائیوں کے بارے میں بھی سن چکے تھے اور ان کی بڑھتی ہوئی طاقت سے خوف زدہ تھے۔ لہٰذا وہ انتہائی محتاط رویہ اختیار کئے ہوئے تھے اور اب دونوں قوتوں کو آپس میں متصادم دیکھ کر فیصلہ کے منتظر تھے، لیکن وہ اس بات پر رضامند ہو گئے کہ مصر کے مملوک اپنی فوج کے ساتھ اُن کے علاقوں سے گزر کر کسی بھی مقام پر خیمہ زن ہو سکتے ہیں۔

سلطان مظفر قطز نے فیصلہ کیا کہ بجائے مصر میں رہ کر تاتاریوں کا انتظار کیا جائے، خود آگے بڑھ کر انہیں دعوتِ مبارزت دینی چاہیے۔ اس کے علاوہ سلطان مظفر' کبتغاء کی قیادت میں تاتاریوں کی فوج کے مختصر ہونے کا بھی فائدہ اٹھانا چاہتا تھا، کیونکہ وقت ضائع کرنے سے عین ممکن تھا کہ ہلاکو خان کبتغاء کی مدد کے لیے مزید فوج بھیج دیتا۔ چنانچہ سلطان مظفر نے بیبرس کو ہراول دستے کا سرِ عسکر مقرر کیا اور اپنی کمان میں فوج کو کوچ کرنے کا حکم دیا۔

کِبتغاء بھی اپنی تاتاری فوج کے ساتھ بڑھتا چلا آ رہا تھا۔ چنانچہ دونوں فوجیں فلسطین کے علاقے عینِ جالوت (۳) میں آ کر خیمہ زن ہو گئیں۔ مملوک فوج خصوصی دستوں پر مشتمل تھی جو تاتاریوں کی جنگی چالوں کا مقابلہ کرنے کے لئے خصوصی تربیت یافتہ تھے۔ انہیں مختلف علاقوں سے لا کر مصر میں فوجی ہیڈ کوارٹرز پر خصوصی تربیت دی گئی تھی۔

۱۲۶۰ء میں لڑی جانے والی اس تاریخی لڑائی کی ابتداء تاتاریوں نے اپنی روایتی بہادری اور وحشت انگیز حملوں کے ساتھ کی۔ تاتاریوں کے گھڑ سوار دستوں نے مملوک دستوں کو راہ سے ہٹا کر فوج کے قلب میں جانے کی کوشش کی، لیکن آج پہلی بار تاتاری انتہائی بے بس دکھائی دے رہے تھے۔ انہیں پہلی بار اپنے سے بھی زیادہ بہادر لوگوں سے واسطہ پڑا تھا۔ اگرچہ اس پہلے حملے میں مسلمانوں کا بہت

Marfat.com

زیادہ جانی نقصان ہوا۔لیکن مسلمانوں کے صف شکن حملوں نے وحشی تاتاری شہسواروں کے رُخ موڑ دیے۔سلطان مظفر نے بہت سے فوجی دستے قریبی وادیوں میں چھپائے ہوئے تھے۔سلطان نے اُن تازہ دم دستوں کو بھی میدانِ جنگ میں بلالیا اور فوج کو نئے سرے سے منظم کیا۔

سلطان کے بہادر جرنیل بیبرس نے بہادری کے ایسے جوہر دکھائے کہ تاتاری بھی اس کی بہادری پر دم بخود رہ گئے۔تاتاری فوج بیبرس کے حملوں کا زیادہ دیر تک سامنا نہ کرسکی۔کبتغاء نے تاتاری فوج کو مجتمع کرنے کی بہت کوشش کی لیکن آج تاتاری اپنی روایتی بربریت اور شجاعت کو بھول چکے تھے۔انہیں پہلی بار ایک ایسی فوج کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا جو تاتاریوں کی تمام جنگی چالوں کا توڑ جانتی تھی۔عین اس وقت جب تلواریں آگ برسا رہی تھیں اور گھمسان کا رن پڑا تھا،تاتاریوں کا سردار میدانِ جنگ میں مارا گیا۔(۴) کبتغاء کے میدان جنگ میں مارے جانے کے بعد تاتاریوں کے حوصلے پست ہوگئے۔

Baibers pursued the Mongols beyond Aleepo, and cleared Syria and Mesopotamia of their loathsome presence.(5)

"بیبرس نے منگولوں کا تعاقب الیپو سے آگے تک کیا اور شام اور عراق کو ان کے قابل نفرت وجود سے نجات دلوائی۔"

میدان میں کبھی پیٹھ نہ دکھانے والے تاتاری،بیبرس کی شمشیرِ آبدار کی کاٹ برداشت نہ کر سکے اور میدانِ جنگ سے بھاگ کھڑے ہوئے۔سلطان مظفر نے بیبرس کو تاتاریوں کے تعاقب میں بھیجا اور وعدہ کیا کہ اگر تم تاتاریوں کو شام کے علاقے سے نکال دو تو حکومت حلب تمہیں دے دی جائے گی۔بیبرس نے اپنے تابڑتوڑ حملوں سے تاتاریوں کا اس قدر قتلِ عام کیا کہ وہ شام چھوڑ کر بھاگ گئے اور ان پر بیبرس کی دھاک بیٹھ گئی۔(۶)

Ain Jalut was one of the world's decisive battle. It put a stop for good to the Mongol advance westwards; It saved Cairo from the fate of Baghdad, and Islam itself from possible destruction; it ruined the last hope of a Christian restoration in the Near East; it doomed the remaining Crusading

Marfat.com

positions in Syria, and it raised Mamluk Egypt to the status of leading Muslim power and the home of what was left of Arabic culture.(7)

''جنگ عینِ جالوت دنیا کی فیصلہ کن جنگوں میں سے ایک تھی۔اس نے منگولوں کی مغرب کی طرف پیش قدمی کو ہمیشہ کے لیے روک دیا۔اس نے مصر کو بغداد کے انجام سے بچایا اور اسلام کو بھی ممکنہ تباہی سے محفوظ رکھا۔اس نے مشرق قریب میں عیسائیت کی بحالی کے امکان کو بھی ختم کر دیا اور شام میں موجود آخری صلیبی طاقتوں کو بھی تباہ کر دیا۔اس نے مصر کی مملوک سلطنت کو دنیائے اسلام کی سب سے بڑی قوت اور عرب ثقافت کا گھر بنا دیا۔''

عینِ جالوت کے میدان میں تاتاریوں کے خلاف یہ مسلمانوں کی بہت بڑی فتح تھی۔تاتاریوں کو پہلی بار مسلمانوں کے ہاتھوں ہزیمت اٹھانا پڑی۔بہت سے مورخین اس جنگ کو مسلمانوں کی اہم ترین جنگوں میں شمار کرتے ہیں اور اس کے اثرات کو نہایت اہمیت دیتے ہیں۔جس برق رفتاری سے تاتاریوں کا سیلاب ایران، خراسان، ترکستان، بغداد اور دمشق کو روندتا ہوا مصر کی طرف بڑھ رہا تھا، اگر سلطان مظفر اور بیبرس کی قیادت میں مسلمان عینِ جالوت میں اس کا راستہ نہ روکتے تو یقیناً آج مشرق وسطیٰ اور یورپ کی تاریخ کچھ اور ہی ہوتی۔

انسائیکلوپیڈیا بریٹینیکا کا مقالہ نگار اس جنگ کی اہمیت بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے۔

"It was one of the decisive battles of the world, for it saved the Mamelukes and it saved Islam in the Middle East. It also weakened the slender chance that the Mongols would adopt Christianity as the Latin hoped. The Mongols soon turned to Islam themselves, as it seemed to them to be the religion of the strong. Ayn Jalut marked the beginning of the decline of the power of the Latins along the coasts of Palestine and Syria." (8)

"یہ دنیا کی فیصلہ کن جنگوں میں سے ایک تھی۔اس نے نہ صرف مملوکوں کو بچایا بلکہ مشرق وسطیٰ میں اسلام کو بھی محفوظ کیا۔اس سے یہ معمولی امکان بھی ختم ہو گیا کہ منگول عیسائیت قبول کریں

Marfat.com

گے جیسا کہ لاطینی عیسائیوں کو اُمید تھی۔ منگول جلد ہی اسلام کی طرف متوجہ ہو گئے، کیونکہ یہ طاقت ور لوگوں کا دین تھا۔ جنگِ عین جالوت' فلسطین اور شام کے ساحلوں پر لاطینی عیسائیوں کی طاقت کے زوال کا آغاز ثابت ہوئی۔"

۱۲۵۸ء میں سقوطِ بغداد کے بعد کون جانتا تھا کہ صرف دو سال کے بعد تاتاریوں کی خون آشام تلواریں کند ہو جائیں گی اور اُن کے غرور و تکبر کے بُت عینِ جالوت کے میدان میں پاش پاش ہو جائیں گے۔ عینِ جالوت میں تاتاریوں کی شکست نے نہ صرف مسلمانوں کو اُن وحشیوں کی درندگی سے محفوظ کیا بلکہ یورپ بھی اُن کی بربریّت سے محفوظ ہو گیا۔ اِس کے لیے یورپ کو مسلمانوں کا ممنون احسان ہونا چاہیے۔

عینِ جالوت کی فتح مسلمانوں کے لیے کسی مژدۂ جانفزاء سے کم نہ تھی۔ دمشق میں مسلمانوں نے خاص طور پر خوشیاں منائیں اور سلطان مظفر کے استقبال کے لیے اپنے دلوں کے دَر، وا کر دیے، لیکن سلطان مظفر قطز کو یہ خوشیاں زیادہ عرصہ تک راس نہ آئیں۔ اس کی فوج میں شامل بحریہ جماعت کے سردار اقطائی جامدار کے قتل کے بعد حالات کچھ عرصہ سے انتہائی کشیدہ تھے۔ تاتاریوں سے مقابلے کے لیے وقتی طور پر سب نے اپنے اختلافات بھلا دیے تھے۔ عینِ جالوت کی جنگ کے دوران سلطان مظفر نے بیبرس سے وعدہ کیا تھا کہ اگر تم تاتاریوں کو شام سے نکال دو تو حکومتِ حلب تمہارے لیے ہو گی۔ لیکن بعد میں سلطان مظفر قطز نے اپنا یہ وعدہ ایفا نہ کیا اور بیبرس کی بجائے والئ موصل کے بیٹے کو حلب کی حکومت عطا کر دی۔ بیبرس اپنے ساتھیوں میں اس قدر عزیز تھا کہ اس کے ساتھ اس زیادتی کے بعد انہوں نے سلطان مظفر سے حکومت چھیننے کا فیصلہ کر لیا۔

دمشق سے قاہرہ واپسی کے دوران سلطان مظفر نے شکار کا پروگرام بنایا۔ بحریہ جماعت کے سرداروں نے اس کا تعاقب کیا اور راستے میں اسے قتل کر دیا۔ سلطان مظفر قطز کے قتل کے بعد "بحریہ جماعت" کے سرداروں نے متفقہ طور پر بیبرس کو تختِ مصر پر بٹھا دیا۔ بیبرس نے الملک الظاہر رکن الدین کا لقب اختیار کیا۔

"Kotuz was assassinated shortly after the battle of Ain Jalut, when Baibers was raised to the throne under the title of

Marfat.com

al-Malik az-Zahir." (9)

"سلطان مظفر قطز کو جنگ عین جالوت کے کچھ عرصہ بعد ہی قتل کر دیا گیا اور بیبرس کو الملک الظاہر کے لقب کے ساتھ بادشاہ بنایا گیا۔"

سلطان بیبرس نے سب سے پہلے خلافتِ عباسیہ کا احیاء کیا اور مستعصم باللہ کے چچا ابوالقاسم المستنصر باللہ کو ملک شام سے بلوا کر تختِ خلافت پر بٹھایا اور اس کی بیعت کی۔ یہ سلطان بیبرس کا بہت اہم تاریخی فیصلہ تھا کیونکہ بغداد کی تباہی اور مستعصم باللہ کے قتل کے بعد عباسی خلافت کا خاتمہ ہو چکا تھا اور اب سلطان کی کوشش سے اس کا مصر میں احیاء ہوا، اس طرح عباسی خلافت کا مرکز بغداد سے مصر میں منتقل ہو گیا۔ مصر میں سترہ عباسی خلیفہ ہوئے۔ سلطان سلیم عثمانی نے ۲۔ اپریل ۱۵۱۷ء کو مصر کے مملوک حکمران طومان بائے کو معرکہ وردان میں شکست دے کر مصر پر قبضہ کر لیا۔ وہ عباسی خلیفہ متوکل علی اللہ کو بھی اپنے ساتھ ایشیائے کوچک لے گیا۔ استنبول پہنچ کر متوکل علی اللہ، سلطان سلیم کے حق میں دستبردار ہو گیا، اس طرح خلافتِ عباسیہ، خلافتِ عثمانیہ میں منتقل ہو گئی۔ (۱۰)

معرکۂ عینِ جالوت میں ہلاکو خان شامل نہ تھا۔ اسے جب تاتاری افواج کی شکست اور کِتبغاء کی ہلاکت کی خبر پہنچی تو وہ غصے سے خاک چاٹنے لگا۔ اس نے عینِ جالوت کی اس اہم جنگ میں شکست کا بدلہ لینے کے لیے زبردست جنگی تیاری شروع کر دی، لیکن ایک بار پھر وہ اپنے داخلی معاملات کے الجھاؤ کی وجہ سے مسلمانوں کی طرف متوجہ نہ ہو سکا۔ ہلاکو خان کا کزن برکا خان ابنِ جوجی خان بادشاہ قپچاق (Kipchack) نے اسلام قبول کر لیا۔ اسے بغداد میں مسلمانوں کے قتلِ عام کا بہت افسوس تھا۔

"Muslim historian Rashid al-Din quoted Berke as sending the following message to Mangke Khan, protestin the attack on Baghdad(not knowing Mongke had died in China): "he has sacked all the cities of the muslims, and has brought about the death of the caliph. With the help of God I will call him to account for so much innocent blood."(11)

"مسلم تاریخ دان رشید الدین لکھتا ہے کہ برکہ خان نے مندرجہ ذیل پیغام منگو خان کو بھجوایا (وہ یہ بات نہیں جانتا تھا کہ منگو خان کا چین میں انتقال ہو چکا ہے۔) اس پیغام میں اس نے

Marfat.com

بغداد پر حملے پر احتجاج کیا۔"اس نے تمام مسلمان شہروں پر قبضہ کر لیا ہے اور خلیفہ کو شہید کر دیا ہے۔خدا کی مدد سے میں اس سارے بے گناہ خون کا بدلہ لوں گا۔"

ہلاکو خان ۱۲۶۲ء میں ایک بہت بڑی فوج کے ساتھ عینِ جالوت کا بدلہ لینے کے لیے نکلا، لیکن راستہ میں اسے برکا خان کی فوجوں کے ساتھ الجھنا پڑا۔ یہ پہلا موقع تھا کہ تاتاری آپس میں ہی لڑ رہے تھے۔ ہلاکو خان نے برکا خان کے ہاتھوں شکست کھائی اور مسلمانوں سے عینِ جالوت کی ہزیمت کے بدلے کی خواہش دل میں ہی لیے بے نیلِ مرام لوٹ گیا۔ ہلاکو خان کے بعد بھی تاتاریوں نے کئی بار مسلم علاقوں پر یورش کی اور شکست کھائی۔ جلد ہی اُن کے غبارے سے ہوا مکمل طور پر نکل گئی۔

جنگوں کے خوگر اور شکست سے ناآشنا تاتاری عینِ جالوت کے میدان میں اس طرح دُم دبا کر بھاگے کہ فتح و کامرانی کی راہیں ہی اُن سے گم ہو گئیں۔ ہلاکو خان عین جالوت کے بدلے کی آگ میں جلتا ہوا دنیا سے رخصت ہوا۔ اس کے بعد اس کی اولاد نے اسلام کے دامنِ رحمت میں پناہ لی اور مسلمانوں کو مٹانے کی خواہش رکھنے والے اسلام کے محافظ ثابت ہوئے۔

عینِ جالوت کے میدان میں تاتاریوں کے غرور کو خاک میں ملا دینے والا بیبرس, اب صلیبیوں سے اُن کی تباہ کاریوں کا حساب لینے کا فیصلہ کر چکا تھا۔ سلطان نور الدین زنگی اور سلطان صلاح الدین ایوبی کا یہ عظیم جانشین صلیبیوں سے انطاکیہ واپس لینے کے لیے مصمم ارادے اور خدا پر غیر متزلزل یقین کے ساتھ رختِ سفر باندھ رہا تھا۔

حوالہ جات وحواشی

(۱) Battle of Ain Jalut, Wikipedia, the encyclopedia.

(۲) تاریخ ابن خلدون، ابن خلدون، عبدالرحمٰن، مترجم حکیم احمد حسن الہ آبادی، نفیس اکیڈمی، کراچی، ج۹، ص۴۶، ۱۹۹۰ء

(۳) فلسطین میں وادی جالوت کے سرے پر عین جالوت نامی گاؤں آباد تھا۔ جس کا یہ نام اس لیے پڑا کہ اس کے قریب داؤد علیہ السلام نے جالوت کو قتل کر دیا تھا۔ ماخوذ از اٹلس فتوحات اسلامیہ، دار السلام، لاہور، ص۱۹۹

Marfat.com

(۴) تاریخ ابن خلدون ابن خلدون، عبد الرحمٰن، مترجم حکیم احمد حسن الہ آبادی، نفیس اکیڈمی، کراچی، ج۹، ص ۴۷، ۱۹۹۰ء

(۵) A Short History of the Saracens, Page 400, Syed Ameer Ali, Islamic Book Service, LAHORE.

(۶) تاریخ ملت، میرٹھی، زین العابدین، شہابی، انتظام اللہ، ادارہ اسلامیات، لاہور، ج۲، ص ۹۰۵، ۱۹۹۱ء

(۷) A History of Medieval Islam, Page 183, J.J.Saunders, Routledge and Kegan Paul, LONDON.

(۸) Encyclopedia Britannica, Volume 6, Page 833, William Benton Publisher.

(۹) A Short History of the Saracens, Page 400, Syed Ameer Ali, Islamic Book Service, LAHORE.

(۱۰) تاریخ اسلام، نجیب آبادی، اکبر شاہ، فرید بک ڈپو، دہلی، ج۲، ص ۵۶۸

(۱۱) Battle of Ain Jalut, Wikipedia, the encyclopedia.

Marfat.com

فتح انطا کیہ ۶۶۶ھ/۱۲۶۸ء

راہب پطرس نے مسلمانوں کے خلاف نفرت کی جس چنگاری کو ہوا دی تھی، اُسے پوپ اربن ثانی نے اپنی شرانگیز تقاریر سے شعلۂ جوالہ بنا دیا۔ بدمست عیسائی، صلیبی جنگی جنون کے ساتھ یورپ سے سیلِ تباہ کن بن کر نکلے اور پر رونق آبادیوں کو کھنڈروں میں تبدیل کرتے اور مرغزاروں کو روندتے ہوئے مسلم علاقوں پر حملہ آور ہوئے۔ اُن کی سبز قدمی کی بدولت یہ سرزمین انسانی خون سے سرخ ہوگئی۔

پہلے صلیبی حملے کے نتیجے میں شام اور فلسطین کے علاقے میں چار عیسائی ریاستیں قائم ہوئیں۔(۱)

۱۔ بیت المقدس ۲۔ انطا کیہ ۳۔ طرابلس ۴۔ الرّہا

ان میں سے بیت المقدس اور انطا کیہ (Antioch) کو عیسائی اپنے مقدس شہروں میں شمار کرتے تھے۔ انطا کیہ کے بارے میں علامہ ابنِ خلدون کا کہنا ہے کہ اس کی بنیاد یونان کے ایک بادشاہ انطیخس نے ڈالی تھی۔ اس کی نسبت سے یہ "انطا کیہ" کے نام سے موسوم ہے۔ اس کے بعد یہ شہر رومیوں کے قبضے میں آ گیا، پھر مسلمانوں نے اسے فتح کر لیا۔"(۲)

حضرت عمر فاروق ؓ کے دورِ خلافت میں جب فتوحات کا آغاز ہوا تو مسلمانوں نے شام کے جو علاقے فتح کیے ان میں انطا کیہ بھی شامل تھا۔ حضرت ابو عبیدہ بن جراح ؓ نے ۶۳۶ء میں اسے فتح کیا تھا۔ گیارہویں صدی عیسوی کے آخری سالوں میں جب صلیبی لشکر شام اور فلسطین کے علاقوں پر حملہ آور ہوئے تو ۱۰۹۸ء میں انطا کیہ پر صلیبی قابض ہو گئے۔

"یروشلم کے راستے میں انطا کیہ اتنا ہی اہم تھا جتنا کہ قسطنطنیہ۔ یہی وہ مقام ہے جہاں سینٹ پال، پیٹر اور بارنباک نے پہلے پہل عیسائی کمیونٹی کی بنیاد رکھی اور لفظ Christian استعمال کیا۔ یہاں کا لاٹ پادری درجہ کے لحاظ سے یروشلم اور قسطنطنیہ کے پادریوں کے ہم پلّہ تھا۔"(۳)

جب صلیبیوں نے انطا کیہ (۴) کا محاصرہ کیا تو انہیں مسلمانوں کی طرف سے سخت مزاحمت کا

Marfat.com

سامنا کرنا پڑا۔ یہاں تک کہ صلیبی اپنی فتح سے مایوس ہو گئے لیکن ایک صلیبی جنگجو بوہیمنڈ کو چند ایسے نومسلم مل گئے جو غداری پر آمادہ تھے۔ بوہیمنڈ نے انہیں ساتھ ملا کر انطاکیہ پر قبضہ کر لیا۔ چونکہ بوہیمنڈ نے اس شہر کو فتح کیا تھا اس لیے صلیبیوں کی طرف سے وہی اس علاقے کا حکمران تسلیم کیا گیا۔ عماد الدّین زنگی، نور الدّین زنگی اور صلاح الدّین ایوبی نے عیسائیوں کے خلاف علمِ جہاد بلند کیا اور بہت سے علاقے عیسائیوں سے واپس حاصل کر لیے۔ ۱۱۸۷ء میں سلطان صلاح الدّین ایوبی نے بیت المقدس تو عیسائیوں سے واپس چھین لیا لیکن انطاکیہ کی طرف متوجہ نہ ہو سکا۔ بلکہ رچرڈ کے ساتھ ایک معاہدہ کے تحت عکّہ (Acre) سے یافہ تک کے علاقے پر عیسائیوں کا قبضہ تسلیم کرنا پڑا۔ اس کے بعد بھی عیسائیوں کی طرف سے بیت المقدس کے حصول کے لیے کوششیں جاری رہیں اور صلیبی جنگجو حملہ آور ہوتے رہے لیکن اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو سکے۔ تیرہویں صدی عیسوی میں منگولوں کا طوفان بگولے کی طرح اٹھا اور تیزی سے مسلم علاقوں کی طرف بڑھا۔ خوارزم اور عباسی سلطنتیں اس کا راستہ روکنے میں ناکام رہیں۔ جس کے نتیجے میں خوارزم شاہی سلطنت اور عباسی خلافت کا خاتمہ ہو گیا۔

بغداد کی تباہی کے بعد عیسائیوں کو اپنی مراد بر آنے کی امید پیدا ہو گئی کہ منگول مسلمانوں سے بیت المقدس چھین کر عیسائیوں کے حوالے کر دیں گے۔ صرف منگول ہی یروشلم عیسائیوں کو واپس دلا سکتے تھے لیکن مسلمانوں نے عینِ جالوت کے مقام پر منگولوں کو عبرتناک شکست سے دوچار کیا۔ جس سے نہ صرف منگولوں کے بڑھتے ہوئے قدم رک گئے بلکہ عیسائیوں کی تمام تدبیریں بھی الٹی ہو گئیں۔ وہ تو مسلمانوں کی شکست کی صورت میں یروشلم کو آزاد کرانے کے خواب دیکھ رہے تھے، لیکن عینِ جالوت میں مسلمانوں کی فتح نے اُن کی امیدوں پر پانی پھیر دیا۔ اب انہیں سلطان بیبرس کی عسکری طاقت کے مقابلے میں اپنی بے بسی کا بخوبی اندازہ ہو چکا تھا۔ سلطان بیبرس عیسائیوں سے مسلمانوں کے مقبوضہ علاقے واپس لینے کے لیے پُرعزم تھا۔

مکمل تیاری کے بعد سلطان بیبرس ۱۲۶۵ء میں صلیبیوں پر پہلی ضرب لگانے کے لیے قاہرہ سے روانہ ہوا۔ عیسائیوں کا خیال تھا کہ وہ عکّہ کی جانب سے حملہ آور ہو گا اس لئے صلیبی لشکر سوادِ عکہ میں اس کا منتظر تھا، لیکن اس نے یک دم جنوب کی طرف رخ بدل کر قیساریہ کے قلعہ بند شہر کے سامنے پڑاؤ ڈالا۔ (۵)

Marfat.com

سلطان بیبرس نے کچھ ہی عرصہ میں عیسائیوں کے اہم قلعے فتح کر لیے۔ وہ ۱۲۶۸ء میں جافا اور بیوفورٹ کو فتح کرنے کے بعد عیسائیوں کے سب سے اہم شہر انطا کیہ پر حملہ آور ہوا۔ انطا کیہ کا حاکم بوہیمنڈ پہلے ہی مسلمانوں کے خوف سے طرابلس میں قیام پذیر تھا۔ سلطان بیبرس جس تیزی کے ساتھ انطا کیہ پر حملہ آور ہوا تھا، عیسائیوں کو سنبھلنے کا موقع ہی نہ ملا۔ ہیرلڈلیم نے سلطان بیبرس کی اس خوبی کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے۔

"چیتے کی طرح بیبرس کی رفتار حیران کن حد تک تیز تھی۔ وہ فوراً نظروں سے اوجھل ہو جاتا۔ بے چارے خستہ حال صلیبی اس کی نقل و حرکت اور منصوبوں کا سراغ لگانے سے قاصر رہتے۔" (۶)

سلطان بیبرس نے انطا کیہ کا محاصرہ کر لیا۔ اہلِ شہر نے مدافعت کی کوشش کی۔ سلطان نے اہلِ انطا کیہ کو اطاعت پر آمادہ کرنے کے لیے اُن سے وعدہ کیا کہ اُن کی جان و مال کا تحفظ کیا جائے گا، لیکن اہلِ شہر اطاعت پر راضی نہ ہوئے۔ بالآخر سلطان بیبرس نے بزورِ قوت انطا کیہ کو فتح کر لیا اور قلعۂ انطا کیہ کو آگ لگا دی۔ عکّہ کے حاکم نے جو حاکمِ قبرص کا بھانجا تھا، سلطان بیبرس کو صلح کا پیغام بھیجا۔ لٰہذا سلطان نے اس سے دس سال کی مدت کے لیے صلح کر لی۔ پھر سلطان مصر چلا گیا۔ (۷)

سقوطِ انطا کیہ کی خبر جنوب کے عیسائیوں پر بجلی بن کر گری۔ انہیں اس کی صداقت پر یقین نہ آ رہا تھا۔ "انطا کیہ کے زیر ہو جانے سے جنوب کے صلیبی قلعوں میں کچھ فرق نہ پڑا، کیونکہ کئی نسلوں سے انطا کیہ کا سرزمین مقدس سے رشتہ منقطع ہو چکا تھا اور انطا کیہ ایک علیحدہ ریاست کے طور پر پروان چڑھا تھا۔ فتحِ انطا کیہ کے بعد اب صلیبیوں کو یہی فکر لاحق تھی کہ دیکھئے اب بیبرس کی ضرب کہاں پڑتی ہے۔" (۸)

سلطان بیبرس نے عیسائیوں کا اہم ترین شہر انطا کیہ اُن سے چھین لیا تھا۔ انطا کیہ کی فتح اس قدر اہم ہے کہ بہت سے مورخین اسے فتحِ بیت المقدس سے بھی زیادہ اہم خیال کرتے ہیں۔ کیونکہ بیت المقدس کی فتح کے بعد بھی عیسائیوں کا دم خم باقی تھا اور انطا کیہ جیسے اہم شہر پر قبضے کی وجہ سے اُن کے حوصلے بلند تھے۔ لیکن انطا کیہ کے چھن جانے سے اُن کے صلیبی جذبے سرد پڑ گئے۔ سقوطِ انطا کیہ کے وقت اس کا حاکم بوہیمنڈ طرابلس میں تھا۔ وہ اپنے شہر کی حالتِ زار سے اس قدر بے خبر تھا کہ اسے سلطان بیبرس کے خط سے حقیقتِ حال کا علم ہوا۔

Marfat.com

سلطان بیبرس نے اسے لکھا کہ "ہمارا مقصد ہے کہ تمہیں آگاہ کر سکیں کہ انطاکیہ میں ہم نے کیا کیا اور تم پر کیا افتاد پڑی ہے۔ تمہارے بہادر، گھوڑوں کے پاؤں تلے روندے گئے۔ تمہارے گھروں کو مسمار کر دیا گیا۔ تم دیکھتے کہ تمہارے کلیساء اور صلیبیں توڑ پھوڑ دی گئیں۔ تمہارا کوئی آدمی زندہ نہ بچا، جو تم تک یہ خبر پہنچاتا۔ لہٰذا ہم نے سوچا کہ خود ہی تمہیں آگاہ کر دیں کیونکہ ہمارے علاوہ اور کوئی تمہیں یہ بتا بھی نہیں سکتا تھا کہ تم خوش قسمت ہو جو وہاں موجود نہیں تھے اور بچ گئے۔"(۹)

انطاکیہ پر مسلمانوں کے قبضے سے پورے یورپ میں ہلچل مچ گئی۔ فرانس کے لوئیس نہم نے ایک بہت بڑا لشکر تیار کیا اور مسلمانوں پر حملہ کرنے کے لیے روانہ ہوا، لیکن وہ تیونس سے آگے نہ بڑھ سکا اور یہیں پر اس کا انتقال ہو گیا۔ شکستِ انطاکیہ کے بعد مسلمانوں کے خلاف یہ عیسائیوں کی آخری سنجیدہ کوشش تھی۔ اس کے بعد وہ مایوس ہو گئے لیکن انہیں امید کی آخری کرن اس وقت دکھائی دی جب ایک بار پھر منگول مسلمانوں پر حملہ آور ہونے کے لیے پر تولنے لگے۔

ایران سے منگول سردار اباقا خان نے یروشلم کی طرف پیش قدمی کی۔ شکست خوردہ صلیبی عیسائیوں نے اس کا بھرپور ساتھ دیا۔ اس دفعہ منگولوں کا راستہ روکنے کے لیے بیبرس کا جانشین سلطان کلاؤن میدان میں آیا۔ ۱۲۸۱ء میں حمص کے قریب منگولوں اور مسلمانوں کا خونریز معرکہ ہوا۔ سلطان کلاؤن نے معرکۂ عین جالوت کی یاد تازہ کرتے ہوئے ایک بار پھر تاتاریوں کو عبرتناک شکست سے دوچار کیا۔ تاتاری شکست کھا کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ اب صلیبیوں کی شامت آ گئی۔ سلطان کلاؤن نے کچھ ہی عرصہ کے بعد عیسائیوں سے ان کا اہم شہر طرابلس (۱۰) چھین لیا۔ وہ صلیبیوں سے عکّہ بھی چھین لینا چاہتا تھا لیکن زندگی نے اسے مہلت نہ دی۔ اب مسلمانوں کے قدم رکنے والے نہ تھے، وہ مسلسل عیسائی قلعوں کو فتح کرتے چلے گئے۔

عیسائیوں کو عکّہ (۱۱) کے بارے میں فکر لاحق ہوئی تو اردگرد سے عیسائی طاقتیں اہلِ عکّہ کی مدد کے لیے پہنچ گئیں۔ پوپ نکولس نے ایک بحری بیڑا روانہ کیا۔ قبرص سے شاہِ ہنگری بھی اپنی فوج لے کر پہنچ گیا۔ اس طرح عکّہ میں صلیبیوں کی بڑی تعداد جمع ہو گئی۔ دوسری طرف مسلمانوں کے حوصلے بھی بلند تھے۔ ۱۲۹۱ء میں سلطان ملکُ الاشرف نے ایک بڑے لشکر کے ساتھ عکّہ کا محاصرہ کر لیا۔ صلیبیوں نے ڈٹ کر مقابلہ کیا لیکن مسلمانوں کے عزم و حوصلہ کے سامنے اُن کی کوئی تدبیر کارگر نہ ہو سکی اور مسلمانوں

Marfat.com

نے عکّہ فتح کرلیا۔

بیت المقدس، قیساریہ، انطاکیہ اور طرابلس پر مسلمانوں کی فتح کے بعد صلیبیوں کے پاس صرف عکّہ باقی رہ گیا تھا وہ بھی ۱۲۹۱ء میں فتح ہوگیا تو اس کے ساتھ ہی صلیبی جنگوں کا سلسلہ مکمل طور پر اپنے انجام کو پہنچا۔

صلیبی جنگوں کا جو سلسلہ ۱۰۹۶ء میں عیسائیوں کے حملوں سے شروع ہوا تھا، وہ ۱۲۹۱ء میں عکّہ پر مسلمانوں کے قبضے پر ختم ہوا۔ اس دوران مسلمانوں کو عیسائیوں کے ساتھ ساتھ منگولوں کا بھی مقابلہ کرنا پڑا، اور مسلمانوں نے ان دونوں محاذوں پر اپنے دشمن کے دانت کھٹے کیے۔ ۱۲۶۰ء میں عینِ جالوت کے میدان میں سلطان بیبرس نے منگولوں کو شکست دے کر اور ۱۲۶۸ء میں عیسائیوں سے انطاکیہ چھین کر اپنے دشمنوں کو گھٹنوں کے بل گرادیا۔ اس طرح مسلمانوں نے منگولوں اور صلیبیوں پر اپنی عسکری برتری ثابت کردی۔

حوالہ جات وحواشی

(۱) اردو دائرہ معارف اسلامیہ، محمد عبداللہ، سید، ڈاکٹر، پنجاب یونیورسٹی، لاہور، ج ۱۲، ص ۲۱۱

(۲) تاریخ ابنِ خلدون، ابنِ خلدون، نفیس اکیڈمی، کراچی، ج ۹ ص ۶۴، ۲۰۰۰ء

(۳) صلیبی جنگیں، ٹیری جونز، ایلن اریرا، مترجم امان اللہ قریشی، ڈاکٹر تخلیقات، لاہور، ص ۴۱، ۲۰۰۰ء

(۴) انطاکیہ میں حبیب نجار کی قبر ہے، جس کا ذکر سورۃ یٰسین میں نام لیے بغیر کیا گیا ہے۔ یہ جنوبی ترکی میں دریائے عاصی کے کنارے واقع ہے۔ اٹلس فتوحات اسلامیہ، دارالسلام، لاہور۔

(۵) صلیبی جنگیں، ہیرلڈ لیم، نگارشات، لاہور، ص ۳۹۱

(۶) مذکورہ بالا حوالہ، ص ۳۹۴

(۷) تاریخ ابنِ خلدون ابنِ خلدون، نفیس اکیڈمی، کراچی، ج ۹، ص ۶۵

(۸) صلیبی جنگیں، ہیرلڈ لیم، نگارشات، لاہور، ص ۳۹۷

(۹) صلیبی جنگیں، ٹیری جونز، ایلن اریرا، مترجم امان اللہ قریشی، ڈاکٹر تخلیقات، لاہور، ص ۱۹۰

(۱۰) یہ شام کا مشہور شہر تھا۔ اسی نام کا ایک اور مشہور شہر لیبیا کا دارالحکومت بھی ہے۔ جسے طرابلس

Marfat.com

الغرب کہا جاتا ہے۔فنیقیوں کے زمانے میں تین شہروں صبراطہ،اویا اورلبتس کے علاقے کے لیے استعمال ہوتا تھا۔اس لیے یونانی زبان میں اسے ٹریپولی بھی کہا جاتا ہے،اس پر مختلف قومیں قابض رہیں۔۱۹۱۱ء میں اطالوی فوجوں نے اس پر تسلط قائم کرلیا۔۱۹۵۱ء میں طرابلس (لیبیا) کو آزادی ملی۔اٹلس فتوحات اسلامیہ،دارالسلام،لاہور،ص ۲۴۵

(۱۱) فلسطین کا یہ اہم شہر بحیرہ روم کے ساحل پر واقع ہے۔۱۱۹۱ء میں رچرڈ (شاہ انگلستان) نے یہاں ۲۶۰۰ شہریوں کو امان دینے کے بعد شہید کردیا۔سلطان ملک الاشرف نے ۱۲۹۱ء میں اسے فتح کرنے کے بعد برباد کردیا تاکہ صلیبی ادھر کا رخ نہ کریں۔اٹھارویں صدی کے وسط میں یہ شہر پھر آباد ہوا۔۱۷۹۹ء میں نپولین بوناپارٹ نے اس کا ناکام محاصرہ کیا۔۱۸۴۰ء میں ابراہیم پاشا نے اسے فتح کرنے کے بعد تباہ کردیا۔اس کی آبادی ۴۰ ہزار سے زائد ہے۔۱۹۴۸ء سے اس پر اسرائیل قابض ہے۔مذکورہ بالا حوالہ،ص ۱۷۳

Marfat.com

جنگِ انگورہ ۸۰۴ھ / ۱۴۰۲ء

یورپ کی سرزمین عثمانیوں کے گھوڑوں کی ٹاپوں سے روندی جا رہی تھی۔ تمام یورپی قوتیں عثمانی سلطان بایزید اوّل کے نام سے لرزہ براندام تھیں کیونکہ سلطان اپنے لقب "یلدرم" (بجلی) کی مانند یورپ کے آشیانوں کو خاکستر کر رہا تھا۔ وہ ایک مہم اناطولیہ (۱) میں سَر کرتا تو دوسری مہم کیلئے یورپ روانہ ہو جاتا اور پھر کسی نئی مہم کا انتخاب کرتا۔

یورپ میں سلطان کی اس بڑھتی ہوئی طاقت کو روکنے کے لیے فرانس، آسٹریا، ہنگری، سربیا اور جرمنی نے آپس میں اتحاد کر کے ایک فیصلہ کن معرکہ لڑنے کا فیصلہ کیا۔ بایزید یلدرم بھی یورپی طاقتوں کو ایک ہی محاذ پر اکٹھا کر کے شکست دینا چاہتا تھا۔ دونوں طرف سے مکمل جنگی تیاری کے بعد نکوپولس (۲) کے میدان میں ایک دوسرے کو دعوتِ مبارزت دی گئی۔ تاریخ کی اس اہم جنگ میں سلطان بایزید یلدرم نے تمام یورپی قوتوں کی طاقت و جبروت کا جنازہ نکال دیا۔ نکوپولس کے معرکہ نے یورپ کے اجتماعی وجود کو مفلوج کر کے رکھ دیا۔ اب پورا یورپ سلطان کے سامنے بے بس دکھائی دے رہا تھا۔ لیکن مسلم تاریخ کے اس اہم موڑ پر ایک اور مسلم حکمران' عثمانیوں سے ٹکرانے کیلئے پر تول رہا تھا، اور وہ تھا اس وقت کا عظیم فاتح "امیر تیمور"۔

امیر تیمور (TAMERLANE) سمرقند سے ایک بگولے کی طرح اٹھا اور تمام وسطِ ایشیاء، خراسان، ایران اور ہندوستان پر طوفانِ سموم بن کر چھا گیا۔ اس نے تاتاریوں کا سائبیریا کے برفانی علاقوں تک پیچھا کیا اور مسلمانوں کو اُن کے شر سے نجات دلائی تو خود مسلمانوں کے لیے بھی کسی عذاب سے کم ثابت نہ ہوا۔ اس نے تمام اہم اسلامی مراکز کو تباہ و برباد کیا۔ دہلی، دمشق، قاہرہ اور بغداد جیسے اہم اسلامی شہروں کی اینٹ سے اینٹ بجادی اور لاکھوں مسلمانوں کو خون میں نہلا دیا۔ وہ بلاتفریقِ مذہب' انسانوں کے خون سے ہولی کھیلتا اور انسانی کھوپڑیوں کے مینار تعمیر کرتا رہا۔

امیر تیمور جب مشرقی علاقوں کو فتح کرتے ہوئے اپنی سلطنت کی حدود وسیع کر رہا تھا، یہی وہ وقت

Marfat.com

تھا جب بایزید یلدرم کے سامنے یورپ سرنگوں ہو رہا تھا۔ تیمور کے دو بڑے سیاسی مخالفین' سلطان احمد جلائرہ اور قرہ یوسف بھاگ کر بایزید کی پناہ میں آ گئے، تیمور نے بایزید کو خط لکھ کر اُن کی حوالگی کا مطالبہ کیا۔

"Temur pressed his demands that Bayazid surrendered to him his two long-standing adversaries, Sultan Ahmed of Baghdad and the rebellious Turkmen chief Qara Yusuf, both of whom had for years eluded him" .(3)

"تیمور نے بایزید سے اپنے دو پرانے دشمنوں کی حوالگی کے لیے زور ڈالا۔ان میں بغداد کا سلطان احمد جلائر اور ترک سردار قرہ یوسف شامل تھے۔یہ دونوں لمبے عرصے سے اس سے بچتے چلے آ رہے تھے۔"

بایزید نے تیمور کے اس مطالبہ پر کوئی توجہ نہ دی۔امیر تیمور اور بایزید یلدرم کے درمیان دشمنی کی یہ پہلی چنگاری تھی جو کچھ ہی عرصہ بعد ایک دہکتا ہوا الاؤ بن گئی۔

نکوپولس اور یونان میں شکست کے بعد قیصر روم پیچ و تاب کھا رہا تھا۔اب وہ بایزید یلدرم کے مقابلہ میں آنے کی ہمت نہیں رکھتا تھا۔اس نے بایزید کے مقابلہ میں وہی حکمتِ عملی اپنانے کا فیصلہ کیا ،جو پوری اسلامی تاریخ میں ہمیں کفار و منافقین کی طرف سے بطور ہتھیار استعمال ہوتی دکھائی دیتی ہے۔

اس نے یلدرم کے خلاف امیر تیمور کو لشکر کشی کیلئے اُبھارنے کا منصوبہ بنایا اور تیمور کو خط لکھا کہ "بایزید یلدرم نے آپ کے مفرور باغیوں سلطان احمد جلائرہ اور قرہ یوسف ،کو پناہ دے رکھی ہے۔جو اسے آپ کے خلاف جنگ کا مشورہ دے رہے ہیں لہٰذا آپ ایشیائے کوچک پر حملہ کریں تاکہ آپ بھی محفوظ ہوں اور ہمیں بھی اس فتنہ سے نجات ملے۔"(۴)

تیمور نے قیصر کو تو اس خط کا کوئی جواب نہ دیا لیکن وہ اس خط کو پڑھنے کے بعد حقیقی طور پر بایزید کو اپنے لیے بڑا خطرہ سمجھنے لگا۔اب وہ مناسب حکمتِ عملی کے ساتھ بایزید کے خلاف جنگی تیاریوں میں مصروف ہو گیا۔اس نے بایزید یلدرم کے نام خط لکھا جس میں اپنے باغیوں سلطان احمد جلائرہ اور قرہ یوسف کی حوالگی کے لیے کہا گیا تھا۔اسے اس بات کا یقین تھا کہ بایزید جیسا عظیم عثمانی فرمانروا کسی طور

Marfat.com

بھی اپنے مہمانوں کو میرے حوالے نہیں کرے گا۔ چنانچہ اس نے بایزید کے ساتھ دو دو ہاتھ کرنے کا فیصلہ کرلیا۔ پہلے مرحلے میں وہ عثمانی سلطنت کی ہمدرد اور دوست سلطنتوں کو تباہ و برباد کر کے عثمانیوں کو اُن کی مدد سے محروم کر دینا چاہتا تھا۔ اپنے اس منصوبہ کو عملی جامہ پہنانے کیلئے اس نے دمشق پر حملہ کر دیا۔ شاہِ مصر شامیوں کی مدد کیلئے آیا تو وہ بھی تیمور کے سامنے ٹھہر نہ سکا اور راہِ فرار اختیار کی۔ اب تیمور کے قدم رکنے میں نہیں آ رہے تھے۔ دمشق اور مصر کو تاراج کرنے کے بعد وہ عراق پہنچا اور بغداد کو بزورِ شمشیر فتح کیا۔ ابھی وہ سلطنتِ عثمانیہ پر حملہ آور ہونے کے بارے میں سوچ ہی رہا تھا کہ اسے بایزید کی طرف سے اس کے خط کا جواب موصول ہوا، جس میں اس کی سوچ کے عین مطابق اس کے باغیوں کی حوالگی کا مطالبہ رد کر دیا گیا تھا۔

تیمور کو سلطنتِ عثمانیہ پر حملہ آور ہونے کا جواز مل چکا تھا۔ اس نے وقت ضائع کیے بغیر عثمانیوں کے سرحدی شہر سیواس کا محاصرہ کرلیا۔ بایزید کے بیٹے ارطغرل نے قلعہ بند ہو کر بھرپور دفاع کیا، لیکن تیمور نے قلعہ کی بنیادوں کو کھدوا کر کمزور کر دیا، جس سے دیواریں زمین بوس ہوگئیں۔ اہلِ شہر نے مجبوراً ہتھیار ڈال دیئے لیکن تیمور نے اپنی سرشتِ بد کا ثبوت دیتے ہوئے اُن کے ساتھ انتہائی وحشیانہ سلوک کرنے کے بعد زندہ در گور کر دیا۔

جب سیواس پر تیمور کے قبضے اور اپنے بیٹے ارطغرل کے قتل کی اطلاع بایزید کے پاس پہنچی تو اس کی آنکھوں میں خون اُتر آیا۔ اس نے ایک بہت بڑا لشکر تیار کیا اور فوراً امیر تیمور کی سرکوبی کیلئے سیواس کی جانب روانہ ہوا۔ امیر تیمور سیواس کو میدان جنگ نہ بنانا چاہتا تھا کیونکہ وہ بایزید کی طاقت سے بخوبی آگاہ تھا۔ وہ عثمانیوں کو تھکا کر اپنی مرضی کے میدان میں لانا چاہتا تھا، چنانچہ وہ بایزید کے سیواس کے قریب پہنچنے کا علم ہونے پر مغرب کی طرف چل دیا اور ۲۵۰ میل کا فاصلہ طے کر کے انگورہ کا محاصرہ کرلیا۔

بایزید بدلے کی آگ میں جلتا ہوا جب سیواس پہنچا اور وہاں تیمور کو نہ پایا تو اور بھی زیادہ غضب ناک ہوا۔ تیمور کے محاصرۂ انگورہ کی خبر سننے کے بعد بایزید کا خون کھولنے لگا اور وہ تیمور کی اس جنگی چال کو سمجھ نہ سکا۔ اگر وہ تحمل مزاجی کے ساتھ پوری صورتِ حال کا جائزہ لے کر تیمور کی عسکری قوت کے مقابلہ میں انگورہ کے اردگرد بسنے والے عثمانی جاگیرداروں کو اپنی مدد کیلئے دعوت دیتا اور پوری جنگی تیاریوں کے ساتھ تیمور کے مقابلے پر آتا تو یقیناً نتائج اتنے بھیانک نہ ہوتے۔

Marfat.com

"بایزید جو بڑی آسانی سے چار لاکھ فوج سیواس کے میدان میں جمع کرنے کا اہتمام کر چکا تھا اور تیمور سے کسی طرح مغلوب ہونے والا نہ تھا۔ جوشِ غضب میں بلا تامّل دو منزلہ اور سہ منزلہ یلغار کرتا ہوا' سیواس سے انگورہ کی طرف چلا۔ اس تیز رفتاری اور مسلسل سفر کی وجہ سے صرف ایک لاکھ بیس ہزار فوج اس کے ہمراہ رہ سکی، یہی شتابِ فردگی بایزید کی سب سے پہلی اور سب سے بڑی غلطی تھی۔ " (۵)

منزل بہ منزل سفر طے کرتا بایزید' سیواس سے انگورہ پہنچا۔ یہاں پہنچ کر اسے معلوم ہوا کہ تیمور نہ صرف جنگی نقطۂ نظر سے بہترین جگہ کا انتخاب کر چکا ہے بلکہ دیگر ضروری تیاریاں بھی مکمل کر چکا ہے۔

"There was now no option for the Ottoman other than to order forced marches west to Ankara. The soldiers' morale was low, the country dry and unforgiving, stripped bare by Temur's hordes. By the time they approached Ankara they were in a pitiful condition, said Arabshah, 'perishing with distress and violent thirst'. The only water supply lay behind Temur's lines. It has been estimated that up to five thousand of Bayazid's troops died before the battle." (6)

"اب عثمانیوں کے پاس اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا کہ وہ مجبوری کے عالم میں انقرہ (انگورہ) کی طرف مارچ کرتے۔ سپاہیوں کا حوصلہ کمزور تھا اور علاقہ انتہائی خشک اور خطرناک تھا۔ اور وہ یہاں تیمور کے ساتھیوں کے رحم و کرم پر تھے۔ عرب شاہ لکھتا ہے کہ جب وہ انقرہ (انگورہ) پہنچے تو ان کی حالت قابلِ رحم تھی۔ وہ مصیبت اور خوفناک پیاس سے مر رہے تھے۔ پانی کا واحد ذریعہ تیمور کی فوجوں کے قبضے میں تھا اور یہ اندازہ لگایا جاتا ہے کہ جنگ سے پہلے ہی بایزید کی فوج کے پانچ ہزار سپاہی مارے گئے۔"

بایزید نے انگورہ پہنچ کر جنگی معاملات پر تیمور کی گرفت کو دیکھتے ہوئے، نفسیاتی برتری حاصل کرنے کی غرض سے جنگل میں شکار کا فیصلہ کیا، تا کہ امیر تیمور کو پیغام دیا جائے کہ اس کے اعصاب مضبوط ہیں اور وہ تمہاری اتنی بڑی فوج کو بھی خاطر میں نہیں لاتا، لیکن بایزید کی یہ دوسری بڑی غلطی تھی۔ اس کی

Marfat.com

فوج قسطنطنیہ سے سیواس اور پھر سیواس سے انگورہ کا طویل ترین سفر طے کرنے کے بعد آرام کی خواہشمند تھی لیکن بایزید نے فوج کو شکار میں الجھادیا اور پھر شکار کیلئے جس جنگل کا انتخاب کیا وہاں پر پانی کی کمیابی کی وجہ سے فوج کو شدید پریشانی کا سامنا کرنا پڑا اور فوج کے پانچ ہزار سپاہی پیاس کی وجہ سے مر گئے۔ (۷)

بایزید جب شکار سے واپس آیا تو دیکھا کہ اس کے کیمپ پر دشمن نے قبضہ کرلیا ہے اور جس چشمہ سے عثمانی فوج پانی لے سکتی تھی، اس پر بھی تیموری فوج قبضہ کر چکی تھی۔ ان نامساعد حالات نے بایزید کی مشکلات کو دوچند کر دیا۔ اب وہ بغیر وقت ضائع کیے دشمن سے نبرد آزما ہونا چاہتا تھا، کیونکہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس کی فوج کے حوصلے پست ہورہے تھے۔ انگورہ کے میدان میں تاریخ کے دو بڑے اور بہادر جنگجو ایک دوسرے پر جھپٹ پڑے۔ تیمور کی فوج بایزید کی فوج سے چار گنا تھی۔ اس کے باوجود بایزید یلدرم اور اس کی فوج نے تیموری فوج کا ڈٹ کر مقابلہ کیا، لیکن تیموری فوج کی کثرت اور اُن کے جنگی ہاتھیوں نے عثمانیوں پر مسلسل دباؤ جاری رکھا۔

عثمانی جرنیل سلیمان چلپی اور سلطان بایزید کے بیٹے موسیٰ، عیسیٰ اور مصطفےٰ تاتاریوں کے زور کو توڑنے کے لیے سردھڑ کی بازی لگارہے تھے، لیکن تیمور اپنے تازہ دم دستوں کے ساتھ عثمانیوں کے میمنہ اور میسرہ پر مسلسل حملہ آور ہورہا تھا۔ سلطان بایزید خود میدانِ جنگ میں اپنے سپاہیوں کا حوصلہ بڑھانے کے لیے موجود تھا لیکن تیمور بذاتِ خود جنگ نہیں لڑ رہا تھا بلکہ پورے میدان پر نظر رکھے ہوئے اپنی فوج کو لڑا رہا تھا۔ بایزید کی فوج میں شامل تاتاری سپاہی آہستہ آہستہ میدان چھوڑ رہے تھے جس سے عثمانیوں کے میمنہ و میسرہ کو شدید مشکلات کا سامنا تھا۔ بایزید کبھی قلب کی مدد کو آتا اور کبھی میمنہ اور میسرہ کی خبر لیتا۔ صبح سے شام تک دو بہادر جرنیلوں کی یہ جنگ جاری رہی۔ دونوں طرف سے مسلمان سپاہیوں کے خون سے انگورہ کی سرزمین رنگین ہوتی رہی، لیکن بایزید کمالِ شجاعت کے باوجود، تیمور کی چار گنا بڑی فوج کو شکست نہ دے سکا۔ شام ہونے پر عثمانیوں کی شکست کے آثار دکھائی دینے لگے۔ سلطان بایزید کا بیٹا مصطفےٰ مارا گیا۔ عثمانی فوج میں شامل تاتاری راہِ فرار اختیار کر گئے، تمام بڑے عثمانی جرنیل اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ چشمِ آفتاب سارا دن یہ نظارہ کرتی رہی، آخر وہ بھی تھک گئی۔ آفتاب غروب ہو گیا، رات کی تاریکی انگورہ کے میدان پر چھا گئی اور ساتھ ہی عظیم عثمانی سلطان بایزید یلدرم، تیموری فوج کے

Marfat.com

ہاتھوں گرفتار ہو گیا۔

"It was one of the greatest battles the region had ever seen. In the first three centuries of Ottoman history this was the only crushing defeat, the single instance in which the sovereign was captured in person." (8)

"یہ اس علاقے کی عظیم ترین جنگوں میں سے ایک تھی۔ سلطنت عثمانیہ کے پہلے تین سالوں میں سے یہ واحد شکست فاش تھی۔ یہ واحد جنگ جس میں بادشاہ خود بھی گرفتار ہو گیا۔"

جنگِ انگورہ مسلم تاریخ کی بہت اہم جنگ ہے۔ دو مسلمان فاتحین جو مشرق و مغرب میں اپنی فتح کے جھنڈے گاڑ رہے تھے، عیسائیوں کی سازشوں اور آپس کی غلط فہمیوں کا شکار ہو کر آپس میں ہی الجھ پڑے۔ دونوں طرف ہزاروں مسلمان سپاہیوں کا خون بہا، بے تحاشا فوجی نقصان ہوا، بایزید یلدرم جیسا عظیم حکمران، جس کے نام سے ہی یورپ لرز اٹھتا تھا، انتہائی ذلت کے ساتھ ایک مسلمان حکمران ہی کے ہاتھوں قید ہو چکا تھا۔ اس جنگ کے فوائد عیسائیوں کو حاصل ہوئے۔ اس جنگ سے پہلے سلطان بایزید یلدرم یورپ کے بہت سے علاقوں پر قبضہ کر چکا تھا اور اب وہ پورے یورپ کو سرنگوں کرنے کے منصوبے بنا رہا تھا کہ اسے امیر تیمور کے مقابلے میں آنا پڑا۔ مسلمانوں کو بایزید یلدرم سے بہت سی توقعات وابستہ تھیں۔ جس طرح وہ برق رفتاری کے ساتھ عیسائیوں کو کئی محاذوں پر شکست دے چکا تھا، عین ممکن تھا کہ فرانس اور جرمنی جیسی عیسائی طاقتیں عثمانی سلطنت کا حصہ بن جاتیں۔

"بایزید میں یہ صلاحیت تھی کہ وہ پورے یورپ کو روند ڈالے مگر اللہ تعالیٰ کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ اس دوران میں مشرق سے تیمور لنگ اچانک سلطنتِ عثمانیہ پر آ پڑا۔ اور اس کی وجہ سے فتوحاتِ اسلامیہ کی پیش رفت ایک مدت تک رکی رہی۔" (۹)

جنگِ انگورہ میں بایزید کی شکست سے قیصرِ روم کی وہ خواہش پوری ہو گئی جس کا اظہار اس نے تیمور کو لکھے گئے خط میں کیا تھا کہ "آپ ایشیائے کوچک پر حملہ کریں تا کہ آپ بھی محفوظ ہوں اور ہمیں بھی اس فتنہ سے نجات ملے۔"

تیمور فتح یاب ہونے کے بعد بھی اگر بایزید کو رہا کر کے باعزت طور پر حکمران رہنے دیتا تو بھی اس

Marfat.com

کا اپنا نقصان نہ ہوتا کیونکہ آئندہ بایزید کبھی بھی اس کے لیے خطرہ نہ بنتا۔ دوسری طرف یورپ میں مسلمانوں کی فتوحات کا سلسلہ دوبارہ شروع ہو جاتا۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ تیمور کو مسلمانوں کے قومی مفادات سے کوئی غرض نہ تھی۔ اس کی تلوار جب بھی گرتی تھی، مسلمانوں کے قومی وجود کو کاٹتی چلی جاتی تھی۔ ہندوستان میں دہلی کے قتلِ عام سے لے کر دمشق، اصفہان، بغداد، سیواس اور انگورہ میں اس نے مسلمانوں ہی کے خون کی ندیاں بہائیں اور انہیں کے سروں سے مینار تعمیر کیے۔ اس سے یہ اُمید نہیں کی جا سکتی تھی کہ وہ بایزید کے ساتھ حسن سلوک کرے گا۔

تیمور نے بایزید کو ایک آہنی پنجرے کے اندر قید کر دیا، وہ جہاں جاتا اس قفس تضحیک کو ساتھ لے جاتا۔ سلطنتِ عثمانیہ کا عظیم فرمانروا بایزید اس تذلیل کو زیادہ دن تک برداشت نہ کر سکا اور آٹھ ماہ قید میں رہنے کے بعد وفات پا گیا۔ جنگِ انگورہ کی فتح نے تیمور کو ناقابلِ شکست جرنیل ثابت کر دیا تھا۔ اس کے بعد وہ دیگر شہروں پر ٹوٹ پڑا اور انسانی کھوپڑیوں کے مینار تعمیر کرنے کے شوق کو جی بھر کر پورا کیا۔

> "تیمور نے بروصہ، تائیس، خملق، آقاشہر، قرہ حصار اور دیگر بہت سے شہروں کی اینٹ سے اینٹ بجا دی۔ قیصرِ قسطنطنیہ نے خوفزدہ ہو کر اطاعت کر لی۔ سمرنا نے مزاحمت کی لیکن چند ہی دنوں میں فتح ہو گیا۔ تیمور نے شہر میں داخل ہوتے ہی بلاتمیز مذہب قتلِ عام کا حکم جاری کیا۔ اس کے بعد وحشیانہ شوق کی تسکین کیلئے انسانی کھوپڑیوں کا مینار تعمیر کیا۔" (۱۰)

جنگِ انگورہ (۱۱) کے بعد ایک دفعہ تو ایسا محسوس ہوتا تھا کہ سلطنتِ عثمانیہ کا مکمل خاتمہ ہو چکا ہے لیکن بہت جلد عثمانی اپنے قدموں پر دوبارہ کھڑے ہو گئے۔ سلطان محمد چلپی نے نہ صرف داخلی فتنوں اور تنازعات پر قابو پا کر سلطنت کو استحکام بخشا بلکہ یورپ میں فتوحات کا سلسلہ بھی دوبارہ شروع کیا۔ ایک بار پھر یورپ عثمانیوں کے سامنے سرنگوں ہوتا گیا اور سلطان محمد فاتح اس قابل ہوا کہ قسطنطنیہ کو فتح کر کے مسلمانوں کے دیرینہ خواب کو تعبیر دے سکے۔

حوالہ جات و حواشی

(۱) اناطولیہ ایشیائے کوچک کا یونانی نام ہے۔ اس سے وہ علاقہ مراد ہے جو جزیرہ نما کی صورت میں آرمینیا اور کردستان کی سطح مرتفع کے مغرب میں، بحیرہ اسود کے جنوب میں اور شام و لبنان کے شمال میں واقع ہے۔ ماخوز از اردو انسائیکلوپیڈیا، فیروز سنز، لاہور۔

Marfat.com

(۲) شمالی بلغاریہ کا ایک مقام، دریائے ڈینیوب کے کنارے واقع ہے۔ نکوپولس کی جنگ میں عثمانی لشکر کی قیادت سٹیفن بن لازار کر رہا تھا، جو ایک نومسلم عیسائی تھا۔ یہ عظیم جنگ ۲۳ زیقعد ۷۹۸ھ/۹ ستمبر ۱۳۹۶ء کو ہوئی۔ ماخوذ از اٹلس فتوحات اسلامیہ، دارالسلام، لاہور، ص ۳۲۶

(۳) TEMERLANE, Page 319, Justin Marozzi, DA CAPO PRESS

(۴) اٹلس فتوحات اسلامیہ ادارہ دارالسلام، لاہور، ص ۳۲۶

(۵) تاریخ اسلام، نجیب آبادی، اکبر شاہ، فرید بک ڈپو، دہلی، ج ۳، ص ۴۶۴

(۶) TEMERLANE, Page 331, Justin Marozzi, DA CAPO PRESS

(۷) تاریخ اسلام، نجیب آبادی، اکبر شاہ، فرید بک ڈپو، دہلی، ج ۳، ص ۴۶۵

(۸) TEMERLANE, Page 333, Justin Marozzi, DA CAPO PRESS

(۹) اٹلس فتوحات اسلامیہ، ادارہ دارالسلام، لاہور، ص ۳۲۶

(۱۰) سقوط بغداد سے سقوط ڈھاکہ تک، میاں محمد افضل، الفیصل ناشران، لاہور، ص ۶۰، ۲۰۰۳ء

(۱۱) انگورہ کا نیا نام انقرہ ہے، اور یہ ترکی کا دارالحکومت ہے۔ ۲۸ مئی ۱۹۳۰ء کو ترکی کے بیشتر ممالک کے نام تبدیل کر دیے گئے۔ سمرنا کا نام ازمیر، ایڈریانوپل کا نام ادرنا، اسلامبول کا نام استنبول اور انگورہ کا نام انقرہ رکھا گیا۔ اردو انسائیکلوپیڈیا، فیروز سنز، لاہور۔

Marfat.com

فتح قسطنطنیہ ۸۵۷ھ/ ۱۴۵۳ء

سلطنتِ رومہ اپنے اوّلین شہنشاہ آگسٹس سیزر(۱) کے زمانے میں مضبوط بنیادوں پر استوار ہوئی اور پھر دنیا کی طاقتور ترین سلطنت بن گئی۔ قسطنطین اوّل نے بائی زینتم جیسے اہم شہر کو فتح کرنے کے بعد اسے اپنا نام دیا۔ قسطنطین کے قبولِ عیسائیت کے بعد یہ شہر ۳۳۰ء سے قسطنطنیہ کے نام سے اہم عیسائی شہروں میں شمار ہونے لگا۔ سلطنتِ رومہ کے دو حصّوں میں تقسیم ہونے کے بعد قسطنطنیہ مشرقی سلطنت کا دارالحکومت قرار پایا۔

آنحضور ﷺ کے زمانہ مبارک میں سلطنتِ رومہ انتہائی مضبوط اور طاقتور سلطنت تھی۔ قسطنطنیہ اس کا انتہائی اہم شہر اور مشرقی سلطنت کا دارالحکومت تھا۔ اس کے قیصر ہرقل کی جانب نبی کریم ﷺ نے اپنا مکتوبِ گرامی بھی ارسال فرمایا تھا۔ قسطنطنیہ کی مذہبی اور جغرافیائی اہمیت کی بناء پر آپؐ نے اس شہر پر جہاد کرنے والے لشکر کو مغفرت کی بشارت دی تھی۔

اَوَّلُ جَیش مِن اُمَّتِي یَغزُونَ مَدِینَةَ قَیصَرَ مَغفُورُ لَّهُم. (بخاری، کتاب الجهاد)

"میری اُمت کا پہلا لشکر جو قیصر روم کے شہر پر جہاد کرے گا اس کی بخشش ہوگی۔"

حضرت امیر معاویہؓ کے دور میں قسطنطنیہ پر پہلی لشکر کشی ہوئی، جس میں بہت سے جلیل القدر صحابہ کرام شامل ہوئے۔ میزبانِ رسول حضرت ابوایوب انصاریؓ بھی اس لشکر میں شامل تھے۔ دورانِ محاصرہ آپؓ بیمار ہو کر یہیں وفات پا گئے اور قسطنطنیہ کی فصیل کے نیچے مدفون ہوئے۔ "سلطان محمد فاتح نے فتح قسطنطنیہ کے بعد حضرت ابوایوب انصاریؓ کے مزار مبارک سے متصل ایک مسجد بنوادی تھی جو جامع ایوب کے نام سے مشہور ہے۔" (۲)

مسلمانوں کا یہ پہلا حملہ ناکام رہا اور لشکر واپس آ گیا۔ اس کے بعد بھی بہت سے مسلمان حکمرانوں نے اس شہر کو فتح کرنے کے لیے حملے کیے لیکن ناکام رہے۔ ان مسلمان حکمرانوں میں "حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ، ہشام بن عبدالملک، مہدی بن ابوجعفر منصور اور ہارون الرشید شامل ہیں۔" (۳)

Marfat.com

سلطنتِ عثمانیہ کے قیام کے کچھ ہی عرصہ بعد سلاطینِ عثمانیہ نے اپنی حدود یورپ تک وسیع کرنا شروع کر دیں۔ دیگر مسلم حکمرانوں کی طرح سلاطینِ عثمانیہ کی بھی ایک بڑی خواہش قسطنطنیہ کو فتح کرنا تھا۔ سلطان بایزید یلدرم نے یورپ کے بہت سے علاقوں پر قبضہ کرنے کے بعد قسطنطنیہ کو زیر کرنے کی سنجیدہ کوشش کی۔ اس نے سب سے پہلے آبنائے باسفورس پر اپنا مکمل کنٹرول حاصل کرنے کے لیے، اس کے مشرقی ساحل پر ایک مضبوط قلعہ "اناضولو حصاری" کے نام سے تعمیر کیا۔

ان انتظامات کے بعد بایزید یلدرم نے قسطنطنیہ کا محاصرہ کرلیا۔ بایزید یلدرم کی شجاعت اور جنگی حکمتِ عملی سے عین ممکن تھا کہ یہ شہر جلد ہی فتح ہو جاتا، لیکن قیصرِ روم کی سازشوں کی وجہ سے امیر تیمور عثمانیوں پر پل پڑا۔ بایزید کو قسطنطنیہ کا محاصرہ ختم کر کے انگورہ کے میدان میں امیر تیمور سے ٹکر لینا پڑی، جس میں بایزید گرفتار ہوا۔ جنگِ انگورہ میں عثمانیوں کے بے پناہ نقصان کے بعد یوں محسوس ہوتا تھا کہ قسطنطنیہ کی فتح کا خواب شاید کبھی شرمندۂ تعبیر نہ ہو سکے، لیکن عثمانی نہ صرف اپنی سلطنت کو جلد ہی مستحکم کرنے میں کامیاب ہو گئے بلکہ انہوں نے اپنی فتوحات کے سلسلہ کو بھی ایک دفعہ پھر آگے بڑھایا۔

آلِ عثمان کے ساتویں خلیفہ سلطان محمد فاتح نے اپنے پردادا، بایزید یلدرم کے مشن کی تکمیل کیلئے عزمِ مصمّم کیا۔ اناضولو حصاری کی تعمیر کے باوجود قسطنطنیہ کو یورپ سے ہر قسم کی امداد حاصل ہو رہی تھی اور آبنائے باسفورس (Basporus) پر عثمانیوں کو مکمل تسلط حاصل نہیں تھا، چنانچہ سلطان محمد فاتح نے مشرقی قلعہ "اناضولو حصاری" کے بالمقابل یورپی ساحل پر ایک اور مضبوط قلعہ کی تعمیر شروع کی جو "رومیلی حصاری" (Rumeli Hisari) کہلایا۔ "سلطان محمد فاتح نے بنفسِ نفیس اس قلعہ کا خاکہ بنایا اور مصلح الدین آغا کو اسکی تعمیر پر مامور کیا جبکہ سات ہزار کارکنوں نے پورے چار ماہ میں اسے پایۂ تکمیل تک پہنچایا۔ قلعہ مثلث شکل میں تھا اور اس کی فصیل کی چوڑائی ۲۰ قدم تھی۔ اس کے ہر ایک کونے پر ضخیم برج تھا، جس میں سیسہ پگھلایا گیا تھا اور اسکی موٹائی ۲۳ قدم تھی۔" (۴)

شہرِ قسطنطنیہ کے گرد انتہائی مضبوط فصیلیں تھیں، جن کی دیواروں میں شگاف ڈالنے کیلئے سلطان محمد فاتح نے خاص طور پر توپیں تیار کروائیں، جو بہت وزنی گولے ایک میل تک پھینک سکتی تھیں۔ سلطان نے ان توپوں کے تجربات کے بعد ان پر اظہارِ اطمینان کیا۔

Marfat.com

قیصرِ قسطنطنیہ بھی سلطان کی ان جنگی تیاریوں سے بے خبر نہ تھا۔اس نے پوپ نکولا پنجم سے مدد کی درخواست کی۔اس طرح پورے یورپ سے جنگی سازوسامان بڑے بڑے بحری جہازوں پر قسطنطنیہ پہنچنے لگا۔آبنائے باسفورس پر عثمانیوں کا مکمل کنٹرول تھا،اس لیے اب یورپی جہاز' درّہ دانیال (۵) کو استعمال کررہے تھے۔قیصر' قسطنطنیہ کے دفاع سے پوری طرح مطمئن تھا،کیونکہ شہرِ قسطنطنیہ کو قدرتی طور پر تین اطراف سے آبنائے باسفورس،بحیرہ مرمرہ (Sea of Marmara)اور گولڈن ہارن (Golden Horn)نے گھیرا ہوا تھا۔گولڈن ہارن کی طرف سے حملے کے خدشے کے پیشِ نظر رومیوں نے ایک بہت بڑا اور مضبوط زنجیرہ(Chain) گولڈن ہارن کے دہانے پر باندھ دیا تھا،تاکہ عثمانی فوجیں آبنائے باسفورس سے گولڈن ہارن میں داخل نہ ہوسکیں۔

سلطان محمد فاتح نے اپریل ۱۴۵۳ء میں خشکی کی طرف سے قسطنطنیہ کا محاصرہ کرلیا۔عثمانی فوجوں نے توپوں کی مدد سے بڑے بڑے گولے اور پتھر فصیلوں پر پھینکنے شروع کئے اور ہر ممکن طریقے سے شہر میں داخلے کی کوشش کی،لیکن رومیوں کا دفاع بہت مضبوط تھا۔شہر کے تین اطراف پانی ہونے کی وجہ سے انہیں اُدھر سے توکوئی خطرہ نہ تھا،اگر تھا تو صرف خشکی کی جانب سے،اوراس کے دفاع کے لیے اُن کی افواج بھرپور کردار ادا کرسکتی تھیں۔

عثمانیوں نے اپنی توپوں کی مدد سے فصیل کو بیشتر مقامات سے ناکارہ بنادیا تھااور کئی بار عثمانی افواج قلعہ کی دیواروں پر چڑھنے میں کامیاب بھی ہوگئیں،لیکن رومیوں کی بروقت کارروائی کی وجہ سے اندر داخل ہونے میں کامیاب نہ ہوسکیں۔خشکی کے راستے مسلسل حملوں اور دباؤ کے باوجود عثمانی افواج کوئی خاص کامیابی حاصل نہ کرسکی تھیں،لیکن اب سلطان اپنی بحری فوج کے ذریعے شہر کے دیگر اطراف سے بھی دباؤ بڑھانا چاہتا تھا۔اس کے لیے صرف ایک ہی صورت تھی کہ کسی طرح عثمانی بحری جہاز گولڈن ہارن میں داخل ہوجائیں اوراس طرف سے فصیل پر بھرپور حملہ کریں۔آبنائے باسفورس اور بحیرہ مرمرہ کی طرف سے گولڈن ہارن میں داخل ہونا بہت مشکل تھا،کیونکہ گولڈن ہارن کے دہانے پر بہت بڑا آہنی زنجیرہ مضبوطی کے ساتھ بندھا ہوا تھا اور اس کی حفاظت کیلئے رومیوں کے بحری جہاز حرکت میں رہتے تھے۔

سلطان محمد فاتح نے اپنی بحریہ کو گولڈن ہارن میں داخل کرنے کے لیے ہر تدبیر اختیار کی،لیکن

Marfat.com

رومیوں کا دفاع بہت مضبوط تھا۔ مسلسل ناکامیوں کی وجہ سے عثمانی افواج کے حوصلے پست ہو رہے تھے، ان حالات میں یقیناً کوئی بھی دوسرا سپہ سالار حوصلہ ہار دیتا۔ اب تو رومیوں کو یورپ کی طرف سے امداد بھی ملنا شروع ہوگئی تھی اور یورپ کی طرف سے بھیجے ہوئے تین بحری جہاز بہت زیادہ جنگی ساز و سامان کے ساتھ گولڈن ہارن میں داخل ہو چکے تھے۔ وقت تیزی سے گزرتا جا رہا تھا اگر یورپی جہازوں کی آمد کا سلسلہ مزید جاری رہتا تو قسطنطنیہ کی فتح ناممکن ہو جاتی۔

ان اعصاب شکن حالات میں سلطان محمد فاتح نے تاریخِ عالم کا وہ انتہائی محیّر العقول کارنامہ سرانجام دینے کا فیصلہ کیا جو رومیوں کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا۔ اس نے غلطہ کے خشکی والے علاقے سے بحری جہازوں کو لے جا کر گولڈن ہارن میں داخل کرنے کا منصوبہ بنایا، جو اس وقت کے نامساعد حالات میں ناممکن تھا۔

سلطان محمد فاتح نے لکڑی کے بڑے بڑے تختے بنوائے۔ بے شمار جانور ذبح کر کے چربی حاصل کی گئی اور اس چربی کو ان تختوں پر پھیلایا گیا۔ گولڈن ہارن (Golden Horn) کے ساتھ ساتھ غلطہ کی زمین پر یہ تختے بچھا دیئے گئے اور ۷۰ کے قریب چھوٹے بحری جہاز ان تختوں پر چڑھا دیئے۔ ہزاروں سپاہی اور بیل ان چکنے تختوں پر ان بحری جہازوں کو کھینچنے لگے۔ آبنائے باسفورس کے مغربی کنارے سے ہو کر گولڈن ہارن میں داخل ہونے کے لیے دس میل خشکی کا ناہموار فاصلہ صرف ایک رات میں طے کرنا واقعتاً حیرت انگیز کارنامہ تھا۔ ساری رات یہ سفر جاری رہا۔ عثمانی توپیں رومیوں کی توجہ ہٹانے کیلئے ساری رات شہر پر گولے برساتی رہیں۔ رومیوں کو ساری رات فصیل سے مشعلوں کے جلو میں کچھ ہوتا دکھائی دیتا رہا لیکن وہ اس کارروائی کو سمجھنے سے قاصر رہے۔

سپیدہ سحر نمودار ہونے سے پہلے ہی تمام عثمانی بحری جہاز گولڈن ہارن میں داخل ہو کر پل بنا چکے تھے جس کے ذریعے عثمانی افواج گولڈن ہارن کو پار کر کے قسطنطنیہ کی خشکی پر پہنچ چکی تھیں۔ جب سورج طلوع ہوا اور اہلِ شہر نے عثمانی بحری جہازوں اور افواج کو دیکھا تو اُن کے اوسان خطا ہو گئے، کیونکہ وہ سلطان کی اس فوجی حکمتِ عملی کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتے تھے۔

"بازنطینی مورّخ دوکاس ترکوں کی اس دہشت ناک جنگی کارروائی کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ یہ ایک معجزہ تھا۔ اس سے پہلے کسی نے ایسے معجزے کے بارے میں سنا، نہ کبھی ایسا معجزہ دیکھا تھا۔"(٦)

Marfat.com

اب دونوں طرف سے قسطنطنیہ کا محاصرہ ہو چکا تھا۔عثمانی توپوں نے بڑے بڑے گولے فصیل پر پھینکنے شروع کر دیئے اور رومیوں کے بہت سے بحری جہازوں کو گولڈن ہارن کے اندر ہی غرق کر دیا۔ رومیوں کی طاقت تقسیم ہوگئی،ان کے لیے دو محاذوں پر دفاع کرنا انتہائی مشکل ہو رہا تھا۔عثمانی افواج کا دباؤ مسلسل بڑھتا جا رہا تھا۔

سلطان محمد فاتح کو مکمل یقین ہو چکا تھا کہ آخری بھر پور حملے کے ساتھ ہی قسطنطنیہ فتح ہو جائیگا۔ اس نے اتمامِ حجت کے طور پر قیصرِ قسطنطین کے پاس پیغام بھیجا کہ اگر وہ پرامن طور پر شہر مسلمانوں کے حوالے کر دے تو نہ صرف اس کی جان بخشی کر دی جائیگی بلکہ اسے اپنے اہل وعیال اور مال و اسباب کے ساتھ کسی بھی دوسرے علاقے کی طرف جانے کی اجازت دے دی جائیگی۔اس کے علاوہ رعایا کے جان و مال سے بھی تعرض نہیں کیا جائیگا۔ قیصر کو ابھی تک شاہِ ہنگری کی طرف سے مدد کی اُمید تھی،لہٰذا اس نے سلطان کے اس پیغام کا جواب دیتے ہوئے کہا کہ اگر قسطنطنیہ اسی کے پاس رہنے دیا جائے تو وہ باجگزار بن کر رہنے کو تیار ہے۔سلطان نے اس کی اس درخواست کو رد کرتے ہوئے آخری اور فیصلہ کن حملے کا فیصلہ کر لیا۔عثمانی فوجوں کا جوش وخروش دیدنی تھا۔وہ جلد از جلد قسطنطنیہ کی فصیل پر سرخ عثمانی پرچم لہرانا چاہتی تھیں۔انہوں نے پورے زور وشور سے آخری حملے کی تیاریاں شروع کر دیں۔

دوسری طرف رومیوں کو بھی اس آخری حملے کی اہمیت کا بخوبی اندازہ تھا،چنانچہ انہوں نے بھی آخری وقت تک شہر کا دفاع کرنے کی قسمیں کھائیں۔خود قیصر اور عمائدین شہر،سینٹ آیا صوفیہ کے گرجا میں رات بھر عبادت اور دعاؤں میں مصروف رہے۔

سلطان محمد فاتح اور عثمانی سپاہی ساری رات تسبیح وتہلیل میں مصروف رہے۔اللہ تعالیٰ سے مدد کی دعائیں کی جاتی رہیں۔خورشید کی پہلی کرن کے ساتھ ہی عثمانی افواج نے شہر قسطنطنیہ پر بھرپور حملہ کر دیا۔عثمانی توپیں اور منجنیقیں فصیل پر بڑے بڑے پتھر برسا رہی تھیں۔آج عثمانی افواج ہر صورت شہر میں داخل ہونا چاہتی تھیں،کیونکہ یورپ کی طرف سے بڑے بحری جہاز بہت زیادہ فوجی امداد لے کر،درّہ دانیال کے راستے قسطنطنیہ کی طرف بڑھ رہے تھے۔سلطان محمد فاتح خود سینٹ رومانوس کے دروازے پر پہنچ کر سپاہیوں کے حوصلے بڑھا رہا تھا۔"عثمانیوں کی جانثار فوج ینی چری کا سردار آغا حسن اپنے تیس

Marfat.com

جانباز ساتھیوں کے ساتھ دیوار پر چڑھ گیا۔ حسن اور اس کے اٹھارہ ساتھی فوراً فصیل سے گرا دیئے گئے اور انہوں نے جامِ شہادت نوش کیا، لیکن بارہ ساتھی دیوار پر جمنے میں کامیاب ہو گئے۔ اس کے بعد دوسرے عثمانی دستے بھی یکے بعد دیگرے پہنچتے گئے اور اس طرح دیوارِ قسطنطنیہ پر سرخ ہلالی پرچم لہرا دیا گیا۔"(۷)

رومیوں کے عظیم شہر پر مسلمانوں کا قبضہ ہو چکا تھا۔ حضرت ابوایوب انصاریؓ کی روح پُرنور آج کتنی خوش ہوگی کہ جس شہر کو فتح کرنے کیلئے وہ ہزاروں میل کا سفر طے کر کے آئے تھے، وہ شہر آج سلطان محمد فاتح کے ہاتھوں فتح ہو چکا تھا۔ اس عظیم الشان فتح کیلئے سلطان محمد فاتح اور اس کی افواج نے محیّر العقول کارنامے انجام دیئے اور نہایت ہمت اور بہادری کا مظاہرہ کیا۔ سلطان محمد فاتح نے اس فتح کیلئے اپنے پیرومرشد سے خصوصی دعاؤں کی درخواست کی تھی۔ "آخری حملے کے دن بادشاہ کا، فرستادہ جب اس مردِ خدا آگاہ کی چھولداری کے قریب پہنچا تو دربان مانع ہوا۔ اس نے سختی کے ساتھ دربان کو ڈانٹا اور کہا کہ میں ضرور حاضرِ خدمت ہو کر سلطان کا پیغام پہنچاؤں گا، کیونکہ یہ بہت نازک اور خطرہ کا مقام ہے۔ یہ کہہ کر سلطانی فرستادہ چھولداری میں داخل ہوا، تو اس نے دیکھا کہ وہ بزرگ سربسجود اور دعا میں مصروف ہیں۔ اس کے داخل ہونے پر انہوں نے سر اٹھایا اور کہا کہ شہرِ قسطنطنیہ فتح ہو چکا ہے۔"(۸)

"The final assault was made on May 29 and, in spite of the desperate resistance of the inhabitants aided by the Genoese, the city fell. The last emperor, Constantine XI, was killed in battle." (9)

"آخری حملہ ۲۹ مئی کو کیا گیا۔ جینوئس کے حمایت یافتہ مقامی لوگوں کی سخت مزاحمت کے باوجود شہر فتح ہو گیا۔ آخری شہنشاہ قسطنطین دوازدہم جنگ میں کام آیا۔"

سلطان محمد فاتح نہایت عاجزی وانکساری کے ساتھ سینٹ آیا صوفیہ میں داخل ہوا۔ سنتِ رسولؐ پر عمل کرتے ہوئے گرجا میں موجود تمام مشرکانہ تصاویر کو صاف کر دیا گیا۔ مؤذن نے بلند آواز سے اذان کہی۔ گرجا کے در و دیوار نے پہلی بار اشھدان لاالہ الاالله و اشھدان محمدرسول الله کے

Marfat.com

دلنشین کلمات سنے۔ سلطان نے اپنے ساتھیوں کے ہمراہ یہاں نمازِ ظہر ادا کی اور اللہ بزرگ و برتر کے حضور شکرانہ کے نوافل ادا کیے۔ سلطان نے تمام عیسائی رعایا کی جان و مال اور عزت و آبرو کی حفاظت کی ضمانت دی۔ انہیں مکمل مذہبی آزادی دی اور اُن کے قانونی اور مذہبی معاملات کے حل کے لیے بشپ اعظم کو مکمل اختیار دے دیا۔

فتح قسطنطنیہ تاریخِ عالم کا ایک بہت بڑا واقعہ ہے۔ "اسی فتح قسطنطنیہ پر یورپی مورخین کی اصطلاح میں مڈل ایجز یعنی زمانہ وسطی ختم ہو جاتا ہے۔" (۱۰)

اس فتح کے بعد قسطنطین اوّل سے قسطنطین دوازدہم کا طویل حکمرانی کا دور اختتام پذیر ہوا۔ قسطنطنیہ اپنے نئے نام اسلامبول کیساتھ خلافت عثمانیہ کا نیا دار الخلافہ قرار پایا۔ اپنی جغرافیائی حیثیت کی وجہ سے یہ شہر بہت زیادہ اہمیت کا حامل تھا۔ آبنائے باسفورس پر تو پہلے ہی عثمانیوں کا مکمل کنٹرول تھا۔ سلطان محمد فاتح نے درّہ دانیال پر بھی مکمل گرفت کیلیے اہم قلعے تعمیر کرائے، اس طرح اسلامبول کو ناقابل تسخیر بنا دیا، یہی اسلامبول بعد میں "استنبول" کہلایا۔ اس عظیم فتح قسطنطنیہ کے صرف ۳۹ سال بعد مسلمانوں پر اندلس کی زمین تنگ ہوگئی اور اندلس میں مسلمانوں کی حشمت کا آخری چراغ غرناطہ بھی بجھ گیا۔

حوالہ جات وحواشی

(۱) آگسٹس سیزر، جولیس سیزر کی بہن کا پوتا تھا۔ انگریزی مہینہ اگست کا نام اسی سے منسوب ہے۔ ماخوز از اردو انسائیکلو پیڈیا، فیروز سنز، لاہور۔

(۲) تاریخ اسلام، نجیب آبادی، اکبر شاہ، فرید بک ڈپو، دہلی، ج ۳، ص ۵۰۸

(۳) جہانِ دیدہ، تقی عثمانی، علامہ، مکتبہ معارف القرآن، کراچی، ص ۳۲۱، ۲۰۰۶ء

(۴) اٹلس فتوحات اسلامیہ، ادارہ دارالسّلام، لاہور، ص ۳۳۸

(۵) درّہ دانیال، آبنائے باسفورس کا جنوبی حصّہ ہے جو بحیرہ اسود کو بحیرہ روم سے ملاتا ہے اور یورپ کو ایشیا سے جدا کرتا ہے۔ ۱۹۳۶ء کے مانٹرو کنونشن کی رو سے اس پر ترکی کا اختیار عملاً تسلیم کر لیا گیا ہے۔ ماخوز از اردو انسائیکلو پیڈیا، فیروز سنز، لاہور۔

(۶) اٹلس فتوحات اسلامیہ، ادارہ دارالسّلام، لاہور، ص ۳۴۳

Marfat.com

(۷) جہان دیدہ، تقی عثمانی، علامہ، مکتبہ معارف القرآن، کراچی، ص ۳۲۸، ۲۰۰۶ء

(۸) تاریخ اسلام، نجیب آبادی، اکبر شاہ، فرید بک ڈپو، دہلی، ج ۳، ص ۵۰۵

(۹) Encyclopedia Britannica, Page 706, Volume 12, William Benton Publishers.

(۱۰) تاریخ اسلام، نجیب آبادی، اکبر شاہ، فرید بک ڈپو، دہلی، ج ۳، ص ۵۰۷

Marfat.com

سقوطِ غرناطہ ۸۹۷ھ / ۱۴۹۲ء

جزیرہ نمائے اندلس کی فضا صدیوں تک اسلام کی خوشبو سے معطر رہی۔ اس کی خاک کے ذرّے ذرّے خورشیدِ اسلام کی ضیاء بار کرنوں سے روشنی حاصل کرتے رہے۔ اس کے خزاں سوختہ گلشن سرمدی بہاروں سے آشنا ہوئے، لیکن صلیب کے پرستاروں نے کبھی صدقِ دل سے اس سرزمین پر مسلمانوں کے وجود کو تسلیم نہ کیا۔

عیسائی قوتیں مسلمانانِ اندلس کی ہچکولے کھاتی کشتی کو بیچ منجدھار ڈبو دینا چاہتی تھیں، لیکن یوسف بن تاشفین نے مراکش سے بروقت پہنچ کر اسے سہارا دیا۔ جنگِ زلاقہ میں عیسائیوں کی عبرتناک شکست کے بعد مسلمانوں کو ایک بار پھر سنبھلنے کا موقع مل گیا تھا، لیکن مسلم حکمرانوں نے تاریخ کے اس نازک وقت پر اپنے اختلافات کو مزید ہوا دی، جس کی وجہ سے عیسائیوں کو دوبارہ منظم ہونے کا موقع ملا۔

اندلس میں مسلم اقتدار کو ایک بار پھر خطرے میں دیکھ کر یوسف بن تاشفین نے اندلس کو اپنی حکومت میں شامل کر کے مسلم اقتدار کی گرتی ہوئی عمارت کو مضبوط بنیادوں پر استوار کیا۔ مراکش میں ابنِ تومرت نے مرابطین کی حکومت کو چیلنج کرنا شروع کر دیا۔ ایک دفعہ ابنِ تومرت امام غزالی کی مجلس میں حاضر تھا، اس مجلس میں امام صاحب نے مرابطین کی حکومت کے خاتمہ کی پیشین گوئی کی، تو اس بنِ تومرت کے دل میں خیال پیدا ہوا کہ شاید مرابطین کا خاتمہ میرے ہی ہاتھوں لکھا ہو۔ چنانچہ اس نے اپنی تحریک مواحدین کے نام سے منظم کی اور مرابطین حکومت کے خلاف کارروائیاں تیز کر دیں۔ لوگوں کی ہمدردیاں حاصل کرنے کیلئے اس نے مذہبی لبادہ اوڑھا اور امام مہدی ہونے کا دعویٰ کر دیا۔ اُسے خوش قسمتی سے عبدالمومن جیسا شخص مل گیا، جو اپنے فطری خیالات و جذبات میں ابنِ تومرت سے پوری طرح متفق تھا۔ ابنِ تومرت کی وفات کے بعد عبدالمومن نے مواحدین کی تحریک کی قیادت کی۔

جنگِ تلمسان میں مرابطین اور مواحدین (۱) ایک دوسرے سے نبرد آزما ہوئے۔ عبدالمومن نے اس اہم تاریخی جنگ میں مرابطینی حاکم تاشفین بن علی کو شکست دی۔ ابراہیم بن تاشفین آخری مرابطینی

Marfat.com

حاکم تھا جو عبدالمومن کے ہاتھوں گرفتار ہو کر قتل ہوا۔اس طرح اندلس میں مرابطینی حکومت کا خاتمہ ہوا اور زمامِ اقتدار مواحدین کے ہاتھ آ گئی۔

عبدالمومن نے نہایت کامیابی کے ساتھ اپنی فتوحات کا سفر جاری رکھا۔اس نے اپنے مقبوضات کی حفاظت کیلئے ایک بہت بڑا بحری بیڑا تیار کیا۔اندلس کی شمالی عیسائی ریاستوں کو تسخیر کرنے کیلئے اس نے پانچ لاکھ کا لشکر تیار کیا، لیکن زندگی نے وفا نہ کی۔عبدالمومن نے ۱۱۶۳ء میں وفات پائی۔عبدالمومن کے بعد اس کے بیٹے ابو یعقوب یوسف نے اقتدار سنبھالا اور کامیابی کے ساتھ اپنے باپ کے مشن کو جاری رکھا۔مواحدین کو عروج اس وقت نصیب ہوا، جب ابو یعقوب یوسف کا بیٹا یعقوب المنصور باللہ، صریر آرائے سلطنت ہوا۔المنصور باللہ نے اندلس میں اپنی حکومت کو بہت مضبوط کیا۔اندلس کے مغربی حصے سے عیسائیوں کی طاقت کا مکمل خاتمہ کیا۔طلیطلہ کا بادشاہ الفانسو ثانی' مواحدین کی اس بڑھتی ہوئی طاقت سے بہت خائف تھا، چنانچہ اس نے المنصور باللہ سے پانچ سالہ صلح کیلئے درخواست پیش کی۔اس طرح الفانسو اور مواحدین کے درمیان پنج سالہ معاہدۂ امن ہو گیا۔

اس دوران الفانسو ثانی اپنی فوجی طاقت میں بے پناہ اضافہ کرتا رہا۔اس نے دیگر عیسائی ریاستوں سے بھی امداد و اعانت طلب کی۔بھرپور جنگی تیاریوں کے بعد الفانسو ثانی تین لاکھ کے لشکرِ جرار کیساتھ مسلمانوں سے فیصلہ کن جنگ کیلئے نکلا۔المنصور باللہ کو الفانسو کی اس پیش قدمی کا علم ہوا تو وہ بھی ایک بڑے لشکر کیساتھ میدان میں آیا۔دونوں فوجوں کے درمیان خونریز لڑائی کا آغاز ہوا۔عیسائیوں کو الارکوس کی اس جنگ میں عبرتناک شکست ہوئی۔تقریباً ڈیڑھ لاکھ عیسائی قتل ہوئے۔تیس ہزار قید ہوئے، خود الفانسو اپنے چند سپاہیوں کے ساتھ میدانِ جنگ سے فرار ہوا۔

الارکوس کی شکست کے بعد عیسائیوں کی طاقت بُری طرح سے کچلی گئی۔الارکوس کی فتح جزیرہ نمائے اندلس میں مسلمانوں کی آخری بڑی فتح تھی۔المنصور باللہ کی وفات کے بعد مواحدین کی عظیم سلطنت اپنے انجام کی طرف بڑھنے لگی۔المنصور باللہ کے بعد اس کا بیٹا محمد بن یعقوب تخت نشین ہوا۔اگرچہ یہ ایک لائق حکمران تھا لیکن فتح و کامرانی کی دیوی اس سے روٹھ چکی تھی۔مراکش میں مرابطینیوں کے ہمدردوں نے بغاوت کر دی۔محمد بن یعقوب اس بغاوت کو فرو کرنے کیلئے مراکش روانہ ہوا۔اندلس کو خالی دیکھ کر عیسائیوں نے ایک بار پھر اپنی طاقت کو مجتمع کرنا شروع کیا۔

Marfat.com

شام اور فلسطین سے شکست کھا کر بھاگنے والے صلیبی، اپنی ہزیمتوں اور شکستوں کا بدلہ اندلس کے مسلمانوں سے لینا چاہتے تھے۔ سلطان صلاح الدین ایوبی کے ہاتھوں صلیبی جنگوں میں شکست خوردہ یورپ اب اندلس میں اکٹھا ہو رہا تھا اور الارکوس کی شکست کا بدلہ لینے کیلئے دانت پیس رہا تھا۔

محمد بن یعقوب بھی عیسائیوں کی ان جنگی تیاریوں سے پوری طرح باخبر تھا۔ اس نے عیسائیوں کے مقابلہ میں مراکش و اندلس سے چھ لاکھ سپاہیوں کا ایک عظیم لشکر تیار کیا، لیکن اس لشکر کے بہت سے سردار محمد بن یعقوب کے خلاف بغض و عداوت رکھتے تھے۔ الفانسو ہشتم کی قیادت میں عیسائیوں کا ٹڈی دَل طلوشہ کے میدان میں خیمہ زن ہوا۔ محمد بن یعقوب بھی چھ لاکھ کے لشکر کے ساتھ میدان میں آیا۔ ۱۲۱۲ء میں تاریخِ اندلس کی یہ نہایت اہم جنگ لڑی گئی۔ مسلمان بھی عسکری قوت کے لحاظ سے عیسائیوں کے ہم پلہ تھے، لیکن آپس کی نااتفاقی اور عناد کی وجہ سے مسلمان اس جنگ میں عیسائیوں سے بُری طرح پٹ گئے۔ لاکھوں مسلمان عیسائیوں کے ہاتھوں قتل ہوئے۔ خود محمد بن یعقوب بڑی مشکل سے جان بچا کر مراکش کی طرف بھاگا۔

جنگِ طلوشہ (۲) میں مسلمانوں کی اس شکست نے اندلس میں موحدین مسلمانوں کی سلطنت کی بنیادوں کو ہلا کر رکھ دیا، اور جلد ہی اندلس میں موحدین کی اس حکومت کا خاتمہ ہو گیا۔ مسلمانوں کی جمعیت پارہ پارہ ہو گئی، ہر طرف طوائف الملوکی پھیل گئی، مسلمانوں کی بڑی بڑی ریاستیں عیسائیوں کے سامنے سرنگوں ہونے لگیں۔

"فرڈیننڈ نے ۱۲۳۶ء میں قرطبہ فتح کر لیا۔ ۱۲۳۸ء میں بلنسیہ، ۱۲۴۸ء میں مریدہ اور اشبیلیہ ۱۲۶۹ء میں مرسیہ ۱۳۴۲ میں جزیرۃ الخضراء بھی عیسائیوں کے تصرّف میں آ گئے۔" (۳)

اس انتشار اور طوائف الملوکی کے دور میں جب مسلمان ریاستیں خزاں رسیدہ پتوں کی مانند عیسائیوں کی جھولی میں گر رہی تھیں، غرناطہ کی ریاست اندلس میں مسلمانوں کے آخری قلعہ کے طور پر مضبوط بنیادوں پر استوار ہو رہی تھی۔ جزیرہ نما اندلس کے چوتھائی رقبہ پر قائم یہ ریاست آئندہ اڑھائی سو سال تک قائم رہی۔

نصر بن یوسف المعروف ابن الاحمر نے غرناطہ کو اپنے ذوق، بلند حوصلگی اور جذبوں کی گرماہٹ سے بغدادِ ثانی بنا دیا۔ اس نے مراکش کے مسلم حکمران یعقوب عبدالحق سے تعلقات کو مضبوط کیا۔ اپنی

Marfat.com

رعایا میں خوداعتمادی پیدا کی، علماء اور ہنر مندوں کی عزت افزائی کی، اور فنونِ لطیفہ کو ترقی دی۔ سلطان محمد الغالب نے ۱۲۴۸ء میں قصرُ الحمراء کی بنیاد رکھی، جو آج بھی دنیا کی خوبصورت ترین عمارتوں میں سے ایک ہے۔

بنی احمر کے ذی ہوش حکمرانوں نے نہایت ذمہ داری اور سلیقہ شعاری کے ساتھ اپنی سلطنت کو چار چاند لگا دیئے۔ پورے اندلس میں غرناطہ انگوٹھی میں نگینہ کی مانند جگمگا تا رہا، لیکن بعد میں آنے والے عیاش اور ناعاقبت اندیش حکمران اس نگینہ کی حفاظت نہ کر سکے۔

امیر محمد رابع کا عہد اہلِ غرناطہ کے لیے تکلیف دہ ثابت ہوا۔ تمام اختیارات اس کے حاجب الحروق کے ہاتھ میں تھے، جو رعایا کی تذلیل کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیتا۔ یہیں سے لوگوں کے اندر اُمرائے غرناطہ کے بارے میں غلط فہمیوں نے جنم لینا شروع کیا اور سلطنت کی بنیادوں میں عوامی نفرت کی دیمک نے گھر بنالیا۔

پندرہویں صدی کے آخری دور میں غرناطہ کی سلطنت مولائے علی ابوالحسن کے پاس تھی۔ ابوالحسن ایک تجربہ کار سپہ سالار تھا۔ اس نے ہر محاذ پر عیسائیوں کا مقابلہ کیا لیکن اس کے بھائی الزاغل اور اس کے بیٹے ابوعبداللہ محمد کی بغاوتوں کی وجہ سے اُسے بے پناہ مصائب کا سامنا کرنا پڑا۔ دوسری طرف سلطنت ارغون (Aragon) کے بادشاہ فرڈی ننڈ اور سلطنتِ قشتلہ (Castilla) کی شہزادی ازابیلا کی شادی (۴) نے ان دونوں عیسائی ریاستوں کو متحد کر دیا۔

"فرڈی ننڈ اور ازابیلا دونوں متعصب اور پادری مزاج واقع ہوئے تھے۔ اس لئے انہوں نے مل کر اس بات کا تہیہ کر لیا کہ جزیرہ نمائے اندلس سے اسلامی سلطنت وحکومت کا نام ونشان مٹا دینا چاہیے، اور اس جزیرہ میں ایک بھی مسلمان قسم کھانے کو زندہ نہ چھوڑنا چاہیے۔" (۵)

سلطان ابوالحسن نے اپنی سلطنت کی داخلی کمزوری اور عیسائیوں کے اتحاد کو دیکھتے ہوئے فرڈی ننڈ کے ساتھ معاہدہ صلح کی کوشش کی۔ فرڈی ننڈ نے ایک سفارت ابوالحسن کے دربار میں بھیجی اور پیغام دیا کہ اگر تم صلح کے خواہاں ہو تو فوراً خراج کی رقم ادا کر دو۔ مولائے علی ابوالحسن نے سفارت کے اراکین کو وہی جواب دیا جو ایک بیدار مغز اور ہوش مند فرمانروا کے لیے زیب ہے۔ اس نے کہا، "جاؤ! فرڈی ننڈ کو بتا دو کہ غرناطہ کے وہ بادشاہ رخصت ہو گئے جو خراج ادا کرتے تھے، غرناطہ کی ٹکسال اب سونے،

Marfat.com

چاندی کے سکّوں کی بجائے ایسی فولادی تلواریں اور بھالے تیار کرتی ہے جس سے عیسائیوں کے جگر چاک کیے جاسکیں۔"(۶)

مولائے علی ابوالحسن نے اپنی زبان کا کہا، سچ کر دکھانے کے لیے عیسائیوں سے قلعہ صخرہ چھین لیا۔اس طرح ابوالحسن اور عیسائیوں کے درمیان جنگی معرکے شروع ہوگئے۔عیسائیوں نے لوشہ کا محاصرہ کرلیا۔مولائے علی ابوالحسن نے فوراً لوشہ کا رخ کیا،لیکن اس نازک موقع پر اس کے بیٹے ابوعبداللہ محمد نے اپنے باپ کے خلاف بغاوت کردی۔سلطان مولائے علی ابوالحسن نے دونوں محاذوں پر جوانمردی سے مقابلہ کیا۔جنگِ لوشہ میں فرڈی ننڈ کو شکست دی اور دوسری طرف اپنے بیٹے ابوعبداللہ کی بغاوت کا خاتمہ کیا۔ابوعبداللہ اپنے باپ سے مقابلہ کرتے ہوئے فرار ہوا،لیکن راستے میں عیسائیوں کے ہتھے چڑھ گیا،اور فرڈی ننڈ کے پاس قیدی بنا کر بھیج دیا گیا۔یہیں سے اندلس کے مسلمانوں کے لیے بدنصیبی کی ایک نئی داستان نے جنم لیا۔فرڈی ننڈ نے مسلمانانِ غرناطہ کے خلاف شطرنج کی ایسی بازی کھیلنے کا فیصلہ کیا جس کا بڑا مہرہ ابوعبداللہ محمد تھا۔

"The Catholic kings took advantage of this disunity; the last king of Granada, Boabdil (Abu Abd Allah Muhammad X1) who ruled from 1482-1492, was an instrument of Spanish policy against his father, Mulay Hasan."(7)

" کیتھولک بادشاہوں نے اس نا اتفاقی کا بھرپور فائدہ اٹھایا۔غرناطہ کا آخری حکمران بوبدل (ابوعبداللہ محمد) جس نے ۱۴۸۲ء سے ۱۴۹۲ء تک حکومت کی،اپنے باپ مولائے ابو الحسن کے خلاف اسپینیوں کی پالیسی کا آلہ کار تھا۔"

سلطان مولائے علی ابوالحسن اپنے بھائی الزاغل اور اپنے بیٹے ابوعبداللہ محمد کی بغاوتوں کی وجہ سے بہت پریشان تھا۔فالج کے حملے کی وجہ سے وہ اس قابل نہ رہا کہ کاروبارِ سلطنت کو بہتر طریق سے چلا سکے،چنانچہ اس نے غرناطہ کی حکومت اپنے بھائی الزاغل کے سپرد کردی۔

فرڈی ننڈ نے الزاغل کے خلاف کئی بار لشکر کشی کی لیکن ناکام رہا۔آخر اس نے الزاغل اور ابوعبداللہ محمد کو آپس میں لڑا کر غرناطہ ہتھیا لینے کا منصوبہ بنایا۔فرڈی ننڈ نے ابوعبداللہ کو اس کے چچا

Marfat.com

الزاغل کے خلاف خوب بھڑکایا اور اس سے کہا۔

"تختِ غرناطہ کا حقیقی وارث تو ہی ہے، میری تمنا ہے کہ تجھے تختِ غرناطہ پر بٹھا کر حقِ ہمسائیگی ادا کروں۔" (۸)

فرڈی ننڈ نے ابوعبداللہ کو سبز باغ دکھائے اور اس سے وعدہ کیا کہ جس قدر رعایا اور شہر، تیرے قبضے میں آ جائیں گے، میں اُن کو کوئی نقصان نہ پہنچاؤں گا۔ فرڈی ننڈ کی باتوں میں آ کر ابوعبداللہ نے مختلف علاقوں میں اپنے چچا الزاغل کے خلاف بغاوت کردی۔ اس طرح چچا اور بھتیجا کے درمیان معرکہ آرائی سے مسلمانوں کے درمیان خانہ جنگی شروع ہوگئی۔ الزاغل کے لیے فرڈی ننڈ اور ابوعبداللہ کے خلاف دو محاذوں پر لڑنا سخت مشکل تھا۔ وسائل کی بھی انتہائی کمی تھی۔ داخلی انتشار بہت زیادہ بڑھ چکا تھا۔ فرڈی ننڈ نے الزاغل پر کاری ضرب لگانے کیلئے اس نازک وقت کا انتخاب کیا اور سلطنتِ غرناطہ کے علاقے مالقہ پر حملہ کردیا۔ الزاغل غرناطہ سے نکل کر مالقہ کی طرف آیا تو پیچھے ابوعبداللہ نے شہرِ غرناطہ پر قبضہ کرلیا۔ مالقہ پر فرڈی ننڈ اور غرناطہ پر ابوعبداللہ محمد قابض ہوگئے اور الزاغل ہاتھ ملتا رہ گیا۔

ابوعبداللہ محمد کو فرڈی ننڈ کے وعدوں پر پورا یقین تھا، لیکن اس کی یہ غلط فہمی اس وقت دور ہوگئی، جب فرڈی ننڈ نے اس کے علاقہ بسطہ پر حملہ کرکے اس پر قبضہ کرلیا اور مسلمانوں کا بے دریغ قتلِ عام کیا۔ فرڈی ننڈ نے تیزی سے ابوعبداللہ کے دیگر علاقوں پر قبضہ جمانا شروع کردیا۔ اب فرڈی ننڈ نے ابوعبداللہ کے خلاف اس کے چچا الزاغل کو استعمال کیا۔

"الزاغل مجبوراً یا حقیقتاً اپنے رقیب ابوعبداللہ کی تباہی دیکھنے کے شوق میں وادیٔ آش، فرڈی ننڈ کے سپرد کرکے اس کے ساتھ ہولیا، غرض کہ اس عیسائی بادشاہ نے آخر وقت تک بھی مسلمانوں کی تباہی میں مسلمانوں سے امداد لینا ضروری سمجھی۔" (۹)

فرڈی ننڈ نے الزاغل کو ابوعبداللہ کے خلاف استعمال کرنے کے بعد اس کے مقبوضہ علاقے بھی چھین لیے اور اسے افریقہ روانہ کردیا۔ اس کے بعد فرڈی ننڈ نے ابوعبداللہ کو لکھا کہ جس طرح تمہارا چچا اپنے تمام علاقے میرے سپرد کرچکا ہے۔ تم بھی قصر الحمراء اور غرناطہ میرے سپرد کردو۔ اب فرڈی ننڈ کے عزائم کھل کر ابوعبداللہ کے سامنے آچکے تھے۔ چنانچہ اس نے اپنے اُمراء سے مشورہ کے بعد فرڈی ننڈ سے مقابلے کا فیصلہ کیا۔ فرڈی ننڈ نے ۱۴۹۰ء میں ایک بڑے لشکر کے ساتھ غرناطہ کا محاصرہ کرلیا۔ اہلِ

Marfat.com

غرناطہ نے پامردی اور بہادری کے ساتھ مقابلہ کرتے ہوئے عیسائیوں کو شکست دی۔ دسمبر ۱۴۹۱ء میں فرڈی ننڈ نے ملکہ ازابیلا کے ساتھ مل کر ایک بار پھر غرناطہ کا محاصرہ کرلیا۔ اس بار بھی اہلِ غرناطہ دفاع کے لیے پرعزم تھے، لیکن خود ابوعبداللہ کے اعصاب ہی جواب دے گئے۔

یہ دسمبر ۱۴۹۱ء کے مختصر دن اور طویل راتیں تھیں، جب فرڈی ننڈ اور ملکہ ازابیلا کے فوجی دستے غرناطہ کے دروازوں پر دستک دے رہے تھے۔ جس طرح موسم سرما میں دن مختصر ہو جاتے ہیں اسی طرح جب قوموں پر زوال آتا ہے تو ان کی آزادی کے دن بھی مختصر ہو جاتے ہیں، اور بالآخر غلامی کی طویل راتیں ان کا مقدر بن جاتی ہیں۔ شدید سردی اور محاصرہ نے اہلِ غرناطہ کو مجبور کر دیا کہ وہ کوئی فیصلہ کن راہ اختیار کریں۔ بہت سے لوگ قلعہ سے باہر نکل کر عیسائیوں سے جنگ کرنے کے حامی تھے تاکہ مردانگی کے ساتھ موت کو گلے لگایا جائے لیکن ابوعبداللہ نفسیاتی طور پر یہ جنگ ہار چکا تھا۔ اس کے بہت سے اُمراء دشمن سے مل چکے تھے اور داخلی محاذ پر صورت حال بہت نازک تھی۔ اس نے اُمرائے سلطنت سے مشاورت طلب کی۔ زیادہ تر نے یہ رائے دی کہ اس دفعہ عیسائی غرناطہ کو فتح کیے بغیر واپس نہ جائیں گے اور فتح کی صورت میں مسلمانوں کا قتلِ عام کریں گے۔ چنانچہ مسلمانوں کی زندگیاں بچانے کیلئے فرڈی ننڈ سے بعض شرائط پر صلح کر کے شہر فرڈی ننڈ کے حوالے کر دیا جائے۔

ابوعبداللہ نے اس رائے کو پسند کیا اور اپنے وزیر ابوالقاسم کو فرڈی ننڈ کے پاس بھیجا۔ ۳۰ دسمبر ۱۴۹۱ء کو ابوعبداللہ اور فرڈی ننڈ کے درمیان ایک معاہدہ پر دستخط ہوئے۔ جس کی چیدہ چیدہ شرائط درج ذیل ہیں۔

۱۔ مسلمانوں کے جان و مال کو کسی قسم کا نقصان نہیں پہنچنے پائے گا۔ وہ جہاں رہنا چاہیں آزادی سے رہ سکتے ہیں۔

۲۔ کوئی عیسائی کسی مسلمان کا برسرِ راہ مذاق نہ اُڑائے گا اور نہ ہی اس پر آواز کسے گا۔ اگر کسی نے تمسخر اڑایا تو اسے قرار واقعی سزا دی جائے گی۔

۳۔ مسلمانوں کے مذہبی امور میں عیسائی دخل نہ دیں گے۔ کوئی عیسائی مسجد میں داخل نہ ہوگا۔

۴۔ مسلمانوں کے معاملات میں شرع اور انہی کے قانون کی پابندی کی جائے گی۔

۵۔ اس جنگ میں جو مسلمان گرفتار ہوئے ہیں وہ فوراً رہا کر دیے جائیں گے اور جو مسلمان عیسائیوں کی

Marfat.com

قید سے بھاگ کر شہر میں داخل ہو گئے، اُن کے خلاف کوئی قانونی چارہ جوئی نہیں کی جائے گی۔

۶۔ اگر کوئی مسلمان افریقہ جانا چاہے تو حکومت اس کو اپنے انتظام سے افریقہ بھجوائے گی۔

۷۔ جن عیسائیوں نے اسلام قبول کر لیا ہے انہیں ترکِ اسلام پر مجبور نہ کیا جائے گا۔ اگر کوئی مسلمان عیسائیت قبول کرنا چاہے تو اس اطمینان کے بعد کہ وہ برضا و رغبت مذہب بدلنا چاہتا ہے تو اسے ایسا کرنے کی اجازت ہو گی۔

۸۔ اس جنگ میں جو مالِ غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ لگا ہے وہ بدستور انہی کے قبضے میں رہے گا۔

۹۔ مسلمانوں پر موجودہ ٹیکس کے علاوہ کوئی نیا ٹیکس عائد نہیں کیا جائے گا۔

۱۰۔ سلطان ابوعبداللہ کو البشارات کی جاگیر سونپ دی جائے گی۔

۱۱۔ آج سے ساٹھ روز کے اندر اس معاہدہ کی تمام شرائط پوری کر دی جائیں گی۔

۱۲۔ معاہدہ کا اثر قائم رکھنے اور عیسائیوں کو اس کی پابندی پر مجبور کرنے کی غرض سے اس معاہدہ پر پاپائے روم کے دستخط کروائے جائیں گے اور وہ اس کی تعمیل کا ذمہ دار ہو گا۔

۱۳۔ مقررہ میعاد کے اندر غرناطہ کا شہر، الحمراء کا قلعہ اور دیگر سامانِ حرب و ضرب عیسائیوں کے حوالے کر دیا جائے گا۔(۱۰)

مسلمانوں کے مقدر کی یہ سیاہ دستاویز عام شہریوں سے پوشیدہ رکھنے کی کوشش کی گئی تا کہ اہلِ غرناطہ کو علم نہ ہو سکے کہ اُن کے حاکم نے اُن کی غیرت و حمیت کا سودا کر لیا ہے۔ عیسائی خوشی سے بغلیں مارتے پھرتے تھے جس سے مسلمانوں کو اس معاہدہ کے متعلق کچھ باتیں معلوم ہوئیں۔ اہلِ غرناطہ بغاوت پر آمادہ دکھائی دینے لگے تو ابوعبداللہ کی پریشانی دوچند ہو گئی اس نے ساٹھ دن کا انتظار کئے بغیر اگلے ہی روز غرناطہ شہر کی چابیاں فرڈیننڈ کے حوالے کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ چنانچہ اس نے فرڈیننڈ کو اپنے ارادہ سے آگاہ کر دیا۔

۲ جنوری ۱۴۹۲ء کا سورج مسلمانانِ اندلس کی بربادی کا تماشا دیکھنے کیلئے افق پر بلند ہوا۔ یہ وہ سرد دن تھا جب اہلِ غرناطہ کی رگوں میں خون منجمد ہو رہا تھا۔ سیاہ بختیوں کا عفریت اپنے لاؤ لشکر سمیت شہر پر اپنے خونی پنجے گاڑھنے کیلئے آن پہنچا تھا۔ طارق و عبداللہ غافقی کی ارواح عالمِ بالا سے بڑی بے چینی سے یہ منظر دیکھ رہی تھیں۔ مسلمانانِ اندلس کے اخترانِ اقبال ایک ایک کر کے ماند پڑ رہے تھے۔ وقت کا

Marfat.com

ہما اپنے سنہری پر پھیلائے عیسائی بادشاہ فرڈی ننڈ اور ملکہ ازابیلا کے سروں پر سایہ فگن تھا، جبکہ اُن کے مغرور قدم قصرُ الحمراء کی طرف بڑھ رہے تھے۔ ابوعبداللہ محل سے نکلا اور آگے بڑھ کے بادشاہ اور ملکہ کا استقبال کیا۔ شہر کی چابیاں فرڈی ننڈ کے حوالے کیں اور عرض کیا "اے طاقتور بادشاہ! یہ چابیاں اندلس میں عربوں کی حکمرانی کی آخری نشانی ہیں۔ آپ انہیں لے لیجئے کیونکہ خدا کی یہی مرضی تھی۔ ہم کو یقین ہے کہ تو رعایا کے ساتھ ہمیشہ شریفانہ اور فیاضانہ برتاؤ روا رکھے گا۔"

ابوعبداللہ محمد اہلِ غرناطہ کو عیسائیوں کے رحم و کرم پر چھوڑ کر اپنی جاگیر البشارات کی طرف روانہ ہو گیا۔ جب ابوعبداللہ البشارات کے پہاڑ کی ایک چوٹی پر پہنچا، تو اس نے ایک نگاہِ غلط غرناطہ اور اس کے اطراف و اکناف پر ڈالی، جہاں اس کے خاندان نے صدیوں حکومت کی تھی۔ وہ شدّتِ جذبات سے بے اختیار رونے لگا۔ ابوعبداللہ کی ماں نے جو اس وقت اس کے ہمراہ تھی یہ تاریخی جملہ کہا:۔

"جب تو باوجود ایک مرد سپاہی پیشہ ہونے کے اپنے ملک کو نہ بچا سکا، تو اب مثل عورتوں کے ایک گم شدہ چیز پر رونے سے کیا فائدہ ؟" (۱۱)

غرناطہ پر قبضہ کے بعد فرڈی ننڈ اور ملکہ ازابیلا نے معاہدہ کو زینتِ طاقِ نسیاں بنا دیا۔ اندلسی مسلمانوں پر عرصۂ حیات تنگ کر دیا گیا۔ ۱۵۰۱ء میں ایک حکم نامہ کے ذریعے انہیں اسلام کا تاج سروں سے اتار کر سینوں پر صلیب سجانے پر مجبور کیا گیا۔ جنہوں نے ایسا کرنے سے انکار کیا انہیں زندہ آگ میں جلا دیا گیا۔ ۱۶۰۴ء میں بچے کھچے مسلمانوں کو اندلس سے جلاوطن ہونے کا حکم نامہ جاری کیا گیا۔ چند ہی سالوں میں سرزمینِ اندلس پر ایک بھی کلمہ گو باقی نہ رہا۔ سقوطِ غرناطہ مسلم تاریخ کا انتہائی افسوسناک باب ہے، جس میں ایک ایسی قوم کی روح فرسا داستان رقم ہے، جس نے اسی سرزمین پر کم و بیش ساڑھے سات سو سال تک نہایت طمطراق کے ساتھ حکمرانی کی تھی۔

حوالہ جات و حواشی

(۱) مرابطین' بربر حکمرانوں کا ایک خاندان تھا۔ لفظی مطلب ہے دین کے سرحدی محافظ۔ طلیطلہ اور سرقسطہ کے علاوہ تقریباً پورے اندلس پر حکومت قائم کی۔ دورِ حکومت ۱۰۵۶ء تا ۱۱۴۷ء ہے۔ مرابطین کو شکست دے کر موحدّین نے اندلس پر حکومت قائم کی۔ موحدّین کا بانی محمد بن تومرت تھا۔ توحید پر زور

Marfat.com

دینے کی وجہ سے یہ لوگ موحدین کہلائے۔ابن تومرت کوعبدالمومن جیسا مخلص ساتھی مل گیا جس نے اس تحریک کو بامِ عروج پر پہنچا دیا۔دور حکومت ۱۱۳۰ء تا ۱۲۶۹ء ہے۔ماخوز ازاردو انسائیکلو پیڈیا، فیروز سنز، لاہور۔

(۲) جنگِ طلوشہ کا دوسرا نام جنگ عقاب بھی ہے۔کیونکہ اس جنگ میں مسلمانوں کا عقابی علم چھن گیا تھا۔جنگ عقاب جس مقام پر لڑی گئی اس کا ہسپانوی نام (Los Navas de Tolosa) ہے۔ماخوذ ازاٹلس فتوحات اسلامیہ، دارالسلام، لاہور۔

(۳) مسلمان یورپ میں، سلیمانی، احسان الحق، مقبول اکیڈمی، لاہور، ص ۲۲۱، جولائی ۲۰۰۷ء

(۴) فرڈی ننڈ اور ازابیلا کی شادی ۱۴۶۹ء کو ہوئی۔فرڈی ننڈ اور ملکہ ازابیلا کے عہد حکومت میں کولمبس نے امریکہ دریافت کیا۔اردو انسائیکلو پیڈیا، فیروز سنز، لاہور۔

(۵) تاریخ اسلام، نجیب آبادی، اکبر شاہ، فرید بک ڈپو، دہلی، ج ۳، ص ۲۵۰

(۶) مسلمان یورپ میں، سلیمانی، احسان الحق، مقبول اکیڈمی، لاہور، ص ۲۳۱، جولائی ۲۰۰۷ء

(۷) Encylopedia Britannica, Page ,Volum 10, William Benton Publishers.

(۸) خلافت اندلس، جنگ بہادر، ذوالقدر، نواب، مقبول اکیڈمی، لاہور، ص ۲۹۶، ۱۹۸۷ء

(۹) تاریخ اسلام، نجیب آبادی، اکبر شاہ، فرید بک ڈپو، دہلی، ج ۳، ص ۲۵۵

(۱۰) مسلمان یورپ میں، سلیمانی، احسان الحق، مقبول اکیڈمی، لاہور، ص ۲۳۸، جولائی ۲۰۰۷ء

(۱۱) تاریخ اسلام، نجیب آبادی، اکبر شاہ، فرید بک ڈپو، دہلی، ج ۳، ص ۲۶۱

Marfat.com

پانی پت کی دوسری جنگ ۹۶۴ھ/۱۵۵۶ء

برصغیر میں پہلی باقاعدہ اسلامی ریاست کی بنیاد سلطان قطب الدین ایبک نے ۱۲۰۶ء میں رکھی۔ قطب الدین ایبک چونکہ سلطان محمد غوری کا غلام تھا، اس لیے اس کی سلطنت "سلطنتِ خاندانِ غلاماں"(۱) کہلاتی ہے۔ اس خاندان میں زیادہ تر غلام بادشاہ ہوئے۔ خاندانِ غلاماں کے بعد بھی اگرچہ مسلم خاندان ہی حکومت کرتے رہے، لیکن اُن میں سے کوئی خاندان بھی برصغیر میں مستحکم اسلامی حکومت قائم نہ کر سکا۔ ۱۲۰۶ء سے ۱۵۲۶ء تک کے تین سو بیس سالوں میں پانچ مسلم خاندان، غلاماں، خلجی، تغلق، سادات اور لودھی برسراقتدار رہے، یعنی کسی بھی خاندان کو ایک طویل عرصہ کیلئے مستحکم سلطنت قائم کرنے کا موقع نہ ملا۔ تاریخ میں ان خاندانوں کی حکومت "سلاطینِ دہلی" کے نام سے مشہور ہے۔ ان حکومتوں کے کمزور اور غیر مستحکم ہونے کی وجہ سے ہندوؤں کو نظامِ سلطنت میں خاصا اقتدار حاصل رہا اور بعض مسلم حکمرانوں کی شخصی کمزوری سے فائدہ اٹھا کر ہندوؤں نے برصغیر سے اسلامی حکومت کے خاتمے اور ہندو راج کیلئے سنجیدہ کوششیں بھی کیں۔

آخری خلجی حکمران مبارک شاہ کا وزیر خسرو خان ایک نومسلم ہندو تھا، جس نے صرف ہندو اقتدار کے قیام کیلئے اسلام کا لبادہ اوڑھا، اور پھر مکمل طور پر مبارک شاہ پر حاوی ہو گیا۔ یہاں تک کہ اس نے مبارک شاہ کو قتل کرنے کے بعد حکومت پر قبضہ کر لیا۔ خسرو خان نے ہندوؤں پر عنایاتِ خسروانہ کی بارش کر دی۔ اس نے ہندوؤں کو خصوصی مراعات دیں اور مسلم رعایا کا قتلِ عام کرایا۔ ابھی شاید وہ اور بھی گل کھلاتا لیکن ایک مسلمان امیر غازی ملک نے اسے شکست دیکر اس کا سر قلم کر دیا۔ اس طرح خسرو خان کی ہندو راج کے استحکام کی خواہش پوری نہ ہو سکی اور غازی ملک نے تغلق خاندان کی حکومت کی بنیاد رکھی۔ سلاطینِ دہلی کی کمزوری کی وجہ سے ہی ہندوؤں کو جنوبی ہند میں خودمختار اور وسیع ہندو ریاست قائم کرنے کا موقع ملا۔ وجے نگر (۲) کی یہ ہندو ریاست دکن کی دیگر مسلمان ریاستوں کے مقابلے میں زیادہ وسیع اور طاقتور تھی۔ اس ریاست کی وجہ سے جنوب میں اسلام کی اشاعت کی رفتار خاصی سست پڑ

Marfat.com

گئی۔(آخر کار ۱۵۶۵ء کی جنگِ تالی کوٹہ میں دکن کی مسلم ریاستوں کی مشترکہ افواج نے وجے نگر کی ہندو فوج کو شکست سے دوچار کیا اور وجے نگر کے راجہ رام راج کے خواب چکنا چور ہو گئے۔)

۱۵۲۶ میں پانی پت کی پہلی لڑائی میں مغل بادشاہ ظہیر الدین محمد بابر نے آخری لودھی حکمران ابراہیم لودھی کو شکست دے کر دہلی پر قبضہ کر لیا۔ اس طرح سلاطینِ دہلی کا دور اختتام پزیر ہوا، اور برّصغیر میں مغل حکومت کا قیام عمل میں آیا۔ پانی پت کی اس فتح کے صرف چار سال بعد ظہیر الدین محمد بابر نے داعیٔ اجل کو لبیک کہا، تو اس کا بیٹا نصیر الدین محمد ہمایوں مسندِ اقتدار پر فائز ہوا۔

ہمایوں اور شیر شاہ سوری (۳) مسلسل ایک دوسرے کے خلاف نبرد آزما رہے۔ جنگِ قنوج میں شیر شاہ سوری کے ہاتھوں شکست کھانے کے بعد ہمایوں برّصغیر سے نکل کر شاہِ ایران طہماسپ کے پاس سیاسی پناہ لینے پر مجبور ہوا۔ برّصغیر میں سوری خاندان کی حکومت قائم ہوگئی، لیکن شیر شاہ سوری کی وفات کے بعد یہ سلطنت بھی زوال پزیر ہوگئی۔ طویل جلاوطنی کے بعد شاہِ ایران کی مدد سے نصیر الدین محمد ہمایوں کو دہلی پر دوبارہ اقتدار حاصل ہوگیا۔ ہمایوں نے ۱۵۵۵ء میں شاہِ دہلی، سکندر شاہ کو شکست دے کر دہلی پر قبضہ کر لیا، لیکن ہمایوں کو زیادہ عرصہ تک اقتدار سے لطف اندوز ہونا نصیب نہ ہوا۔ جنوری ۱۵۵۶ء کو ایک معمولی حادثہ کی وجہ سے اس کی موت واقع ہوگئی۔ ہمایوں کے قابل اور معتمد جرنیل، بیرم خان نے ہمایوں کے بیٹے جلال الدین محمد اکبر کو تخت نشین کر دیا لیکن اس کی کم سنی کی وجہ سے زمامِ اقتدار اپنے ہاتھ میں رکھی۔

شمالی ہندوستان میں سکندر شاہ کے علاوہ دوسری بڑی طاقت عادل شاہ کی تھی۔ "عادل شاہ نے اپنی نااہلی کی وجہ سے کمینہ صفت لوگوں کی دستگیری کی اور حکومت کے بڑے بڑے عہدے ان کو دیے۔ ان میں ایک ہندو، ہیمو نام کا تھا۔ یہ قوم کا بقال تھا اور قصبہ ریواڑی کا رہنے والا تھا۔" (۴)

ہیمو بقال ایک تنگ نظر ہندو تھا۔ وہ برّصغیر میں ہندو ریاست کے قیام کے خواب دیکھ رہا تھا۔ اس نے اپنے عیارانہ ہتھکنڈوں سے عادل شاہ کو بے دست و پا کر دیا۔ اس نے ہندوؤں کو یہ باور کرایا کہ وہ ہندو راج کیلئے کام کر رہا ہے اور برّصغیر میں ہندوؤں کے مفادات کا محافظ ہے۔ اس طرح وہ ہندوؤں کی تمام تر اُمیدوں کا مرکز و محور بن چکا تھا۔

"دہلی میں ہیمو بقال نے اپنے آپ کو راجہ بکرماجیت مشہور کر رکھا تھا۔ وہ بڑے غرور و تکبر کے

Marfat.com

ساتھ خودمختار حکومت قائم کیے ہوئے تھا۔"(۵)

خسرو خان، رام راج اور رانا سانگا کی طرح ہیمو بقال بھی ہندو ریاست کے قیام کیلئے مسلسل کوشش کررہا تھا۔ اس کے لیے وہ عادل شاہ کی مسلمان افغان فوج کو ہی استعمال کررہا تھا اور عادل شاہ اس کے سامنے بے بس تھا۔ دہلی پر سکندر شاہ کی شکست کے بعد مغلوں کا قبضہ ہو چکا تھا۔ ہیمو بقال ہر صورت دہلی مغلوں سے واپس لینا چاہتا تھا۔ ہیمو بقال نے آگرہ کی طرف پیش قدمی کی۔ آگرہ کا مغل گورنر سکندر خان مزاحمت نہ کرسکا اور پسپا ہو گیا۔ ہیمو بقال نے آگرہ پر قبضہ کے بعد دہلی کی طرف کوچ کیا۔ دہلی کے گورنر تردی بیگ نے ہیمو کا مقابلہ کیا لیکن ہیمو کی بہادری کے سامنے اس کی ایک نہ چلی اور اس نے بُری طرح شکست کھائی۔ اس طرح ہیمو نے دہلی پر قبضہ کرلیا۔

دہلی پر ہیمو بقال کا قبضہ ہندوؤں کی ایک بڑی فتح تھی۔ آگرہ اور دہلی ایک بار پھر مغلوں سے چھن چکے تھے۔ مغل سلطنت کیلئے یہ بہت نازک وقت تھا۔ اگر ہیمو بقال کی فتوحات کا سلسلہ جاری رہتا تو مغل سلطنت کا باب یہیں پر بند ہو چکا ہوتا۔ ہیمو بقال کی فتح کی صورت میں ہندو راج کا قیام نوشتۂ دیوار تھا۔

"ہیمو نے پہلے آگرہ میں سکندر خاں ازبک، پھر دہلی میں تردی بیگ کو راہِ فرار اختیار کرنے پر مجبور کیا اور راجہ بکر ماجیت کا لقب اختیار کر کے اس نیت سے پنجاب کی طرف بڑھا کہ مغلوں کو ہندوستان سے نکال دے۔ عام خیال یہی ہے کہ وہ اپنا راج قائم کرنے کی فکر میں تھا۔"(۶)

دہلی پر قبضے سے ہیمو کے حوصلے بہت بلند ہو چکے تھے اور اب وہ ہندوستان میں اقتدار کے خواب دیکھ رہا تھا۔ اُسے یقین ہو چکا تھا کہ اب حکمرانی کا ہما اُسی کے سر پر بیٹھے گا۔ اس نے ایک بہت بڑے لشکر کے ساتھ پانی پت کی طرف پیش قدمی کی۔ عظیم مغل فوج بھی ہیمو بقال کے مقابلے پر روانہ ہوئی۔ دونوں فوجیں پانی پت کے میدان میں آمنے سامنے ہوئیں۔ مغل اپنی قسمت آزمانے کیلئے دوسری بار پانی پت کے میدان میں آئے تھے۔ پانی پت کی پہلی لڑائی میں ظہیر الدین بابر نے ۱۵۲۶ء میں ابراہیم لودھی کو شکست دیکر مغل سلطنت کی بنیاد رکھی تھی تو ۱۵۵۶ء میں ظہیر الدین بابر کا پوتا جلال الدین اکبرؒ اسی سلطنت کی بحالی کیلئے پانی پت کے میدان میں ہی ایک ہندو جرنیل سے برسرِ پیکار تھا۔ ہیمو بقال چونکہ پہلے بھی مغل جرنیل تردی بیگ کو شکست دے چکا تھا اس لیے اس کے حوصلے بلند تھے۔

پانی پت (۷) کے میدان میں دونوں فوجوں کے درمیان برصغیر کی یہ تاریخی جنگ لڑی گئی۔ ہیمو

Marfat.com

نے نہایت بہادری کے ساتھ لڑتے ہوئے مغلوں کو شکست دینے کی کوشش کی، لیکن جلال الدین اکبر کا اخترِ اقبال روشن تھا۔ مغل فوج ہیمو کے مقابلے میں نہایت بہادری اور مردانگی سے لڑی۔ لڑائی کے دوران ہیمو کی آنکھ میں ایک تیر پیوست ہو گیا جس کی وجہ سے وہ مزید جنگ لڑنے کے قابل نہ رہا اور شدید زخمی حالت میں گرفتار کر لیا گیا بعد ازاں اس کا سر قلم کر دیا گیا۔

پانی پت کے اس میدان میں مغلوں نے دوسری بار فتح حاصل کی، لیکن یہ دوسری بار کی فتح پہلی فتح کی نسبت زیادہ پائیدار ثابت ہوئی۔ پانی پت کی اس دوسری جنگ میں مغلوں کی فتح کے نتیجہ میں نہ صرف مغل سلطنت ایک بار پھر مضبوط بنیادوں پر استوار ہوئی بلکہ ہندو راج کے قیام کی آخری شمع بھی گُل ہو گئی اور ہیمو خائب و خاسر ہی رہا۔ دہلی اور آگرے پر دوبارہ مغلوں کا قبضہ ہو گیا۔ سکندر خاں نے اطاعت قبول کر لی۔ اور جلد ہی پورا پنجاب اکبر کے زیر نگیں آ گیا۔

"اکبر ۱۵۵۶ میں تخت نشین ہوا۔ اس کی تخت نشینی سے اسلامی ہندوستان کی سیاسی تاریخ میں ایک بالکل نئے دور کا آغاز ہوا۔ اکبر سے پہلے کسی ایک اسلامی حکمران خاندان کا زمانہ حکومت، سو سال سے زیادہ نہ تھا اور باقاعدہ و مستحکم حکومت تو کسی خاندان کو نصف صدی سے زیادہ نصیب نہ ہوئی۔"(۸)

مغل سلطنت حقیقی معنوں میں اکبر کے دور میں مضبوط بنیادوں پر استوار ہوئی۔ اکبر کے بعد اس سلطنت کو جہانگیر، شاہجہان اور اورنگزیب عالمگیر جیسے عظیم حکمران میسر آئے۔ اکبر سے اورنگزیب تک ان چار حکمرانوں کا دورِ حکمرانی ایک سو پچاس سال سے زائد ہے اور اورنگزیب کے بعد بھی یہ سلطنت تقریباً ۱۵۰ سال تک قائم رہی۔

پانی پت کی دوسری جنگ میں فتح کی بدولت ہی مغل حکمرانوں کو مزید تین سو سال تک حکمرانی کرنے کا موقع ملا۔ مغل فرمانروا' اورنگزیب عالمگیر کا دور برِ صغیر میں اسلامی فقہ اور شریعت کی بالادستی کا دور تھا۔ ساموگڑھ کا میدان شریعت کی بالادستی کے لیے اہم سنگ میل ثابت ہوا۔

Marfat.com

حوالہ جات وحواشی

(۱) خاندان غلاماں کا دور حکومت ۱۲۰۶ء تا ۱۲۹۰ء ہے۔ اس خاندان میں شمس الدین التمش، ناصر الدین محمود، رضیہ سلطانہ اور غیاث الدین بلبن جیسے بڑے نامور حکمران گزرے ہیں۔ امیر خسرو اسی عہد کا عظیم شاعر اور موسیقار ہے۔ مؤلف

(۲) وجے نگر کی سلطنت جنوب مشرقی ہندوستان میں قائم ہوئی۔ راجہ کرشن دیورائے کے دور حکومت میں یہ سلطنت اپنے عروج پر تھی۔ جنگ تالی کوٹہ میں مسلمانوں نے ہندوؤں کو شکست دے کر اس ہندو سلطنت کو تباہ کر دیا۔ ماخوز از اردو انسائیکلوپیڈیا، فیروز سنز، لاہور۔

(۳) شیر شاہ سوری کا اصل نام فرید خان تھا۔ دور حکومت ۱۵۴۰ء۔۴۵-۱۵۴۵ء ہے۔ ۱۵۴۵ء میں کالنجر کے قلعے کے محاصرے کے دوران آگ میں جھلس کر مر گیا۔ روہتاس کا قلعہ جہلم کے قریب تعمیر کرایا۔ مقبرہ بھارت کے صوبہ بہار کے علاقے سہسرام میں ہے۔ مؤلف

(۴) تاریخ فرشتہ، فرشتہ، محمد قاسم، مترجم عبدالحی خواجہ، شیخ غلام علی اینڈ سنز

، لاہور، ج ۱، ص ۶۵۷، ۱۹۷۴ء

(۵) مذکورہ بالا حوالہ، ص ۶۸۳

(۶) اردو دائرہ معارف اسلامیہ، محمد عبداللہ، سید، ڈاکٹر، پنجاب یونیورسٹی، لاہور، ج ۳، ص ۴۲

(۷) پانی پت بھارت کے ضلع کرنال کا ایک اہم شہر ہے۔ اس شہر کی سیاسی اہمیت کی وجہ اس کا محل وقوع تھا۔ کیونکہ شمال مغربی دروں سے جو بھی حملہ آور ہندوستان کے دارالسلطنت دہلی پر حملہ کرتا تھا، پانی پت اس کے راستے میں پڑتا تھا۔ اس لیے یہاں تاریخ کی اہم اور مشہور جنگیں لڑی گئی۔ ماخوز از اسلامی انسائیکلوپیڈیا، الفیصل ناشران، لاہور۔

(۸) رودِ کوثر، محمد اکرام، شیخ، ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور، ص ۸۷، فروری ۲۰۰۱ء

Marfat.com

معرکہ سامو گڑھ ۱۰۶۸ھ / ۱۶۵۸ء

الفیہ تحریک (۱) کے نتیجے میں شہنشاہ اکبر نے عقائدِ باطلہ اختیار کیے اور اپنے نئے دین "دینِ الٰہی" کی اشاعت کی کوشش کی۔ الفیہ تحریک کے مبلغین نے اکبر کو باور کرایا کہ دینِ اسلام کو چونکہ ایک ہزار سال ہو گئے ہیں، اس لیے یہ دین اب قابلِ عمل نہیں رہا، چنانچہ اس کی جگہ ایک نئے دین کی ضرورت ہے۔ اکبر نے ہندوانہ عقائد اور اسلامی تعلیمات کی آمیزش سے ایک نیا دین متعارف کرایا۔ اُس کی ان کاوشوں میں ابوالفضل جیسے درباری علماء نے اہم کردار ادا کیا، لیکن حضرت شیخ احمد سرہندی المعروف مجدّد الف ثانی ؒ نے اس دینِ الٰہی کی سخت مخالفت کی۔ آپ کے مساعیٔ جلیلہ کی بدولت جہانگیر کے دورِ حکمرانی تک یہ دینِ الٰہی اپنی موت آپ مر گیا۔

اکبر کے ان مذہبی خیالات میں تبدیلی کی ایک بڑی وجہ اُس کی صلح کُل کی پالیسی تھی۔ اکبر نے سیاسی طور پر اپنی حکومت کو مضبوط کرنے کے لیے راجپوت عورتوں سے شادیاں کیں۔ اس کی ہندو بیوی جودھا بائی اس کی مذہبی اور سیاسی پالیسیوں پر خاصی اثر انداز ہوئی۔ اس طرح ہندوؤں کو اکبر کے دربار میں خاصا اثر و رسوخ حاصل ہو گیا۔ سیاست میں عمل دخل کے ساتھ ساتھ ہندوؤں نے اکبر کے مذہبی خیالات کو بھی متاثر کیا، لیکن ہند میں سرمایۂ ملت کے نگہبان مجدّد الف ثانی ؒ کی کاوشوں کی بدولت ہندوؤں کی خواہشوں کا یہ شجر بار آور نہ ہو سکا اور اکبر کا وسیع المشرب "دینِ الٰہی" مزید فروغ نہ پا سکا۔

شاہجہان کے بیٹے داراشکوہ کی سرگرمیوں سے ایک بار پھر اکبر کے دورِ الحاد کے لوٹ آنے کے آثار دکھائی دینے لگے۔ داراشکوہ، شاہجہان کا سب سے بڑا بیٹا تھا اور بڑی منّتوں اور مرادوں کے بعد پیدا ہوا تھا، اس لیے لاڈلا بھی بہت زیادہ تھا۔ داراشکوہ ابتداء سے ہی تارک الدّنیا اور صوفی منش لوگوں کی صحبت کو پسند کرتا تھا۔ شاہجہان اپنے دوسرے بیٹوں، شجاع، اورنگ زیب اور مراد کی نسبت اپنے بیٹے داراشکوہ کو زیادہ پدرانہ شفقت سے نوازتا تھا۔ اس نے شجاع کو بنگال، اورنگزیب کو دکن، اور مراد کو گجرات کے دور دراز علاقوں میں بھیج دیا، لیکن داراشکوہ کو ہمیشہ اپنے پاس رکھا۔ اپنے باپ کے پاس دارالسلطنت

Marfat.com

میں رہنے کی وجہ سے اُسے فوجی مہمات سر کرنے کے مواقع بہت کم میسر آئے۔جس سے اس میں بہترین سپہ سالار اور کامیاب منتظم کی خوبیاں پیدا نہ ہوسکیں۔

داراشکوہ اپنا زیادہ تر وقت حضرت میاں میرؒ اور مُلّا شاہ بدخشیؒ کی صحبت میں گزارتا۔ان بزرگانِ دین کی صحبت نے دارا کے اخلاق واطوار کو بہت مثبت سمت دی۔داراشکوہ نے ہندوستانی مشائخ کے حالاتِ زندگی پر دو مشہور کتابیں سکینۃ الاولیاء اور سفینۃ الاولیاء تصنیف کیں۔ایک مغل شہزادہ کا یہ علمی اور فکری رجحان یقیناً قابل ستائش ہے،لیکن کچھ عرصہ بعد داراشکوہ کے خیالات میں تیزی سے تبدیلی آنے لگی۔اب وہ صوفیائے کرام کے ساتھ ساتھ ہندو یوگیوں کی صحبت بھی اختیار کرنے لگا۔جس سے اس کی فکر تبدیل ہوئی اور اس نے مسلمان صوفیاء اور ہندو یوگیوں کے عقائد کے مجموعہ پر ایک کتاب مجمع البحرین لکھی۔دارا نے ایک اور اہم کتاب سرِ اکبر لکھی جس میں اس نے بنارس کے پنڈتوں کی مدد سے اپنشدوں کے قریباً پچاس ابواب کا فارسی میں ترجمہ کیا۔اس نے بھگوت گیتا کا بھی فارسی میں ترجمہ کیا۔(۲)

اپنے بھائی داراشکوہ کے ان عقائد و خیالات کے برعکس اورنگزیب متشرع خیالات رکھتا تھا اور شریعت کا دلدادہ تھا۔وہ علماء کی مجلسوں میں بیٹھنا پسند کرتا اور اسلامی آئیڈیالوجی پر پختہ یقین رکھتا تھا۔اس لیے راسخ العقیدہ مسلمانوں اور علماء کی ایک بڑی جماعت داراشکوہ کی نسبت اورنگزیب کی طرفدار تھی اور شاہجہان کے بعد اورنگزیب کو ہندوستان کے تخت پر دیکھنا چاہتی تھی۔اورنگزیب نے شاہجہان کے دور میں بہت سی فوجی مہمات میں حصہ لیا اور ہر محاذ پر دشمن کو شکست دی۔اس طرح وہ ایک کامیاب جرنیل اور بہادر سپاہی کے طور پر اپنا نام پیدا کر چکا تھا۔داراشکوہ اپنی تخت نشینی کے راستے میں سب سے بڑی رکاوٹ اپنے بھائی اورنگزیب کو ہی سمجھتا تھا۔وہ اکثر شاہجہان کی قربت کا فائدہ اٹھاتے ہوئے اُسے اورنگزیب کے خلاف اکساتا رہتا تھا۔

داراشکوہ کی ہمیشہ یہ کوشش رہی کہ کسی طرح بھی نیک نامی اورنگزیب کے حصے میں نہ آئے۔دکن میں بیجاپور اور گولکنڈہ کی ریاستیں مرہٹوں کے زیرِ اثر تھیں اور مغل سلطنت کے لیے مسائل کا باعث بنتی تھیں۔اورنگزیب گولکنڈہ اور بیجاپور کا مسئلہ ہمیشہ کے لیے ختم کر دینا چاہتا تھا،لیکن جب بھی فتح ونصرت اس کے قریب آتی،داراشکوہ بادشاہ پر اثر انداز ہو کر ان ریاستوں کے ساتھ صلح کر لیتا۔

اس طرح ان دونوں بھائیوں کے درمیان نہ صرف مذہبی بلکہ سیاسی اختلافات کی خلیج بھی حائل

Marfat.com

ہوتی گئی۔ان اختلافات نے انتہائی صورت اُس وقت اختیار کی جب شاہ جہان اچانک بیمار ہوگیا۔اس نازک وقت میں داراشکوہ نے اپنے بھائیوں کو اعتماد میں لینے کی بجائے ایسے اقدامات کیے جس سے بد اعتمادی میں اضافہ ہوا۔داراشکوہ نے باپ کی بیماری کو خفیہ رکھنے کی کوشش کی اور اس بات کا خاص اہتمام کیا کہ کسی قسم کی خبر اُس کے بھائیوں تک نہ پہنچ سکے۔اُس کے ان اقدامات سے صورت حال مزید سنگین ہوگئی اور اس طرح کی افواہیں گردش کرنے لگیں کہ شاہ جہان کی موت واقع ہوگئی ہے جسے داراشکوہ اپنے بھائیوں سے چھپا رہا ہے۔

شجاع نے بنگال اور مراد نے گجرات میں اپنی اپنی بادشاہت کا اعلان کر دیا۔اورنگ زیب اس نازک صورت حال میں انتہائی محتاط رویہ اختیار کر رہا تھا،لیکن ایک طرف اُسے مراد اپنے ساتھ اتحاد کی دعوت دے رہا تھا تو دوسری طرف داراشکوہ کی خفیہ تیاریاں اورنگ زیب کو بروقت اقدام کے لیے اُبھار رہی تھیں۔

داراشکوہ نے اپنے مشہور جرنیل جسونت سنگھ کی قیادت میں ایک بڑا لشکر اورنگزیب اور مراد کو روکنے کے لیے روانہ کیا۔مراد اپنی فوج کے ساتھ مالوہ کے مقام پر اورنگزیب سے مل گیا،اسی مقام پر شاہی لشکر موجود تھا۔اورنگزیب اور مراد نے جسونت سنگھ کو مصالحت پر آمادہ کرنے کی کوشش کی،لیکن وہ کسی طرح بھی راضی نہ ہوا۔چنانچہ جنگ کے شعلے بھڑک اُٹھے۔شاہی افواج نے شکست کھائی،جسونت سنگھ میدانِ جنگ سے بھاگ نکلا۔شاہی افواج کی شکست کی خبر نے شاہجہان اور داراشکوہ کی نیند حرام کر دی۔انہی ایام میں شاہجہان آگرہ سے دہلی جا رہا تھا کہ راستے میں اسے داراشکوہ کی طرف سے شاہی افواج کی شکست کی اطلاع ملی،اس کے ساتھ ہی داراشکوہ نے بادشاہ سے آگرہ واپس آنے کی التماس کی۔شاہجہان فوراً واپس آگرہ آ گیا اور اپنی نگرانی میں ایک بہت بڑا شاہی لشکر تیار کر کے داراشکوہ کی کمان میں اورنگزیب اور مراد کے مقابلے پر روانہ کیا۔دارا ایک لاکھ کے لشکر کے ساتھ اپنے بھائیوں سے مقابلے کے لیے آگرہ سے روانہ ہوا۔اورنگزیب اور مراد بھی اپنی افواج کے ساتھ آگرہ کی طرف بڑھ رہے تھے۔بالآخر ساموگڑھ کے مقام پر دونوں فوجوں کا آمنا سامنا ہوا۔

"داراشکوہ اور،اورنگزیب دو مختلف نظریات کی قیادت کر رہے تھے۔داراشکوہ آزاد خیال طبقے کا اور اورنگزیب راسخ العقیدہ مسلمانوں کا قائد تھا۔دوسرے الفاظ میں حصولِ اقتدار کے لیے

Marfat.com

ہونے والی جنگ محض دو سیاسی شخصیات کے درمیان جنگ نہ تھی، بلکہ دو نظریات کی جنگ تھی۔"(۳)

جنگ کا آغاز بڑی شدت سے ہوا۔ دونوں طرف سے بہادری اور شجاعت کے جوہر دکھائے گئے کیونکہ دونوں طرف مغل افواج اور تیموری شہزادے لڑ رہے تھے، جو آپس میں ہی ایک دوسرے کی قوت کو زائل کرنا چاہتے تھے۔ اگرچہ دارا شکوہ بہت زیادہ بہادری اور شجاعت کا مظاہرہ کر رہا تھا لیکن اورنگزیب اور مراد کے مقابلے میں اس کی فوج مسلسل پسپائی اختیار کر رہی تھی۔ "دارا شکوہ' سادات بارہہ اور مغل دلاوروں کی ایک جماعت کو رکاب میں لیے جھپٹا۔ بان، توپ، اور تفنگ کی آتش فشانی سے میدان جنگ میں آگ لگی ہوئی تھی۔ اس نامور شہزادے نے آگ کے دریا میں غوطہ لگایا اور آگے بڑھا۔ چاہیے تو یہ تھا کہ اورنگ زیب کے توپخانے کے جواب میں اپنی توپوں کو آگ برسانے کا حکم دیتا لیکن اس کے برعکس اپنے توپخانے کو معطل رکھا، یہ غلطی اسے لے ڈوبی۔"(۴)

سامو گڑھ کے میدان میں دارا شکوہ کو شکست ہوئی، اس نے میدانِ جنگ سے راہِ فرار اختیار کی۔ شام کے وقت آگرہ پہنچا، شرم کی وجہ سے شاہجہان سے بھی نہ ملا، اسی اضطراب کی حالت میں اپنے بیوی بچوں کو ساتھ لے کر دہلی سے ہوتا ہوا، لاہور کی طرف روانہ ہو گیا۔ اورنگزیب فتح و کامرانی کے پرچم بلند کرتا ہوا آگرہ کے نواحی باغ نور منزل پہنچا۔ تمام عمائدین و امراء، اورنگزیب کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ شاہ جہان نے بھی اپنے معتمد سردار فاضل خان کو اورنگزیب کی خدمت میں بھیجا، اور اشتیاقِ ملاقات ظاہر کیا۔ اورنگ زیب بھی باپ سے ملنے کے لیے تیار تھا، لیکن اسے بعض امراء سے یہ خبریں ملیں کہ شاہ جہان نے اس کی گرفتاری کے لیے منصوبہ بندی کی ہے۔ شاہجہان کی بیٹی اور اورنگزیب کی بہن جہان آرا بیگم نے اورنگزیب سے ملاقات کی اور سلطنت کو چاروں بھائیوں میں تقسیم کرنے کی تجویز پیش کی، لیکن اسی دوران اورنگ زیب کی گرفتاری کی ایک اور سازش پکڑی گئی۔ اورنگزیب اپنی بہن کے کہنے پر اپنے باپ کی خدمت میں حاضر ہونے کی تیاری کر رہا تھا کہ ایک شاہی ہرکارہ ناصر دل خان گرفتار ہوا۔ جس سے دارا کے نام شاہ جہان کے ہاتھ کا لکھا ہوا رقعہ برآمد ہوا، اس میں بادشاہ نے دارا کو لکھا تھا کہ وہ ابھی دہلی میں ہی ٹھہرے کہ ہم اس مہم کا یہیں پر فیصلہ کیے دیتے ہیں۔(۵)

ان حالات میں اورنگزیب کو اپنے باپ شاہ جہان کی طرف سے کسی اخلاقی و سیاسی حمایت کا یقین

Marfat.com

نہ رہا۔شاہ جہان کسی صورت بھی اورنگزیب کو اپنا جانشین ماننے کے لیے تیار نہ تھا اور ابھی تک داراشکوہ کی کامیابی کی اُمید دل سے لگائے ہوئے تھا۔اس نے قلعہ کے اندر سے اورنگزیب پر حملہ کرنے کی تیاری شروع کر دی۔اورنگزیب کو معلوم ہوا تو اس نے قلعہ کا محاصرہ کرلیا،اس صورت میں شاہجہان نے تین دن تک قلعہ کا دروازہ بند رکھا۔بالآخر اورنگ زیب کی فوج قلعہ میں داخل ہوگئی۔اورنگزیب،شاہ جہان کے خلاف خون کی ندیاں بہا سکتا تھا لیکن اس نے ایسا نہ کیا بلکہ شاہ جہان کو محل کے اندر قید کر دیا۔(٦)

اپنے باپ شاہ جہان کو قید میں ڈالنا،اگرچہ اورنگزیب کے لیے مناسب تو نہ تھا لیکن اگر ان حالات کا تجزیہ کیا جائے تو تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ اورنگزیب کے پاس اس کے علاوہ کوئی چارہ کار نہ تھا۔شاہجہان شروع سے آخر تک داراشکوہ کی طرفداری کرتا رہا لیکن اورنگزیب کے متعلق اس کا روّیہ معاندانہ تھا۔داراشکوہ نے اپنے بھائیوں کے خلاف جو اقدامات کئے تھے،شاہ جہان نے شہنشاہ اور ایک باپ ہونے کے باوجود اپنے بیٹوں کی تشفی کے لیے کوئی قدم نہ اٹھایا۔

داراشکوہ ساموگڑھ کے معرکہ میں شکست کھانے کے بعد لاہور کی طرف فرار ہوگیا۔وہاں سے وہ مختلف علاقوں میں پھرتا رہا۔آخر اس نے گجرات کے صوبے دار کو اپنی حمایت کے لیے راضی کر لیا۔جسونت سنگھ نے بھی داراشکوہ سے تعاون کا وعدہ کیا۔اورنگزیب کو دارا کی جنگی تیاریوں کا علم ہوا تو وہ بھی ایک بڑا عظیم لشکر تیار کر کے داراشکوہ کے مقابلے کے لیے روانہ ہوا۔اجمیر کے نزدیک دونوں بھائیوں کے درمیان ایک بار پھر شدید لڑائی ہوئی۔تین دن کی شدید لڑائی کے بعد دارا کو ایک بار پھر شکست کا سامنا کرنا پڑا،اور وہ میدان چھوڑ کر بھاگ کھڑا ہوا۔

"اورنگ زیب کی دارا پر فتح ذہانت،تنظیم اور مستعدی کی فتح تھی،ناعاقبت اندیشی،انتشار اور تذبذب پر،اور سب سے بڑھ کر راسخ العقیدہ مسلمانوں کی ان لوگوں پر فتح تھی جو ہندومت اور اسلام کی وحدت کے قائل تھے۔"(٧)

داراشکوہ اپنی جان بچانے کے لیے مختلف علاقوں میں بھاگتا پھرتا رہا۔ اس نے ایک بلوچ سردار ملک جیون کے پاس پناہ لی،لیکن ملک جیون نے غداری کی اور داراشکوہ کو گرفتار کروا دیا۔دارا کو دہلی لایا گیا،اورنگزیب نے اس پر الحاد و کفر کی بناء پر مقدمہ چلایا۔سیاسی علماء نے اس کے قتل کا فتویٰ دے دیا۔اس طرح مذہب کی آڑ میں اورنگ زیب نے دارا کا سیاسی قتل کیا۔علامہ شبلی نعمانی دارا کے اس

Marfat.com

سیاسی قتل پر اپنا نقطہ نظر بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"تیموری خاندان بلکہ تمام ایشیائی سلطنتوں میں مدعیانِ سلطنت قید و بند ہو کر بھی سلطنت کے منصوبوں سے دستبردار نہیں ہوتے۔اُن کے ساتھ ان کے طرفداروں کا ایک گروہ ہمیشہ موجود رہتا ہے۔یہ قطعی ہے کہ جب تک داراشکوہ زندہ رہتا، سازشیں برپا رہتیں اور ملک کو امن و امان نصیب نہ ہوتا۔اس لیے عالمگیر کو وہی کرنا پڑا جو خود اس کے باپ شاہ جہان سے اس کو ترکہ میں ملا تھا۔"(۸)

معرکۂ ساموگڑھ میں شکست کے بعد بھی اگرچہ داراشکوہ نے اورنگزیب سے معرکہ آرائی کی اور شکست کھائی، لیکن اس کی اصل طاقت و ہمت کا خاتمہ تو ساموگڑھ کے میدان میں ہی ہو گیا تھا۔اورنگ زیب اور داراشکوہ کی جنگ محض دو تیموری شہزادوں کی جنگ نہ تھی بلکہ دو نظریات کی جنگ بھی تھی۔یہ اسلامی نظریہ حیات اور ہندو فلاسفی کا ٹکراؤ بھی تھا۔تمام ہندوؤں کی ہمدردیاں داراشکوہ کے ساتھ تھیں، کیونکہ وہ ہندوازم کا دلدادہ تھا۔وہ قرآن مجید کو اپنشدوں سے ماخوذ خیال کرتا اور قرآن مجید اور بھگوت گیتا میں کوئی فرق نہیں سمجھتا تھا۔اس نے ایک اپنشد کا فارسی میں ترجمہ بھی کیا۔(۹)

ہندو، داراشکوہ کی کامیابی کی صورت میں اکبر کے دورِ الحاد کی واپسی کے متمنی تھے، جبکہ اورنگزیب ایک راسخ العقیدہ مسلمان تھا، اس لیے مسلمان اُمراء، علماء اور عوام اورنگ زیب کو کامیاب دیکھنا چاہتے تھے۔اکبر کے الحاد کے خلاف سینہ سپر ہو کر ڈٹ جانے والے مردِ مجاہد، حضرت مجدد الف ثانیؒ کے بیٹے خواجہ معصومؒ اورنگزیب کے طرفدار تھے۔دونوں شہزادوں کی جنگِ تخت نشینی میں اُن کی ہمدردیاں اور دعائیں اورنگزیب کے ساتھ تھیں۔خواجہ صاحبؒ نے روضۂ رسول ﷺ پر جا کر اورنگزیب کی فتح کے لیے دعا مانگی تھی۔جب اورنگزیب، دارا کے خلاف برہان پور سے آگرہ کی طرف فوج لے کر روانہ ہوا تو خواجہ صاحبؒ نے خوشی کا اظہار کیا تھا۔(۱۰)

اورنگزیب اور داراشکوہ کی جنگ برِصغیر کی تاریخ کا ایک اہم اور فیصلہ کن موڑ تھا۔داراشکوہ کی کامیابی کی صورت میں یقیناً ہندو فلاسفی کی فتح ہوتی اور پھر شاید تاریخ ایک نیا رخ اختیار کرتی۔لیکن اس اہم موڑ پر اورنگ زیب کی فتح نے وہ تمام توقعات پوری کر دیں جو راسخ العقیدہ مسلمانوں نے اورنگ زیب سے وابستہ کی تھیں۔اورنگزیب نے برسرِ اقتدار آنے کے بعد دربار میں سجدہ کرنے کی رسم کا خاتمہ کیا، جشنِ نوروز بند کیا، جھروکہ سے بادشاہ کے درشن کا سلسلہ ختم کیا، بھانڈوں اور گویوں پر پابندی

Marfat.com

لگائی، اور دیگر غیر اسلامی رسوم کا قلع قمع کر دیا۔

اورنگزیب نے اسلامی شعار کے فروغ پر خصوصی توجہ دی۔ سلام کا مسنون طریقہ جاری کیا۔ فقہ اور حدیث کی تعلیم کو رواج دیا۔ مساجد کا خصوصی اہتمام کیا۔ لاہور میں بادشاہی مسجد تعمیر کروائی اور ملک کی تمام مساجد میں سرکار کی طرف سے امام اور مؤذن مقرر کیے۔ اسلامی تعلیمات کو عام لوگوں تک پہنچانے کے لیے علماء کی کمیٹیاں بنائیں۔ برصغیر میں فقہ کی کوئی ایسی آسان فہم کتاب موجود نہ تھی جس میں فقہ کے تمام مسائل جمع کر دیے گئے ہوں، اس لیے اورنگ زیب نے یہ تشنگی محسوس کرتے ہوئے تصنیف کا ایک الگ محکمہ قائم کیا۔ جس کے سربراہ ملاّ نظام الدین تھے۔ ملاّ نظام الدین کی سربراہی میں بہت سے علماء نے شب و روز کی عرق ریزی اور محنتِ شاقہ سے فتاویٰ عالمگیری کے نام سے فقہ کی ایک جامع کتاب مرتب کی۔

اورنگ زیب عالمگیر ہر لحاظ سے ایک کامیاب اور مدبّر حکمران ثابت ہوا، جس نے پچاس برس تک برصغیر پر حکومت کی اور ہر محاذ پر کامیاب رہا۔ اس نے اپنی ذہانت اور صلاحیتوں کا بھرپور استعمال کیا، لیکن اس کی کچھ مذہبی پالیسیوں کی وجہ سے ہندو اس سے سخت نالاں تھے، اس لیے انہوں نے اورنگ زیب کی زندگی میں ہی مغل حکومت کے خلاف ہتھیار اٹھا لیے تھے۔ اورنگ زیب نے جاٹوں، شمال کے سکھوں اور دکن کے مرہٹوں کی شورش کا بڑی حد تک خاتمہ کر دیا تھا لیکن یہ قوتیں بعد میں بھی مغل حکومت کے لیے ایک بڑا چیلنج بنی رہیں۔

اورنگزیب برّصغیر میں آخری کامیاب مغل حکمران تھا کیونکہ اس کی وفات کے بعد اس کی اولاد نے آپس کی خانہ جنگی میں وہ تمام ثمرات ضائع کر دیے جو اورنگزیب نے اپنی محنتِ شاقہ سے حاصل کیے تھے۔ اس نے دکن میں مرہٹوں کا زور توڑا۔ سلطنت کی حدود کو کابل سے بنگال اور لاہور سے اجمیر تک وسیع کیا، اور اپنے جانشینوں کے لیے بہت بڑی فوج اور مضبوط خزانہ چھوڑا۔ لیکن اس کے جانشین نااہل ثابت ہوئے، اورنگزیب کی وفات ۱۷۰۷ء کو ہوئی تو اسی سال سے مغل سلطنت کا زوال شروع ہو گیا۔

Marfat.com

حوالہ جات وحواشی

(۱) مغل بادشاہ اکبر کے آخری دور میں مسلمانوں میں ایک ایسا فرقہ پیدا ہو گیا تھا جسے الفیہ (ایک ہزار) کہا جاتا تھا۔ان کا عقیدہ تھا کہ اسلام کی تعلیمات صرف ایک ہزار سال کے لیے تھیں،اور چونکہ اسلام کو آئے ہوئے ایک ہزار سال ہو چکے ہیں اس لیے ان کی ضرورت نہیں رہی۔ ماخوذ از اردو انسائیکلو پیڈیا،فیروز سنز،لاہور۔

(۲) رود کوثر،محمد اکرام،شیخ،ادارہ ثقافت اسلامیہ،لاہور،ص۴۴۶،فروری ۲۰۰۱ء

(۳) اردو دائرہ معارف اسلامیہ محمد عبداللہ،سید،ڈاکٹر، پنجاب یونیورسٹی،لاہور،ج ۲۰،ص ۷۱

(۴) شاہ جہان نامہ (عمل صالح)،محمد صالح کمبوہ،مترجم ڈاکٹر ناظر حسن زیدی،مرکزی اردو بورڈ ،لاہور،طبع اول،مئی ۱۹۷۴ء ج ۲،۳،ص ۳۶۷

(۵) اردو دائرہ معارف اسلامیہ، پنجاب یونیورسٹی،لاہور،ج ۲۰،ص ۴۷

(۶) اورنگ زیب عالمگیر،اوم پرکاش،ڈاکٹر،مرتبہ مبارک علی،ڈاکٹر،فکشن ہاؤس،لاہور،ص ۱۵۴

(۷) اردو دائرہ معارف اسلامیہ، پنجاب یونیورسٹی،لاہور،ج ۲۰،ص ۳۷

(۸) اورنگ زیب پر ایک نظر،شبلی نعمانی،علامہ،ایم ثناءاللہ خان پبلشرز،لاہور،ص ۱۰۸

(۹) اردو دائرہ معارف اسلامیہ، پنجاب یونیورسٹی،لاہور،ج ۲۰،ص ۷۱

(۱۰) مذکورہ بالا حوالہ،ص ۳۷

Marfat.com

پانی پت کی تیسری جنگ ۱۱۷۴ھ/۱۷۶۱ء

مغل سلطنت کے گلِ سرسبد اورنگزیب عالمگیر کی وفات کے بعد مغلوں کے دورِ زوال کا آغاز ہوا۔ متاخر حکمران نااہل اور عیاش ثابت ہوئے۔ سیّد برادران (۱) جیسے بادشاہ گر اُمراء نے سازشوں کے جال بنے اور حکمرانوں کو اپنی اُنگلیوں پر نچایا۔ فرخ سیئر جیسا حکمران اُن کے ہاتھوں اندھا کیا گیا۔ سکھ بندہ بیراگی (۲) نے مسلمانوں کے خون سے ہاتھ رنگے اور وحشت و درندگی کا مظاہرہ کیا۔ مغل سلطنت غیر ملکی حکمرانوں کے لیے تر نوالہ ثابت ہو رہی تھی۔ امراء کی محلاتی سازشوں کی وجہ سے قصرِ سلطنت کی بنیادیں انتہائی خستہ ہو گئی تھیں۔ مغل سلطنت کی اس کمزوری کی وجہ سے نادر شاہ، احمد شاہ ابدالی، انگریزوں اور فرانسیسیوں میں یہ جرأت پیدا ہوئی کہ انہوں نے ہندوستان کی سرزمین پر اپنے عزائم کی تکمیل چاہی۔ محمد شاہ رنگیلا کا دورِ حکمرانی اگرچہ خاصا طویل تھا لیکن اس نے اپنی عیاشیوں او ربد قماشیوں کی وجہ سے سلطنت کے استحکام اور دفاع پر کوئی توجہ نہ دی، یہی وجہ ہے کہ جب نادر شاہ درانی ایران سے ہندوستان پر حملہ آور ہوا تو محمد شاہ مزاحمت نہ کر سکا اور نادر شاہ کی افواج با آسانی دہلی میں داخل ہو گئیں اور پھر قتلِ عام کیا۔ ۱۷۳۹ء میں ہونے والے اس نادر شاہی حملے کے بعد احمد شاہ ابدالی کے حملے شروع ہوئے، جن سے مغل سلطنت مزید عدمِ استحکام کا شکار ہو گئی۔ مغل سلطنت کے اس دورِ زوال میں جہاں ایک طرف غیر ملکی حملہ آوروں نے سرزمینِ ہند کو پامال کیا، وہیں پر چار مزید قوتیں بھی حصولِ اقتدار کی دوڑ میں شامل ہو گئیں۔ اُن میں سے دو غیر ملکی اور دو مقامی تھیں۔ غیر ملکی قوتوں میں انگریز اور فرانسیسی تھے اور مقامی قوتوں میں مرہٹے اور سکھ تھے۔

ہندوستان میں انگریزوں کے ناپاک عزائم اور بڑھتے ہوئے اثر و رسوخ کا سب سے پہلے سنجیدہ ادراک بنگال کے حاکم سراج الدولہ کو ہوا۔ انگریزوں نے عیاری و مکاری سے کام لیتے ہوئے نواب کے ساتھیوں کو ساتھ ملا کر نواب کے خلاف جنگی تیاری شروع کر دی۔ نواب نے انگریزوں کے حریف فرانسیسیوں اور مقامی طاقت مرہٹوں سے رابطہ کیا لیکن اسے مایوسی کا سامنا کرنا پڑا۔ ۱۷۵۷ء میں پلاسی

Marfat.com

کے میدان میں نواب اور انگریزوں کے درمیان ہندوستان میں مسلم تاریخ کی اہم جنگ لڑی گئی، جس میں مسلم غداروں کی وجہ سے نواب سراج الدولہ کو شکست ہوئی اور میر جعفر کے بیٹے میرن نے نواب سراج الدولہ کا سر قلم کر دیا۔ جنگِ پلاسی میں نواب سراج الدولہ کی شکست کے بعد انگریز بنگال پر قابض ہو گئے اور اب انہوں نے باقی علاقوں کو اپنی گرفت میں لینے کے لیے سازشوں کے جال بننے شروع کر دیے۔

مقامی طاقتوں میں سے مرہٹے مسلسل طاقت پکڑ رہے تھے اور ہندوستان میں ایک عظیم الشان ہندو ریاست کے قیام کا خواب دیکھ رہے تھے۔ مرہٹوں کے ان مذموم عزائم کی راہ میں اورنگ زیب ایک بڑی رکاوٹ تھا۔ اورنگ زیب نے مرہٹہ سردار سیوا جی (Sivaji) کے مقابلے میں مسلسل جنگیں لڑیں اور ایک وقت ایسا آیا کہ سیوا جی اطاعت گزار بن کر آگرہ پہنچا۔ اورنگ زیب نے اسے پنج ہزاری کا منصب عطا کیا، لیکن اس کے بعد سیوا جی وہاں سے فرار ہو گیا اور ایک بار پھر سرکشی کا راستہ اختیار کیا۔ سیوا جی کے پوتے شاہو کو بھی اورنگ زیب کے دربار میں عزت و احترام سے رہنے کا موقع ملا۔ اورنگزیب کی وفات کے بعد وہ مرہٹوں کا حکمران بنا لیکن اس کے وزیر پیشوا' وشوا ناتھ بالا جی نے اختیارات پر قبضہ کر لیا اور اقتدار اپنے خاندان میں منتقل کر دیا۔ مرہٹے ہندوستان کی ایک بڑی طاقت بنتے جا رہے تھے۔ مغل حکمران اور انگریز بھی مرہٹوں کی اس بڑھتی ہوئی طاقت سے خائف تھے۔ مرہٹوں نے اس قدر طاقت حاصل کر لی کہ احمد شاہ ابدالی کے بیٹے تیمور کے خلاف لشکر کشی کی اور پنجاب پر قابض ہو گئے۔ ان حالات میں مسلمان' انگریزوں، مرہٹوں اور سکھوں کے ہاتھوں مسلسل عذاب سہہ رہے تھے، اور یہ قوتیں مغل سلطنت کی کمزوری سے فائدہ اٹھا کر مسلمانوں کے خون سے اپنی تلواروں کو رنگین کر رہی تھیں۔ مسلمانوں کا ہند میں کوئی پرسانِ حال نہ تھا۔ مسلمانانِ ہند کی کشتی بیچ منجدھار ہچکولے کھا رہی تھی۔ مغل شہنشاہ اپنی رعایا کو تحفظ دینے کی بجائے اپنا اقتدار بچانے کی فکر میں تھا۔ یہی وہ حالات تھے جب شاہ ولی اللہؒ نے مسلمانانِ ہند کی حالتِ زار کو دیکھتے ہوئے احمد شاہ ابدالی کو ایک بار پھر ہندوستان میں آ کر مرہٹوں کی طاقت کو ختم کرنے کے لیے اپیل کی۔

"مرہٹوں نے ۲۲ جولائی ۱۷۶۰ء کو دہلی پر قبضہ کر لیا۔ لیکن فوجی مرکز کے اعتبار سے یہ مقام بے کار تھا۔ کیونکہ یہاں نہ تو اجناس خوردنی مل سکتی تھیں اور نہ چارہ اور نہ روپیہ۔ جہاں تک رسد رسانی کا تعلق تھا، عارضی طور پر حالات کچھ رو براہ ہو گئے، کیونکہ ۱۷۔ اکتوبر ۱۷۶۰ء کو کنج پور پر ان کا قبضہ ہو گیا۔" (۳)

Marfat.com

دہلی پر مرہٹوں کا قبضہ معمولی بات نہ تھی۔ گویا یہ اس بات کی علامت تھی کہ مغل سلطنت مرہٹوں کے سامنے بے بس ہوگئی ہے اور اب ہندوستان میں دہلی کے تخت پر مسلمان حکمران کی بجائے مرہٹہ ہندو حکمران ہوگا اور عظیم مرہٹہ ہندو ریاست وجود میں آجائیگی۔ لیکن مرہٹوں کا یہ خواب شرمندہ تعبیر نہ ہو سکا کیونکہ احمد شاہ ابدالی نے پانی پت کے میدان میں مرہٹوں کے عزائم کا جنازہ ہی نکال دیا۔

اگرچہ احمد شاہ ابدالی اس سے پہلے بھی تین بار ہندوستان پر حملہ آور ہو چکا تھا لیکن اس بار اس کے حملے کا مقصد بالکل مختلف تھا۔ اس دفعہ وہ مسلمانانِ ہند کا نجات دہندہ بن کر حملہ آور ہوا۔ مرہٹوں اور احمد شاہ ابدالی کی افواج پانی پت کے تاریخی میدان میں آمنے سامنے ہوئیں۔ مرہٹوں کی تعداد تقریباً تین لاکھ سے زیادہ تھی اور اس کے مقابلے میں مسلمان اسّی ہزار کے لگ بھگ تھے۔ مرہٹوں کو اپنی عددی برتری کی بنیاد پر فتح کا یقین کامل تھا، لیکن احمد شاہ ابدالی کی قیادت میں مسلمان افغانوں نے نہایت بہادری اور حوصلہ مندی سے مرہٹوں کا مقابلہ کیا۔ ۱۴ جنوری ۱۷۶۱ء ہندوستان کی مسلم تاریخ کا ایک روشن دن تھا، جب پانی پت کی تیسری لڑائی میں ہندو مرہٹوں کے عزائم کا بُت پیوندِ خاک ہو گیا۔ "قریب تھا کہ مرہٹے مغل حکومت کی طاقت پر مکمل قبضہ کر لیتے لیکن احمد شاہ ابدالی نے ۱۷۶۱ء میں پانی پت کی جنگ میں انہیں کچل کر رکھ دیا۔" (۴)

"In 1759, however, Ahmad Shah swept the Marathas, from the Punjab and joined forces with the Afghans settled in Rohilkhand; and on Jan.14, 1761, at Panipat north of Delhi, they destroyed a large Maratha army sent from the Deccan."(5)

"۱۷۵۹ء میں احمد شاہ نے پنجاب کی سرزمین سے مرہٹوں کا صفایا کر دیا۔ پھر وہ روہیل کھنڈ میں افغان فوج کے ساتھ جا شامل ہوا اور ۱۴۔ جنوری ۱۷۶۱ء کو دہلی کے شمال میں واقع پانی پت کے میدان میں دکن سے بھیجی گئی مرہٹہ فوج کو تباہ کر دیا۔"

پانی پت کے میدان میں مرہٹوں کی اس شکست نے ہندوستان کی تاریخ پر اَن مٹ نقوش ثبت کیے۔ اس لڑائی میں احمد شاہ ابدالی نے مرہٹوں کو کچل کر رکھ دیا۔ دو لاکھ سے زیادہ مرہٹہ اس جنگ میں کام آئے، تقریباً تمام بڑے بڑے مرہٹہ سردار مارے گئے۔ اگرچہ اس جنگ میں مرہٹوں کی طاقت مکمل طور

Marfat.com

پر ختم نہ ہوسکی اور وہ بعد میں بھی ہندوستان کی سیاست میں اہم کردار ادا کرتے رہے، لیکن اب وہ محض ایک علاقائی طاقت تھے جو مختلف علاقوں میں اپنے اقتدار کے لیے کوششیں کر رہے تھے۔ پورے ہندوستان پر ہندو اقتدار کی ان کی خواہش کو احمد شاہ ابدالی پانی پت کی خاک میں ملا چکا تھا۔

مرہٹوں کو شکست دینے کے بعد احمد شاہ ابدالی نے تخت دہلی مغل شہزادہ عالی گوہر (شاہ عالم ثانی) کے سپرد کر دیا۔ یہ احمد شاہ ابدالی کی تاریخی غلطی تھی، کیونکہ مغل حکمران اس قابل نہ تھے کہ اس تخت کی حفاظت کر سکتے۔ اگر وہ خود تخت دہلی پر بیٹھتا تو یقیناً مسلمانوں کو اُن حالات سے واسطہ نہ پڑتا جو بعد میں پیش آئے۔ فرانسیسی بھی انگریزوں سے شکست کھانے کے بعد ہندوستان میں اقتدار کی دوڑ سے باہر ہو چکے تھے۔ اس لیے غیر ملکی طاقتوں میں سے صرف انگریز ہی ہندوستان میں اپنا مکمل اقتدار قائم کرنے کی تگ و دو میں مصروف تھے۔ مغل حکمران اتنا کمزور ہو چکا تھا کہ کبھی اپنی قسمت کو مرہٹوں سے وابستہ کر دیتا اور کبھی انگریزوں کا وظیفہ خوار بن جاتا۔

"جب ۱۸۰۳ء میں لارڈ لیک نے دہلی فتح کیا تو اس نے مغلوں کو نہیں، بلکہ مرہٹوں کو شکست دے کر دہلی پر قبضہ کیا اور مغل بادشاہ مرہٹوں کی قید سے نکل کر انگریزوں کی غلامی میں آ گیا۔" (۶)

پانی پت میں مرہٹوں کی شکست سے انگریزوں اور سکھوں نے بھی بہت فائدہ اٹھایا۔ جنگِ پلاسی میں سراج الدولہ کو شکست دینے کے بعد انگریز مسلسل اپنے اقتدار کو وسعت دینے میں مصروف تھے۔ مقامی طاقتوں میں سے مرہٹے اُن کے راستے میں بڑی رکاوٹ تھے۔ مرہٹوں کے اتنی بڑی تعداد میں قتل سے انگریزوں کو بنگال میں اپنے قدم مضبوط کرنے کا موقع ملا۔ پھر انہوں نے مرہٹوں کو سنبھلنے نہیں دیا اور مختلف محاذوں پر مرہٹوں کو شکست سے دوچار کیا۔ ۱۸۱۸ء میں انگریزوں نے مرہٹوں کو شکست دے کر ان کی رہی سہی کسر بھی نکال دی۔ ۱۸۵۳ء میں مرہٹہ سردار بھونسلا کے مرنے کے بعد مرہٹوں کے پاس قیادت کا فقدان ہو گیا اور کچھ ہی عرصہ بعد مرہٹوں کا سیاسی وجود ختم ہو گیا۔

"The real importance of the Maratha defeat was that it granted the British the respite needed for the consolidation of their power in Bangal." (7)

"مرہٹوں کی شکست کی اصل اہمیت یہ ہے کہ اس سے انگریزوں کو بنگال میں اپنی قوت مستحکم

Marfat.com

کرنے کا موقع میسر آ گیا۔"

مرہٹوں کی اتنی بڑی سیاسی قوت بالآخر انگریزوں کے ہاتھوں اپنے انجام کو پہنچی، لیکن مرہٹوں کی طاقت کا اصل خاتمہ احمد شاہ ابدالی کے ہاتھوں ہوا تھا۔ پانی پت کی لڑائی میں احمد شاہ ابدالی کے ہاتھوں مرہٹوں کی شکست سے مقامی طور پر سکھوں، نظام اور حیدر علی نے فائدہ اٹھایا۔ سکھوں نے اس قدر طاقت حاصل کر لی کہ پنجاب پر اپنا اقتدار قائم کرنے کے قابل ہو گئے، نظام نے دکن میں دوبارہ قوت حاصل کر لی اور ریاست حیدر آباد کو مضبوط کیا اور حیدر علی نے بھی مرہٹوں کی کمزوری کا فائدہ اٹھاتے ہوئے ایک خودمختار اسلامی سلطنت میسور کی بنیاد رکھی۔

حوالہ جات وحواشی

(۱) سیّد عبداللہ خان اور سیّد حسین علی خان۔ انہوں نے محلاتی سازشوں کے ذریعے مؤخر مغل حکمرانوں پر خاصا اثر و رسوخ قائم کر لیا۔ فرخ سیر، رفیع الدرجات، رفیع الدولہ اور محمد شاہ کو تخت دلوانے میں نہایت اہم کردار ادا کیا۔ محمد شاہ نے ان کو قتل کروا کے اُن کی سازشوں کا خاتمہ کیا۔ ماخوذ از اردو انسائیکلو پیڈیا، فیروز سنز، لاہور۔

(۲) بندہ بیراگی کا اصل نام لچھمن دیو تھا۔ گورو گوبند سنگھ نے اسے پنجاب میں سکھوں کا سردار مقرر کیا۔ بندہ بیراگی نے مسلمان عورتوں اور معصوم بچوں کو نہایت بے دردی سے قتل کیا۔ ماخوذ از اردو انسائیکلو پیڈیا، فیروز سنز، لاہور۔

(۳) اردو دائرہ معارف اسلامیہ، پنجاب یونیورسٹی، لاہور، ج ۲، ص ۱۳۳

(۴) اردو دائرہ معارف اسلامیہ، پنجاب یونیورسٹی، لاہور، ج ۲۰، ص ۴۸۶

(۵) Encylopedia Britannica, Voulume 1, William Benton, Publisher.

(۶) المیہ تاریخ، مبارک علی، ڈاکٹر، فکشن ہاؤس، لاہور، ص ۱۳۸، ۲۰۰۵ء

(۷) Encyclopedia Bretannica, Volume 12, Page 143, William Benton Publisher

Marfat.com

سقوطِ سرنگاپٹم ۱۲۱۳ھ/۱۷۹۹ء

جنگِ پلاسی میں فتح پانے کے بعد انگریز بدیسی حکمران بن گئے اور اب انہیں ہندوستان میں اپنے اقتدار کا سورج بلند ہوتا دکھائی دینے لگا۔ مغل سلطنت کی کمزوری کا فائدہ اٹھاتے ہوئے مرہٹوں نے بھی ہندوا اقتدار کے لیے زبردست کوششیں کیں، لیکن ۱۷۶۱ء میں پانی پت کے میدان میں احمد شاہ ابدالی کے ہاتھوں شکست سے دوچار ہونے کے بعد اُن کی یہ اُمید دم توڑ گئی۔ جنوبی ہند میں مرہٹے ایک بڑی طاقت تھے، اس لیے اُن کی شکست کا فائدہ اٹھاتے ہوئے حیدر علی نے میسور(۱) میں اپنا اقتدار قائم کر لیا۔ مرہٹوں کے بعد اب انگریز حیدر علی کو اپنے اقتدار کے راستے میں ایک بڑی رکاوٹ خیال کرنے لگے۔ انگریزوں نے میسور پر قبضہ کے لیے حیدر علی کے خلاف دو جنگیں لڑیں، لیکن ان دونوں جنگوں میں انہیں منہ کی کھانا پڑی۔ انگریزوں کے خلاف حیدر علی کی ان جنگوں میں اس کے نامور بیٹے فتح علی ٹیپو نے بھی جوانمردی کے ایسے جوہر دکھائے کہ اس کے دشمنوں کو بھی اس کی بہادری کا اعتراف کرنا پڑا۔

۱۷۸۲ء میں حیدر علی کی وفات کے بعد سلطان ٹیپو میسور کی مسندِ اقتدار پر بیٹھے تو انہوں نے علاقے میں انگریزوں کے بڑھتے ہوئے اثر و رسوخ کو محسوس کرتے ہوئے نہ صرف اپنی فوجی قوت میں اضافہ کیا بلکہ اپنی ہمسایہ قوتوں کو بھی انگریزوں کے خلاف متحد کرنے کی کوشش کی۔ نظام حیدر آباد انگریزوں کے مفادات کے لیے کام کر رہا تھا۔ اگرچہ مرہٹوں اور انگریزوں میں دشمنی چلی آ رہی تھی، لیکن ٹیپو کے خلاف مرہٹے بھی انگریز کا ساتھ دے رہے تھے۔ سلطان ٹیپو نے نظام اور مرہٹوں سے اتحاد قائم کرنے کی کوشش کی۔ نظام، مرہٹے اور سلطان مقامی طاقتیں تھیں جبکہ انگریز غیر ملکی قوت تھے۔ سلطان نے نظام اور مرہٹوں کو اس بات کا احساس دلانا چاہا کہ ہمیں اپنی سرزمین کو غیر ملکیوں کے ہاتھ میں جانے سے روکنے کے لیے آپس میں اتحاد قائم کرنا چاہیے۔ انہوں نے نظام کو ہم مذہب ہونے کے ناطے مسلمانوں کے مفاد کے لیے ایک ہونے کی اپیل کی تو مرہٹوں کو ہم وطن ہونے کے ناطے حُبُّ الوطنی کے جذبے کے تحت باہمی تعاون کی پیشکش کی۔ شومئ قسمت کہ نظام اور مرہٹے نوشتۂ دیوار نہ پڑھ سکے اور

Marfat.com

انہوں نے سلطان ٹیپو کی مدد کرنے کی بجائے انگریزوں کے ہاتھ مضبوط کیے۔ مرہٹوں اور نظام نے انگریزوں کی خوشنودی کے لیے کئی بار سلطان کے خلاف لشکر کشی کی۔ سلطان نے نظام اور مرہٹوں کی مشترکہ افواج کو معرکۂ شاہ نور میں عبرتناک شکست سے دوچار کیا۔

انگریز برّصغیر پر اپنے مکمل قبضے کی راہ میں سلطان ٹیپو کو سب سے بڑی رکاوٹ سمجھتے تھے کیونکہ وہ سلطان کی بے پناہ طاقت، مذہبی اور ملّی جذبات اور احساسات سے بخوبی آگاہ تھے۔ اگرچہ نظام اور مرہٹے بھی مقامی طاقتیں تھیں، لیکن وہ انگریز کے آلہ کار بن چکے تھے۔ اب صرف سلطان ہی ایک ایسی شخصیت تھی جو اِن مہیب اندھیروں میں اُمید کا آخری چراغ تھی۔ سلطان ہندوستان میں قافلۂ حریت کا آخری سالار تھا۔

انگریز، سلطان کی قوت و طاقت سے اس حد تک خائف تھے کہ انہوں نے سلطان کے مقابلے میں آنے سے پہلے سازشوں کے جال بنے اور سلطان کی شخصیت کے خلاف مذموم پروپیگنڈا کیا۔ سلطان کی شخصیت کو مسخ کرنے کے لیے اسے متعصّب اور لٹیرا کہا گیا۔ اسے غاصب، ظالم، جابر اور ہندو دشمن کے طور پر پیش کیا گیا تاکہ ہندوؤں اور مسلمانوں میں سلطان کے خلاف مذہبی جذبات کو اُبھارا جائے۔

گورنر جنرل لارڈ کارنوالس نے ۱۷۹۲ء میں سلطان کے خلاف لشکر کشی کی۔ اس جنگ میں مرہٹے اور نظام کی افواج بھی سلطان کے خلاف انگریزوں کا ساتھ دے رہی تھیں۔ سلطان نے ڈٹ کر ان متحدہ افواج کا مقابلہ کیا۔ سلطان شیرِ غاب بن کر اپنے دشمن پر جھپٹا اور کھلے میدان میں انہیں عبرتناک شکست سے دوچار کیا۔ لارڈ کارنوالس نے سلطان کے حملوں سے خائف ہو کر غدّاروں کی تلاش شروع کر دی اور بہت جلد اپنے مشن میں کامیاب ہو گیا۔ سلطان کے فرانسیسی انجینئر جو سلطان کے دفاعی رازوں سے واقف تھے، فرنگیوں کے ساتھ مل گئے۔ اب سلطان پر چاروں طرف سے دباؤ بڑھنے لگا اور سلطان کے لیے ان متحدہ افواج کے خلاف دفاع مشکل ہو گیا۔ محاصرے کے دوران کارنوالس نے سلطان کو صلح کی پیشکش کی تو سلطان نے انتہائی مجبوری کے عالم میں اس کی یہ پیشکش منظور کر لی۔ جس کے نتیجے میں سلطان کا آدھا ملک اس کے ہاتھ سے نکل گیا۔ انگریزوں نے سلطان کے ساتھ مندرجہ ذیل سخت شرائط پر صلح نامہ تحریر کیا۔

۱۔ سلطان اپنی آدھی سلطنت انگریزوں کو بطور تاوان دے گا۔

Marfat.com

۲۔سلطان،انگریزوں کے تمام قیدی رہا کردے گا۔

۳۔سلطان تین کروڑ روپے تاوان جنگ کے طور پر انگریزوں کو ادا کرے گا۔

۴۔ان شرائط کی تکمیل تک سلطان اپنے دو بیٹے بطور یرغمال انگریزوں کے حوالے کرے گا۔(۲)

"As a result of the Treaty of Seringapatam, Malabar, Coorg, Dindigal and Baramahal were handed over by Tipu Sultan to the East India Company. This was of course a "lion's share". The Nizam and the Marathas took over the possession of the north-eastern and the north-western territories of Mysore State respectively."(3)

"اس معاہدہ سرنگا پٹم کے نتیجے میں ٹیپو سلطان نے مالابار، کورگ، ڈنڈی گل اور بارہ محل کے علاقے ایسٹ انڈیا کمپنی کے حوالے کر دیئے۔ یہ یقیناً ریاست کا بہت بڑا حصہ تھا۔ نظام اور مرہٹوں نے بالترتیب ریاست میسور کے شمال مشرقی اور شمال مغربی علاقوں پر قبضہ کر لیا۔"

میسور کی تیسری لڑائی میں شکست کے باوجود سلطان کے پائے استقلال میں ذرا لرزش نہ ہوئی اور وہ نئے جوش اور ولولے کے ساتھ انگریز کے مقابلے کے لیے تیاریوں میں مصروف ہو گیا۔ اس نے بہت تھوڑی مدت میں تاوان کی رقم ادا کر کے اپنے بیٹوں کو رہا کروالیا۔ انگریزوں نے اگرچہ معاہدۂ سرنگا پٹم کے تحت سلطان سے صلح کر لی تھی، لیکن ان کا خواب تو پورے برّ صغیر پر تسلط قائم کرنا تھا اور اس کی تعبیر کے راستے میں سلطان ہی سب سے بڑی رکاوٹ تھا۔

۱۷۹۸ء میں لارڈ کارنوالس کی جگہ لارڈ مارکوئس ولزلی ہندوستان کا گورنر جنرل بن کر آیا تو اس کی سب سے پہلی ترجیح اور خواہش سرنگا پٹم کو فتح کرنا تھی۔ اس کے لیے اس نے اپنے تمام وسائل کا استعمال کیا۔ فوج کی تعداد میں اضافہ کیا اور انہیں جدید اسلحہ سے لیس کیا۔ سب سے بڑھ کر اس نے غدّاروں کی تلاش کے لیے اپنی تمام تر توانائیاں صرف کیں اور سلطان کے انتہائی اہم افسروں کی وفاداری کو خریدنے میں کامیاب ہو گیا۔

معاہدۂ سرنگا پٹم میں اپنی آدھی سلطنت گنوانے کے بعد سلطان بھی دشمن کے خلاف اپنی تمام قوتوں کو مجتمع کر رہا تھا۔ اسے اس بات کا پورا احساس تھا کہ اگر وہ انگریزوں کو شکست نہ دے سکا تو پور

Marfat.com

ابرِ صغیر انگریزوں کے قبضے میں چلا جائے گا اور یہاں کے لوگ اپنے ہی ملک میں غیر ملکیوں کے غلام بن جائیں گے، اور پھر ان غیر ملکی حاکموں کے ہاتھوں اُن کا استحصال ہوگا۔ سلطان نے ایک بار پھر مرہٹوں اور نظام کو اس بات کا احساس دلانے کی کوشش کی کہ انگریز ہم سب کا مشترکہ دشمن ہے اور تاریخ کے اس نازک موڑ پر ہم سب کو متحد ہو کر اس کا مقابلہ کرنا چاہیے، لیکن وہ انہیں اپنے ساتھ ملانے میں ناکام رہا۔ نظام اور مرہٹوں نے سلطان کا ساتھ نہ دے کر غلامی کا طوق خود ہی گلے میں ڈال لیا۔

سلطان نے انگریزوں کے خلاف غیر ملکی امداد حاصل کرنے کے لیے مسلم اور غیر مسلم حکمرانوں کی طرف بھی دستِ تعاون بڑھایا۔ اس نے اس دور کے عظیم جرنیل نپولین بوناپارٹ اور والی افغانستان زمان شاہ سے فوجی تعاون کی درخواست کی۔ اس سلسلے میں نپولین سے سلطان کی باقاعدہ خط و کتابت ہوتی رہی۔ ہندوستان میں انگریزوں کے ہاتھوں فرانسیسیوں کے مفادات کو زک پہنچی تھی، جس کے بدلے میں نپولین انگریزوں کے مشرقی مقبوضات چھین کر حساب برابر کرنا چاہتا تھا۔ اس کا ارادہ تھا کہ پہلے وہ مصر کو فتح کرے، اس طرح برطانوی مفادات پر کاری ضرب لگے گی، اس کے بعد ماریشس کے جزیرہ کے راستے سے ہوتا ہوا وہ سلطان کی افواج سے مل جائے۔ بحرِ ہند میں ماریشس کے جزیرہ پر فرانسیسیوں کا قبضہ ہو چکا تھا، اس لیے نپولین کا یہ منصوبہ بہت حد تک قابلِ عمل تھا، لیکن نپولین کو مصر کی فتح کے کچھ ہی عرصہ بعد انگریزوں کے ہاتھوں شکست کا سامنا کرنا پڑا اور وہ سلطان کی مدد نہ کر سکا۔ مصر پر قبضہ کی وجہ سے مسلمانوں کے جذبات بھی نپولین کے خلاف ہو چکے تھے۔ "عثمانی خلیفہ سلطان سلیم ثالث نے سلطان ٹیپو کو تاکید کی تھی کہ انگریزوں کے خلاف لڑنے کا ارادہ ترک کر کے فرانسیسیوں کو ہندوستان سے نکالنے میں مدد کریں، کیونکہ نپولین مصر پر مستقل قابض ہونا چاہتا ہے۔" (۴)

سلطان نے والی افغانستان زمان شاہ کے ساتھ یہ منصوبہ بنایا کہ زمان شاہ اپنی فوج کے ساتھ دہلی پر حملہ آور ہو اور مغل حکمران شاہ عالم ثانی کو مرہٹوں کے تسلط سے نجات دلائے۔ اس طرح مرہٹوں کی طاقت ختم ہو جائے گی اور وہ سلطان کے خلاف انگریز کا ساتھ نہ دے سکیں گے۔ اس طرح نپولین اور زمان شاہ کی مدد سے سلطان، انگریزوں سے بخوبی نبرد آزما ہو سکتا ہے۔ گورنر جنرل لارڈ ولزلی، زمان شاہ اور سلطان کے اتحاد سے پیدا ہونے والی صورت حال سے بخوبی آگاہ تھا۔ چنانچہ اس نے اس اتحاد کو ختم کرنے کے لیے ایک بار پھر سازشوں کا سہارا لیا۔ اس نے حاکمِ ایران فتح علی شاہ قاچار کو زمان شاہ کے

Marfat.com

مقابلے پر اُبھارا اور یہ تاثر پیدا کیا کہ زمان شاہ اور سلطان کے اتحاد سے برصغیر میں شیعیت کو سخت نقصان پہنچے گا۔ حاکمِ ایران نے زمان شاہ کے بھائی محمود کو اس بات پر اُکسایا کہ سلطنت کا اصل وارث وہ ہے۔ محمود نے افغانستان میں زمان شاہ کے خلاف بغاوت کر دی۔ اس طرح زمان شاہ، سلطان ٹیپو کی مدد کے لیے نہ آ سکا۔

سلطان ٹیپو، نپولین اور زمان شاہ کا فوجی تعاون حاصل نہ کر سکا۔ اس بات کا لارڈ ولزلی نے بھرپور فائدہ اٹھایا اور ۲۲ فروری ۱۷۹۹ء کو سلطان کے خلاف اعلانِ جنگ کر دیا۔ انگریزی افواج مدراس، بمبئی اور کلکتہ کی جانب سے میسور پر حملہ آور ہوئیں۔ جنرل ہیرس کی کمان میں انگریزی افواج نے اوائل اپریل میں میسور کے پایۂ تخت سرنگا پٹم کا محاصرہ کر لیا۔ سلطان نے مختلف محاذوں پر دشمن کو روکنے کی کوشش کی، لیکن خاص کامیابی حاصل نہ ہوئی۔ جب دباؤ بہت زیادہ بڑھا تو سلطان نے انگریزوں کو امن کی پیشکش کی۔ جنرل ہیرس نے نہایت سخت اور ذلت آمیز شرائطِ صلح کے لیے پیش کیں۔ جن کے مطابق "سلطان کو اپنے دارالحکومت میں انگریز اور ان کے اتحادیوں کے سفیروں کو مستقل طور پر رکھنا تھا۔ انگریزوں کے تمام قیدیوں کو رہا کرنا تھا۔ ان سب کے علاوہ اپنے چار لڑکوں کو بطور یرغمال انگریزوں کے حوالے کرنا شامل تھا۔ چار وزیر اور جرنیل قمر الدین، سیّد غفار، میر صادق اور پورنیا بھی انگریزوں کی تحویل میں دیے جانے تھے۔ ان شرائط کو ۲۴ گھنٹے کے اندر اندر قبول کرنا تھا، اور ۱۵ دن کے اندر اندر شہزادوں کو ایک کروڑ روپے کی رقم کے ساتھ کمپنی کی تحویل میں دینا شامل تھا۔ (۵)

سلطان نے ان شرائط پر غور کرنے کے لیے اپنے ساتھیوں اور وفاداروں کے ساتھ مسجدِ اعلیٰ میں مجلسِ مشاورت طلب کی۔ سلطان کی آرزو اور تمنا کو دیکھتے ہوئے اُن کے تمام وفاشعاروں نے ان ذلت آمیز شرائط کو مسترد کر کے فرنگی کے خلاف جہاد جاری رکھنے کا عہد کیا۔ سلطان جیسے مردِ حریت کے لیے کسی بھی صورت ان ذلت آمیز شرائط پر سمجھوتہ ناممکن تھا۔ سلطان نے عزمِ مصمم کے ساتھ ہر قیمت پر اپنی سلطنت کے دفاع کا عہد کیا۔ سلطانی افواج نے انگریزوں پر شدید حملے کیے، جس سے انگریزوں کے قدم اُکھڑنے لگے۔ جنرل ہیرس کو شدید غذائی قلت کا سامنا کرنا پڑا۔ ان حالات میں عین ممکن تھا کہ انگریزی افواج پسپائی اختیار کرتیں لیکن سلطان کے غدار افسروں کے تعاون سے ایک بار پھر جنرل ہیرس نے اپنی قوت مجتمع کر کے قلعہ کے کمزور حصے پر توپوں سے شدید گولہ باری کی، جس سے

Marfat.com

قلعہ میں شگاف پیدا ہو گیا۔ سلطان نے اس شگاف کی حفاظت کے لیے فوراً سپاہیوں کی ایک بڑی تعداد تعینات کر دی۔

انگریزوں نے میر صادق، پورنیا، علی رضا اور قمر الدین کے ساتھ سازش تیار کر کے ۴ مئی ۱۷۹۹ء کو قلعہ پر بھرپور یلغار کر دی۔ قلعہ کے شگاف پر تعینات میسوری سپاہیوں کو میر صادق نے تنخواہ دینے کے بہانے واپس بلا لیا۔ اسی شگاف سے جنرل ہیرس کی افواج نے قلعہ پر حملہ کیا۔ سلطان اپنے سپاہیوں کے شانہ بشانہ پہلی پوزیشن پر لڑ رہے تھے۔ سلطان دوپہر کے کھانے کے لیے بیٹھے تو انہیں اطلاع ملی کہ اُن کے انتہائی قابل اور وفا شعار ساتھی سیّد غفار شگاف کی حفاظت کرتے ہوئے شہید ہو گئے۔ سیّد غفار کی شہادت کے بعد سلطان غیض و غضب کے ساتھ فرنگیوں پر ٹوٹ پڑا۔ اس نے فرنگیوں کی توپوں کو خاموش کرا دیا، لیکن سلطان کے اعلیٰ افسر انگریز کے ساتھ مسلسل رابطے میں تھے اور انہیں سلطان کی دفاعی حکمتِ عملی اور کمزوریوں سے آگاہ کر رہے تھے۔ جن کی وجہ سے جنرل ہیرس نے کمزور حصوں پر انتہائی دباؤ بڑھا دیا۔ جب دباؤ ناقابلِ برداشت ہو گیا تو سلطان گھوڑے پر سوار ہو کر آبی دروازے پر آیا، لیکن قلعہ دار ندیم اور میر صادق کی سازش سے یہ اہم دفاعی دروازہ سلطان پر بند کر دیا گیا تھا۔ دشمن قلعہ کی فصیلوں پر قابض ہو چکا تھا اور چاروں طرف سے میسوری سپاہیوں پر گولیاں برسائی جا رہی تھیں۔ ان نازک لمحات میں کسی نے سلطان کو مشورہ دیا کہ خود کو انگریزوں کے حوالے کر دیا جائے۔ سلطان نے گرجدار آواز میں یہ تاریخی جملہ کہا۔

"شیر کی ایک دن کی زندگی، گیدڑ کی سو سالہ زندگی سے بہتر ہے۔"

سلطان شدید زخمی ہو چکے تھے، ایسے میں ایک انگریز سپاہی نے سلطان سے ان کی تلوار چھیننے کی کوشش کی، لیکن سلطان نے اس پر کاری وار کیا، جس سے وہ زخمی ہو گیا۔ اس نے سلطان کی کنپٹی پر بندوق کی گولی سے فائر کیا۔ جس سے شیرِ میسور، بطلِ حریّت سلطان ٹیپو کی روح، قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی۔

"The English forces captured the city on May 4,1799 and the last defender of Mysore died after like a tiger. When his body was recovered, the sword was still in his hand." (6)

"انگریز افواج نے ۴۔ مئی ۱۷۹۹ء کو شہر پر قبضہ کر لیا اور میسور کا آخری تاجدار شیر کی طرح لڑتا ہوا

Marfat.com

شہید ہو گیا۔ جب اس کا جسم تلاش کیا گیا تو اس کے ہاتھ میں ابھی تک تلوار موجود تھی۔"

جنرل بیرڈ نے سلطان کی لاش کی تلاش شروع کی تو بہت سی لاشوں میں سے بڑی مشکل سے سلطان کی لاش ملی۔ سلطان کی آنکھیں کھلیں تھیں اور اس کا جسم گرم تھا۔ جس سے انگریز افسروں کو شبہ ہوا کہ کہیں سلطان زندہ تو نہیں! سلطان کی نبض اور دل کی دھڑکن چیک کی گئی، تب انگریزوں کو سلطان کی شہادت کا یقین آیا۔

"اگر چہ ٹیپو کو عزت و احترام کے ساتھ دفن کیا گیا، لیکن اس کے دشمنوں کو اس کے مرنے کے بعد بھی ڈر تھا کہ وہ اُن کے لیے خطرے کا باعث بن سکتا ہے۔ کیونکہ رعایا میں اس کے لیے محبت اور لگاؤ کے جذبات تھے۔ اس کے لیے کمپنی اور اس کے وفاداروں نے اس بات کی کوشش کی کہ اوّل تو میسور سے اس کی حکمرانی کے تمام آثار اور نشانات کو مٹا دیا جائے اور پھر اس کے بارے میں ایسی خبریں پھیلائی جائیں کہ جس سے اس کی شخصیت مجروح ہو۔" (۷)

سقوطِ سرنگا پٹم کے بعد انگریز کے پورے ہندوستان پر قبضہ کی خواہش کی راہ میں کوئی رکاوٹ باقی نہ رہی۔ جنگِ پلاسی میں فتح کے بعد تو انگریز صرف مقامی حکمران بنے تھے، لیکن سرنگا پٹم کی فتح کے بعد وہ ہند کے سب سے بڑے غیر ملکی حکمران بن گئے۔ پورے ہندوستان میں اب کوئی ایسی شخصیت نہ تھی جو فرنگی سامراج کے خلاف سینہ سپر ہو سکتی۔ سلطان' اہلِ ہند کے لیے اُمید و بیم کا آخری چراغ تھا، جو میر صادق جیسے غدّاروں کی سازشوں کی وجہ سے بجھ گیا۔ سلطان نے انگریزوں کی بڑھتی ہوئی طاقت کے مقابلے میں مقامی اور غیر ملکی طاقتوں کے اتحاد کے لیے سنجیدہ کوششیں کیں۔ مرہٹوں اور نظام کو آنے والے وقت کی نزاکتوں کا احساس دلایا۔ نپولین، زمان شاہ اور سلطان ترکی سے فوجی تعاون حاصل کرنے کے لیے رابطے کیے۔ سلطان نے اپنی سلطنت کو جدید خطوط پر استوار کیا۔ اپنی فوج کو جدید اسلحہ سے لیس کیا۔ اسلحہ کی تیاری کے لیے فیکٹریاں قائم کیں۔ مضبوط بحریہ کی ضرورت کے پیشِ نظر ایک بڑا بحری بیڑا تیار کرایا اور اپنی مملکت کے دفاع کے لیے ہر ممکن اقدام کیا۔

"From the contemporary sources, it has been proved that Marquess Wellesley was determined to Kill Tipu and the Sultan was bent upon resisting the British invaders till he

Marfat.com

breathed his last. He said, "Soon the English will begin their final assault. I know that my life is in danger and I shall not run away from it. The unalterable, inevitable course of my destiny leads me to the necessity to sacrifice my life - to die for a cause is bigger than an individual's life." (8)

"اُس دور کے باوثوق ذرائع سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ مارکوئس ویلزلی نے سلطان کو شہید کرنے کا پختہ ارادہ کر لیا تھا اور سلطان بھی اپنے آخری سانس تک لڑنے کا عزم کیے ہوئے تھا۔ اس نے کہا کہ جلد ہی انگریز اپنا آخری حملہ کریں گے اور میں جانتا ہوں کہ میری زندگی خطرے میں ہے لیکن میں اس سے راہ فرار اختیار نہیں کروں گا۔ میرے مقدر کا ناقابل ترمیم اور ناگزیر راستہ میری زندگی کی قربانی کی ضرورت کی طرف میری رہنمائی کرتا ہے۔ کسی مقصد کے لیے زندگی قربان کر دینا، انفرادی زندگی گزارنے سے بہت بڑھ کر ہے۔"

سقوطِ سرنگا پٹم برِ صغیر میں مسلمانوں کی تاریخ کا ایک نازک موڑ ہے۔ اس کے بعد مسلمانانِ ہند انگریز کی طویل غلامی کے اسیر ہو گئے۔ اٹھارویں صدی عیسوی کے آخری سال یہ آفتابِ حریت سرنگا پٹم کی فضاؤں میں غروب ہوا، تو انیسویں صدی کے آغاز سے ہی مسلمانانِ ہند پر غلامی کی سیاہ رات چھا گئی۔ اس دورِ غلامی میں بھی مسلمانانِ ہند سلطان ٹیپو کے جذبۂ حریت سے روشنی حاصل کرتے رہے اور انگریزوں کے خلاف مزاحمت کا سلسلہ جاری رکھا۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے مجاہدین نے سلطان شہید کے مشن کی تکمیل کے لیے اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کیا۔

حوالہ جات وحواشی

(۱) ۱۹۴۸ء میں بھارت نے دیگر ریاستوں کے ساتھ ریاست میسور کو بھی انڈین یونین میں شامل کر لیا۔ ۱۹۷۳ء میں اس کی نئی حد بندی کی گئی اور اس کا نام کرناٹک رکھ دیا گیا۔ اب یہ بھارت کا ایک صوبہ ہے اور دارالحکومت بنگلور ہے۔ ماخوذ از اردو انسائیکلوپیڈیا، فیروز سنز، لاہور۔

(۲) مردِ مومن ٹیپو سلطان شہید، میر ابراہیم، میجر، ٹیپو سلطان ہاؤس، کیولری گراؤنڈ، لاہور، ص ۹۸

(۳) Secret Correspondence of Tipu Sultan, Page 15, Kabir

Marfat.com

Kausar, National Book House, LAHORE.

(۴) ماہنامہ احوال و آثار، لاہور جون ۹۹ء، ٹیپو شہید نمبر، ص ۶۱

(۵) مردِ مومن ٹیپو سلطان شہید، میر ابراہیم، میجر، ٹیپو سلطان ہاؤس، کیولری گراؤنڈ، لاہور، ص ۵۴

(۶) Secret Correspondence of Tipu Sultan, Page 33, Kabir Kausar, National Book House, LAHORE.

(۷) تاریخ کی آواز، مبارک علی، ڈاکٹر، فکشن ہاؤس، لاہور، ص ۱۷۸، ۲۰۰۵ء

(۸) Secret Correspondence of Tipu Sultan, Page 34, Kabir Kausar, National Book House, LAHORE.

Marfat.com

جنگِ آزادی ۱۲۷۳ھ/۱۸۵۷ء

برصغیر میں انگریزوں کے خطرناک عزائم کی راہ میں سلطان ٹیپو آخری مزاحمتی قوت تھے۔سقوطِ سرنگا پٹم کے بعد اب پورا ہندوستان انگریز کے سامنے نہتا تھا، کیونکہ کوئی ایک حکمران بھی شیرِ میسور کی طرح حوصلہ مند، شجاع اور بیدار مغز نہ تھا۔۱۷۹۹ء کے بعد ۱۸۰۳ء بہت جلد آ گیا۔اب انگریز دہلی میں داخل ہوئے اور دہلی پر اپنا اقتدار قائم کر لیا۔مغل شہنشاہ شاہ عالم ثانی انگریزوں کے سامنے کسی مفلوج شخص کی طرح ہاتھ پاؤں بھی نہ ہلا سکا۔پہلے وہ مرہٹوں کا ماتحت تھا تو اب انگریزوں کا وظیفہ خوار۔ انگریزوں نے مرہٹوں کو شکست دے کر دہلی پر قبضہ کیا۔لارڈ ولزلی مغل شہنشاہ کو ہٹا کر مکمل طور پر انگریزوں کا اقتدار قائم کرنا چاہتا تھا، لیکن ابھی تک مغل شہنشاہ کے لیے عوام کے دل میں احترام کے جذبات موجود تھے۔اس لیے انگریزوں نے اپنے سیاسی مقاصد کے لیے شہنشاہیت کو قائم رکھا۔ایسٹ انڈیا کمپنی نے ملک گیری کی ہوس میں تمام اخلاقی و قانونی حدود کو پامال کرتے ہوئے ہندوستان کے باقی علاقوں پر بھی قبضہ کر لیا۔

اکبر شاہ ثانی کے بعد اس کا بیٹا بہادر شاہ تخت نشین ہوا۔یہی بہادر شاہ ظفر مغلیہ سلطنت کا آخری بے بس و بدقسمت حکمران ثابت ہوا۔"اکبر شاہ ثانی کے عہد تک گورنر جنرل نے اپنی سرکاری مہر پر "وفادار اکبر شاہ" اور "حلقہ بگوش اکبر شاہ" کے الفاظ کندہ کر رکھے تھے اور جب گورنر جنرل بادشاہ کو کوئی خط لکھتا تو وہ خط حقیقتاً ایک عرض داشت یا درخواست کی شکل میں ہوتا لیکن بہادر شاہ کے زمانے میں گورنر جنرل نے اس مہر کا استعمال ترک کر دیا اور بادشاہ کے ساتھ ہر قسم کی مراسلت بند کر دی تھی، بلکہ یہ حکم دیا تھا کہ بادشاہ براہِ راست گورنر جنرل کو خط نہیں لکھ سکتا۔"(۱)

ہندوستان میں انگریزوں نے اپنے قدم جمانے کے بعد اپنے سیاسی اور مذہبی عزائم کی تکمیل کے لیے تیزی سے کام شروع کر دیا۔عیسائی پادریوں نے عیسائیت کی تبلیغ کے لیے ہندوستان کا رخ کیا۔انگریزوں نے بہت سے مقامات پر مشنری ادارے قائم کیے اور ہندوستان میں عیسائیت کی تبلیغ کے

Marfat.com

لیے کوششیں تیز کر دیں۔

"All the persons and classes who rebelled had their own respective axes to grind but there was one anxiety that motivated them all, and that was the belief that the British Government was bent upon depriving them of their caste and creed with a view to making them Christian." (2)

"تمام لوگ اور طبقات جنھوں نے بغاوت کی، سب کے اپنے مقاصد تھے لیکن ایک پریشان کن بات ایسی بھی تھی جس نے ان سب کو متحرک کر دیا اور وہ بات یہ یقین تھا کہ انگریز حکومت انھیں ان کی ذات اور عقیدہ سے محروم کر کے عیسائی بنانا چاہتی ہے۔"

انگریزوں کی مذہبی، سیاسی اور معاشی پالیسیوں کی وجہ سے ہندوستانیوں کے دلوں میں بے چینی اور اضطراب بڑھنے لگا۔ ہندوستان کا بادشاہ ایک مسلمان تھا، ہندوؤں کے بارے میں مغلوں نے ہمیشہ رواداری کی پالیسی اختیار کی تھی، اس لیے ہندو بالعموم اور مسلمان بالخصوص بہادر شاہ ظفر کے ساتھ جذباتی لگاؤ رکھتے تھے۔ مغل بادشاہ کے ساتھ انگریزوں کے ہتک آمیز رویہ کی وجہ سے ہندوستانیوں کے جذبات مجروح ہو رہے تھے۔ انگریزوں کے خلاف لوگوں کے دلوں میں نفرت کا لاوا پک رہا تھا۔ بے چینی اور اضطراب کی وجہ سے انگریزوں کے خلاف بغاوت کے آثار نمایاں ہو رہے تھے، لیکن انگریز چونکہ غیر ملکی آقا تھے، اس لیے انہیں ہندوستانیوں کے جذبات و احساسات کا کوئی خیال نہ تھا۔ وہ مسلسل ہندوستانیوں کے جذبات کا خون کر رہے تھے۔ انگریزوں کے خلاف نفرت کی آگ بھڑکنے کے لیے فضا تیار تھی، صرف اسے تیل دکھانے کی دیر تھی۔ ہندوستانیوں کو یہ موقع انگریزوں نے خود ہی دے دیا۔

۱۸۵۶ء میں انگریزوں نے فیصلہ کیا کہ مختلف چھاؤنیوں میں پرانی بندوق کی جگہ انفیلڈ رائفل جاری کر دی جائے۔ اس نئی بندوق کے لیے جو کارتوس استعمال ہوتے تھے ان کے اوپر چربی لگی ہوئی تھی جسے سپاہیوں کو دانتوں سے کاٹنا پڑتا تھا۔ ان کارتوسوں کے بارے میں یہ خیال گردش کرنے لگا کہ ان پر جو چربی لگی ہوئی ہے وہ گائے اور سؤر کی چربی ہے، اور اس حرکت سے انگریزوں کا مقصد مسلمانوں اور ہندوؤں کے مذہبی جذبات کو مجروح کرنا ہے۔

"The pretext for revolt was the introduction of the new

Marfat.com

Enfield rifle; to load it the lubricated cartridges had to have their ends bitten of by the sepoys. There appears to be some foundations for the popular belief that the grease used for this purpose was a mixture of pigs' and cows' lard, and insult to both Muslims and Hindus." (3)

"بغاوت کا بہانہ اس وقت متعارف کروائی گئی انفیلڈ بندوق بنی جس کو چلانے کے لیے سپاہیوں کو چربی لگے کارتوسوں کے ایک سرے کو دانتوں سے کاٹنا پڑتا تھا۔ کچھ باتوں نے اس عام خیال کو تقویت پہنچائی کہ اس مقصد کے لیے تیار کی جانے والی چکنائی سؤر اور گائے کی چربی کا مرکب ہے اور اس کا مقصد مسلمانوں اور ہندوؤں کی توہین کرنا ہے۔"

اس افواہ کو تقویت ایک نیچ ذات کے ہندو کے بیان سے پہنچی، اس نے ایک روز ایک برہمن سپاہی سے کہا کہ اپنے لوٹے سے مجھے پانی پلا دیجئے۔ برہمن نے پانی پلانے سے انکار کرتے ہوئے کہا کہ مجھے کیا معلوم تیری ذات کیا ہے؟ اس نیچ ذات ہندو نے اس برہمن سے کہا کہ یہ تمہاری ذات پات کا بُت، بہت جلد چکنا چُور ہو جائے گا۔ اس لیے کہ تمہیں وہ کارتوس دانتوں سے کاٹنے پڑیں گے، جس پر گائے اور سؤر کی چربی لگائی جاتی ہے۔ (۴)

انگریزوں نے اس کارتوس سے متعلق ہندوستانی سپاہیوں کی بے چینی کا احساس نہ کیا۔ چنانچہ اس افواہ پر حقیقت کا گمان ہونے لگا اور اچانک یہ لاوا، اُبل پڑا۔ بیرک پور چھاؤنی کے ایک ہندوستانی سپاہی منگل پانڈے نے سارجنٹ میجر پر گولی چلا دی۔ منگل پانڈے کو گرفتار کر لیا گیا۔ اس پر مقدمہ چلا اور ۸ اپریل ۱۸۵۷ء کو بیرک پور کی چھاؤنی میں اسے پھانسی دے دی گئی۔ ۹ مئی کو میرٹھ کی فوجی چھاؤنی میں سپاہیوں نے چربی والے کارتوس استعمال کرنے سے انکار کر دیا۔ اُن پر بھی مقدمہ چلا اور انہیں دس سال قیدِ بامشقت کی سزا سنا دی گئی۔ انگریز جتنی سختی کے ساتھ ان جذبات کو دبانے کی کوشش کر رہے تھے، اتنی ہی تیزی کے ساتھ ان جذبات میں شدّت آ رہی تھی، چنانچہ میرٹھ چھاؤنی کی تین رجمنٹوں نے بغاوت کر دی اور دہلی کی طرف مارچ شروع کر دیا۔ سپاہیوں نے دہلی پر قبضہ کر لیا اور یہاں پر انگریزوں کا قتلِ عام کیا۔ سپاہیوں نے بہادر شاہ ظفر کو اپنی تحریک کا مرکز بنا کر انگریزوں کے خلاف کارروائیاں تیز کر دیں۔ یہ فوجی بغاوت بہت جلد ہندوستان کے دیگر علاقوں بریلی، شاہ جہان آباد، مراد آباد، لکھنؤ، بنارس

Marfat.com

،کانپور اور جھانسی تک پھیل گئی۔

اب یہ محض فوجیوں کی بغاوت یا غدر نہ تھا بلکہ انگریزوں کے خلاف جنگِ آزادی تھی۔ جس میں بلا تفریقِ مذہب مسلمان اور ہندو شامل تھے۔ مرہٹوں کے پیشوا دھوندو پنتھ نانا صاحب، تا تیہ توپ اور لکشمی بائی المعروف جھانسی کی رانی اس جدوجہد آزادی میں مسلمانوں کے شانہ بشانہ لڑ رہے تھے۔ ہندو اور مسلمان طویل سیاسی اور مذہبی جدوجہد میں ہمیشہ ایک دوسرے کے مخالف رہے لیکن بیرونی غلبے کے خاتمے کے لیے انگریزوں کے خلاف متحد ہو چکے تھے۔ ان دونوں قوموں کا مرکز فقط مسلمان مغل شہنشاہ بہادر شاہ ظفر کی ذات تھی۔

انگریزوں سے دہلی چھن چکا تھا، جس کی وجہ سے انگریز تلملا رہے تھے اور دہلی پر دوبارہ قبضہ کی کوشش میں تھے۔ دوسری طرف انہیں جھانسی، کانپور، شاہجہان آباد اور لکھنؤ میں سخت مقابلے کا سامنا تھا۔ دہلی پر دوبارہ قبضے کے لیے انگریزوں نے اپنی روایتی مکاری کے ذریعے غدّاروں کی تلاش شروع کی۔ انہیں بہت جلد الٰہی بخش اور رجب علی کی شکل میں میر جعفر اور میر صادق مل گئے۔ الٰہی بخش اور رجب علی دونوں نے ملکہ زینت محل کے ذریعے بہادر شاہ ظفر پر سپاہیوں سے تعلق ختم کر کے انگریزوں کی پناہ میں چلے جانے کے لیے دباؤ ڈالنا شروع کیا۔ بہادر شاہ ظفر تک غلط معلومات پہنچائیں۔ اس طرح بہادر شاہ ظفر کو ذہنی طور پر انگریزوں کی غلامی کے لیے تیار کر لیا۔ بہادر شاہ کے سپہ سالار بخت خاں نے انتہائی کوشش کی کہ بہادر شاہ اپنے قدموں پر کھڑا رہے اور آخر دم تک انگریزوں کا مقابلہ کیا جائے، لیکن بہادر شاہ ذہنی طور پر جنگ ہار چکا تھا۔ انگریزوں نے ۱۴۔ ستمبر ۱۸۵۷ء کو دہلی پر حملہ کر دیا اور ۲۰۔ ستمبر کو وہ ایک بار پھر دہلی پر قابض ہو گئے۔ (۵)

بہادر شاہ ظفر، آخری مغل بادشاہ نے نہایت ذلت آمیز طریقے سے ہمایوں کے مقبرے میں اپنے آپ کو انگریزوں کے حوالے کر دیا۔ مغل شہزادے بھی گرفتار کر لیے گئے۔ آج کا آفتاب چشمِ فلک سے ان تیموری شہزادوں کی حسرت و یاس کا نظارہ کر رہا تھا۔ بابر، اکبر اور اورنگزیب جیسے مغل تاجداروں کے اِن جانشینوں پر دہلی کی زمین تنگ ہو گئی تھی۔ سنگ دل اور کینہ پرور جنرل ہڈسن نے اپنے ہاتھوں فائر کر کے ان شہزادوں کے کلیجے چھلنی کر دیے۔ انگریزوں نے بہادر شاہ ظفر کی گرفتاری اور شہزادوں کے بہیمانہ قتل کے بعد دہلی کے عام شہریوں کے ساتھ بھی خون کی ہولی کھولی۔ اس خونریزی نے تیمور اور نادر شاہ

Marfat.com

کی سفا کیوں کو بھی پیچھے چھوڑ دیا۔

"یوں تو جنگ آزادی کے ایک دو نہیں ، بیسیوں پہلو ایسے ہیں جن کا تصور سامنے آتے ہی قوتِ بیان پر انتہائی بے بسی کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ لیکن فتح ٔ دہلی کے بعد شہر پر عموماً اور مسلمانوں پر خصوصاً جو قیامت گزری، اس کی سرسری کیفیت بھی پیش کرنا کم از کم اتنا دردانگیز اور زہرہ گداز ضرور ہے جیسا کہ دل کو پہلو سے نکال کر دہکتے ہوئے انگاروں پر ڈال دیا جائے۔"(۶)

برصغیر میں مسلمانوں نے ۱۲۰۶ء میں پہلی با قاعدہ اسلامی حکومت کی بنیاد رکھی۔ خاندانِ غلاماں، خلجی، تغلق، سادات، لودھی اور مغل خاندانوں نے عظیم سلطنتیں قائم کیں۔ غیاث الدین بلبن، علاؤالدین خلجی، محمد شاہ تغلق، شہنشاہ اکبر، شاہجہان اور اورنگزیب جیسے مسلمان حکمرانوں نے سرزمینِ ہند پر مسلمانوں کی شوکت وشاہی کے پرچم بلند کیے، لیکن اورنگ زیب عالمگیر کے بعد برصغیر میں مسلمانوں کی حکومت مسلسل کمزور ہوتی چلی گئی۔ جہانگیر کے دور میں انگریز تجارت کی غرض سے ہندوستان آئے۔ لیکن ان مکّار تاجروں نے بدلتے حالات کے ساتھ ساتھ اپنی پالیسیاں بھی تبدیل کر لیں، اور یہاں کے غیر مستحکم سیاسی حالات سے فائدہ اٹھاتے ہوئے مختلف علاقوں پر اپنا اقتدار قائم کرنا شروع کر دیا۔ پہلے انہوں نے دکن میں اپنا عمل دخل بڑھایا اور پھر بنگال کو اپنی سیاسی سرگرمیوں کا مرکز بنا لیا۔ ۱۷۵۷ء میں بنگال میں انہیں اس وقت نمایاں کامیابی حاصل ہوئی جب انہوں نے پلاسی کے میدان میں نواب سراج الدّولہ کو شکست دی۔ ۱۷۹۹ء میں ٹیپو سلطان کی شہادت کے بعد پھر کوئی حکمران اُن کا مقابلہ نہ کر سکا، اور ۱۸۵۷ء میں انگریز آخری مغل حکمران بہادر شاہ ظفر کو گرفتار کر کے ہندوستان پر اپنا کامل اقتدار قائم کرنے میں کامیاب ہو گئے۔

"ابتداء سے ہی انگریز پیش قدمی اور توسیع پسندی کی پالیسی پر کار فرما رہے اور نت نئے طریقوں سے بالواسطہ یا بلاواسطہ سارے برصغیر پر قابض ہو گئے۔ انگریزی تہذیب رفتہ رفتہ ملک میں اثر ونفوذ کرنے لگی، جو دور رس نتائج کا باعث بنی۔ ان حالات میں ایک غیور قوم کا اجنبی حکومت کو للکارنا ایک فطری امر تھا۔"(۷)

سقوطِ دہلی کے بعد بھی انگریزوں کے خلاف جدوجہد جاری رہی۔ اس جدوجہد میں ہندوستان کے تمام طبقات نے بڑھ چڑھ کر حصّہ لیا۔ ۱۸۵۷ء کی اس جنگِ آزادی میں عورتوں نے بھی مردوں کے

Marfat.com

شانہ بشانہ حصہ لیا۔جھانسی کی رانی اور حضرت محل نے جانثاری وبہادری کی عظیم داستان رقم کی۔انگریزوں کے گوالیار پر حملہ کے دوران سخت مزاحمت کرتے ہوئے جھانسی کی رانی نے باعزت موت قبول کی۔اودھ کے حکمران واجد علی شاہ کی بیگم حضرت محل نے انگریزوں کے خلاف پرچمِ حریت کو سربلند رکھنے کے لیے محل کی آسائشات چھوڑ کر میدانِ کارزار میں قدم رکھا تو انگریزوں کی ناک میں دم کر دیا۔بیگم حضرت محل کی قیادت میں جنگِ آزادی کے مجاہدوں نے انگریزی افواج کو بہت سے اہم معرکوں میں ہزیمت سے دوچار کیا۔"دشمن سے مقابلہ کرتے ہوئے حضرت محل نیپال کی طرف چلی گئیں۔نیپال میں قیام کے دوران انہوں نے جدوجہد آزادی کے سپاہیوں سے مستقل رابطہ رکھا۔نیپال میں اپنے لائقِ اعتماد ساتھی رانا بینی مادھوسنگھ،مفتاح الدولہ اور اپنے بیٹے برجیس قدر کے ساتھ اپنی بقیہ زندگی گزارتے ہوئے اپریل ۱۸۷۹ء میں وہ موت کی آغوش میں چلی گئیں۔"(۸)

جنگِ آزادی ۱۸۵۷ء میں علماء کا کردار سنہری حروف سے لکھے جانے کے قابل ہے۔علماء نے اپنی زندگیوں کی پرواہ نہ کرتے ہوئے انگریزوں کے خلاف جہاد کے لیے مسلمانوں کو منظم کیا اور ہندوؤں کو بھی سیاسی شعور دیا۔مولوی احمد اللہ شاہ،مولانا فضل حق خیر آبادی،مولانا فیض احمد بدایونی اور دیگر بہت سے علماء نے انگریزوں کے خلاف جدوجہدِ آزادی میں بھرپور حصہ لیا۔مولوی احمد اللہ شاہ نے جدوجہدِ آزادی کو کامیاب بنانے میں اپنی صلاحیتوں کا بھرپور استعمال کیا۔شاہجہان آباد اور لکھنؤ میں انہوں نے قابلِ قدر خدمات انجام دیں۔اُن کی گرفتاری کے لیے انگریزوں نے گراں بہا انعام کا اعلان کر رکھا تھا۔ایک سکھ راجہ بلدیو سنگھ نے ایک سازش کے ذریعے شاہ صاحب کو اپنے ہاں بلایا۔شاہ صاحب اپنے دو ساتھیوں کے ہمراہ ہاتھی پر سوار ہو کر راجہ کی گڑھی میں داخل ہوئے۔"راجہ نے پھاٹک بند کر دیا۔ہاتھی نے دو تین ٹکریں ماریں۔راجہ کے ملازمین نے اوپر سے باڑھ ماردی،ایک گولی شاہ صاحب کے لگی،اور وہ فوراً جاں بحق ہوگئے۔"(۹)

جنگ آزادی کے ایک اور ہیرو علامہ فضلِ حق خیر آبادی تھے۔وہ اپنی علمی قابلیت کی وجہ سے دہلی اور لکھنؤ کی کچہریوں کے سربراہ رہے،لیکن جب انگریزوں کے خلاف جدوجہدِ آزادی شروع ہوئی تو انہوں نے انگریز کی نوکری سے استعفیٰ دیا اور میدانِ عمل میں اتر آئے۔انہوں نے دہلی کے عوام اور شہزادوں کو انگریز کے خلاف منظم کیا۔۱۱ مئی ۱۸۵۷ء کو جب انگریزوں سے دہلی کو آزاد کروالیا گیا تو

Marfat.com

مولانا نے حکومت کا انتظام چلانے کے لیے ایک آئین بھی مرتب کیا۔اُن کی اس جدوجہد سے انگریز بہت پریشان تھے۔جب انگریزوں کا اقتدار دوبارہ مستحکم ہوگیا تو انہوں نے مولانا کو گرفتار کرلیا اور اُن پر مقدمہ قائم کیا۔انگریز عدالت نے انہیں عمر قید کی سزا سنادی۔انگریزوں نے انہیں جزائر انڈیمان میں سزا کاٹنے کے لیے بھیج دیا۔وہیں پر ۱۸۶۱ء کو یہ عظیم مجاہد خالق حقیقی سے جا ملے۔

"It was, therefore, incumbent upon the Muslims to wage a holy war (Jihad) against the British to reconvert the country into Dar-ul-Islam." (10)

"تاہم یہ مسلمانوں پر فرض تھا کہ وہ انگریزوں کے خلاف مقدس جہاد کریں تا کہ ملک کو دوبارہ دارالسلام بنایا جاسکے۔"

۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی مسلم تاریخ کا ایک اہم باب ہے۔وہ برصغیر، جہاں پر مسلمانوں نے صدیوں حکومت کی تھی ،اسی سرزمین پر اب غیر ملکیوں کے غلام بن رہے تھے۔انگریز اقتدار کے خلاف ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں مسلمانوں نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا،اس لیے انگریزوں نے ہندوستان میں اپنی انتقامی کارروائیوں کے لیے مسلمانوں کو نشانہ بنایا۔ہندوستان میں کامیابی کی تمام راہیں مسلمانوں کے لیے مسدود کردی گئیں۔

انگریزوں نے اس جنگ کو بے وقعت بنانے کے لیے اسے فوجی بغاوت اور غدر کا نام دیا،لیکن کیا ایک کارتوس کے مسئلہ پر پھیلنے والی آزادی کی تحریک کو محض بغاوت یا غدر کہا جاسکتا ہے؟ بیرک پور کی چھاؤنی میں کارتوس چلانے سے انکار کے بعد ہندوستان کے تمام طبقات بلاتفریقِ مذہب، غیر ملکی تسلط کے خاتمے کے لیے اُٹھ کھڑے ہوئے ،ان نہتے ہندوستانیوں نے مسلح انگریزی افواج کو کئی محاذوں پر شکست سے دوچار کیا۔انگریزوں سے دہلی چھین لی اور بہادر شاہ ظفر کے اقتدار کو بحال کیا۔حضرت محل اور جھانسی کی رانی جیسی بہادر عورتوں نے انگریزوں کے خلاف ہتھیار اٹھائے اور آخر دم تک لڑیں۔تاریخ کے اس اہم موڑ پر علماء نے علمی جہاد کے ساتھ ساتھ میدانِ کارزار میں بھی مجاہدانہ کارنامے انجام دیئے۔

کارتوس کے استعمال سے انکار تو محض اس جنگِ آزادی کو شروع کرنے کی ایک فوری وجہ بنی،ورنہ انگریز کے خلاف نفرت کے جذبات تو بہت پہلے سے پیدا ہو چکے تھے۔عوامی نفرت کا لاوا تو پہلے

Marfat.com

سے ہی تیار تھا، صرف اسے تحریک ملنے کی ضرورت تھی اور پھر کارتوسوں کے مسئلے نے یہ تحریک بھی فراہم کر دی۔ غیر ملکی تسلّط کے خلاف نفرت کا یہ لاوا، اپنی پوری شدّت کے ساتھ پھٹ پڑا۔

انگریزوں کے خلاف یہ جدوجہد پوری طرح سے کامیاب نہ ہو سکی۔ برِصغیر پر انگریزوں کا اقتدار پوری طاقت سے قائم ہو گیا اور مغل حکومت زوال کی تاریک گھاٹیوں میں گم ہو گئی۔ مغل حکومت کے زوال کے بعد سلطنتِ عثمانیہ بھی زیادہ عرصہ تک قائم نہ رہ سکی۔ جنگِ عظیم اوّل میں سلطنتِ عثمانیہ نے محوری طاقتوں کا ساتھ دیا لیکن شکست سے دوچار ہوئی تو کچھ ہی عرصہ میں اتحادی قوتوں نے اس کا شیرازہ بکھیر دیا۔

حوالہ جات وحواشی

(۱) عاشق حسین بٹالوی، ڈاکٹر، "بہادر شاہ ظفر کا روزنامچہ" سہ ماہی تاریخ ۱۸۵۷ء خاص نمبر، لاہور، ص ۳۹۰

(2) Bahadur Shah, Page 122, S.M.Burke, Sange-e-Meel Publications, LAHORE.

(3) Encyclopedia Britannica, Volume 12, William Benton Publishers.

(۴) ۱۸۵۷ء، مہر، غلام رسول، مولانا، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور، ص ۷۷، طبع دوم، ۱۹۷۱ء

(۵) جنرل نکلسن نے انگریزوں اور سکھوں کی مدد سے دہلی کا محاصرہ کر لیا۔ ۱۴ ستمبر کو کشمیری دروازہ توڑ دیا گیا۔ جنرل نکلسن اس لڑائی میں مارا گیا۔ بہادر شاہ ظفر کو گرفتار کر کے رنگون بھیج دیا گیا۔ جہاں وہ ۱۸۶۲ء کو خالق حقیقی سے جا ملے۔ بہادر شاہ ظفر اردو کے بڑے شاعر تھے۔ تصانیف میں پانچ دیوان ہیں۔ ایک دیوان جنگ آزادی کی نظر ہو گیا۔ ماخوذ از اردو انسائیکلوپیڈیا، فیروز سنز، لاہور۔

(۶) ۱۸۵۷ء، مہر، غلام رسول، مولانا، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور، ص ۲۰، طبع دوم، ۱۹۷۱ء

(۷) مقدمہ جنگِ آزادی ۱۸۵۷ء۔ محمد ایوب قادری، پاک اکیڈمی، کراچی۔

(۸) ارون کمار تری، "جنگ آزادی اور لکھنؤ" سہ ماہی تاریخ ۱۸۵۷ء خاص نمبر،

Marfat.com

لاہور، ص۲۹۴، اکتوبر ۲۰۰۷ء

(۹) جنگِ آزادی ۱۸۵۷ء، محمد ایوب قادری، پاک اکیڈمی، کراچی، ص۲۹۹، جون ۱۹۷۶ء

(۱۰) Bahadur Shah, Page 125, S.M.Burke, Sang-e-Meel Publications, Lahore.

Marfat.com

سلطنتِ عثمانیہ کا زوال ۱۳۴۲ھ / ۱۹۲۴ء

فتحِ قسطنطنیہ نے ترکوں کے سمندِ شوق کے لیے مہمیز کا کام کیا، اور وہ علاقوں پر علاقے فتح کرتے چلے گئے۔ سلطنتِ عثمانیہ 'سلیمان اعظم قانونی کے دور میں اپنے عروج پر پہنچ گئی۔ سلیمان اعظم نے ۱۵۳۲ء میں پہلی بار وی آنا (Veinna) کا محاصرہ کیا لیکن عیسائیوں کے بھرپور دفاع کی وجہ سے ناکام رہا۔ ۱۶۸۳ء میں سلطان محمد رابع کے دور میں ایک بار پھر عثمانیوں نے وی آنا کی طرف پیش قدمی کی اور اس کا محاصرہ کرلیا۔ اس بار بھی آسٹریا اور پولینڈ کی متحدہ افواج نے عثمانیوں کو شکست دی۔ دوسری بار وی آنا کے محاصرہ میں ناکامی کے بعد سلطنتِ عثمانیہ کا زوال شروع ہوگیا۔ ۱۶۹۷ء میں سلطان مصطفیٰ ثانی نے ہنگری پر لشکرکشی کی۔ زنتا کے مقام پر عثمانیوں اور آسٹریاوی فوجوں کے درمیان شدید معرکہ سرگرم ہوا، جس میں ایک بار پھر عثمانیوں کو شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ سلطان مصطفیٰ ثانی نے کارلوویز معاہدہ کے تحت ۱۶۹۹ء میں ہنگری پر آسٹریا کا قبضہ تسلیم کرلیا، یہ عثمانی تاریخ میں پہلی بڑی پسپائی تھی۔ ۱۷۱۸ء میں عثمانیوں نے آسٹریا کے ساتھ معاہدہ پسپاوریز پر دستخط کیے۔ اس کے بعد عثمانی سلطنت اس قدر ضعف کا شکار ہوئی کہ اسے یورپ کا مرد بیمار کہا جانے لگا۔

۱۹۱۴ء میں پہلی جنگِ عظیم کا آغاز ہوا تو سلطنتِ عثمانیہ نے اتحادیوں کے مقابلہ میں محوری طاقتوں کا ساتھ دیا۔ جنگ کے دوران برطانیہ نے عربوں کو عثمانیوں کے خلاف اُکسایا اور بغاوت کو ہوا دی۔ برطانوی سیکرٹ سروس کا ایجنٹ لارنس آف عریبیہ (۱) اپنے سازشی ذہن کے ساتھ عربوں کی صفوں میں شامل ہوگیا۔ شریفِ مکہ حسین بن علی نے ترکوں کے خلاف بغاوت کردی۔ انگریزوں نے اسے لالچ دیا کہ جنگ کے خاتمہ کے بعد اسے متحدہ عرب ریاست کا سربراہ بنا دیا جائے گا۔ اس طرح سلطنتِ عثمانیہ کو اندرونی اور بیرونی دونوں طرح کے خطرات سے نبرد آزما ہونا پڑا۔ جلد ہی اس پر کمزوری کے آثار دکھائی دینے لگے، یورپ کا یہ مرد بیمار زیادہ دیر تک مقابلہ نہ کرسکا اور لڑکھڑا کر گر پڑا۔

اکتوبر ۱۹۱۸ء کے آخر تک حجاز، شام، عراق اور عرب کے تمام علاقے ترکوں کے ہاتھ سے نکل کر

Marfat.com

اتحادیوں کے قبضے میں چلے گئے۔ مصر پر تو ۱۸۸۲ء سے ہی برطانیہ کا اثر و رسوخ قائم تھا۔ آغاز جنگ کے ساتھ ہی برطانیہ نے مصر پر قبضہ کر لیا۔ سلطنتِ عثمانیہ نے ۳۰۔ اکتوبر ۱۹۱۸ء کو معاہدہ منڈروس میں اپنی شکست تسلیم کر لی۔

اتحادیوں نے متحدہ عرب ریاست سے متعلق شریف مکہ سے کئے گئے وعدہ کو زینتِ طاق نسیاں بنا دیا۔ وسیع و عریض ملک شام کو شام، اردن، لبنان اور فلسطین کی الگ الگ ریاستوں میں تقسیم کر دیا گیا۔ شام اور لبنان پر فرانس نے قبضہ کر لیا، اردن اور فلسطین برطانیہ کے حصے میں آئے۔ حجاز کو بظاہر خود مختاری دے کر حسین بن علی کے حوالے کر دیا گیا۔ برطانیہ اپنے مفادات کے لیے حسین اور اس کے خاندان کو استعمال کر رہا تھا۔ برطانیہ نے ۱۹۲۰ء میں اپنے مفادات کی خاطر فرانس کو دھوکہ دے کر شام میں ایک عرب ریاست قائم کر دی اور حسین بن علی کے بیٹے امیر فیصل کو اس کا حکمران بنا دیا لیکن چند ماہ بعد ہی فرانس نے فوجی طاقت کے ذریعے شام پر قبضہ کر لیا اور امیر فیصل کو شام سے نکال دیا۔

عرب علاقوں پر اقتدار قائم کرنے کے بعد اتحادیوں نے ترکوں سے ایشیائے کوچک بھی چھین لینے کے لیے خفیہ منصوبہ بندی شروع کی اور ترکوں کے تاریخی دشمن یونانیوں کو ترک علاقے سمرنا پر قبضہ کی اجازت دے دی۔ یونانی افواج نے ۱۵ مئی ۱۹۱۹ء کو سمرنا پر قبضہ کر لیا۔ سمرنا پر یونانیوں کے قبضہ نے شکست خوردہ ترکوں کو ہلا کر رکھ دیا۔ ترک فوج کے کچھ جرنیلوں نے مصطفیٰ کمال پاشا کی رہنمائی میں اتحادیوں اور یونانیوں کے خلاف بھرپور مزاحمت کا عزم کیا۔ کمزور اور مضمحل ترک اپنے دشمنوں کے خلاف سیسہ پلائی ہوئی دیوار ثابت ہوئے۔ عثمانی خلیفہ وحیدالدین محض اپنے اقتدار کی خاطر اتحادیوں کا آلہ کار بن گیا۔ اس نے مصطفیٰ کمال اور اس کے ساتھیوں کا راستہ روکنے کی ہر ممکن کوشش کی، لیکن ۱۹۱۹ء میں ہونے والے انتخابات میں مصطفیٰ کمال اور اس کے ساتھی بھاری اکثریت میں کامیاب ہوئے۔ خلیفہ وحیدالدین نے نئی پارلیمنٹ کا اجلاس استنبول میں منعقد کیا۔ مصطفیٰ کمال کو اس پر تحفظات تھے لیکن اس کے ساتھی ۲۰ جنوری ۱۹۲۰ء کو ہونے والے اس اجلاس میں شریک ہوئے۔ اتحادیوں نے جب یہ دیکھا کہ منتخب قومی نمائندے اُن کے مفادات کی راہ میں بڑی رکاوٹ ثابت ہو رہے ہیں تو اتحادی افواج نے استنبول پر قبضہ کر لیا اور شہر کے تمام انتظامات سنبھال لیے۔ کچھ قومی نمائندے استنبول سے بھاگ کر مصطفیٰ کمال کے پاس انقرہ پہنچ گئے۔ مصطفیٰ کمال نے انقرہ میں گرینڈ نیشنل اسمبلی کا اجلاس

Marfat.com

منعقد کیا۔ اسمبلی نے ایک متفقہ قرارداد کے ذریعے خود کو ترکی کی حکومت قرار دیا اور ساتھ ہی یہ اعلان کیا کہ سلطان کی حکومت اس روز سے ہی معزول کر دی گئی ہے جس روز برطانیہ نے استنبول شہر کا انتظام سنبھالا تھا۔

اتحادیوں نے اگست ۱۹۲۰ء میں معاہدہ سیورے کے ذریعے ترکوں کی آزادی اور خودمختاری سلب کرنے کی کوشش کی اور ساتھ ہی یونانیوں کو مزید ترک علاقوں پر قبضہ کرنے کی کھلی چھٹی دے دی۔ ۱۹۲۰ء میں یونانی افواج نے سمرنا سے انقرہ کی طرف پیش قدمی کی۔ یہ بہت نازک لمحات تھے، اگر یونانی انقرہ پر قبضہ کرنے میں کامیاب ہو جاتے تو ترکوں کے لیے بڑی بدقسمتی کی بات ہوتی۔ مصطفیٰ کمال نے ترک فوج میں ایک نیا جوش وولولہ پیدا کر دیا۔ ترک فوج نے دریائے سقاریہ کے قریب ہی یونانیوں کا راستہ روک لیا۔ کئی دن تک دونوں فوجوں میں شدید لڑائی جاری رہی، بالآخر ترکوں نے یونانیوں کا رخ موڑ دیا۔ اب ترکوں کے حوصلے بلند ہو گئے، وہ مسلسل آگے بڑھتے رہے، انہوں نے بہت سا علاقہ اتحادیوں کے قبضہ سے آزاد کروا لیا۔

"دریائے سقاریہ کی جنگ دلیری اور شجاعت کے ساتھ جیتی گئی۔ اگرچہ یہ آخری فتح نہیں تھی لیکن اسے حالیہ تاریخ کی فیصلہ کن لڑائیوں میں شمار کیا جاتا ہے۔ اس نے طوفان کا رخ بدل دیا۔ بہر حال یہ مشرق ومغرب کے درمیان گذشتہ دو ہزار سال کے دوران ہونے والی بڑی معرکہ آرائیوں میں سے ایک تھی۔ جس نے ایشیائے کوچک کی سرزمین کا ایک ایک انچ انسانی خون سے سرخ کر دیا۔" (۲)

ترکوں کی ان کامیابیوں نے اتحادیوں کے عزائم خاک میں ملا دیے۔ اتحادیوں نے استنبول پر ترکوں کا حق تسلیم کر لیا۔ ۱۹۲۳ء میں معاہدہ لوازن (۳) پر دستخط ہوئے، جس میں اتحادیوں نے ترکوں کی آزادی وخودمختاری کو تسلیم کر لیا۔ اگرچہ سلطنتِ عثمانیہ تباہ ہو چکی تھی اور اس کے تمام عرب علاقے اس سے چھن گئے تھے، لیکن ترکوں نے ایشیائے کوچک کو آزاد کروا لیا۔ یہ ترکوں کی بڑی کامیابی تھی۔

۱۹۲۳ء میں ترک جمہوریہ کے قیام کا اعلان ہوا۔ مصطفیٰ کمال کو صدر اور عصمت انونو کو پہلا وزیر اعظم منتخب کر لیا گیا۔ استنبول کی بجائے انقرہ کو ترک جمہوریہ کا دارالحکومت قرار دیا گیا۔ جب ترک اپنی آزادی کی جنگ لڑ رہے تھے، خلیفہ وحیدالدین اتحادیوں کی شطرنج کا مہرہ بنا ہوا تھا۔ اس نے تحریک

Marfat.com

آزادی کو بہت نقصان پہنچایا تھا، اس لیے اس کے خلاف عوامی نفرت کے جذبات موجود تھے۔ ترک جمہوریہ کی قومی حکومت نے خلیفہ وحید الدّین کو خلافت کے عہدے سے ہٹا کر عبدالمجید آفندی کو خلیفہ بنا دیا۔ مصطفیٰ کمال پاشا سیکولر خیالات رکھتا تھا، اس نے ترکی کو جدید ریاست بنانے کے لیے بہت سے اقدامات کیے۔ ۳ مارچ ۱۹۲۴ء کو ایک اعلان کے ذریعے عثمانی خلافت کے خاتمے کا اعلان کر دیا گیا۔

"But a modern national state and a Turkish nation could not be established as long as the traditional theocratic foundations remained intact and their symbol, the caliph maintained his position. The latter, still supported by a large group of loyal followers, could have easily regained his traditional powers and rendered meaningless the idea of a modern republic. The issue, therefore, appeared in need of speedy solution, if the progress achieved so far was to be preserved. Consequently, after a preliminary preparation, the Caliphate was abolished on 3 March 1924, and the incumbant Abd ul-Mejid sent into exile."(4)

"لیکن ایک جدید قومی ریاست اور ترک قوم اس وقت تک وجود میں نہیں آ سکتی تھی، جب تک روائتی ملائیت کی بنیادیں جوں کی توں رہتیں اور ان کی علامت خلیفہ اپنی مسند پر برقرار رہتا۔ خلیفہ کو ابھی تک وفادار ساتھیوں کے ایک گروہ کی حمایت حاصل تھی جن کی مدد سے وہ با آسانی اپنا روایتی اقتدار دوبارہ حاصل کر سکتا تھا اور جدید جمہوریہ کے تصور کو بے معنی بنا سکتا تھا۔ اگر اب تک حاصل ہونے والی کامیابی کو بچانا مقصود تھا تو یہ امر فوری حل کا متقاضی تھا۔ بالآخر ابتدائی تیاریوں کے بعد ۳۔ مارچ ۱۹۲۴ء کو خلافت کو ختم کر دیا گیا اور خلیفہ عبدالمجید کو جلاوطن کر دیا گیا۔"

مصطفیٰ کمال کے اس فیصلے کو عالم اسلام میں پسندیدگی کی نظر سے نہ دیکھا گیا۔ شریف مکہ حسین بن علی نے خلافت کے ادارے سے مسلمانوں کی قلبی وابستگی کو دیکھتے ہوئے خود خلیفہ ہونے کا اعلان کر دیا۔ اس کے سیاسی حریف والیٔ نجد عبدالعزیز آل سعود نے اس اعلان کی بھرپور مخالفت کی اور عرب دنیا کو

Marfat.com

اس کے خلاف بھڑکایا۔

"مارچ ۱۹۲۴ء میں حسین بن علی والئی حجاز سے یہ مہلک غلطی سرزد ہوئی کہ اس نے خلیفہ اسلام ہونے کا اعلان کر دیا۔ ابن سعود نے اس کا مضحکہ اڑایا اور اپنے ہاں کے جنگی لیڈروں اور عالموں کا ایک بہت بڑا اجتماع ریاض میں منعقد کیا۔" (۵)

عبدالعزیز اور حسین بن علی کے درمیان کافی عرصہ سے اقتدار کے لیے رسہ کشی جاری تھی۔ عبدالعزیز نے ۱۹۰۲ء میں رشیدیوں کو شکست دے کر ریاض پر قبضہ کر لیا تھا۔ عبدالعزیز اپنے وہابی عقائد و نظریات کو پورے جزیرہ نمائے عرب میں پھیلانے کے لیے سیاسی اقتدار حاصل کرنے کی مسلسل کوشش کر رہا تھا۔ حسین بن علی نے جنگ میں ترکوں کے خلاف انگریزوں کا ساتھ دیا تھا، جس کی وجہ سے اسے شدید عوامی نفرت کا سامنا تھا۔ کچھ عرصہ اقتدار کے نشہ میں سرشار رہنے کے بعد اب وہ انگریزوں کا اعتماد بھی کھو چکا تھا۔ اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے عبدالعزیز آل سعود نے حسین بن علی کے خلاف لشکر کشی کی۔ حسین مقابلہ نہ کر سکا۔ دسمبر ۱۹۲۴ء میں وہابی افواج مکہ میں داخل ہو گئیں۔ اگلے سال جدہ بھی فتح ہو گیا۔ عبدالعزیز نے ۱۹۳۲ء کو المملکة العربية السعودية (٦) قائم کر دی۔

"حجاز کے رؤسا اور شیوخ نے ۸ جنوری ۱۹۲۶ء کو ابنِ سعود کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ اس طرح حجاز سے ہاشمی حکومت ہمیشہ کے لیے ختم ہو گئی اور ابنِ سعود کو حجاز، نجد اور وہاں کے ملحقہ علاقوں کا بادشاہ تسلیم کر لیا گیا۔ ۱۹۳۲ء میں نظامِ حکومت استوار ہو گیا اور ابن سعود نے ایک آرڈیننس جاری کیا، جس کی رو سے حکومت حجاز کا نام مملکت عربیہ سعودیہ رکھا گیا۔" (۷)

برطانیہ اور فرانس نے سلطنتِ عثمانیہ کو شکست دینے کے لیے عربوں کو استعمال کیا اور پھر عرب سرزمین کو بھی تقسیم کر کے اپنے مذموم مقاصد کی تکمیل چاہی۔ انگریزوں نے عرب علاقوں میں ترکوں کے خلاف نفرت اور تعصب پیدا کرنے کے لیے گہری چال چلی۔ لارنس آف عریبیہ نے ایک عرب عالم کے بھیس میں عرب علاقوں میں خاصا اثر و رسوخ حاصل کر لیا۔ اس نے عربوں کو ترکوں کے خلاف اکسایا اور بغاوت کی آگ بھڑکا دی۔ اس نے اپنی سازشوں سے مشرقِ وسطیٰ میں برطانوی مفادات کے لیے کام کرتے ہوئے مسلمانوں کو ناقابل تلافی نقصان پہنچایا۔

لارنس کی سازشیں کبھی کامیاب نہ ہوتیں اگر شریف مکہ حسین بن علی انگریزوں کے دیے گئے لالچ

Marfat.com

میں آ کر سلطنتِ عثمانیہ کے خلاف بغاوت نہ کرتا۔عربوں کی بغاوت نہ صرف سلطنت عثمانیہ کے زوال کا باعث بنی بلکہ خطۂ عرب بھی چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں تقسیم ہوگیا۔انگریزوں نے حسین بن علی اور عبدالعزیز آل سعود کی سیاسی کشمکش کی حمایت کی اور جب دیکھا کہ حسین بن علی کا سیاسی اقتدار ختم ہو رہا ہے تو انہوں نے ہوا کا رخ بدلتے دیکھ کر عبدالعزیز کے ساتھ تعلقات استوار کر لیے۔

"In the light of the foregoing events, the years 1918-20 seems to have been crucial in the modern history of the Arabs. The ushered in the first phase of Arab struggle with the West for political independence. Arab nationalism reached its formative age, became more militant, more anti-western and anti-imperialist. It lived almost exclusively on deepseated suspicion, resentment and hostility toward Anglo-French domination in Arab lands, and towards the establishment of the Jewish National Home in Palestine."(8)

" گزرتے حالات کی روشنی میں ۱۹۱۸ء سے ۱۹۲۰ء کے سال عربوں کی جدید تاریخ میں فیصلہ کن دکھائی دیتے ہیں۔یہ سال مغرب کے خلاف عربوں کی سیاسی آزادی کے حصول کے لیے کی گئی جدوجہد کے ابتدائی نقیب تھے۔عرب قومیت اپنے تشکیلی دور تک پہنچ گئی اور پہلے سے زیادہ عسکری اور پہلے سے زیادہ مغرب اور سامراج مخالف ہوگئی۔یہ شک، ناراضی اور دشمنی خاص طور پر اس بات پر اور بھی گہری ہوگئی کہ انگریز اور فرانسیسی عربوں کی زمینوں پر قابض تھے اور فلسطین میں یہودیوں کا قومی وطن قائم کرنا چاہتے تھے۔"

متحدہ عرب ریاست کی بجائے چھوٹے چھوٹے عرب ممالک کو وجود میں لانے کا مقصد یہ تھا کہ انگریز خطہ فلسطین میں یہودیوں کی الگ ریاست قائم کرنا چاہتے تھے۔متحدہ عرب ریاست کی موجودگی میں آسانی سے یہ ممکن نہ تھا کہ سامراجی قوتیں فلسطینی مسلمانوں سے اُن کی سرزمین چھین کر یہودیوں کے حوالے کر دیتیں۔۱۹۱۷ء میں اعلانِ بالفور (Balfour Declaration) کے بعد امریکہ اور برطانیہ کی اشیر باد سے پوری دنیا سے یہودی خطہء فلسطین میں آباد ہونے لگے۔دوسری جنگ عظیم کے بعد عربوں کی کمزوری سے فائدہ اٹھا کر ۱۹۴۸ء میں یہودیوں کی نظریاتی ریاست "اسرائیل" قائم کر دی

Marfat.com

گئی۔ اسرائیل کے قیام سے ایک سال پہلے مسلمانان برصغیر بھی سرزمین ہند پر ایک اسلامی نظریاتی ریاست قائم کرنے میں کامیاب ہو چکے تھے۔

حوالہ جات وحواشی

(۱) کرنل لارنس شام اور عراق میں آثار قدیمہ کی کھدائی کی مہمات میں شریک ہوا۔ پہلی جنگ عظیم میں عربوں کا بھیس بدل کر عربوں کو ترکوں کے خلاف بغاوت کے لیے ابھارتا رہا۔ جنگ کے بعد شاہی ہوائی بیڑے میں ملازمت اختیار کر لی۔ مشہور تصنیف "دانائی کے سات ستون" ہیں۔ ماخوذ از اردو انسائیکلو پیڈیا، فیروز سنز، لاہور۔

(۲) تاریخ عالم پر ایک نظر، نہرو، جواہر لال، مترجم طاہر منصور فاروقی تخلیقات، لاہور، ج ۳، ص ۱۱۹، ۲۰۰۱ء۔

(۳) ۱۹۱۹ء کے معاہدہ سیورے کی رو سے سمرنا کا علاقہ یونانیوں کے حوالے کر دیا گیا، لیکن ترک افواج نے مصطفیٰ کمال پاشا کی قیادت میں یونانیوں کو ایشیائے کوچک سے نکال باہر کیا۔ ۱۹۲۳ء کے معاہدہ لوازن کی رو سے مشرقی تھریس مع ایڈریانوپل ترکی کو، عراق برطانیہ کو، شام فرانس کو مل گیا اور فلسطین برطانیہ کی تولیت میں دے دیا گیا۔ اس کے علاوہ عرب علاقوں کے بارے میں ترکی اپنے دعووں سے دستبردار ہو گیا۔ اردو انسائیکلو پیڈیا، فیروز سنز، لاہور۔

(۴) The Cambridge History of Islam, Page 533, Cambridge University Press.

(۵) عرب اور اہل عرب، رچرڈ ایچ سنگر، مکتبہ معین الادب، لاہور، ص ۵۶

(۶) سعودی عرب کی جدید تاریخ کا آغاز اٹھارویں صدی سے ہوتا ہے۔ ۱۷۴۷ء میں محمد بن عبدالوہاب نے جزیرہ نما عرب کے بیشتر حصے پر قبضہ کر کے نجد میں اپنی حکومت قائم کر لی۔ ترک گورنر محمد علی نے ۱۸۱۱ء میں نجد میں وہابیوں کا اقتدار ختم کر دیا۔ رشید خاندان نے خاندانِ سعود کو جزیرہ نما عرب سے ہی باہر دھکیل دیا۔ ۱۹۰۲ء میں عبدالعزیز ابنِ سعود نے ریاض فتح کر لیا۔ ۱۹۲۴ء میں شریف مکہ حسین بن علی نے حجاز میں اپنی خلافت کا اعلان کر دیا۔ ابن سعود نے شریف مکہ کے خلاف اعلان جنگ کر دیا

Marfat.com

۔اس طرح حجاز بھی خاندان سعود کے زیر کنٹرول آ گیا۔۱۹۳۲ میں ابن سعود نے نجد، الحصا اور حجاز پر مشتمل سلطنت سعودی عرب کی بنیاد رکھی ۔ ماخوز از اردو انسائیکلوپیڈیا، فیروز سنز، لاہور۔

(۷) آزاد جنوبی یمن اور آج کے عرب ممالک، محمد حسن الاعظمی، الازہر لمیٹڈ، کراچی، ص۴۸۲، مارچ ۱۹۶۹ء

(۸) The Cambridge History of Islam, Page 574, Cambridge University Press.

Marfat.com

اسلامی نظریاتی ریاست کا قیام ۱۳۶۶ھ/۱۹۴۷ء

جنگِ آزادی ۱۸۵۷ء کی بھڑکتی آگ اب سرد پڑ گئی تھی۔ انگریز اپنی عسکری قوت، ہندوستانیوں کی نااتفاقی اور باہمی تعاون کے فقدان سے فائدہ اٹھا کر ہندوستان پر قابض ہوئے۔ ہندوستان کی زمامِ اقتدار ایسٹ انڈیا کمپنی کی بجائے براہِ راست حکومتِ برطانیہ نے اپنے ہاتھ میں لے لی۔ اگر چہ اس جدو جہدِ آزادی میں مسلمانوں اور ہندوؤں نے مل کر حصہ لیا تھا لیکن ناکامی کے بعد ہندوؤں نے اپنا اندازِ فکر تبدیل کرتے ہوئے انگریزوں کی ہمدردیاں حاصل کرلیں اور انگریزوں کی امداد و تعاون سے ہر میدان میں اپنی پوزیشن مستحکم کرلی، لیکن مسلمان انگریزوں کی نظروں میں معتوب ٹھہرے۔

انگریزوں نے جنگِ آزادی کو غدّاری اور بغاوت کا نام دیتے ہوئے مسلمانوں کو اس کا ذمہ دار ٹھہرایا اور ہر قسم کی سماجی، تعلیمی اور معاشی ترقی کے دروازے اُن پر بند کردیئے۔ مسلمانوں نے بھی اپنے شاندار ماضی کو سامنے رکھتے ہوئے انگریزوں کے سامنے جھکنے سے انکار کردیا۔ وہ انگریزی تعلیم، انگریزی لباس، انگریزی ثقافت، حتیٰ کہ انگریزی ملازمت سے بھی نفرت کرنے لگے۔

اس نازک موقع پر سرسید احمد خان نے مسلمانانِ برِصغیر کی فکری تبدیلی کیلئے جدو جہد کا آغاز کیا۔ انہوں نے علی گڑھ کو مرکز بنا کر مسلمانوں کی تعلیمی پسماندگی دور کرنے کے لیے جامع حکمتِ عملی ترتیب دی۔ مختلف علاقوں میں تعلیمی مراکز قائم کیے، سائنٹفک سوسائٹی کی بنیاد رکھی، مختلف کتب اور رسائل کی اشاعت کا اہتمام کیا۔ مسلمانوں کے سیاسی شعور کو جلا بخشنے کے لیے محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس قائم کی۔ سرسیّد کی ان کاوشوں کے نتیجے میں مسلمانانِ ہند کو اپنے سیاسی شعور کی پختگی میں خاصی مدد ملی۔

۱۸۸۵ میں ایک انگریز اے۔ او ہیوم نے انڈین نیشنل کانگرس کی بنیاد رکھی، اس طرح ہندوستانیوں کو ایک سیاسی پلیٹ فارم میسر آ گیا۔ مسلمان بھی کانگرس میں شامل ہونے لگے، لیکن ہندوؤں نے ہر موڑ پر مسلمانوں کے بارے میں تعصب کا مظاہرہ کیا جس سے جلد ہی یہ حقیقت عیاں ہوگئی کہ کانگرس صرف ہندوؤں ہی کی نمائندہ جماعت ہے اور ہندو کبھی بھی مسلمانوں کا مفاد برداشت نہیں کر سکتے۔

Marfat.com

اردو، ہندی جھگڑا ہو یا تقسیم بنگال، ہندوؤں کا تعصب کھل کر سامنے آ گیا۔ مسلمانوں کو اس بات کا شدّت سے احساس ہونے لگا کہ انہیں کانگرس سے ہٹ کر اپنی الگ سیاسی جماعت تشکیل دینی چاہیے۔ محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کے ایک اجلاس میں اس احساس کو عملی جامہ پہناتے ہوئے ۳۱۔دسمبر ۱۹۰۶ء کو آل انڈیا مسلم لیگ کی بنیاد رکھی گئی۔

ہندوؤں کے متعصّبانہ روّیہ کی وجہ سے مسلمانانِ ہند نے اپنے الگ قومی تشخص کی شناخت کے لیے جداگانہ انتخاب کا حق مانگا۔ کانگرس کے پلیٹ فارم سے اس کی شدید مخالفت کی گئی، لیکن ۱۹۰۹ء کی منٹو مارلے اصلاحات میں مسلمانوں کا یہ مطالبہ تسلیم کر لیا گیا۔ مسلمانانِ برّصغیر نے ہمیشہ ہندوستان سے باہر مسلم اُمّہ کے ساتھ اپنا قلبی تعلق قائم رکھا۔ اُن کے جذبات و احساسات، مسلمانوں کے اجتماعی مفاد سے وابستہ رہے۔ اُن کی عقیدتوں اور محبتوں کا مرکز سرزمینِ ہند کی بجائے سرزمینِ حجاز رہی۔ برّصغیر سے باہر جب بھی مسلم اُمّہ پر مشکل وقت آیا تو مسلمانانِ ہند نے اسلامی وحدت کا ثبوت دیا۔ جنگِ طرابلس (۱۹۱۱ء) ہو یا جنگِ بلقان (۱۳-۱۹۱۲ء) یا خلافتِ عثمانیہ کی بقاء کو درپیش خطرات، مسلمانانِ ہند کی آواز اپنے مسلمان بھائیوں کے ساتھ بلند ہوتی رہی۔

ہندوؤں نے برّصغیر کے مسلمانوں کے بارے میں ہمیشہ یہ نظریہ رکھا کہ یہ باہر سے ہندوستان میں آ کر قبضہ کرنے والے لوگ ہیں۔ یہ تو ہندوستان کے باشندے ہی نہیں، اس لیے مسلمان کبھی محبِ وطن ہندوستانی نہیں ہو سکتے۔ برّصغیر میں مسلم حکومتوں میں اگرچہ ہندو اعلیٰ مناصب پر فائز رہے، لیکن کبھی بھی مسلم حکمرانوں کے وفادار نہ رہے۔ بنکھم چندر چیٹر جی کا ناول "آنند مٹھ" اسی تعصب کو پیش کرتا ہے جس میں شامل ترانہ ''بندے ماترم'' مسلم حکومتوں کے بارے میں ہندوؤں کے جذبات کی بھرپور عکاسی کرتا ہے جس میں مسلمانوں کے خلاف جی بھر کر زہر اُگلا گیا ہے۔

مسلمان ہزاروں سال تک ہندوستان میں رہنے کے باوجود ہندوؤں کے ساتھ مل کر ایک قوم نہ بن سکے۔ اُن کا مذہب، معاشرت، لباس، زبان، ثقافت اور نظریات ہندوؤں سے مختلف رہے۔ مسلمانوں نے ہمیشہ اپنی الگ شناخت قائم رکھی۔ الگ مسلم شناخت کے احساس کی وجہ سے ہی مسلمانوں نے جداگانہ انتخاب کے حق کے حصول کیلئے جدوجہد کی اور کامیاب ہوئے۔ آل انڈیا مسلم لیگ ابھی تک ایک غیر مؤثر تنظیم تھی۔ جس کی ایک وجہ تو یہ تھی کہ یہ آل انڈیا کانگرس سے ۲۱ سال بعد وجود

Marfat.com

میں آئی اور دوسرا اسے انگریز حکمرانوں کی بالکل بھی حمایت حاصل نہ تھی۔ ۱۹۱۳ء میں محمد علی جناح کی صورت میں ایک ایسی شخصیت مسلم لیگ میں شامل ہوئی، جس نے چند سالوں میں نہ صرف مسلم لیگ کو کانگرس کے مقابلے میں لا کھڑا کیا، بلکہ برصغیر میں اسلامی نظریاتی ریاست کے قیام میں بھی انتہائی اہم کردار ادا کیا۔

''جب ۱۹۱۳ء کے سالانہ اجلاس لکھنؤ میں مسلم لیگ نے اپنے اساسی دستور میں یہ مطالبہ شامل کر لیا کہ وہ ہندوستان کیلئے مناسب خود مختاری کے حصول کی کوشش کرے گی، تو محمد علی جناح نے مسلم لیگ میں باقاعدہ شمولیت اختیار کر لی۔"(۱)

محمد علی جناح مسلم لیگ میں شامل ہونے سے پہلے کانگرس کے رکن تھے۔ دونوں جماعتوں میں شامل رہ کر انہوں نے ہندو مسلم اتحاد کیلئے کوششیں شروع کیں کیونکہ آپ انگریزوں سے حقوق حاصل کرنے کے لیے ہندو مسلم مشترکہ جدوجہد کے خواہشمند تھے۔ آپ کی انہی کوششوں کی وجہ سے مسز سروجنی نائیڈو نے آپ کو "ہندو مسلم اتحاد کا سفیر" کا لقب دیا۔ محمد علی جناح کی مساعیٔ سنجیدہ کے نتیجے میں ۱۹۱۶ء میں میثاقِ لکھنؤ طے پایا، جس میں کانگریس نے مسلمانانِ ہند کے لیے جداگانہ انتخاب کا مطالبہ تسلیم کر لیا۔ یہ مسلمانوں کی ایک بڑی سیاسی کامیابی تھی۔ میثاقِ لکھنؤ ہندو مسلم اتحاد کیلئے ایک اہم پیش رفت تھی۔

"His services in the cause of Hindu-Muslim unity and his efforts to bring the Congress and the League together were much appreciated all over the country among all sections of the people." (2)

"ہندو مسلم اتحاد اور کانگرس اور مسلم لیگ کو اکٹھا کرنے کی غرض سے آپ کی، کی گئی کوششوں کو ملک کے تمام طبقہ ہائے فکر کے لوگوں نے سراہا۔"

۱۹۱۴ء میں پہلی جنگِ عظیم کا آغاز ہو چکا تھا۔ مسلمانانِ ہند کیلئے بھی یہ جنگ خصوصی اہمیت رکھتی تھی کیونکہ ترکی کی خلافتِ عثمانیہ اس جنگ میں انگریزوں کے خلاف جرمنوں کا ساتھ دے رہی تھی۔ مسلمانانِ ہند خود انگریزوں کے زیرِ تسلط 'دورِ غلامی' سے گزر رہے تھے، لیکن اُن کے قلبی جذبات ترکوں کے ساتھ تھے۔ مسلمانوں کے جذبات اور بے چینی کو دیکھتے ہوئے انگریزوں نے انہیں اس بات کا یقین دلایا کہ

Marfat.com

جنگ کے خاتمہ کے بعد مسلمانوں کے مقدس مقامات کی حفاظت کی جائیگی اور خلافت کے ادارہ کو کوئی نقصان نہیں پہنچایا جائیگا۔لیکن جنگ میں کامیابی کے بعد انگریزوں نے اپنے وعدوں کو پس پشت ڈال دیا۔انہوں نے ترکی کے بہت سے علاقوں پر قبضہ کرنے کے بعد ترک مسلمانوں کا بڑے پیمانے پر قتلِ عام کیا تو مسلمانانِ ہند اپنے ترک بھائیوں کے مصائب و آلام دیکھ کر تڑپ اُٹھے۔انہوں نے خلافتِ عثمانیہ کے تحفظ کیلئے ہندوستان میں تحریکِ خلافت کا آغاز کردیا۔

علی برادران نے اس تحریک کی قیادت کرتے ہوئے مسلمانانِ ہند کی رہنمائی کا بیڑا اُٹھایا۔موہن داس کرم چند گاندھی جو کہ جنوبی افریقہ میں کامیاب آئینی جدوجہد کے بعد ۱۹۱۴ء میں ہندوستان آئے تھے۔ابھی تک ہندوستان کی سیاست میں کوئی خاص مقام حاصل نہیں کر پائے تھے۔گاندھی کو ہندوستانی سیاست میں مقبولیت حاصل کرنے کیلئے کسی عوامی تحریک کی ضرورت تھی جو انہیں تحریکِ خلافت کی شکل میں مل گئی۔انہوں نے فوراً علی برادران کا ساتھ دینے کے لئے خود کو اس تحریک سے وابستہ کرلیا۔

مسٹر گاندھی نے ہندوؤں کو مسلمانوں کا ساتھ دینے پر اُبھارا،اس طرح اس تحریک کے دوران ایک بار پھر ہندو مسلم اتحاد کا عظیم مظاہرہ دیکھنے میں آیا۔مسٹر گاندھی نے انگریزوں پر دباؤ ڈالنے کے لئے "ترکِ موالات" کی تجویز پیش کی۔اس طرح تحریکِ خلافت "تحریکِ ترک موالات" میں بدل گئی۔ہندوؤں اور مسلمانوں نے سرکاری خطابات واپس کرتے ہوئے،انگریزوں سے عدمِ تعاون کا راستہ اختیار کیا۔اگرچہ مسٹر گاندھی یہ سب کچھ بظاہر مسلمانوں کے لئے کر رہے تھے،لیکن درحقیقت وہ اپنے آپ کو ہندوستانی سیاست کا ایک بڑا لیڈر ثابت کرنا چاہتے تھے۔مسلمان بھی اپنی سادہ لوحی کی وجہ سے اُن کے دامِ فریب کا شکار ہوگئے،مسلمانوں نے عیدالاضحیٰ پر گائے کی قربانی موقوف کردی اور گاندھی جی سے مسجدِ دہلی میں خطاب کرایا۔(۳)

اگرچہ ہندوستان کی سیاست میں ہندو مسلم اتحاد کی وجہ سے عوام میں خاصا سیاسی شعور پیدا ہو چکا تھا لیکن بہت سے مخلص مسلم قائدین تحریکِ ترکِ موالات اور ہندو مسلم اتحاد کو مسلمانوں کے اجتماعی مفاد اور الگ مسلم قومیّت کیلئے ایک بڑا خطرہ سمجھ رہے تھے۔خود قائداعظم محمد علی جناح اور علامہ اقبال نے اپنے آپکو اس تحریک سے الگ رکھا،کیونکہ وہ اس تحریک کے ذریعے مسٹر گاندھی کے مقاصد سے خوب آگاہ تھے۔ہندوستانی مسلمانوں کی ایک اور اہم شخصیت مولانا احمد رضا بریلوی تھے،جنہوں نے اس

Marfat.com

موقع پر ہندو مسلم اتحاد کی سخت مخالفت کرتے ہوئے اپنے قلمی جہاد سے مسلمانوں کو خبردار کیا۔

"اس دور میں سب سے پہلے امام احمد رضا بریلوی نے بستر علالت سے "المحجتہ المؤتمنہ" کتاب لکھ کر ہندو مسلم اتحاد کی کوششوں پر کاری ضرب لگائی اور قوم مسلم میں نئی روح پھونک دی۔ یہ کتاب تحریکِ پاکستان کی خشتِ اوّل کی حیثیت رکھتی ہے۔"(۴)

دیدۂ بینا رکھنے والے ان اکابرین کے خدشات اس وقت بالکل درست ثابت ہوئے جب مسٹر گاندھی نے اچانک چوری چورا میں تشدد کے واقعہ کو بنیاد بناتے ہوئے ۴ فروری ۱۹۲۲ء کو تحریک کے خاتمے کا اعلان کر دیا۔ اس سلسلہ میں انہوں نے مسلمانوں سے کسی قسم کا مشورہ کرنا بھی مناسب نہ سمجھا، حالانکہ اس تحریک سے مسلمانوں کے قلبی جذبات وابستہ تھے، لیکن گاندھی اپنا مقصد حاصل کر چکے تھے۔ تحریکِ خلافت کی بدولت انہیں ہندوستانی سیاست میں وہ مقام مل چکا تھا جس کی خاطر انہوں نے مسلمانوں کا ساتھ دیا تھا۔ اس تحریک کے مقاصد تو پورے نہ ہو سکے تاہم مسلمانوں میں الگ مسلم قومیت کے جذبہ کو مزید پختگی ضرور حاصل ہوگئی اور مسلمانوں میں گہرا سیاسی شعور بھی پیدا ہوا۔ تحریکِ خلافت کے نتائج پر تبصرہ کرتے ہوئے ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی لکھتے ہیں۔

"It produced a broad based leadership and tought the techniques of organizing a mass movement to the muslims. These proved great asserts in the struggle for Pakistan."(5)

"اس نے وسیع النظر قیادت مہیا کی اور مسلمانوں کو بہت بڑی تحریک کو منظم کرنے کے اسلوب سکھائے اور یہ جدوجہد پاکستان کے قیام کی کوششوں میں ایک اہم پیش رفت ثابت ہوئی۔"

میثاقِ لکھنؤ کے ذریعے جس ہندو مسلم اتحاد کی بنیاد پڑی تھی، تحریکِ خلافت کے دوران اس میں مزید استحکام بھی آیا، لیکن اس تحریک کے خاتمہ کے فوراً بعد متحدہ قومیت کے غبارے سے ہوا نکل گئی۔ مسلمانوں اور ہندوؤں میں اختلافات کی خلیج وسیع ہونے لگی۔ ہندوؤں نے مسلمانوں کے خلاف منظم اور متشدد تنظیم سازی کی۔ سوامی شردھانند کی تنظیم "شدھی" کا مقصد مسلمانوں کو زبردستی ہندو بنانا تھا۔ ہندوؤں نے "سنگھٹن" کی تنظیم بنا کر مسلمانوں کے خلاف ہتھیاروں کے استعمال کی تربیت حاصل کرنا شروع کر دی۔ ہندوؤں کی ان فرقہ وارانہ سرگرمیوں کی وجہ سے ہندو مسلم فسادات ہوئے، جس میں

Marfat.com

ہندوؤں نے اپنی اکثریت کی بناء پر مسلمانوں کا اجتماعی قتلِ عام کیا۔

کانگرس، میثاقِ لکھنؤ میں مسلمانوں کیلئے جداگانہ انتخاب کا حق منظور کر چکی تھی، لیکن اب کانگرسی لیڈر اپنی ہندو اکثریت کے بل بوتے پر مسلمانوں کو اپنے ماتحت رکھنے کیلئے اس جداگانہ انتخاب کے حق کو مسلمانوں سے چھین لینا چاہتے تھے۔ ۱۹۲۸ء میں جب نہرو رپورٹ پیش کی گئی تو اس میں جداگانہ انتخاب کی بجائے مخلوط طرزِ انتخاب کو لاگو کرنے کی سفارش کی گئی۔ نہرو رپورٹ نے مسلمانوں کے بارے میں ہندوؤں کے تعصب اور تنگ نظری کو طشت از بام کر دیا۔

۱۹۲۹ء میں محمد علی جناح نے "نہرو رپورٹ" کا دندان شکن جواب دیتے ہوئے مسلمانوں کے اجتماعی قومی مطالبات کو اپنے مشہور "چودہ نکات" میں پیش کیا۔ ہندوؤں کے متعصّبانہ رویہ کی وجہ سے مسلمانوں کو ہند میں اپنا جداگانہ مسلم تشخّص خطرے میں دکھائی دے رہا تھا۔ برِصغیر کے عظیم مسلم مفکر ڈاکٹر محمد اقبال نے اپنی شاعری اور افکار کے ذریعے متحدہ قومیّت کے بُت پر کاری ضرب لگائی اور جداگانہ مسلم تشخص کے دفاع میں مسلم قومیّت کا نظریہ پیش کیا۔ اقبال نے مسلمانانِ ہند میں انقلابی روح پھونک دی۔ انہوں نے مسلم نوجوانوں کے اندر خاص طور پر احساسِ ملّی کو اجاگر کیا اور ان کی خودی کو بیدار کیا۔ ڈاکٹر اقبال نے مسلمانانِ ہند کو اُن کا شاندار ماضی یاد دلاتے ہوئے عملی جدوجہد کے لیے تیار کیا۔ انہوں نے مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا حسین احمد مدنی اور جمعیتُ العلماءِ ہند کے دیگر نیشنلسٹ علماء کا محاسبہ کرتے ہوئے اُن کے اس نظریہ پر گہری چوٹ لگائی کہ "قومیں اوطان سے بنتی ہیں"۔ آپ نے مسلم قوم کیلئے وطن کی بجائے دین کو بنیاد قرار دیتے ہوئے مسلمانوں کو ہندوؤں سے الگ قوم ثابت کیا۔ ڈاکٹر اقبال اسے "معرکۂ دین و وطن" کا نام دیتے ہیں۔ انہوں نے نہ صرف الگ مسلم قومیّت کے جذبے کو اُبھارا بلکہ مسلمانانِ ہند کے لئے اُن کی منزل کا تعین بھی کر دیا۔ ۱۹۳۰ء میں آل انڈیا مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس منعقدہ الٰہ آباد میں آپ نے خطاب کرتے ہوئے مسلمانانِ برِصغیر کیلئے سرزمینِ ہند میں اسلامی نظریاتی ریاست کے قیام کی تجویز پیش کی۔

حکومتِ برطانیہ نے ہندوستان کے فرقہ وارانہ اور آئینی مسائل کے حل کیلئے لندن میں تین گول میز کانفرنسز (Round Table Conferences) منعقد کیں، لیکن گاندھی اور دیگر کانگرسی رہنماؤں کی ہٹ دھرمی کے باعث وہ نتیجہ خیز ثابت نہ ہوسکیں۔ ۱۹۳۵ء میں حکومتِ برطانیہ نے گورنمنٹ

Marfat.com

آف انڈیا ایکٹ کی منظوری دے دی اور اس ایکٹ کے تحت ہندوستان میں انتخابات کا عندیہ دے دیا۔
قائدِ اعظم محمد علی جناح نے کانگرسیوں کے رویہ سے دلبرداشتہ ہو کر مستقل طور پر لندن میں قیام کا فیصلہ کیا مگر دوراندیش مسلمان رہنماؤں کی اپیل پر ۱۹۳۴ء میں وہ ہندوستان واپس آ گئے۔اُن کے اتنا عرصہ ہندوستان سے باہر رہنے کی وجہ سے مسلمانانِ ہند کا فکری شیرازہ بکھر چکا تھا، وہ کسی ایک پلیٹ فارم پر متحد نہیں تھے۔نیشنلسٹ مسلمانوں کی کانگرس نواز ہمدردیوں، یونینسٹ پارٹی اور مجلس احرار کی مسلم لیگ مخالف سرگرمیوں اور سرحدی گاندھی' خان عبدالغفار خان کی قیادت میں خدائی خدمت گاروں کی کانگرسی پالیسیوں کی وجہ سے مسلمانانِ ہند کا کوئی پُرسان حال نہ تھا۔اُن کی کوئی منزل یقینی نہیں تھی، کوئی ایسا لیڈر نہ تھا جو مسلمانانِ ہند کی ہچکولے کھاتی کشتی کو ساحلِ مراد تک پہنچا دے۔یہی وہ تاریخی لمحات تھے جب محمد علی جناح نے مسلمانوں کے بکھرے ہوئے ایک ایک تنکے کو اکٹھا کر کے آشیانہ بنانے کا فیصلہ کیا۔وہ مسلمانانِ ہند کیلئے امید کی کرن بن کر اُبھرے۔

۱۹۳۷ء کے الیکشن میں چونکہ آل انڈیا مسلم لیگ ابھی ایک غیر منظم اور غیر فعال جماعت تھی، اس لئے وہ کوئی خاص کامیابی حاصل نہ کر سکی۔دوسری طرف کانگرس نے گیارہ میں سے سات صوبوں میں اکثریت حاصل کر کے وزارتیں تشکیل دے دیں۔ان کانگرسی وزارتوں کے دوران مسلمانوں کے خلاف انتہائی متعصبانہ رویہ اختیار کیا گیا۔

"The Mussalmans complained that in some legislature proceedings started with the Vande Mataram song, Gandhian Vidya-Mandirs were established here and there. Naming of schools intended for all classes and creeds as Mandirs, which smacked of idolatory, greatly offended the religious sentiments of the Muslims. The congress flag was given the honoured position of almost a state flag."(6)

"مسلمانوں نے شکایت کی کہ کچھ قانون ساز اسمبلیوں کا آغاز وندے ماترم ترانے سے ہوا اور کئی جگہوں پر گاندھی ودیا مندر قائم کیے گئے۔مختلف طبقات اور عقائد رکھنے والوں کے سکولوں کو مندر کا نام دیا گیا، جو بت پرستی کی طرف اشارہ کرتا تھا اور مسلمانوں کے مذہبی

Marfat.com

جذبات کو طیش دلاتا تھا۔ کانگرسی جھنڈے کو تقریباً ریاستی پرچم کے برابر احترام دیا گیا۔"

کانگرسی وزارتوں کے دوران کانگرس کے اس دعوے کی قلعی کھل گئی کہ وہ تمام ہندوستانیوں کی نمائندہ جماعت ہے۔ کانگرس کی ان پالیسیوں سے مسلم قومیّت کا تصور مزید گہرا ہو گیا۔ ۱۹۳۷ء کے الیکشن میں کانگرس کی کامیابی سے ہندو لیڈروں میں گھمنڈ اور تکبر پیدا ہو گیا۔ ایک موقع پر کانگرس کے لیڈر جواہر لال نہرو نے جب شیخی میں آ کر کہا کہ ہندوستان میں صرف دو پارٹیاں ہیں ہندو اور انگریز۔ تو قائدِ اعظم نے یہ چیلنج قبول کیا اور کہا " یہ غلط ہے، ہندوستان میں تیسری جماعت بھی موجود ہے یعنی مسلمان۔ ہم کسی کے محکوم نہیں رہیں گے، ہم کسی پارٹی کے دستِ نگر نہ ہوں گے۔" (۷)

کانگرسی وزارتوں کی مسلمانوں سے زیادتیوں کا سلسلہ جاری تھا کہ دوسری جنگِ عظیم کا آغاز ہو گیا۔ کانگرس اور برطانوی حکومت کے درمیان شدید اختلافات پیدا ہو گئے۔ جس کی وجہ سے کانگرس نے ان وزارتوں سے استعفیٰ دے دیا۔ قائدِاعظم نے ۲۲۔ دسمبر ۱۹۳۹ء کو کانگرسی وزارتوں سے چھٹکارا حاصل کرنے پر یومِ نجات منانے کا اعلان کیا۔ اس دن پورے ہندوستان میں مسلمانوں نے پرامن جلسے منعقد کیے، جن میں کانگرسی وزارتوں کے دوران مسلمانوں سے ہونے والے ناروا سلوک کی شدید مذمّت کی گئی۔

اب برِصغیر کی تاریخ ایک ایسے موڑ پر پہنچ چکی تھی، جہاں سے مسلمانوں کو اپنی حقیقی منزل کی طرف تیزی سے سفر کرنا تھا۔ مسلمانوں کے بے خانماں قافلے کو محمد علی جناح کی صورت میں قافلہ سالار مل گیا تھا، جس نے انگریزوں کے خلاف حتمی معرکہ لڑنے کے لیے، یقینِ محکم اور غیر متزلزل ارادے کے ساتھ میدانِ عمل میں اترنے کا فیصلہ کر لیا۔ انہوں نے نہایت جانفشانی سے مسلمانوں کو آل انڈیا مسلم لیگ کے پلیٹ فارم پر اکٹھا کیا۔ آپ کی قائدانہ صلاحیتوں کی وجہ سے مسلمانوں میں سیاسی شعور پیدا ہو چکا تھا۔ ایک وقت تھا، جب مسلمانوں کے سیاسی ضعف کا یہ عالم تھا کہ اُن کے پاس مطالبات پیش کرنے کیلئے کوئی سیاسی پلیٹ فارم بھی نہ تھا۔ جب آل انڈیا مسلم لیگ کا پلیٹ فارم مل گیا تو وہ جداگانہ انتخاب کا حق مانگنے لگے۔ علامہ اقبال نے انہیں ایک الگ وطن کا خواب دکھایا، تو وہ اقبال کے افکار سے روشنی لیکر ایک الگ قوم بنے اور اب محمد علی جناح نے انہیں متحد کر کے اُن میں وہ جراٴتِ رندانہ پیدا کر دی کہ وہ مسلم قومیّت کی بنیاد پر سرزمینِ ہند میں اپنے لئے الگ وطن کا مطالبہ کرنے لگے۔

Marfat.com

۲۳۔ مارچ ۱۹۴۰ء کا دن مسلمانانِ ہند کی تاریخ میں ایک سنگِ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ جب آل انڈیا مسلم لیگ کا ستائیسواں اجلاس منٹو پارک لاہور میں منعقد ہوا۔ اس اجلاس میں قائدِ اعظم محمد علی جناح نے اپنے خطبۂ صدارت میں مسلمانانِ ہند کی بھرپور نمائندگی کرتے ہوئے انہیں ہر لحاظ سے ہندوؤں سے الگ قوم ثابت کیا۔ آپ نے بڑے وثوق سے یہ بات کہی کہ کسی بھی تعریف کے لحاظ سے مسلمان ایک الگ قوم ہیں۔ مسلمان اور ہندو' دو الگ مذاہب کے فلسفوں پر یقین رکھتے ہیں۔ اُن کا نظریہ حیات، عبادات، معاشرت، لٹریچر، تہوار، ہیروز اور دنیا و آخرت سے متعلقہ فلاسفی ایک دوسرے سے یکسر مختلف ہے۔ اس طرح دونوں ایک قوم نہیں بلکہ دو الگ الگ قومیں ہیں۔ مسلمانانِ ہند' ہندو اکثریت کے سامنے اقلیت نہیں ہیں، بلکہ ایک الگ اور باوقار قوم ہیں۔ اس لیے ہندوستان کی ان دو بڑی قوموں کے درمیان ہندوستان کو تقسیم کر دیا جائے۔

"Jinnah's presidential address to the session is a land mark in the history of muslim nationalism in India, for it made an irrefutable case for a separate muslim nationhood and for dividing India into Muslim and Hindu states."(8)

"جلسے سے قائداعظم کا صدارتی خطاب ہندوستان میں مسلم قومیت کی تاریخ میں سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ کیونکہ اس سے مسلمانوں کے لیے الگ وطن کے قیام اور ہندوستان کو ہندو مسلم ریاستوں میں تقسیم کا معاملہ نا قابل تردید بن گیا تھا۔"

شیرِ بنگال مولوی فضل حق نے تقسیمِ ہند کیلئے قرارداد پیش کی، جس کی تائید چوہدری خلیق الزماں نے کی۔ قرارداد کے پاس ہوتے ہی کانگرسیوں اور نیشنلسٹوں کے جگر چھلنی ہو گئے۔ انہوں نے اسے محض دیوانے کے خواب سے تشبیہہ دی اور طنزاً اسے قراردادِ پاکستان کا نام دیا۔ مسلمانانِ ہند نے اس طنز کو بخوشی قبول کیا اور پھر حصول پاکستان کیلئے ڈٹ گئے۔ قائدِ اعظم محمد علی جناح نے ایک طرف ہندو رہنماؤں کو اس بات پر قائل کیا کہ مسلمان ہر لحاظ سے ہندوؤں سے الگ قوم ہیں، تو دوسری طرف انگریزوں کو یہ بات باور کرائی کہ مسلمانانِ ہند کی واحد نمائندہ جماعت آل انڈیا مسلم لیگ ہے اور یہی جماعت مسلمانوں کے جذبات کی صحیح ترجمان ہے۔ گاندھی کسی صورت یہ ماننے کیلئے تیار نہیں تھے کہ ایک

Marfat.com

ہی قوم کے افراد جن کے آباؤ اجداد ایک ہوں، محض مذہب کی تبدیلی سے ایک الگ قوم بن سکتے ہیں۔ گاندھی نے جناح صاحب کو لکھا کہ "مسلمان اور ہندو دو قومیں نہیں بلکہ ایک قوم ہیں۔ مجھے تاریخ میں ایسی کوئی مثال نظر نہیں آتی کہ کچھ لوگ اپنا مذہب تبدیل کر لیں اور پھر وہ اور ان کی اولاد خود کو اپنے آباؤ اجداد سے مختلف قوم قرار دینے لگیں"۔ جناح صاحب نے اس کے جواب میں لکھا کہ "مسلمان اور ہندو ہر تعریف اور ہر اعتبار سے دو بڑی قومیں ہیں۔ بین الاقوامی قانون کے ہر نقطے سے مسلمان ایک الگ قوم ہیں۔"(۹)

دوسری جنگِ عظیم کی وجہ سے حکومتِ برطانیہ شدید مسائل سے دوچار تھی۔ اسے ہندوستانیوں کی ہمدردی اور تعاون کی ضرورت تھی، اس لئے وہ کسی نہ کسی طرح ہندوستان کا آئینی حل چاہتی تھی۔ اس کے لئے ۱۹۴۲ء میں کرپس مشن نے کچھ تجاویز پیش کیں۔ لیکن یہ مشن ناکام رہا۔ ۱۹۴۵ء میں وائسرائے ہند لارڈ ویول نے شملہ کانفرنس میں ایک پلان پیش کیا، جس کے مطابق وائسرائے کی ایگزیکٹو کونسل کو زیادہ با اختیار بنانے کیلئے کونسل میں انگریزوں کی بجائے ہندوستانیوں کو عہدے دیئے جانے تھے۔ ویول پلان کے مطابق ایگزیکٹو کونسل میں چھ ہندوؤں اور پانچ مسلمانوں کو شامل کیا جانا تھا۔ جب مسلم لیگ نے اپنی طرف سے پانچ مسلمان ممبران کو نامزد کیا تو کانگرس نے اعتراض کیا کہ صرف آل انڈیا مسلم لیگ ہی مسلمانانِ ہند کی نمائندہ جماعت نہیں ہے، بلکہ کانگرس میں بھی نیشنلسٹ مسلمان شامل ہیں، اس لئے مسلمانوں کی پانچ سیٹوں میں سے دو سیٹوں پر کانگرس کو نیشنلسٹ مسلمان ممبران نامزد کرنے کا حق دیا جائے۔ اس کے علاوہ کانگرس نے یہ پروپیگنڈہ بھی کیا کہ یونینسٹ پارٹی بھی مسلمانوں کی نمائندہ جماعت ہے، اس لیے ایک مسلمان ممبر وہاں سے بھی لیا جائے۔ اس طرح کانگرس یہ ثابت کرنا چاہتی تھی کہ آل انڈیا مسلم لیگ مسلمانانِ ہند کی واحد نمائندہ جماعت نہیں ہے۔

قائدِ اعظم محمد علی جناح بھی کانگرسی رہنماؤں اور نیشنلسٹوں کی اس سازش کے مضمرات سے بخوبی واقف تھے۔ انہوں نے لارڈ ویول کو واضح اور دوٹوک انداز میں بتا دیا کہ آل انڈیا مسلم لیگ ہی مسلمانانِ ہند کی واحد نمائندہ جماعت ہے۔ اس لئے پانچ مسلمان ممبران کی نامزدگی صرف مسلم لیگ کا حق ہے۔ قائدِ اعظم کے اس سخت اور غیر مبہم موقف کی وجہ سے کانگرسی چال کامیاب نہ ہو سکی اور یہ پلان بھی ناکام ہو گیا۔

Marfat.com

"Many British officials expected that this failure would weaken Jinnah's power over the league, but his presidential position seemed instead to grow stronger as the demand for Pakistan gained credence among Muslims across the land. At the clossing session of the conference on July 14, Jinnah stated that "Pakistan and united India were diametrically opposed to each other. . . . . . Musalmans of India were determined to have Pakistan."(10)

"بہت سے انگریز حکمرانوں کو توقع تھی کہ یہ ناکامی مسلم لیگ پر قائداعظم کی گرفت کو کمزور کر دے گی۔لیکن قائداعظم کی صدارتی حیثیت پہلے سے مضبوط ہوتی چلی گئی کیونکہ پاکستان کا مطالبہ پورے برصغیر کے مسلمانوں میں زور پکڑ گیا تھا۔ چار جولائی کو کانفرنس کے اختتامی اجلاس میں جناح نے اعلان کیا کہ پاکستان اور متحدہ ہندوستان ایک دوسرے سے یکسر مختلف ہیں۔ہندوستان کے مسلمان حصول پاکستان کے لیے پرعزم ہیں۔"

چونکہ یہ پلان اس لئے ناکام ہوا تھا کہ مسلم لیگ کے ساتھ ساتھ کانگرس بھی مسلمانوں کی نمائندگی کی دعویدار بن گئی تھی، اس لئے اب ضرورت تھی شفاف الیکشن کی، تاکہ مسلم لیگ اور کانگرس کے اس دعویٰ کی دلیل حاصل ہو سکے۔مرکزی اسمبلی کے انتخابات دسمبر ۱۹۴۵ء میں منعقد ہوئے اور صوبائی اسمبلیوں کے انتخابات مارچ ۱۹۴۶ء میں ہوئے۔

مرکز میں مسلمانوں کی نشستیں تیس (۳۰) تھیں وہ ساری کی ساری آل انڈیا مسلم لیگ نے جیت لیں،صوبائی اسمبلی کی بھی نوّے فیصد نشستوں پر مسلم لیگی کامیاب ہوئے۔اب یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح عیاں تھی کہ برصغیر کے تمام مسلمانوں کی نمائندہ جماعت صرف اور صرف آل انڈیا مسلم لیگ ہے۔

۱۹۴۶ء میں کابینہ مشن ہندوستان آیا۔اس میں برطانوی پارلیمنٹ کے تین ارکان سر سٹیفورڈ کرپس پیتھک لارنس، اور اے۔وی۔الیگزینڈر شامل تھے۔کابینہ مشن نے ہندوستانی صوبوں کو تین گروپوں میں تقسیم کرنے کا منصوبہ پیش کیا۔گروپ "اے" میں تمام ہندو اکثریتی صوبے شامل تھے۔ گروپ "بی" میں صوبہ سرحد پنجاب، سندھ اور بلوچستان شامل تھے جبکہ گروپ "سی" میں بنگال اور

Marfat.com

آسام کو شامل کیا گیا تھا۔ اس پلان کا سب سے اہم نقطہ یہ تھا کہ صوبے دس سال کے بعد اپنے ممبروں کے ووٹوں کی اکثریت سے اس گروپ سے علیحدگی اختیار کر سکتے ہیں۔

اگر چہ اس پلان میں قیامِ پاکستان کے فوری امکان کو رد کر دیا گیا تھا لیکن تقسیم کے اصولی مؤقف کو تسلیم کر لیا گیا اور کم از کم دس سال کے بعد قیامِ پاکستان نوشتۂ دیوار تھا۔ اگر مسلم لیگ اس منصوبہ کو ماننے سے انکار کرتی تو کابینہ مشن یقینی طور پر کانگرس کے ہاتھ کھلونا بن جاتا اور پھر کوئی ایسا فیصلہ مسلمانوں پر تھوپ دیا جاتا، جو ان کی غلامی کی سیاہ رات کو مزید تاریک بنا دیتا۔ قائدِ اعظم محمد علی جناح نے مسلم لیگ کے اراکینِ کونسل سے مشورہ کے بعد اس پلان کی منظوری کا اعلان کر دیا۔ جس پر عمل درآمد سے دس سال بعد ۶ صوبوں پر مشتمل سلطنت "پاکستان" کا قیام لازم تھا۔ آل انڈیا مسلم لیگ کی منظوری کے بعد اب کانگرسی رہنماؤں کو بھی دور اندھیروں میں کہیں پاکستان ایک ٹمٹماتے ہوئے چراغ کی مانند دکھائی دینے لگا۔ انہی ایام میں کانگرس کی اعلیٰ قیادت میں تبدیلی لائی گئی اور مولانا ابوالکلام آزاد کی بجائے جواہر لال نہرو کانگرس کے صدر بن گئے۔ جواہر لال نہرو نے ترنگ میں آ کر کچھ ایسے غیر ضروری بیانات دیئے جن سے کانگرسیوں کی ہندوانہ ذہنیت کھل کر سامنے آ گئی۔ "نہرو نے کہا کہ کانگرس کسی منصوبے کے کسی طویل المیعاد پہلو کی پابند نہیں ہے۔ وہ صرف مجوزہ دستور ساز اسمبلی میں جانا چاہتی ہے۔" (۱۱)

نہرو کے اس بیان کا مطلب صاف اور واضح تھا کہ کانگرس اس کابینہ پلان کی منظوری کے ذریعے صرف مسلم لیگ کو پھنسانا چاہتی ہے اور ایک دفعہ جب اس پلان پر عمل درآمد شروع ہو جائے گا، تو وہ اس کی پابند نہیں رہے گی اور نہ ہی وہ صوبوں کی گروپ بندی کو تسلیم کرے گی۔ نہرو کے اس بیان سے قائدِ اعظم نے فوراً کانگرسی ذہن کا مطالعہ کر لیا اور کانگرس کی پس پردہ عیاریوں کا اندازہ لگا لیا۔ کانگرس کی ان چالبازیوں میں مسٹر کرپس اور پیتھک لارنس بھی شامل تھے۔ قائدِ اعظم کابینہ مشن کے روّیہ سے بہت دل برداشتہ ہوئے۔

انہوں نے بڑے افسوس سے کہا کہ " کانگرس اور انگریزوں نے مسلمانوں پر اعتماد نہیں کیا۔ ہم نے ایک تلخ سبق سیکھا ہے بلکہ میرے خیال میں یہ ہمارے لئے تلخ ترین سبق ہے۔ اب مصلحت کی کوئی گنجائش نہیں ہے، اگر آپ امن چاہتے ہیں تو ہم بھی جنگ کے خواہاں نہیں لیکن اگر آپ جنگ کے

Marfat.com

خواہاں ہیں، تو ہم کسی تذبذب کے بغیر اسے قبول کرنے کو تیار ہیں۔" (۱۲)

قائدِ اعظم محمد علی جناح کے کابینہ مشن پلان کو مسترد کرنے اور اس بارے میں انتہائی سخت مؤقف اختیار کرنے سے کانگرسیوں کو اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ اگرچہ کابینہ مشن پر عمل کرنے سے قیامِ پاکستان کی اُمید ضرور پیدا ہو جاتی لیکن پاکستان کم از کم دس سال تک وجود میں نہ آتا۔ کابینہ مشن پلان کی ناکامی کی تمام تر ذمہ داری جواہر لال نہرو پر عائد ہوتی تھی۔ کانگرس کا صدر بننے کے بعد ایک پریس کانفرنس میں ایک صحافی نے سوال کیا کہ کانگرس نے کابینہ پلان کو بشمول حکومت کی تشکیل کے، مکمل طور پر قبول کیا ہے یا جزوی طور پر؟ جواہر لال نہرو نے جواب میں کہا" کانگرس سمجھوتوں میں یکسر آزاد ہوگی اور وہ تمام حالات جو رونما ہو سکتے ہیں، اس کا سامنا اپنی مرضی کے مطابق کرے گی۔" (۱۳)

"مسٹر جناح اس رائے پر قائم رہے کہ جواہر لال نہرو کا بیان کانگرس کے اصل ذہن کی ترجمانی کرتا ہے ان کی دلیل تھی کہ اگر کانگرس اس وقت اتنی مرتبہ اپنا مؤقف تبدیل کر سکتی ہے جبکہ انگریز ابھی ملک میں ہیں اور اقتدار اس کے ہاتھ میں نہیں آیا ہے تو اقلیتیں بھلا کس طرح اس پر بھروسا کر سکتی تھیں کہ جب بالآخر انگریز رخصت ہو جائیں گے، اس کے بعد کانگرس اپنی بات سے پھر نہیں جائیگی اور اسی پوزیشن کو پھر سے اختیار نہیں کرلے گی، جسے جواہر لال نے اپنے بیان میں اپنایا ہے۔" (۱۴)

کابینہ مشن پلان کی ناکامی کے بعد کم از کم دس سال تک ہندوستان کو متحد رکھنے کا آخری موقع بھی کانگرس ضائع کر چکی تھی۔ اب آل انڈیا مسلم لیگ کی طرف سے ہندوستان کی تقسیم کا مطالبہ زور پکڑنے لگا۔ سردار پٹیل جیسے متعصب کانگرسی رہنما بھی حالات سے تنگ آ کر تقسیمِ ہند کے بارے میں مسلم لیگ کے اصولی مؤقف کو تسلیم کر رہے تھے۔ حکومتِ برطانیہ بھی ہندوستان کے مسائل کا واحد حل تقسیمِ ہند کی شکل میں دیکھ چکی تھی اور جلد از جلد ہندوستان کی تقسیم، عمل میں لانا چاہتی تھی۔ وائسرائے ہند لارڈ ویول کو تبدیل کر دیا گیا اور ان کی جگہ لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے ۲۲۔ مارچ ۱۹۴۷ء کو وائسرائے کے طور پر اپنے عہدے کا حلف اٹھالیا۔

لارڈ ماؤنٹ بیٹن کے کانگرسی رہنماؤں کے ساتھ دوستانہ مراسم تھے، چنانچہ اس نے بھی ہندوستان آنے کے بعد تقسیمِ ہند کو روکنے کی کوشش کی، لیکن آل انڈیا مسلم لیگ کے اصولی مؤقف کے سامنے اسے

Marfat.com

اپنی شکست تسلیم کرنا پڑی۔ لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے تقسیم ہند کا ایک فارمولا تیار کیا، جس کے مطابق یہ طے پایا کہ پنجاب اور بنگال کو آبادی کی بنیاد پر دو الگ الگ سلطنتوں میں تقسیم کر دیا جائیگا۔ صوبہ سندھ کی قانون ساز اسمبلی فیصلہ کرے گی کہ وہ پرانی مجلسِ قانون ساز میں شامل رہے گی یا نئی قانون ساز اسمبلی میں۔ صوبہ سرحد اور آسام کے واحد مسلم اکثریتی ضلع سلہٹ میں استصواب رائے ہوگا۔ بلوچستان کا شاہی جرگہ فیصلہ کرے گا کہ وہ پاکستان میں شامل ہونا چاہتے ہیں یا نہیں۔

اگرچہ مسلم لیگ کو اس منصوبہ پر تحفظات تھے لیکن کانگرس تقسیم کے اصولی مؤقف کو مان چکی تھی اور قیامِ پاکستان کو اس نے ایک حقیقت تسلیم کر لیا تھا، اس لئے ان نازک حالات میں ۱۰۔ جون ۱۹۴۷ء کو آل انڈیا مسلم لیگ کونسل نے اس کی منظوری دے دی۔

۲۶۔ جون ۱۹۴۷ء کو سندھ اسمبلی نے کثرتِ رائے سے پاکستان میں شامل ہونے کا فیصلہ دیا۔ یہی فیصلہ بلوچستان کے شاہی جرگے اور کوئٹہ کی بلدیہ کے غیر سرکاری ارکان نے متفقہ طور پر دیا۔ صوبہ سرحد میں ریفرنڈم کے خلاف خان عبدالغفار خاں نے بائیکاٹ کیا، کیونکہ وہ ہمیشہ سے کانگرسی مفادات کا تحفظ کرتا آیا تھا اور اب صوبہ سرحد کو پاکستان میں شامل ہوتے دیکھ کر اسے سخت مایوسی ہوئی۔ اسکے باوجود ریفرنڈم ہوا، اور صوبہ سرحد کی بہت بڑی اکثریت نے پاکستان کے ساتھ الحاق کے حق میں فیصلہ دیا۔

انتقالِ اقتدار سے پہلے عبوری دور کیلئے دونوں مملکتوں کے مشترکہ گورنر جنرل کیلئے کانگرس نے لارڈ ماؤنٹ بیٹن کا نام تجویز کیا اور انہیں ہندوستان کا گورنر جنرل بننے کی دعوت دی، لیکن آل انڈیا مسلم لیگ نے لارڈ ماؤنٹ بیٹن کی بجائے قائدِ اعظم محمد علی جناح کو پاکستان کا گورنر جنرل بنانے کا اعلان کیا۔ یہی وہ نقطہ تھا جہاں سے لارڈ ماؤنٹ بیٹن کی طرف سے نئی مسلم سلطنت' پاکستان کے ساتھ ناانصافیوں کا آغاز ہوا۔

صوبہ پنجاب اور صوبہ بنگال کی تقسیم کیلئے دو الگ الگ حد بندی کمیشن بنائے گئے۔ جن کا مشترکہ صدر، سر ریڈکلف کو بنایا گیا۔ بنگال کے حد بندی کمیشن میں جسٹس ابو صالح محمد اکرم، جسٹس ایس اے رحمان، جسٹس سی سی بسواس اور جسٹس پی۔ کے مکر جی شامل تھے۔ پنجاب حد بندی کمیشن جسٹس دین محمد، جسٹس محمد منیر، جسٹس مہر چند مہاجن اور جسٹس تیجا سنگھ پر مشتمل تھا، لیکن سرحدوں کی تقسیم کے مسئلے پر ان کے درمیان اختلافات شدت اختیار کر گئے، تو حتمی فیصلے کا اختیار کمیشن کے صدر سر ریڈکلف کو دے دیا

Marfat.com

گیا۔ یہاں پر لارڈ ماؤنٹ بیٹن، سر ریڈ کلف اور کانگرسی رہنماؤں کی ملی بھگت سے سرحدوں کی تقسیم کے سلسلہ میں پاکستان کے ساتھ تاریخی ناانصافی کی گئی اور مسلم اکثریتی علاقے گورداسپور، بٹالہ، اجنالہ اور فیروز پور بھارت میں شامل کر دیئے گئے۔ ان سرحدی ناانصافیوں کا مقصد بھارت کو کشمیر تک راستہ فراہم کرنا تھا، تاکہ بھارت کشمیر پر زبردستی قبضہ کر لے۔ اس طرح ابتداء سے ہی مسئلہ کشمیر کا بیج بو کر پاکستان کو کمزور کرنے کی سازش تیار کر لی گئی۔ ہندوؤں اور انگریزوں کی ہٹ دھرمی، ضد، اور تعصب کے باوجود مسلمانانِ ہند کے خواب کی تکمیل ہو رہی تھی۔ برِّصغیر میں مسلم قومیّت نے متحدہ قومیّت کا طلسم توڑ دیا تھا۔ دو قومی نظریہ اب حقیقت کا روپ اختیار کر چکا تھا۔ نظریہ پاکستان کو کسی دیوانے کا خواب کہنے والے اپنی آنکھوں سے اس کے وجود کو قائم ہوتا دیکھ رہے تھے۔

۱۴۔ اگست ۱۹۴۷ء کو وائسرائے ہند لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے کراچی آ کر اسلامی نظریاتی ریاست پاکستان کے گورنر جنرل کے اختیارات قائدِ اعظم محمد علی جناح کے حوالے کیے۔ اس طرح مسلمانانِ ہند ریاستِ مدینہ کے بعد دنیا کی دوسری اسلامی نظریاتی ریاست قائم کرنے میں کامیاب ہو گئے، جس کی بنیاد خالصتاً مسلم قومیّت کے نظریہ پر رکھی گئی۔

حوالہ جات وحواشی

(۱) اردو دائرہ معارف اسلامیہ، محمد عبداللہ، سید، ڈاکٹر، پنجاب یونیورسٹی، لاہور، ج ۱۹، ص ۴۲۵

(2) Jinnah and Gandhi, Page 23, S.K.Mojumdar, People's Publishing House, LAHORE.

(۳) اردو دائرہ معارف اسلامیہ، پنجاب یونیورسٹی، لاہور، ج ۱۹، ص ۴۰۱

(۴) محمد عبدالحکیم شرف قادری، مقدمہ فتاویٰ رضویہ، رضا فاؤنڈیشن، لاہور، ج ۱۴

(۵) The Struggle for Pakistan, Page 41, Dr .I.H.Qureshi, University of Karachi, KARACHI.

(۶) Jinnah and Gandhi, Page168, S. K. Majumdar, People's

Marfat.com

Publishing House, LAHORE.

(۷) قائداعظم جناح، جی الانہ، مترجم رئیس امروہوی، فیروز سنز لمیٹڈ، لاہور، ص ۳۴۴

(۸) The Struggle for Pakistan, Page 128, Dr.I.H.Qureshi, University of Karachi, KARACHI.

(۹) قائداعظم جناح، جی الانہ، فیروز سنز لمیٹڈ، لاہور، ص ۳۸۶

(۱۰) Jinnah of Pakistan, Page 245, Stanley Wolpert, OXFORD University Press.

(۱۱) قائداعظم جناح، جی الانہ، مترجم رئیس امروہوی، فیروز سنز لمیٹڈ، لاہور، ص ۴۸۸

(۱۲) مذکورہ بالا حوالہ، ص ۴۹۱

(۱۳) انڈیا ونز فریڈم، مترجم محمد مجیب، ابوالکلام آزاد، مکی دارالکتب، لاہور، ص ۲۲۵

(۱۴) مذکورہ بالا حوالہ، ص ۲۲۹

Marfat.com

یہودی نظریاتی ریاست کا قیام ۱۳۶۷ھ/۱۹۴۸ء

صلیبی جنگوں کا طویل سلسلہ بیت المقدس (یروشلم) پر مسلمانوں کی فتح پر منتج ہوا۔ جنگِ حطین میں مسلمانوں کے ہاتھوں عبرتناک شکست کے بعد عیسائی دوبارہ کبھی کھل کر مسلمانوں کے مقابلے میں نہ آسکے اور در پردہ سازشوں میں مصروف ہوگئے۔

۵۸۷ ق م میں بُختِ نصر (Nebuchadnezzar) نے یروشلم پر حملہ کیا تو ہیکلِ سلیمانی کو تباہ کر دیا اور تقریباً ایک لاکھ یہودیوں کو پابہ زنجیر کر کے اپنے ساتھ بابل لے گیا۔ سائرس اعظم نے جب بابل فتح کیا تو اس نے اُن یہودیوں کو واپس یروشلم جانے کی اجازت دی۔ ۷۰ء میں رومی جرنیل ٹائٹس (Titus) نے ایک بار پھر یروشلم پر حملہ کر کے ہیکلِ سلیمانی کی اینٹ سے اینٹ بجا دی۔ ہزاروں یہودیوں کو تہہ تیغ کیا، ہزاروں گرفتار کیے گئے۔ باقی یہودی اپنی جانیں بچا کر دنیا کے مختلف علاقوں میں پھیل گئے۔ یروشلم کی اس دوسری تباہی کے بعد یہودیوں کی اجتماعی حالت ناگفتہ بہ ہوگئی۔ ان کا کوئی پرسان حال نہ تھا۔ انہیں پوری دنیا میں انتہائی نفرت سے دیکھا جاتا تھا، لیکن دربدری کے اس زمانے میں بھی یہودی اپنی نسل اور الگ شناخت قائم رکھنے میں کامیاب رہے۔ انیسویں صدی کے آخر تک یہودیوں کی یہی حالت تھی۔ یہ دربدر ٹھوکریں کھاتے پھرتے تھے۔ مشرقی یورپ کے عیسائیوں نے کئی بار یہودیوں کا اجتماعی قتل کیا۔ صرف مسلمان حکمرانوں کے زیر سایہ انہیں عافیت اور امن میسر رہا۔

دنیا میں عیسائیوں اور مسلمانوں کی الگ الگ سلطنتوں کو دیکھتے ہوئے یہودیوں میں بھی اپنی الگ سلطنت قائم کرنے کا جذبہ شدت سے موجود تھا۔ مختلف یہودی مفکرین نے اس سلسلہ میں اپنے نظریات پیش کیے۔ ۱۸۶۲ء میں ایک جرمن یہودی مفکر Robbi Kallscher نے الگ یہودی ریاست قائم کرنے کا نظریہ پیش کیا۔ لیو پنسکر (Leopinsker) نے پہلی بار صیہونیت (۱) (Zionism) کی اصطلاح استعمال کرتے ہوئے یہودیوں کو اپنے شاندار ماضی کی بنیاد پر مستقبل کی

Marfat.com

عمارت تعمیر کرنے کی طرف راغب کیا۔ تھیوڈور ہرزل (Theodor Herzl) نے ۱۸۹۶ء میں ایک کتاب "Jewish State" لکھ کر الگ یہودی ریاست کے نظریات کو عملی شکل میں پیش کیا۔ اگست ۱۸۹۷ء میں سوئزرلینڈ میں باسل (Basel) کے مقام پر پہلی صیہونی کانفرنس منعقد ہوئی، جس میں تحریک کا آئین مرتب کیا گیا۔ یہودی اگرچہ دنیا بھر میں بکھرے ہوئے تھے اور سیاسی لحاظ سے کوئی قوت نہ رکھتے تھے لیکن معاشی طور پر بہت مضبوط تھے اور دنیا کے تقریباً تمام بڑے بڑے معاشی ادارے ان کے قبضے میں تھے۔ ۱۹۱۱ء تک الگ یہودی ریاست کے لیے یہودیوں کے پیش نظر کوئی مخصوص علاقہ نہ تھا۔ یہودیوں کی آبادکاری کے لیے ارجنٹائن، یوگنڈا اور کینیا کو مناسب علاقے خیال کیا جا رہا تھا۔ (۲)

ان علاقوں کے علاوہ فلسطین ایک ایسا خطہ تھا جس کے بارے میں مشرقی یہودی آواز بلند کر رہے تھے۔ یہودی، فلسطین کو ارضِ موعود (Promised Land) خیال کرتے تھے اور محض اس بنا پر کہ یہ ان کا قدیم وطن تھا، فلسطینی مسلمانوں سے اسے چھین لینا چاہتے تھے حالانکہ اگر اس اصول کو مان لیا جائے تو امریکہ پر ریڈ انڈین، آسٹریلیا پر قدیم وحشیوں اور اندلس پر مسلمانوں کی حکومت ہونی چاہیے۔

تھیوڈور ہرزل نے عثمانی سلطان عبدالحمید سے فلسطین میں یہودیوں کے لیے ایک خطۂ زمین حاصل کرنے کے لیے رابطہ کیا۔ یہودیوں کا ایک وفد ۱۹۰۲ء میں سلطان کی خدمت میں حاضر ہوا اور پیش کش کی کہ اگر فلسطین میں یہودی ریاست کے لیے ایک خطۂ زمین دے دیا جائے تو اس کے عوض یہودی سلطنتِ عثمانیہ کے تمام بیرونی قرضوں کی ادائیگی کر دیں گے، لیکن سلطان نے یہودیوں کی اس پیشکش کو پائے حقارت سے ٹھکرا دیا۔ اس کے بعد سے یہودی فلسطین میں اپنی ریاست کے قیام کے لیے سازشوں میں مصروف ہو گئے۔ (۳) ۱۹۰۳ء میں حکومتِ برطانیہ نے افریقہ کے مقام یوگنڈا میں چار ہزار مربع میل کا علاقہ یہودی اسٹیٹ کے لیے پیش کیا لیکن یہودیوں نے یہ علاقہ قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ (۴)

۷۰ء میں ٹائٹس کے حملے کے بعد یہودی فلسطین میں دوبارہ لوٹ کر نہ آئے۔ فاروق اعظمؓ کے دورِ خلافت میں جب مسلمانوں کا فلسطین پر قبضہ ہوا تو اس وقت سے لے کر پہلی جنگ عظیم کے آغاز تک اس پر مسلمانوں کی حکومت رہی۔ اس دوران ۱۰۹۹ء میں عیسائیوں نے بیت المقدس پر قبضہ کیا، لیکن

Marfat.com

صرف ۸۸ سال بعد ۱۱۸۷ء میں سلطان صلاح الدین ایوبی نے عیسائیوں کو شکست دے کر اسے دوبارہ فتح کر لیا۔

پہلی جنگ عظیم کے دوران عیسائیوں نے عربوں کو سلطنتِ عثمانیہ کے خلاف برانگیختہ کیا۔ عربوں سے وعدہ کیا گیا کہ اگر وہ عثمانیوں کے خلاف بغاوت کر دیں تو جنگ کے بعد برطانیہ عربوں کی آزاد ریاست کے قیام میں عربوں کی پوری طرح سے مدد کرے گا اور اس متحدہ عرب ریاست کا سربراہ شریف مکہ (۵) کو بنایا جائے گا۔ برطانیہ کی سازش کامیاب رہی اور شریفِ مکہ حسین بن علی کی قیادت میں عربوں نے اپنے ترک مسلمان بھائیوں کے خلاف بغاوت کر دی۔ عربوں کی اس بغاوت کے نتیجے میں سلطنت عثمانیہ کو شکست ہوئی۔ جب انگریز جرنیل ایلن بی (Allen Be) بیت المقدس میں داخل ہوا تو اس نے تکبرانہ لہجہ میں کہا "آج صلیبی جنگ ختم ہوئی ہے۔" برطانوی وزیر اعظم لائیڈ جارج نے اپنی پارلیمنٹ کے سامنے پر جوش انداز میں کہا کہ آج ہم نے مسلمانوں سے صلیبی جنگوں کا بدلہ لے لیا ہے۔ (۶)

صلاح الدین ایوبی کے ہاتھوں شکست کھانے کے بعد عیسائی اسی دن کے انتظار میں تھے۔ وہ اپنی مکروہ سازشوں کے ذریعے عربوں اور ترکوں کو لڑا کر بیت المقدس پر قابض ہو چکے تھے۔ جنگ کے دوران بے تحاشا جنگی اخراجات کے وجہ سے حکومت برطانیہ شدید مالی مشکلات کا شکار تھی۔ یہودیوں کی بے پناہ دولت سے فائدہ اٹھانے اور اُن کی سیاسی حمایت حاصل کرنے کے لیے فلسطین میں یہودیوں کے قومی وطن کے قیام کے سلسلہ میں حکومت برطانیہ کی طرف سے بھرپور جدوجہد کا یقین دلایا گیا۔

"Weizmann and Sokolow were instrumental in causing a letter to be written by Arther James Balfour, then British foreign secretary, to Lord Rothschild on Nov.2,1917, declaring that "His Majesty's Government view with favour the establishment in Palestine of a national home for the Jewish people, and will use their best endeavours to facilitate the achievement of this object, it being clearly understood that nothing shall be done which may prejudice the civil and religious rights of existing non-Jewish

Marfat.com

communities in Palestine, or the rights and political status enjoyed by Jews in any other country."(7)

"آرتھر جیمز بالفور جو بعد میں برطانوی سیکرٹری خارجہ بنے، نے ۲۔نومبر ۱۹۱۷ء کو لارڈ روتھشیلڈ کو جو خط لکھا اس کے لکھوانے میں مرکزی کردار وائزمین اور سوکولو نے ادا کیا تھا۔خط میں لکھا گیا تھا کہ اس کی حکومت فلسطین میں یہودیوں کے قومی وطن کے قیام کو حمایت کی نظر سے دیکھتی ہے اور اس مقصد کے حصول میں آسانی پیدا کرنے کے لیے پوری جدوجہد کرے گی۔اس بات کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے کہ ایسا کچھ نہیں کیا جائے گا جو فلسطین کے غیر یہودی طبقات کے مذہبی اور سماجی حقوق یا دوسرے ممالک میں بسنے والے یہودیوں کے حقوق اور سیاسی مقام کو متاثر کرے۔"

برطانوی وزیر خارجہ اے۔جے بالفور (A.J Balfour) نے ۲ نومبر ۱۹۱۷ء کو ایک خط صیہونی لیڈر روتشیلڈ کو بھیجا جس میں کہا گیا تھا کہ برطانیہ کی حکومت یہودیوں کے لیے فلسطین میں ایک قومی وطن کے قیام کو ہمدردی سے دیکھتی ہے اور اس مقصد کے حصول میں سہولت پیدا کرنے کے لیے اپنی تمام کوششوں کو بروئے کار لائے گی۔اس خط کو اعلان بالفور (Balfour Declaration) کہا جاتا ہے۔اس اعلان کی عربوں کی طرف سے شدید مخالفت کی گئی،لیکن حالات پر عیسائیوں کی گرفت مضبوط تھی۔انہوں نے دنیا بھر سے یہودیوں کو فلسطین لا کر بسانا شروع کر دیا تا کہ فلسطین کی آبادی کا تناسب یہودیوں کے حق میں کیا جا سکے۔عرب نوجوانوں کی طرف سے بھرپور مزاحمت کی گئی،کئی بار عربوں اور یہودیوں کے درمیان پر تشدد تصادم بھی ہوئے۔

۱۹۳۹ء میں دوسری جنگ عظیم شروع ہوگئی۔جرمنی میں یہودیوں کی بڑی تعداد آباد تھی،یہ یہودی برطانیہ سے وفاداری نبھاتے ہوئے جرمنی کو داخلی طور پر نقصان پہنچا رہے تھے۔ان کی سازشوں کو ختم کرنے کے لیے جرمن ڈکٹیٹر ہٹلر نے یہودیوں کے خلاف انتہائی سخت رویہ اختیار کیا۔جرمنی میں یہودیوں کا قتل عام کیا گیا۔یہودیوں نے ہٹلر کے اس اقدام کو دنیا کے سامنے اپنی مظلومیت کے طور پر پیش کیا اور فلسطین میں ایک یہودی ریاست کے قیام کے لیے پروپیگنڈا مہم کو تیز کر دیا۔جرمنی اور باقی یورپ سے لاکھوں یہودیوں نے فلسطین کا رخ کیا۔عربوں کی شدید مخالفت کے باوجود ۱۴۔مئی ۱۹۴۸ کو فلسطین کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا گیا۔ایک حصے پر یہودیوں کی نظریاتی ریاست "اسرائیل" قائم ہوگئی۔

Marfat.com

"The State of Israel was proclaimed on May 14, 1948, and immediately recognized by the United States. Armistice Lines were negotiated under UN auspices giving Israel more territory than provided by the UN resolution. Thus, half a century after the first Zionist Congress and 30 years after the Balfour declaration Zionism achieved its aim of establishing a Jewish state in Palestine."(8)

"۱۴۔ مئی ۱۹۴۸ء کو قیام اسرائیل کا اعلان ہوا۔ یونائیٹڈ سٹیٹس نے فوری طور پر اسے تسلیم کر لیا۔ اقوام متحدہ کی قرارداد کے مطابق اسرائیل کو جو علاقہ تفویض کیا گیا تھا اس سے زیادہ علاقہ اسرائیل کو دینے کے لیے یونائیٹڈ نیشن کے نمائندوں کی نگرانی میں جنگ بندی شرائط پر مذاکرات کئے گئے۔ اس طرح پہلی صیہونی کانگرس کے نصف صدی اور اعلان بالفور کے ۳۰ سال بعد صیہونیت نے فلسطین میں ایک یہودی ریاست کے قیام کے مقصد کو حاصل کر لیا۔"

دونوں عالمی جنگوں کا سیاسی فائدہ یہودیوں کو پہنچا۔ پہلی جنگ عظیم کے بعد برطانیہ نے یہودیوں کے قومی وطن بنانے کا اعلان کیا تو دوسری جنگ عظیم کے بعد فلسطینیوں سے زبردستی اُن کی سرزمین چھین کر یہودی ریاست اسرائیل قائم کر دی گئی۔

قیام اسرائیل کے ساتھ ہی ۱۹۴۸ء میں عرب ریاستوں اور اسرائیل کے درمیان جنگ شروع ہو گئی جس میں یورپی طاقتوں نے کھل کر اسرائیل کا ساتھ دیا اور عربوں کو شدید نقصان اٹھانا پڑا۔ ۱۹۵۶ء میں اسرائیل، برطانیہ اور فرانس نے مشترکہ فوجی قوت کے ساتھ مصر پر حملہ کر دیا۔ اتحادی ممالک مصر سے نہر سویز چھین لینا چاہتے تھے۔ اس کے علاوہ آبنائے طیران پر سے مصر کا اثر و رسوخ ختم کرنا اُن کا مقصد تھا۔ جنگ کے ذریعے یہ مقصد تو اتحادیوں نے حاصل کر لیا لیکن نہر سویز پر مصر کا کنٹرول ختم نہ کیا جا سکا۔ مصر کے صدر جمال عبدالناصر نے مسلم قومیت کی بجائے عرب قومیت کے تصور کو تقویت دی۔ انہوں نے "العزۃ للعرب" کا نعرہ لگایا۔ ان کا خیال تھا کہ اسرائیل کا مقابلہ کرنے کے لیے عربوں میں عرب قومیت کا جذبہ پیدا کرنا ضروری ہے لیکن اس کے باوجود ۱۹۶۷ء کی عرب اسرائیل جنگ میں عربوں کو زبردست شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ جسٹس پیر کرم شاہ الازہری عربوں کی شکست کا تجزیہ کرتے

Marfat.com

ہوئے لکھتے ہیں۔

"اسرائیل کے کارپرداز اپنی فوج اور رعایا میں مذہبی جوش وجنون پیدا کرتے رہے اور ہماری عرب سلطنتیں اسلام سے دور ہٹتی چلی گئیں۔انہیں اسلام سے زیادہ اپنی قومیت عزیز ہوگئی۔انہیں صدیقؓ وفاروقؓ کے جانشین ہونے پر اب ناز نہ تھا بلکہ اب وہ اس پر فخر کرنے لگے تھے کہ اُن کی رگوں میں فرعونوں کا خون ہے۔قدرت کے قانون اٹل ہیں اُن سے مسلمان مستثنیٰ نہیں۔جو قوم ایسے بدترین انتشار کا شکار ہو، جسے دوست اور دشمن کی پہچان نہ ہو، جس کے اُمراء عیش کوش ہوں اور جس کے سپاہی جذبہ جہاد سے محروم ہوں، اُن کو شکست نہیں ہوگی تو کیا فتح ہوگی؟۔"(۹)

۱۹۶۷ء کی جنگ کے نتیجے میں اسرائیل نے مصر سے سینائی کا علاقہ اور شام سے گولان کی پہاڑیاں چھین لیں۔۱۹۷۳ء میں مصر اور شام نے اپنے علاقے واپس لینے کے لیے اسرائیل پر مشترکہ حملہ کر دیا لیکن ایک دفعہ پھر عربوں کو شکست کا سامنا کرنا پڑا۔عرب علاقوں پر اسرائیل کے قبضے اور اسرائیلی مظالم کے خلاف فلسطینی نوجوانوں نے عسکری جدوجہد کا آغاز کیا۔۱۹۵۸ء میں "الفتح" نامی تنظیم بنائی گئی تھی، جس نے فلسطینیوں کی آزادی کے لیے کامیاب کارروائیوں کی تھیں۔۱۹۶۴ء میں تنظیم آزادیٔ فلسطین (P.L.O) قائم کی گئی۔P.L.O نے اردن میں اپنا ہیڈ کوارٹر بنا کر اسرائیل کے خلاف جارحانہ کارروائیاں شروع کر دیں۔جب اردن کے حکمران شاہ حسین نے P.L.O پر پابندی عائد کر دی تو P.L.O کے سربراہ یاسر عرفات نے ہیڈکوارٹر تیونس منتقل کر دیا اور اپنی کارروائیاں جاری رکھیں۔

۱۹۶۷ء کی عرب اسرائیل جنگ میں اسرائیل نے مصر کے صحرائے سینا کے علاقہ پر قبضہ کر لیا تھا۔ اس علاقہ کو واپس لینے کے لیے ۱۹۷۳ء میں کی گئی کوششیں ناکام رہی تھیں۔مصر کے صدر انور سادات نے اسرائیل کے ساتھ امن مذاکرات کا آغاز کیا اور ۱۹۷۷ء میں اسرائیل کا دورہ کیا۔امریکی صدر جمی کارٹر نے مصر کے صدر انور سادات اور اسرائیلی وزیراعظم منچم بیگن کو امریکہ بلوایا۔۵ ستمبر ۱۹۷۸ء کو کیمپ ڈیوڈ معاہدہ ہوا، جس کے تحت مصر نے اسرائیل کو تسلیم کر لیا اور اسرائیل نے مصر کو سینائی کا علاقہ واپس کر دیا۔

Marfat.com

انور سادات کے اسرائیل کے ساتھ کیمپ ڈیوڈ معاہدہ کو مصر میں شدید تنقید کا نشانہ بنایا گیا اور ردِ عمل کے طور پر ۶ اکتوبر ۱۹۸۱ء کو ایک فوجی پریڈ کے دوران انور سادات کو گولی مار کر ہلاک کر دیا گیا۔ P.L.O اپنی مسلح کارروائیوں کے باوجود ابھی تک کوئی خاص کامیابی حاصل نہ کر سکی تھی۔ ۱۹۹۳ء میں P.L.O اور اسرائیل کے درمیان معاہدہ اوسلو ہوا (۱۰)۔ جس کے مطابق P.L.O نے اسرائیل کے وجود کو تسلیم کر لیا اور اسرائیل نے P.L.O کو فلسطینیوں کی نمائندہ جماعت تسلیم کرنے کے علاوہ فلسطینی اتھارٹی کے قیام کے لیے انتخابات کی منظوری دے دی۔ یاسر عرفات کو ۱۹۹۶ء میں منعقد ہونے والے انتخابات کے نتیجے میں قائم ہونے والی فلسطینی اتھارٹی کا صدر منتخب کر لیا گیا۔

اسرائیل کے توسیع پسندانہ عزائم کی وجہ سے امن کا عمل متاثر ہوا۔ اسرائیل نے فلسطینی نوجوانوں کی تنظیم "حماس" (الحرکتہ المقومتہ الاسلامیہ) کے سربراہ شیخ احمد یٰسین کو راکٹ حملے میں شہید کر دیا۔ اس کے کچھ ہی عرصہ بعد دوسرے سربراہ عبدالعزیز رنتی کو بھی شہید کر دیا گیا۔ یوں تو امریکہ اور اس کے حواری جمہوریت کا راگ الاپتے رہتے ہیں لیکن جب "حماس" نے جمہوری طریقے سے فلسطین میں حکومت قائم کی اور اسماعیل حانیہ حماس کی طرف سے فلسطین کے وزیرِاعظم منتخب کیے گئے تو امریکہ کو جمہوریت کا یہ انداز پسند نہ آیا اور اس نے فلسطینی صدر محمود عباس کے ذریعے اسماعیل حانیہ کی حکومت ختم کر دی۔ اب امریکہ اور اسرائیل کی سازش سے فلسطینی نوجوانوں کی تنظیمیں الفتح اور حماس آپس میں ہی برسرِ پیکار ہیں، جس سے فلسطین کی تحریکِ آزادی کو بہت زیادہ نقصان پہنچ رہا ہے۔

اسرائیل، فلسطینیوں کے جذبۂ آزادی کو دبانے کے لیے فوجی طاقت کا بے رحمانہ استعمال کرتا رہا ہے۔ اسے مکمل طور پر امریکہ کی پشت پناہی حاصل ہے۔ امریکہ، اقوامِ متحدہ میں اسرائیل کے خلاف ہر قرارداد کو ویٹو کر دیتا ہے۔ امریکی معیشت پوری طرح پنجۂ یہود میں ہے۔ امریکہ میں صیہونی یہودی اور عیسائی مل کر مسلمانوں کے خلاف سازشوں میں مصروف ہیں۔ یہودی مسجد اقصیٰ کو شہید کر کے ہیکلِ سلیمانی تعمیر کرنا چاہتے ہیں۔ مسجد اقصیٰ کی بنیادوں کو کمزور کرنے کے لیے زیرِ زمین اسرائیلی سرنگوں کے بارے میں کئی انکشافات میڈیا کے ذریعے سامنے آ چکے ہیں۔

یہودیوں نے آج تک اسرائیل کی حدود کا تعین نہیں کیا۔ اسرائیل کی پارلیمنٹ کی پیشانی پر یہ الفاظ کندہ ہیں۔ "اے اسرائیل، تیری سرحدیں نیل سے فرات تک ہیں"۔ نیل سے فرات تک میں

Marfat.com

دریائے نیل تک مصر، پورا اردن، پورا شام، پورا لبنان، عراق کا بڑا حصہ، ترکی کا جنوبی علاقہ اور مدینۃ النبوی تک حجاز کا پورا بالائی علاقہ شامل ہے۔(۱۱)

۱۹۴۸ء کے بعد سے اسرائیل کی حدود میں خاصی وسعت آ چکی ہے۔ اسرائیل نے لبنان پر قبضہ کرنے کے لیے کئی بار جنگی کارروائی کی لیکن حزب اللہ کے مجاہدین کی شدید مزاحمت کی وجہ سے اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکا۔ نیویارک میں ورلڈ ٹریڈ سنٹر پر حملہ کے بعد امریکہ نے القاعدہ کو ان حملوں کا ذمہ دار قرار دے کر افغانستان پر حملہ کر دیا۔ کچھ عرصہ بعد عراق کی اینٹ سے اینٹ بجا دی گئی۔ کئی بار یہ رپورٹس میڈیا کے ذریعے سامنے آ چکی ہیں کہ ۹/۱۱ کی دہشت گردی کی کارروائی صیہونی یہودیوں نے کی تا کہ امریکہ کو استعمال کر کے مسلمان ممالک کو تباہ کر دیا جائے۔ اسرائیل کی خفیہ ایجنسی "موساد" بھارتی خفیہ ایجنسی "را" کے ساتھ مل کر پاکستان میں تخریبی کارروائیاں کر رہی ہے تا کہ پاکستان کو کمزور کیا جا سکے۔ صیہونی یہودی، ہنود و نصاریٰ کو ساتھ ملا کر عالم اسلام کے خلاف آخری اور فیصلہ کن جنگ آرمیگا ڈان لڑنا چاہتے ہیں۔ یہودیوں کے ان عزائم سے پردہ اٹھانے کے لیے ڈاکٹر اسرار احمد "The Philadelphia Trumpe" اشاعت بابت اگست ۲۰۰۱ء کے ایڈیٹر کی ایک عبارت کا حوالہ دیتے ہیں۔

"The most people think the Crusades are a thing of the past-over forever. But they are wrong. Preparations are being made for a final Crusade, and it will be the bloodiest of all. "(12)

"بہت سے لوگ صلیبی جنگوں کو قصۂ پارینہ سمجھتے ہیں جو ہمیشہ کے لیے ختم ہو گئیں لیکن وہ غلطی پر ہیں۔ حتمی صلیبی جنگ کے لیے تیاریاں کی جا رہی ہیں اور یہ سب سے زیادہ خون ریز ہو گی۔"

مسلم تاریخ کے اس نازک موڑ پر اگر مسلم حکمران صیہونی یہودیوں اور عیسائیوں کے مذموم عزائم کے خلاف واضح حکمت عملی اختیار کرتے ہوئے گومگو کی پالیسی سے باہر نہ نکلے تو پھر دنیا کا نقشہ تبدیل ہوتا دیکھ کر محض ٹسوے بہانے سے کچھ حاصل نہ ہو گا۔

Marfat.com

حوالہ جات وحواشی

(۱)صیہونیت' یہودیوں کی ایک تحریک ہے جس میں شامل یہودی صیہون (یروشلم کا ایک پہاڑ) کا رخ کر کے فلسطین میں قومی حکومت کے خواہاں اور اس مقصد کے لیے کوشاں رہے۔صیہونیت کا منظم طور پر آغاز سترہویں صدی عیسوی میں ہو چکا تھا۔اس کا پہلا ہیڈکوارٹر وی آنا تھا۔۱۸۵۴ء میں لندن کے ایک یہودی نے اسی مقصد کے لیے ایک کمپنی قائم کی اور ۱۸۷۶ء میں جارج ایبٹ نے "چول سائن" کے نام سے ایک سوسائٹی کی بنیاد رکھی۔جس کا مقصد فلسطین میں یہودیوں کی نوآبادیاں قائم کرنا تھا۔ماخوز از اسلامی انسائیکلو پیڈیا، الفیصل ناشران، اردو بازار، لاہور۔

(۲)مذاہب عالم کا تقابلی مطالعہ، غلام رسول، پروفیسر، علم وعرفان پبلشرز، لاہور، ص ۴۲۵، ۲۰۰۶ء

(۳)اسرائیل کے خوفناک منصوبے، عادل جہانگیری، مکتبہ عادل، فیڈرل بی ایریا، کراچی، ص ۱۱۱، ۱۹۶۹ء

(۴)مذکورہ بالا حوالہ، ص ۱۱۲

(۵)حسین بن علی نے ۱۹۰۸ء میں شریف مکہ کا اعزاز حاصل کیا۔۱۹۱۶ء میں انگریزوں کے اشارے پر ترکوں کے خلاف بغاوت کر کے عرب وحجاز کی خودمختاری کا اعلان کیا لیکن معاہدہ ورسائی پر دستخط کرنے سے انکار پر برطانیہ نے حمایت سے ہاتھ کھینچ لیا۔ابن سعود سے شکست کھانے کے بعد ۱۹۲۴ء سے ۱۹۳۱ء تک قبرص میں جلاوطن رہا۔شرق اردن کے دارالحکومت عمان میں وفات پائی۔ماخوز از اردو انسائیکلو پیڈیا، فیروزسنز، لاہور۔

(۶)تاریخ بیت المقدس، ممتاز لیاقت، سنگ میل پبلیکیشنز، لاہور، ص ۹۰، ۱۹۸۸ء

(۷) Encyclopedia Britannica, Page 976, Volume 23, William Benton, Publisher.

(۸) Encyclopedia Britannica, Page 978, Volume 23, William Benton, Publisher.

(۹)ضیاء القرآن، الازہری محمد کرم شاہ پیر جسٹس، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور، ج ۲، ص ۶۴۲،

Marfat.com

۱۴۰۰ھ

(۱۰) ۱۹۹۳ء میں "اوسلو معاہدے" کے تحت یاسر عرفات اور اسرائیلی وزیر اعظم اسحاق رابن کے درمیان طے پایا کہ آئندہ پانچ سال کے دوران مغربی کنارے اور غزہ کی پٹی کے فلسطینیوں کو سیاسی خودمختاری حاصل ہوجائے گی۔۴۔نومبر ۱۹۹۵ء کو اسرائیل کے وزیر اعظم رابن کو ایک جنونی یہودی کے ہاتھوں قتل کیے جانے کے بعد شمعون پیرز کو وزیر اعظم منتخب کیا گیا۔مئی ۱۹۹۶ء کے انتخابات کے نتیجے میں نیتن یاہو وزیر اعظم بنا۔اس نے معاہدہ اوسلو پر حرف بہ حرف عمل کرنے سے انکار کردیا اور چند نئی شرائط قائم کردیں اور مراعات دینے سے انکار کردیا۔ماخوذ از اسلامی انسائیکلوپیڈیا، الفیصل ناشران، لاہور۔

(۱۱) تاریخ بیت المقدس، ممتاز لیاقت، سنگ میل پبلیکیشنز، لاہور، ص ۲۶۵، ۱۹۸۸ء

(۱۲) اسرار احمد، ڈاکٹر، "قضیہ فلسطین" ماہنامہ میثاق، لاہور، جنوری ۲۰۰۵ء

Marfat.com

سقوطِ ڈھاکہ ۱۳۹۱ھ/۱۹۷۱ء

سرزمینِ ہند دوقومی نظریہ کی بنیاد پر تقسیم ہوگئی۔ کانگرس نے بادلِ نخواستہ بھارت ماتا کے ٹکڑے ہونا قبول کرلیا اور بالآخر ایک ایسی اسلامی نظریاتی ریاست "پاکستان" قائم ہوگئی جو دو ایسے حصوں پر مشتمل تھی، جو جغرافیائی طور پر ایک دوسرے سے سینکڑوں میل دوری پر تھے۔ مغربی پنجاب، سندھ، سرحد اور بلوچستان ایک حصّہ اور مشرقی بنگال دوسرا حصّہ۔ پاکستان کے ان دونوں حصّوں کے درمیان اسکے ازلی دشمن بھارت کا ایک ہزار میل کا علاقہ حائل تھا۔ ان دونوں حصّوں کی جغرافیائی تفاوت کی وجہ سے قائدِاعظم محمد علی جناح مستقبل میں پیش آنے والے خطرات سے آگاہ تھے۔

"Jinnah was interviewed by Reuters and demanded an 800-mile long "corridor" to link West and East Pakistan."(1)

"جناح نے ریوٹرز کو دیے گئے انٹرویو میں مطالبہ کیا کہ مشرقی اور مغربی پاکستان کو زمینی لحاظ سے آپس میں ملانے کے لیے ۸۰۰ میل لمبی گزرگاہ دی جائے۔"

قیامِ پاکستان کیلئے کانگری رہنما بھی غالباً اسی لئے راضی ہوئے تھے کہ پاکستان کو اپنے ان دونوں حصّوں میں رابطہ کیلئے ہندوستانی سرزمین کو استعمال کرنا پڑے گا اور اس جغرافیائی پوزیشن کی وجہ سے بھارت کسی بھی نازک موقع پر کارروائی کرکے ان دونوں حصّوں کو ایک دوسرے سے جدا کرسکتا ہے، اور پاکستان کو تقسیم کرکے تقسیمِ ہند کا بدلہ لے سکتا ہے۔ کانگری رہنماؤں نے قیامِ پاکستان کو دلی طور پر کبھی تسلیم نہیں کیا تھا۔ مشہور نیشنلسٹ کانگری رہنما، مولانا ابوالکلام آزاد نے سردار پٹیل کے حوالے سے اس حقیقت کا اعتراف یوں کیا ہے۔ "انہیں (سردار پٹیل) اس بات کا یقین تھا کہ پاکستان کی ریاست پنپنے والی نہیں ہے، اور زیادہ دن قائم نہیں رہ سکے گی۔ انہوں نے سوچا کہ پاکستان کی قبولیت مسلم لیگ کو کڑوا سبق سکھائے گی اور تھوڑے دنوں میں پاکستان ڈھیر ہوجائیگا۔" (۲)

جغرافیائی، لسانی، معاشی اور ثقافتی تفاوت کے باوجود صرف مسلم قومیت کی بنیاد پر دونوں حصّے ایک ہی سلطنت خداداد پاکستان میں شامل ہوئے۔ دونوں طرف کے رہنے والے پاکستانی، مذہب کی بنیاد

Marfat.com

پر ایک قوم تھے۔ اس طرح ایک نظریہ، ایک قوم اور ایک وطن کے عہد کے ساتھ روشنیوں کا سفر شروع ہوا۔

بانی پاکستان محمد علی جناح نے اپنے ہاتھ سے لگائے ہوئے اس گلشن کی آبیاری کیلئے اپنی ذہنی اور جسمانی صلاحیتوں کا بھرپور مظاہرہ کیا۔ اس کے کانٹوں اور خس و خاشاک کو دور کرنے کی بھرپور سعی کی۔ روشیں درست کیں، خزاں کی چیرہ دستیوں کے مقابلے اور بہاروں کے مستقل قیام کیلئے دن رات ایک کر دیا۔ اپنی خرابی صحت کے باوجود بطور گورنر جنرل اپنی خدمات اس نوزائیدہ ریاست کیلئے وقف کر دیں۔ اس ریاست کی جغرافیائی اور نظریاتی سرحدوں کے تحفظ کیلئے آپ نے اپنی قوم کو بار بار خبردار کیا اور ہوشیار رہنے کی تلقین کی۔ آپ نے ان تمام سوراخوں کو بند کرنے کی کوشش کی جہاں سے لسانی اور علاقائی تعصب کا سانپ قوم کو ڈس سکتا تھا۔ جب آپ کو اس بات کی خبر پہنچی کہ بنگالی بھائی اردو کی جگہ بنگالی زبان کو پاکستان کی سرکاری زبان بنانے کا مطالبہ کر رہے ہیں تو آپ نے اس لسانی تعصّب کے خاتمے کیلئے بروقت اقدام کیا، اور بنگالی بھائیوں کو اپنی صفوں میں شامل دشمن پر نظر رکھنے کیلئے خبردار کیا۔

> "قائدِ اعظم نے ڈھاکہ جا کر برملا یہ کہا کہ پاکستان کی قومی اور سرکاری زبان اردو اور صرف اردو ہوگی۔ انہیں پورا احساس تھا کہ زبان کی یکسانیت نہ صرف پوری قوم کو ذہنی طور پر متحد رکھے گی بلکہ منفی رجحانات کا بھی سدّ باب کرے گی۔" (۳)

قائدِ اعظم زیادہ عرصہ تک قوم کی خدمت نہ کر سکے۔ آپ نے ۱۱ ستمبر ۱۹۴۸ء کو داعی اجل کو لبیک کہا۔ قائدِ ملّت لیاقت علی خاں جو کہ پاکستان کے پہلے وزیرِ اعظم کے طور پر اپنی خدمات سرانجام دے رہے تھے۔ ملک دشمن عناصر کی ایک خطرناک سازش کا شکار ہو گئے اور ۱۶۔ اکتوبر ۱۹۵۱ء کو راولپنڈی میں ایک جلسہ سے خطاب کے دوران گولی مار کر شہید کر دیئے گئے۔

قائدِ اعظم اور قائدِ ملّت کے جلد رخصت ہو جانے کی وجہ سے پاکستان پر ابتداء سے ہی مفاد پرست، موقع شناس اور ابن الوقت حکمران مسلّط ہو گئے۔ جنہوں نے نہ تو تحریکِ پاکستان میں کوئی نمایاں خدمات انجام دی تھیں اور نہ ہی انہیں ملک کی جغرافیائی اور نظریاتی سرحدوں کے تحفظ کا کوئی احساس تھا۔ اُن حکمرانوں کی ناعاقبت اندیشیوں کی وجہ سے پاکستان کے دونوں حصّوں کے درمیان روز بروز فاصلے بڑھنے لگے۔

ایک بیوروکریٹ غلام محمد نے بطور گورنر جنرل تمام اخلاقی، آئینی اور جمہوری اقدار کو پامال

Marfat.com

کیا۔اس کی پالیسیوں کی وجہ سے مسلم قومیّت کے جذبہ کے مقابلہ میں بنگالی قومیّت کا بیج بویا گیا۔اس نے اپنی شرانگیزیوں سے ملک کے دونوں حصّوں کے رہنے والوں کے دلوں میں ایک دوسرے کے خلاف نفرت پیدا کردی۔اس نے اپنا پہلا نشانہ بنگالی وزیرِ اعظم خواجہ ناظم الدین کو بنایا، جو ایک محبّ وطن بنگالی رہنما تھے۔اس نے انہیں بغیر کسی معقول وجہ کے معزول کردیا، حالانکہ انہیں مکمل طور پر عوامی حمایت حاصل تھی۔ایک پنجابی گورنر جنرل کے ہاتھوں ایک بنگالی وزیرِ اعظم کی معزولی نے دونوں حصّوں کے درمیان فاصلے مزید بڑھا دیئے۔گورنر جنرل غلام محمد کے دور میں مشرقی پاکستان میں حالات جس قدر تشویش ناک ہو چکے تھے، ان کے متعلق قدرت اللہ شہاب یوں رقم طراز ہیں۔

"۱۹۵۴ء کے انتخابات نے مشرقی پاکستان میں سیاست کے ایک نئے رخ اور ایک نئی توانائی کو جنم دیا تھا۔اسکے مقابلے میں گورنر جنرل نے مرکز میں کٹھ پتلیوں کا جو کھیل رچا رکھا تھا اسکی حیثیت قرونِ وسطیٰ کے رنگ میں رنگے ہوئے کسی رجواڑے سے مختلف نہ تھی۔مولانا بھاشانی نے کامگاری کے جلسۂ عام میں مغربی پاکستان کو "السلام علیکم" کی دھمکی سنا کر ایک خطرناک علیحدگی پسند رجحان کو زبان دے دی تھی۔مسٹر غلام محمد کی صدارت میں نت روز مرکزی کابینہ کے اجلاس ہوتے رہتے تھے، لیکن ایسا اجلاس کبھی نہ ہوا، جس میں مغربی پاکستان کی نئی صورتِ حال کا سنجیدگی کے ساتھ تجزیہ کیا جاتا۔" (۴)

گورنر جنرل غلام محمد جسدِ پاکستان پر شدید گھاؤ لگانے کے بعد رخصت ہو گئے، لیکن پاکستان پر اُن کا جانشین سکندر مرزا اپنے لاؤلشکر سمیت قابض ہو گیا۔گورنر جنرل سکندر مرزا نے وزارتِ عظمیٰ کا قلمدان چوہدری محمد علی کے سپرد کیا۔چوہدری محمد علی مسلم لیگ کی طرف سے نامزد کیے گئے تھے اور ان کا تعلق بھی مغربی پاکستان سے تھا۔

اب تک یہ ہوتا آیا تھا کہ گورنر جنرل اگر مغربی پاکستان سے ہوتا تو وزیرِ اعظم مشرقی پاکستان سے ہوتا تھا۔لیکن اس دفعہ اس اصول کو نظر انداز کرتے ہوئے گورنر جنرل اور وزیرِ اعظم، دونوں مغربی پاکستان سے منتخب کیے گئے۔حسین شہید سہروردی کو عوامی لیگ کی مکمل حمایت حاصل تھی انہیں اس بات کا یقین تھا کہ گورنر جنرل اسکندر مرزا انہیں وزیرِ اعظم کے منصب پر فائز کریں گے لیکن جب ایسا نہ ہوا تو مشرقی پاکستان میں اس بات کا احساس شدت اختیار کر گیا کہ مغربی پاکستان والے سیاستدان ہمیشہ

Marfat.com

بنگالیوں کو محکوم رکھنا چاہتے ہیں اور انہیں کبھی سیاسی اقتدار میں شامل نہیں کریں گے۔

۱۴۔ اکتوبر ۱۹۵۵ء کو ون یونٹ قائم کیا گیا۔ مغربی پاکستان کے چاروں صوبوں کو ملا کر ایک ہی صوبہ بنا دیا گیا۔ اس طرح ملک کے دونوں حصّوں کے درمیان برابری کی سطح پر تعلقات قائم کرنے کیلئے سنجیدہ کوشش کی گئی، لیکن ون یونٹ سے بنگالیوں کے خدشات میں مزید اضافہ ہوا۔ ۱۹۵۶ء میں پہلا آئین نافذ کیا گیا تو اس آئین میں پیریٹی (Parity) کے اصول پر ملک کے دونوں بازوؤں کو پارلیمنٹ میں برابر نمائندگی دی گئی۔ اردو کیساتھ ساتھ بنگالی کو بھی سرکاری زبان کا درجہ دے دیا گیا۔ اس طرح لسانی مسئلہ حل تو کر دیا گیا لیکن بہت دیر ہو چکی تھی۔ لسانی تعصب کا زہر اس قدر پھیل چکا تھا کہ پاکستان کی نظریاتی بنیادیں ہل گئیں۔ مسلم قومیت کی جگہ بنگالی قومیت کا زہر پھیلنے لگا اور ایک نظریہ، ایک قوم اور ایک وطن کا نعرہ اپنے معنی کھو بیٹھا۔

چوہدری محمد علی کے مستعفی کے بعد مشرقی پاکستان کے بنگالی رہنما حسین شہید سہروردی وزارتِ عظمیٰ کی کرسی پر براجمان ہوئے، لیکن گورنر جنرل سکندر مرزا نے محلاتی سازشوں کے ذریعے جلد ہی اُن کا بستر گول کر دیا۔ حسین شہید سہروردی کے مستعفی ہونے پر مشرقی پاکستان میں انتہائی اضطراب پھیل گیا اور یہ نتیجہ اخذ کیا گیا کہ مغربی پاکستان سے بنگالیوں کے خلاف سازشوں کے جال بنے جا رہے ہیں۔

۷۔ اکتوبر ۱۹۵۸ء کو صدر سکندر مرزا نے کمانڈر انچیف ایوب خان کے ساتھ مل کر آئین کی دھجیاں اُڑا دیں۔ ملک پر پہلا مارشل لاء نافذ کر دیا گیا۔ ۲۷۔ اکتوبر ۱۹۵۸ء کو ایوب خان نے سکندر مرزا کو صدارت کے عہدے سے الگ کر کے کامل اقتدار حاصل کر لیا۔ ایک فوجی ڈکٹیٹر کے اقتدار پر قابض ہونے سے مشرقی پاکستان میں احساسِ محرومی میں بہت زیادہ اضافہ ہوا۔

مفاد پرست سیاستدانوں کے ٹولے نے دو صوبوں کے درمیان معاشی ناہمواریوں کے خاتمے کی کوئی سنجیدہ کوشش نہ کی۔ اُن ابن الوقت سیاستدانوں کا تعلق بدقسمتی سے مغربی پاکستان سے تھا۔ انہیں تو ہر حال میں اپنا اقتدار عزیز تھا۔ انہوں نے اپنی عیاشیوں اور اپنے مفادات کی تکمیل کیلئے مغربی پاکستان کو ہمیشہ مشرقی پاکستان پر ترجیح دی۔ تمام معاشی پالیسیاں مغربی پاکستان کو سامنے رکھ کر بنائی گئیں اور مشرقی پاکستان کی ترقی کو نظر انداز کیا گیا۔ ملکی دفاع کے سلسلہ میں مغربی پاکستان کے دفاع کو مقدم سمجھا گیا۔ تمام حساس فوجی تنصیبات مغربی پاکستان میں بنائی گئیں، اور دلیل یہ دی گئی کہ مشرقی پاکستان کا دفاع

Marfat.com

مغربی پاکستان سے کیا جائے گا۔ بھارت سے جنگ کی صورت میں عدم تحفظ کے احساس نے بنگالی بھائیوں کومغربی پاکستان سے متنفر کر دیا۔

لسانی اور علاقائی تعصب، معاشی ناہمواریوں اور احساس عدم تحفظ نے مشرقی پاکستان میں ایک ایسی فضا پیدا کر دی تھی کہ کوئی بھی شر پسند علیحدگی کا بیج بو کر اپنے مذموم مقاصد کی تکمیل کر سکتا تھا اور پھر ایسا ہی ہوا۔ بے یقینی اور بے چینی کی اس فضا میں شیخ مجیب الرحمان نے ۱۹۶۶ء میں چھ نکاتی پروگرام کے ذریعے وہ آگ بھڑکا دی جس نے چند ہی سالوں میں اس گلشن کو جلا کر خاکستر کر دیا۔ "اس پروگرام کے اعلان سے اُن علیحدگی پسند عناصر کو کھل کر سامنے آنے کا موقع مل گیا جو اقلیت میں ہونے کے باعث علیحدگی کیلئے کھل کر کام نہیں کر سکتے تھے۔ اس پروگرام نے انکی مشکل آسان کر دی۔ چنانچہ ان عناصر نے چھ نکات کی حمایت میں ایک منظم اور موثر مہم شروع کر دی۔" (۵)

شیخ مجیب نے اپنے ان چھ نکات میں الگ تجارت، الگ کرنسی اور الگ فوج کا تصور پیش کیا تھا۔ گویا یہ ایک طرح سے علیحدگی کی ہی ایک شکل تھی، لیکن شیخ مجیب نے بنگالیوں کے جذبات کو اسطرح ہوا دی کہ ان چھ نکات کو بنگالیوں کے حسین خوابوں کی تعبیر سمجھا گیا۔ ان چھ نکات میں بھارت کو بھی اپنے مذموم مقاصد کی تکمیل کا موقع مل سکتا تھا، اس لیے اس نے بھی ان چھ نکات کو بنگالیوں کے حقوق کا ضامن قرار دیتے ہوئے اسکی تشہیر کی اور مغربی پاکستان کے خلاف پروپیگنڈہ مہم کو تیز کر دیا۔ بھارت نے شیخ مجیب الرحمان کے ذریعے اپنے مقاصد کی تکمیل کیلئے مربوط حکمتِ عملی ترتیب دی اور پاکستان کی سالمیت کے خلاف سازشوں کے جال پھیلانے شروع کیے۔

پاکستان کے خلاف بھارتی اور بنگالی رہنماؤں کی مشترکہ سازشوں سے پردہ اس وقت سرکا، جب ۱۹۶۸ء میں اگرتلہ سازش پکڑی گئی۔ مشرقی پاکستان کے چند علیحدگی پسند عناصر نے ڈھاکہ میں بھارتی سفارتی مشن کے فرسٹ سیکرٹری پی۔ این۔ اوجھا کے ساتھ مل کر مشرقی پاکستان کو علیحدہ کرنے کی سازش تیار کی۔ اس مقصد کے لیے اگرتلہ (بھارت) میں ایک مرکز قائم کیا گیا تھا جہاں سے ان علیحدگی پسندوں کو اسلحہ فراہم کیا جاتا تھا۔ ایوب حکومت نے اس سازش کو پکڑ تو لیا لیکن اسے اسطرح Miss handle کیا کہ الٹا شیخ مجیب اور اس کے شر پسند ساتھیوں کو ہی فائدہ پہنچا اور انہیں اپنے چھ نکات کے ذریعے اپنی سیاسی دکانداری چمکانے کا ایک اور زریں موقع ہاتھ آ گیا۔

Marfat.com

"آغاز میں عوام کا ردعمل بھی سازشیوں کے خلاف تھا، لیکن یہ صورت حال اس وقت بدلنا شروع ہوئی، جب مجیب الرحمان کو بھی اس سازش میں ملوّث قرار دیا گیا۔ اس سے لوگوں کے ذہنوں میں شکوک وشبہات پیدا ہوئے کیونکہ مجیب الرّحمان کے نام کا اعلان سازش کے انکشاف سے پندرہ دن بعد کیا گیا۔ مجیب الرّحمان پہلے ہی جیل میں تھے، اس لیے لوگوں کے ذہنوں میں قدرتی طور پر یہ سوال پیدا ہوا کہ وہ زنداں میں رہتے ہوئے کس طرح سازش میں حصہ لے سکتے ہیں۔"(۶)

علیحدگی کی اس سازش میں شامل افراد پر جس انداز میں مقدمہ چلایا گیا اس سے بھی شکوک و شبہات میں اضافہ ہوا، اوراس مقدمہ کا فائدہ بھی علیحدگی پسندوں کو ہی ہوا۔ اس مقدمہ سے متعلق قدرت اللہ شہاب لکھتے ہیں:۔

"اگرتلہ سازش کیس کی سماعت کھلی عدالت میں رکھی گئی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ سماعت کے دوران مشرقی پاکستان کی علیحدگی، اس کے الگ نام، پرچم اور قومی ترانے تک کی تفصیلات کھل کر برسر عام آگئیں۔ اس سے علیحدگی پسند عناصر کو اپنی جائز وناجائز شکائتوں کی تشہیر کا بھی ایک نادر موقع ہاتھ آ گیا۔"(۷)

علیحدگی کی اتنی بڑی سازش میں ملوث افراد کو سزا ملنے کی بجائے الٹا فائدہ ہوا، اور شیخ مجیب الرّحمان بنگالی عوام کے مسیحا کے روپ میں سامنے آئے۔ انہوں نے اپنے زور بیاں اور فن تقریر سے مشرقی پاکستان میں علاقائیت اور بنگالی قومیّت کا زہر پھیلا دیا اور عوام میں یہ تاثر پیدا کیا کہ چھ نکات پر عمل درآمد کی صورت میں ہی بنگالیوں کے حقوق کا تحفظ ہوسکتا ہے۔ ورنہ مغربی پاکستان ہمیشہ مشرقی پاکستان کی رگوں سے خون نچوڑتا رہے گا اور مغربی پاکستان کے سیاستدان مشرقی پاکستان کی دوٗت پر عیش و عشرت کرتے رہیں گے۔ عوامی لیگ نے باقاعدہ منصوبہ بندی کے تحت بنگالی قومیّت کو ؑ م قومیّت پر برتری دینے کے لیے ترجیحات طے کیں۔ پاکستان مسلم قومیت کی بنیاد پر وجود میں آیا تھا اور مسلم قومیّت ہی متحدہ پاکستان کی سا لمیّت کی ضمانت تھی، لیکن عوامی لیگ نے پورے مشرقی پاکستان میں بنگالی قومیّت کا پرچار کیا۔ عوامی لیگ نے پاکستان کے قومی تہواروں کا عملی بائیکاٹ کیا اوراس کے برعکس اپنے علاقائی تہواروں کو جوش وخروش سے منایا۔

Marfat.com

"وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ بنگالی قومیت کی وبا تیز ہوتی جارہی تھی۔ جب بھی یومِ پاکستان ،یوم آزادی، یومِ دفاع اور قائداعظم کا یومِ ولادت یا یومِ وفات آیا، عوامی لیگ نے کوئی دلچسپی نہ لی، لیکن اس کے برعکس سارجنٹ ظہور الحق، فسادات کے شہیدوں کی یاد اور رابندر ناتھ ٹیگور کے جنم دن کو ہمیشہ جوش وخروش سے منایا۔"(۸)

پاکستان کی تاریخ نازک راہوں سے گزر رہی تھی، ابن الوقت حکمرانوں کی عیاشیوں نے پاکستان کو تباہی کے دہانے پر لاکھڑا کیا تھا۔ عالمی طاقتیں پاکستان کی پیٹھ پر چھرا گھونپنے کے لیے بھارت کی پشت پناہی کر رہی تھیں۔ بھارت پوری طرح سے علیحدگی پسندوں کی حمایت کر رہا تھا۔ اس موقع پر پاکستان کو قائداعظم جیسے مدبّر اور مخلص رہنما کی ضرورت تھی، جو پاکستان کی اس ہچکولے کھاتی کشتی کو طوفانوں سے بچا کر ساحل تک پہنچا دیتا، لیکن وائے حسرت! ایوب خان کے مستعفی ہونے کے بعد حکومت کی باگ ڈور جنرل یحییٰ کے ہاتھوں میں آ گئی۔

جنرل یحییٰ خان نے مسندِ اقتدار پر بیٹھتے ہی ایک ڈکٹیٹر کی طرح اپنے اختیارات سے تجاوز کرتے ہوئے دو بڑے فیصلے کیے، جنھوں نے پاکستان کو مصائب وآلام کی اتھاہ گہرائیوں میں دھکیل دیا۔ ایک تو انہوں نے ایک فرد ایک ووٹ کے اصول کو بحال کر دیا۔ دوسرا انہوں نے ون یونٹ کو ختم کر کے پیریٹی کا اصول بھی ختم کر دیا۔ نازک ملکی حالات کے پیشِ نظر، یہ فیصلے کسی طور پر مناسب نہ تھے، کیونکہ اس طرح آئندہ الیکشن میں اکثریت کی بنیاد پر عوامی لیگ کا کامیاب ہونا یقینی تھا اور عوامی لیگ کے رہنما پہلے ہی پاکستان سے علیحدگی کی سازشوں میں ملوّث رہے تھے۔ یحییٰ خان نے ایک فرد ایک ووٹ کی بنیاد پر الیکشن کروانے کا اعلان کیا، لیکن مجیب الرّحمان کے چھ نکات پر پابندی عائد نہ کی۔ اس طرح عوامی لیگ نے ان چھ نکات کو اپنی انتخابی مہم کا حصہ بنا لیا۔ شیخ مجیب الرحمان عوامی جلسوں سے خطاب کرتے ہوئے جب بھی ان چھ نکات پر بات کرتے، مرکز سے علیحدگی کے جراثیم خود بخود بنگالیوں میں سرایت کر جاتے۔

یحییٰ خان نے نہ تو ان چھ نکات پر پابندی لگائی اور نہ ہی عوامی لیگی رہنماؤں کی علیحدگی کے رجحان پر گرفت کی۔ بنگالیوں کو یقین ہو گیا کہ ان کے تمام مسائل کا حل شیخ مجیب کے ان چھ نکات میں ہی ہے۔ چنانچہ جب دسمبر ۱۹۷۰ء کو قومی وصوبائی اسمبلیوں کے انتخابات ہوئے تو عوامی لیگ مشرقی پاکستان میں واحد اکثریتی جماعت کے طور پر ابھر کر سامنے آ گئی۔ الیکشن کے نتائج کچھ اس طرح کے سامنے آئے

Marfat.com

کہ جس سے ملک کے دونوں بازوؤں میں مشترکہ طور پر کسی جماعت نے بھی اکثریت حاصل نہ کی۔ مشرقی پاکستان میں تو عوامی لیگ نے اکثریت حاصل کی لیکن مغربی پاکستان میں اسے کوئی نشست حاصل نہ ہوسکی۔ اسی طرح ذوالفقار علی بھٹو کی پیپلز پارٹی نے مشرقی پاکستان میں تو کوئی نشست حاصل نہ کی لیکن مغربی پاکستان میں تمام جماعتوں پر واضح برتری حاصل کر لی۔ مجموعی کامیابی کا تناسب عوامی لیگ کے حق میں تھا۔" یحییٰ خان نے مجیب الرحمان کی کامیابی کا خیر مقدم کرتے ہوئے کہا کہ شیخ صاحب ہی پاکستان کے آئندہ وزیراعظم ہوں گے۔"(۹)

متحدہ پاکستان کی سیاست انتہائی نازک موڑ پر پہنچ چکی تھی۔ جہاں پر سیاستدانوں اور عسکری قیادت کو انتہائی ذمہ داری کا ثبوت دینا چاہیے تھا۔ اقتدار کی خواہش کو قربان کر کے اور اپنی انا کے خول سے باہر نکل کر ملکی مفاد میں سوچنے کی ضرورت تھی، لیکن ایک طرف صدر یحییٰ خان آئندہ کئی سالوں تک صدر رہنے کا خواب دیکھ رہا تھا، تو دوسری طرف شیخ مجیب اور ذوالفقار علی بھٹو بھی اقتدار کی خاطر کسی بھی حد تک جانے کو تیار نظر آتے تھے۔ قحط الرجال کی اس فضا میں کوئی ایک رہنما بھی تو ایسا نہ تھا، جو قوم کی خاطر کچھ قربانی دے سکتا۔ بالآخر سیاستدانوں، فوجی قیادت اور صدر یحییٰ کے غیر ذمہ دارانہ رویّوں نے پاکستانی قوم کو ایسی تاریک وادیوں میں دھکیل دیا، جن سے باہر نکلنے کا کوئی راستہ نہ تھا۔

انتخابات کو دو ماہ کا عرصہ گزر چکا تھا، لیکن صدر یحییٰ خان نے ابھی تک قومی اسمبلی کا اجلاس طلب نہیں کیا تھا۔ جس سے مشرقی پاکستان میں انتہائی بے چینی کی فضا پیدا ہو رہی تھی، یہ سوچ جنم لے رہی تھی کہ عوامی لیگ کی کامیابی حکمرانوں اور مغربی پاکستان کے سیاستدانوں کو ہضم نہیں ہو رہی اور وہ عوامی لیگ کو اقتدار منتقل نہیں کرنا چاہتے۔ حالات کی نزاکت کا احساس کرتے ہوئے صدر یحییٰ خان نے ۳۔ مارچ کو ڈھاکہ میں قومی اسمبلی کا اجلاس طلب کر لیا۔ اجلاس کی تاریخ مقرر کرنے سے محبّ وطن حلقوں میں اطمینان اور خوشی کا اظہار کیا گیا، کیونکہ اس سے یہ اُمید پیدا ہوگئی کہ اقتدار عوام کی منتخب قیادت کو منتقل ہو جانے سے ملکی سالمیّت کو درپیش خطرات ٹل جائیں گے۔

پیپلز پارٹی کے سربراہ مسٹر ذوالفقار علی بھٹو نے ۳۔ مارچ کے اس اجلاس کا بائیکاٹ کر دیا۔ ذوالفقار علی بھٹو نے ۱۵۔ فروری ۱۹۷۱ء کو ایک پریس کانفرنس میں اس اجلاس کا بائیکاٹ کرتے ہوئے کہا۔

Marfat.com

"شیخ مجیب الرّحمان کے چھ نکاتی پروگرام پر کسی سمجھوتے یا ان نکات میں ترمیم یا تبدیلی کی عدم موجودگی میں پیپلز پارٹی کے لیے تین مارچ کو قومی اسمبلی کے اجلاس ڈھاکہ میں شرکت ناممکن ہوگی۔"(۱۰)

ذوالفقار علی بھٹو کی جانب سے ۳۔ مارچ کو ڈھاکہ میں ہونے والے اجلاس کے بائیکاٹ سے صورتِ حال انتہائی پیچیدہ ہوگئی۔ پیپلز پارٹی اور عوامی لیگ دونوں پارٹیاں ایک دوسرے کے خلاف زہر اُگلنے لگیں۔ صدر جنرل یحییٰ خان نے یکم مارچ کو ایک اہم اعلان کرتے ہوئے ۳۔ مارچ کو ہونے والا قومی اسمبلی کا اجلاس ملتوی کر دیا۔ اگر صدر یحییٰ اس تاریخ کو منسوخ کرنے کے ساتھ ساتھ کسی نئی تاریخ کا اعلان بھی کر دیتے تو شاید مشرقی پاکستان میں حالات اس قدر خطرناک صورت حال اختیار نہ کرتے۔ سیاسی بصیرت سے عاری صدر یحییٰ خان کو اندازہ ہی نہ تھا کہ اس طرح اجلاس کی منسوخی سے مشرقی پاکستان علیحدگی کی راہ پر چل نکلے گا۔

صدر یحییٰ خان کی طرف سے اجلاس کی منسوخی کے اعلان کے ساتھ ہی مشرقی پاکستان میں زبردست ایجی ٹیشن شروع ہوگیا۔ ۴۔ مارچ کو شیخ مجیب نے سول نافرمانی کی تحریک شروع کر دی۔ دوسری طرف مشرقی پاکستان کے نرم مزاج گورنر ایم۔ حسن کی جگہ سخت گیر لیفٹیننٹ جنرل ٹکا خان کو گورنر تعینات کر دیا گیا۔ جن کی بے لچک پالیسیوں نے بنگالیوں کو اور بھی زیادہ برانگیختہ کیا۔

حالات کی سنگینی کے پیشِ نظر صدر یحییٰ خان نے ۱۵۔ مارچ کو ڈھاکہ کا دورہ کیا اور شیخ مجیب الرّحمان سے مذاکرات کیے، لیکن یہ ملاقات نتیجہ خیز ثابت نہ ہو سکی۔ صدر یحییٰ میں ایسی سیاسی بصیرت نہ تھی جو سیاسی گتھیاں سلجھا سکتی۔ وہ تو خود طویل اقتدار کی خواہش دل میں پالے ہوئے تھے۔ ایسے میں وہ ملک کی بہتری کے لیے کیسے سوچ سکتے تھے۔

عوامی لیگ کی سول نافرمانی روز بروز شدید ہوتی جا رہی تھی۔ بنگالیوں نے قانون کو ہاتھ میں لینا شروع کر دیا تھا۔ سرکاری احکامات کی دھجیاں اڑائی جا رہی تھیں۔ اب عوامی لیگ تصادم کی راہ پر چل نکلی تھی۔ عمارتوں سے پاکستان کے پرچم اتار کر بنگلہ دیشی پرچم لہرا دیے گئے۔ ۲۳ مارچ کو یوم پاکستان کے دن پاکستانی پرچم کی توہین کی گئی اور جے بنگلہ کے نعرے لگائے گئے۔(۱۱)

صدر جنرل یحییٰ خان کی اجازت سے مشرقی پاکستان کی عسکری قیادت نے فوجی آپریشن کا فیصلہ

Marfat.com

کیا۔ یہ منصوبہ "آپریشن سرچ لائٹ" کے نام سے ۲۵ اور ۲۶ مارچ ۱۹۷۱ء کی درمیانی رات شروع کیا گیا۔ شیخ مجیب کو گرفتار کر لیا گیا۔ مشرقی پاکستان میں فوج کو سخت مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا۔ شیخ مجیب کی پرائیویٹ آرمی کے سربراہ کرنل عثمانی نے بھی اپنے دستوں کو لڑنے کے لیے منظم کیا۔ اس ساری صورت حال سے پاکستان کے ازلی دشمن بھارت نے بھرپور فائدہ اٹھایا۔ اس نے اپنی سرحدیں بنگالیوں کے لیے کھول دیں۔ بہت بڑی تعداد میں عوامی لیگ کے غنڈے سرحد پار کر کے بھارت چلے گئے۔ جہاں بھارتی فوج نے انہیں باقاعدہ فوجی تربیت کے ساتھ ساتھ جدید ہتھیار بھی دیئے اور پاک فوج سے مقابلے کے لیے انہیں ایک بار پھر مشرقی پاکستان میں دھکیل دیا۔

مکتی باہنی (سپاہِ آزادی) گوریلا کارروائیوں کے ذریعے پاک فوج کا مقابلہ کر رہی تھی۔ مکتی باہنی کے روپ میں بھارتی فوجیوں کی بڑی تعداد بھی مشرقی پاکستان پہنچ چکی تھی۔ پاکستان آرمی میں شامل تمام بنگالی یونٹس اور پولیس فورس بھی بغاوت کر چکی تھی۔ اس طرح پاک آرمی کو پورے مشرقی پاکستان میں مسلح مزاحمت کا سامنا تھا۔ پاکستان کی اس نازک صورت حال کے پیش نظر بیرونی دشمن طاقتیں بھی اپنے ناپاک عزائم کی تکمیل کے لیے سر جوڑے بیٹھی تھیں۔ بھارت اور روس کے درمیان ۲۰ سالہ معاہدہ ہو چکا تھا۔ اسرائیل کی طرف سے بھاری اسلحہ بھارت کو دیا جا چکا تھا۔ اب بھارت کسی بھی نازک لمحے کا فائدہ اٹھا کر پاکستان پر جنگ مسلط کر سکتا تھا۔ بالآخر انہیں نازک لمحات کا فائدہ اٹھا کر اس نے مشرقی پاکستان پر بڑے پیمانے پر حملہ کر دیا۔ مزید دباؤ بڑھانے کے لیے ۳۔ دسمبر ۱۹۷۱ء کو مغربی محاذ بھی کھول دیا۔ ۶۔ دسمبر ۱۹۷۱ء کو بھارت نے بنگلہ دیش کو باقاعدہ ایک آزاد حکومت کے طور پر تسلیم کر لیا۔ آزاد بنگلہ دیشی حکومت نے نذر الاسلام کو صدر اور تاج الدین احمد کو وزیر اعظم بنانے کا اعلان کر دیا۔ (۱۲)

مغربی پاکستان کے محاذ پر پاک آرمی نے بھارتی جارحیت کا دندان شکن جواب دیا، لیکن مشرقی پاکستان میں کمزور فضائیہ کی وجہ سے پاک فوج کوئی خاص کارکردگی کا مظاہرہ نہ کر سکی۔ صرف چند دن کی لڑائی سے بھارتی افواج نے مشرقی پاکستان کے محاذوں پر بڑی کامیابی حاصل کر لی تھی۔ مشرقی پاکستان میں مسلح افواج کے کمانڈر لیفٹیننٹ جنرل اے۔ کے نیازی اپنے بلند بانگ دعووں کے برعکس بہت جلد ذہنی شکست تسلیم کر چکے تھے۔ ۷۔ دسمبر ۱۹۷۱ء کے دن کا ایک واقعہ اُن کی ذہنی شکست کا ایک واضح ثبوت ہے۔

Marfat.com

"گورنر مشرقی پاکستان کو جنگی صورت حال پر بریفنگ دیتے ہوئے جنرل نیازی کا چوڑا چکلہ جسم یکا یک کپکپانے لگا، اوران کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے۔ انہوں نے دونوں ہاتھوں سے اپنے چہرے کو ڈھانپ لیا اور بچوں کی طرح سسکیاں بھرنے لگے۔" (۱۳)

مشرقی پاکستان میں حالات انتہائی مخدوش ہو چکے تھے۔ مکتی باہنی اپنی چھاپہ مار کارروائیوں سے پاک فوج کو زبردست نقصان پہنچا رہی تھی۔ مکتی باہنی کی آڑ میں بھارتی فوج کو کامیاب کارروائی کا آسانی سے موقع مل رہا تھا۔ مشرقی پاکستان کے بہت سے علاقوں پر بھارت کا قبضہ ہو چکا تھا۔ جنرل نیازی جو کہ ۷۔ دسمبر کو ہی شکست تسلیم کر چکے تھے، بھارتی کامیابیوں سے اپنے حواس کھو بیٹھے۔ پاکستان کی عسکری قیادت نے ۱۶۔ دسمبر کو بھارتی فوج کے سامنے ہتھیار ڈالنے کا فیصلہ کر لیا۔ حالانکہ جنگ بندی سے دو دن پہلے جنرل نیازی نے کہا تھا کہ بھارتی فوج میری لاش پر سے ٹینک گزار کر ہی ڈھاکہ پہنچ سکتی ہے۔ (۱۴)

۱۶۔ دسمبر ۱۹۷۱ء پاکستان کی تاریخ کا وہ سیاہ دن تھا، جب لیفٹیننٹ جنرل اے۔ کے نیازی نے بھارتی ایسٹرن کمانڈ کے کمانڈر لیفٹیننٹ جنرل جگجیت سنگھ اروڑہ کے سامنے ہتھیار ڈالتے ہوئے، سقوط ڈھاکہ کی دستاویز پر دستخط کر دیے۔ یہ خبر سنتے ہی تمام پاکستانیوں کے سر شرم سے جھک گئے، قلوب گھائل ہو گئے، خون رگوں میں منجمد ہو گیا، آنکھیں پتھرا گئیں، دلوں کے نازک آبگینے چکنا چور ہو گئے۔ مغربی پاکستان میں تو محبّ وطن پاکستانی اس خبر کو سننے کے لیے ذہنی طور پر تیار ہی نہ تھے کیونکہ ۱۶ سو کلومیٹر دور انہیں جنگ کا کچھ اور ہی نقشہ پیش کیا جا رہا تھا۔ اُن تک تو مسلسل یہ خبریں پہنچائی جا رہی تھیں کہ مشرقی پاکستان میں پاکستانی افواج مزید چھ ماہ تک دشمن کا مقابلہ کرنے کی سکت رکھتی ہیں۔ (۱۵)

جغرافیائی، لسانی اور ثقافتی تفاوت کے باوجود مسلم قومیت کی بنیاد پر متحد ہو کر ایک ملک حاصل کرنے والے، صرف ۲۴ سال کے عرصہ میں ایک دوسرے سے الگ ہو گئے، دلوں میں اس قدر نفرتیں پیدا ہو گئیں کہ ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہو گئے۔ ایسا کیوں ہوا؟ ہمیں بحیثیت محبّ وطن پاکستانی، ہر قسم کے تعصب سے بالاتر ہو جائزہ لینا چاہیے کہ آخر وہ کون سے حالات پیدا ہو گئے تھے کہ بنگالی بھائیوں نے ہم سے الگ ہو کر اپنا ایک الگ وطن بنانے کا فیصلہ کر لیا۔

قیامِ پاکستان سے قیامِ بنگلہ دیش تک کے ۲۴ سالوں کا حقیقت پسندانہ تجزیہ کرنے سے ہم اس

Marfat.com

نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ مغربی پاکستان اور مشرقی پاکستان، دونوں طرف کے عوام شروع سے آخر تک مسلم قومیّت کے جذبے کے تحت متّحد تھے۔ ایک دوسرے کا احترام کرتے تھے، دلوں میں ایک دوسرے کے لیے محبت کے جذبات تھے، اور سب کا نظریۂ پاکستان پر کامل یقین تھا لیکن یہ خود غرض، جاہ پسند اور ابن الوقت سیاستدان اور فوجی حکمران تھے، جنہوں نے دونوں اطراف کے رہنے والے بھائیوں کے درمیان نفرت و تعصب کی ایسی خندق کھود دی، جو وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ وسیع خلیج کا روپ اختیار کر گئی، فاصلے بڑھتے رہے، غلط فہمیاں پیدا ہوتی رہیں، احساس کے نازک آبگینوں پر چوٹ لگتی رہی لیکن کسی سیاستدان اور فوجی حکمران نے اپنی انا کے خول سے باہر نکل کر ان زخموں پر مرہم لگانے کا نہ سوچا۔ مسلمانانِ پاکستان کی تاریخ نازک راہوں سے گزرتے ہوئے ایک ایسے موڑ پر پہنچ گئی، جہاں پر علاقائیت اور لسانی تعصّب کا لاوا پھٹ پڑا، اور اس نے ملک کے دونوں بازوؤں کو ایک دوسرے سے الگ کر دیا، آرزوؤں کا خون ہو گیا، مسلم قومیّت کا جذبہ سرد پڑ گیا، لسانی، ثقافتی اور معاشی مفادات نے وقتی فتح پائی۔ مشرقی پاکستان کہلانے والا خطۂ پاک' لسانی اور نسلی تعصب کی بھینٹ چڑھ کر بنگلہ دیش کہلایا۔

قیام پاکستان کے کچھ ہی عرصہ بعد لسانی تعصّب کی پہلی چنگاری اڑی، تو بانی ٔپاکستان قائداعظم نے اس چنگاری سے اپنے گلشن میں لگنے والی آگ کے خطرے کو فوری بھانپ لیا۔ آپ نے فوراً ڈھاکہ کا دورہ کیا اور دوٹوک لفظوں میں یہ بات واضح کر دی کہ پاکستان کی سرکاری زبان صرف اردو ہو گی، لیکن بعد کے حکمرانوں نے اپنی پالیسیوں اور بیانات سے اس لسانی مسئلہ کو الجھا دیا اور جب ۱۹۵۶ء کے آئین میں اردو کے ساتھ ساتھ بنگالی زبان کو بھی سرکاری زبان کا درجہ دیا گیا تو اس وقت تک بہت دیر ہو چکی تھی۔ لسانی فسادات میں مارے جانے والے بنگالی طلبہ کی لاشوں پر بننے والے مینار بنگالی قومیّت کے لیے ایک علامت بن چکے تھے۔ ۱۹۵۵ء میں مغربی پاکستان کے چاروں صوبوں کو ملا کر ایک صوبہ بنا دیا گیا اور اس طرح ملک کے دونوں بازوؤں کے درمیان Parity کا اصول قائم کر دیا گیا تو اس پر حسین شہید سہروردی اور مولوی فضل حق جیسے عظیم بنگالی رہنماؤں کا مکمل اتفاق تھا۔ لیکن یحییٰ خان نے اقتدار سنبھالتے ہی اپنے اختیارات کا ناجائز استعمال کرتے ہوئے Parity کے اس اصول کو ختم کر دیا اور ون یونٹ توڑ دیا گیا۔ اگر ون یونٹ ملکی مفاد میں تھا تو یحییٰ خان کو کیا حق پہنچتا تھا کہ اسے بہ یک جنبش

Marfat.com

قلم، منسوخ کر دے اور اگر ون یونٹ پر بنگالیوں کے تحفظات تھے تو حسین شہید سہروردی، مولانا عبدالحمید بھاشانی اور مولوی فضل حق جیسے بنگالی رہنماؤں نے اس پر کس طرح اتفاق کر لیا تھا؟۔

شیخ مجیب الرحمان نے ۱۹۶۶ء میں ہی اپنے چھ نکات پیش کر دیے تھے لیکن کیا ایوب خان ان چھ نکات میں چھپے علیحدگی کے جراثیم نہ دیکھ سکا؟، اور پھر حکومت کی غلط پالیسیوں کی وجہ سے مجیب کے یہ چھ نکات بنگالیوں کے دلوں کی دھڑکن بن گئے۔ یحییٰ خان نے اقتدار سنبھالتے ہی ایک فرد ایک ووٹ' کے اصول کو بحال کر دیا، کیا وہ نہیں جانتا تھا کہ اس اصول کے مطابق آئندہ الیکشن میں عوامی لیگ کی جیت یقینی ہے؟ اور کیا جیت کی صورت میں عوامی لیگ اپنے چھ نکاتی ایجنڈے سے دستبردار ہو جاتی؟ جس کی بنیاد پر اس نے بنگالیوں سے ووٹ حاصل کیے ہوتے۔

بلاشبہ ۱۹۷۰ء کے الیکشن شفاف کرائے گئے، لیکن نہ تو عوامی لیگ کو چھ نکات کی تشہیر سے روکا گیا اور نہ ہی ان چھ نکاتی ایجنڈے کے بعد پیدا ہونے والی صورت حال کا کچھ اندازہ کیا گیا۔

عوامی لیگ نے پورے مشرقی پاکستان میں اکثریت کی بنیاد پر سب سے زیادہ نشستیں حاصل کیں، لیکن صدر یحییٰ خان نے اقتدار عوامی لیگ کو منتقل نہ کیا۔ ۳۔ مارچ کے قومی اسمبلی کے اجلاس کو ملتوی کرنا ایک بڑی تاریخی غلطی تھی، جس کے بعد بنگالی ایسے راستے پر چل نکلے جو ہمارے نزدیک تو شاید غداری کے زمرے میں آتا ہو لیکن اُن کے نزدیک یہ اُن کے حقوق کی جنگ تھی۔ ۲۵۔ مارچ ۱۹۷۰ء کو شروع ہونے والے فوجی ایکشن کے بعد گنجائش ہی باقی نہ رہی کہ بنگالیوں کی وفاداری دوبارہ حاصل کی جا سکتی۔ فوجی ایکشن کے بعد ہر آنے والا دن نفرت کے الاؤ کو مزید بھڑکاتا گیا۔ ہم ہزار بار بیرونی طاقتوں اور بھارت کو مورد الزام ٹھہرائیں لیکن ہمیں اس حقیقت کو تسلیم کرنا ہوگا کہ اگر ہمارے فوجی حکمران، سیاستدان اور بیوروکریٹ اپنی ضد، انا اور اقتدار کی خواہش سے بالاتر ہو کر فیصلے کرتے تو قوم کو ۱۶۔ دسمبر ۱۹۷۱ء کا تاریک دن دیکھنا نہ پڑتا، جس کے ذکر سے رگوں میں خون خشک ہونے لگتا ہے اور قلب و جگر پر لگے گھاؤ پھر سے ہرے ہو جاتے ہیں۔

ہم کہ ٹھہرے اجنبی اتنی مداراتوں کے بعد

Marfat.com

حوالہ جات وحواشی

(۱) Jinnah of Pakistan, Page 325, Stanley Wolpert, OXFORD University Press.

(۲) آزادی ہند، ابوالکلام آزاد، مکتبہ جمال، لاہور، ص ۳۰۰

(۳) سقوط مشرقی پاکستان، صفدر محمود، ڈاکٹر، مکتبہ میری لائبریری، لاہور، ص ۴۷، بار اوّل ۱۹۷۲ء

(۴) شہاب نامہ، شہاب، قدرت اللہ، سنگ میل پبلیکیشنز، لاہور، ص ۶۶۱، ۲۰۰۵ء

(۵) سقوط مشرقی پاکستان، صفدر محمود، ڈاکٹر، مکتبہ میری لائبریری، لاہور، ص ۱۱۰، ۱۹۷۲ء

(۶) مذکورہ بالا حوالہ، ص ۱۳۳

(۷) شہاب نامہ، شہاب، قدرت اللہ، سنگ میل پبلیکیشنز، لاہور، ص ۱۰۳۰، ۲۰۰۵ء

(۸) میں نے ڈھاکہ ڈوبتے دیکھا، صدیق سالک، الفیصل پبلشرز، لاہور، ص ۲۵، جون ۲۰۰۰ء

(۹) سقوط مشرقی پاکستان صفدر محمود، ڈاکٹر، مکتبہ میری لائبریری، لاہور، ص ۱۵۳، ۱۹۷۲ء

(۱۰) مشرقی پاکستان کی علیحدگی کی دردناک کہانی، رانا رحمان ظفر، ایشیئن پبلشرز، لاہور، ص ۳۳۸، ۱۹۷۶ء

(۱۱) میں نے ڈھاکہ ڈوبتے دیکھا، صدیق سالک، الفیصل پبلشرز، لاہور، ص ۷۵، جون ۲۰۰۰ء

(۱۲) مشرقی پاکستان کی علیحدگی کی دردناک کہانی، رانا رحمان ظفر، ایشیئن پبلشرز، لاہور، ص ۴۱۵، ۱۹۷۶ء

(۱۳) میں نے ڈھاکہ ڈوبتے دیکھا، صدیق سالک، الفیصل پبلشرز، لاہور، ص ۱۹۶، جون ۲۰۰۰ء

(۱۴) سقوط مشرقی پاکستان، صفدر محمود، ڈاکٹر، مکتبہ میری لائبریری، لاہور، ص ۱۸۳، ۱۹۷۲ء

(۱۵) مذکورہ بالا حوالہ، ص ۱۸۲

Marfat.com

سانحہ نائن الیون ۱۴۲۲ھ / ۲۰۰۱ء

نائن الیون کے واقعہ نے حالیہ مسلم تاریخ پر بہت گہرے اثرات مرتب کیے ہیں۔ گیارہ ستمبر ۲۰۰۱ء کو امریکی معیشت کی علامت نیویارک ورلڈ ٹریڈ سنٹر سے دو مسافر طیارے ٹکرا دیے گئے۔ دہشت گردی کی اس کارروائی کے بعد امریکہ کسی زخمی سانپ کی طرح جوابی وار کے لیے بے تاب دکھائی دینے لگا۔ بغیر کسی ٹھوس ثبوت کے امریکہ نے القاعدہ کے سربراہ اُسامہ بن لادن کو اس کا ذمہ دار ٹھہرایا۔ اُسامہ بن لادن اُن دنوں افغانستان میں طالبان حکومت کے پاس مہمان کی حیثیت سے رہ رہا تھا۔ امریکہ نے طالبان حکومت کے سربراہ ملّا عمر سے مطالبہ کیا کہ اسامہ بن لادن کو اس کے حوالے کیا جائے یا افغانستان سے نکال دیا جائے۔ اس کے لیے امریکہ نے ۷۔ اکتوبر ۲۰۰۱ء کی ڈیڈ لائن مقرر کی لیکن ملّا عمر نے امریکہ کا یہ مطالبہ مسترد کر دیا، جس کے بعد امریکہ نے اپنے اتحادیوں کے ساتھ مل کر افغانستان کے خلاف فوجی کارروائی شروع کر دی۔ چند ماہ کی مزاحمت کے بعد طالبان حکومت کا خاتمہ ہو گیا اور امریکی فوج نے کابل پر قبضہ کر لیا۔

سرد جنگ کے زمانے سے ہی یہ خطہ عالمی طاقتوں کے مفادات کی زد میں رہا ہے۔ ۱۹۷۹ء میں سوویت یونین بھی افغانستان پر حملہ آور ہوا تھا۔ سوویت یونین ہمیشہ سے بحیرہ عرب کے گرم پانیوں اور پاکستانی ساحلوں کو للچائی نظروں سے دیکھتا تھا۔ پاکستان کے پہلے وزیر اعظم لیاقت علی خان نے سوویت یونین کی دعوت مسترد کر کے امریکہ کا دورہ کیا تو سوویت یونین نے پاکستان کو اپنے دشمنوں کی صفِ اوّل میں شامل کر لیا۔ اپنے قیام کے فوراً بعد پاکستان کو اپنی بقاء اور ترقی کے لیے اس وقت کی دو سپر پاورز میں سے کسی ایک سے مضبوط تعلقات قائم کرنا تھے۔ سوویت یونین کے خلاف پاکستانی عوام میں شدید جذبات پائے جاتے تھے۔ ایک وجہ تو یہ تھی کہ یہ ملک سوشلزم کا علمبردار تھا، دوسرا اس نے وسطِ ایشیاء کے بہت سے مسلم علاقوں کو اپنے استحصالی پنجوں میں دبوچا ہوا تھا۔

پاکستان نے اپنے دفاع کے پیشِ نظر سیٹو (SEATO) اور سنٹو (CENTO) کے معاہدوں میں شرکت کی۔ چونکہ یہ معاہدے امریکہ کے زیر اثر تھے اس لیے سوویت یونین نے پاکستان کو امریکی

Marfat.com

بلاک کا حصّہ خیال کرتے ہوئے بھارت کو پاکستان کے خلاف فوجی امداد دینا شروع کر دی۔ ۱۹۷۱ء میں مشرقی پاکستان پر بھارتی جارحیت کے دوران سوویت یونین نے کھل کر بھارت کا ساتھ دیا۔ ۱۹۷۹ء میں سوویت یونین نے افغانستان پر حملہ کر دیا۔ اسے ببرک کارمل اور ڈاکٹر نجیب جیسے کیمونسٹ افغانی رہنماؤں کی مکمل حمایت حاصل تھی۔ پاکستان کی فوجی قیادت کو بھی اس کے عزائم کا ادراک تھا کہ اگر ایک دفعہ افغانستان پر اس کا قبضہ ہو گیا تو وہ بھارت کے ذریعے پاکستان کے مشرق سے جارحیت کروا کر اور خود مغرب کی طرف سے پاکستان پر حملہ آور ہو کر مطلوبہ نتائج حاصل کرنے کی پوزیشن میں ہو گا۔

امریکہ خود بھی اس علاقے میں سوویت یونین کی موجودگی کو اپنے مفادات کے لیے خطرہ سمجھتا تھا۔ امریکہ نے پاکستان کی مدد سے افغانیوں کو ہر طرح کی عسکری اور مالی امداد فراہم کر کے افغان جہاد کے لیے تیار کیا۔ امریکی خفیہ ایجنسی C.I.A اور پاکستانی خفیہ ایجنسی I.S.I نے ان مجاہدین کو گوریلا جنگ کے لیے تیار کیا اور پھر ان مجاہدین نے افغانستان کی سرزمین کو سوویت افواج کا قبرستان بنا دیا۔ اس وقت امریکیوں اور اہل مغرب کے نزدیک سوویت یونین کے خلاف جدوجہد کرنے والے افغان، عظیم مجاہد تھے اور یہ جدوجہد مقدس جہاد تھا لیکن اب جب کہ جارح ملک سوویت یونین نہیں بلکہ خود امریکہ ہے، اس لیے اب یہ جہاد نہیں بلکہ دہشت گردی ہے اور اپنے ملک کا دفاع کرنے والے دہشت گرد ہیں۔

افغان جنگ میں سوویت یونین کو تو شکست ہو گئی لیکن افغانستان بھی کھنڈرات میں تبدیل ہو گیا۔ مرکزی حکومت ختم ہو گئی۔ بدنظمی، انتشار اور خانہ جنگی نے افغانوں کو بدحال کر دیا۔ سوویت افواج کا چھوڑا ہوا اور امریکہ اور پاکستان کا دیا ہوا جدید اسلحہ افغانوں کے ہاتھ لگ گیا۔ سوویت یونین کی شکست کے بعد امریکہ اپنا دامن بچا کر اس علاقے کو اس کے حال پر چھوڑ کر چلا گیا۔

افغان وار لارڈز کے درمیان اقتدار کے حصول کے لیے رسہ کشی شروع ہو گئی۔ لاقانونیت، قتل و غارت اور عصمت دری عام ہو گئی۔ اسی لاقانونیت اور افراتفری کے ماحول نے تحریک طالبان کو جنم دیا۔ تحریک طالبان ۱۹۹۴ء میں قندھار کے قصبے "مائی واند" سے شروع ہوئی۔ طالبان نے ملا عمر کی قیادت میں بہت جلد افغانستان کے بہت بڑے علاقے میں امن قائم کر دیا، جس کی وجہ سے انہیں عوامی پزیرائی حاصل ہوئی۔ طالبان نے ستمبر ۱۹۹۶ء میں کابل پر قبضہ کر کے طالبان حکومت قائم کر دی۔ پاکستان نے طالبان حکومت کو تسلیم کر لیا کیونکہ طالبان کا مخالف دھڑا شمالی اتحاد بھارت کی طرف جھکاؤ رکھتا تھا۔ اس لیے

Marfat.com

طالبان کے ساتھ روابط قائم کر کے پاکستان اس خطے میں بھارت کے عمل دخل کو روکنا چاہتا تھا۔

پاکستان نے طالبان حکومت کی مالی، اخلاقی اور سیاسی حمایت کی تاکہ افغانستان کو خانہ جنگی سے نجات ملے اور یہاں امن قائم ہو جائے، کیونکہ افغانستان میں امن خود پاکستان کے مفاد میں تھا۔ پاکستان کے طالبان حکومت کے ساتھ بہتر تعلقات امریکہ اور بھارت کو ہضم نہیں ہو رہے تھے کیونکہ انہیں خدشہ تھا کہ پاکستان طالبان حکومت کے ذریعے سوویت تسلط سے آزاد ہونے والی وسطِ ایشیائی ریاستوں تک رسائی حاصل کر کے وہاں کے وسائل اور تجارت سے فائدہ اٹھانے کے قابل ہو جائے گا۔ اس کے علاوہ چونکہ قازقستان کے پاس بھی ایٹمی ہتھیار موجود ہیں، اس صورت میں اگر پاکستان کی مدد اسے فراہم ہوگئی تو وہ بھی باقاعدہ ایٹمی طاقت بن سکتا ہے اور امریکہ اس خطے میں پاکستان کے بعد کسی اور مسلمان ملک کا ایٹمی طاقت ہونا کسی صورت برداشت نہیں کر سکتا۔ سوویت یونین کے خاتمے کے بعد چین اس علاقے کی بڑی عسکری اور معاشی قوت بن کر ابھر رہا تھا۔ مضبوط پاکستان اور چین کا اتحاد اس علاقے میں امریکی مفادات کے خلاف تھا۔ امریکی مفادات کو لاحق خدشات کی وجہ سے امریکی تھنک ٹینک جنوبی ایشیاء میں امریکہ کی دوبارہ واپسی کے منصوبے پر کام کرتے رہے تاکہ اس علاقے میں بھارت کو ساتھ ملا کر پاکستان، چین اور ایران پر عسکری برتری حاصل کرنے کی کوشش کی جائے۔

بھارت نے جنوبی ایشیاء میں پاکستان پر عسکری برتری حاصل کرنے کے لیے ۱۱۔ اور ۱۳۔ مئی ۱۹۹۸ء کو پانچ نیوکلیائی دھماکے کر دیے۔ اس کا خیال تھا کہ پاکستان کے پاس ایٹمی طاقت نہیں ہوگی، اس طرح پاکستان بھارت کی ذیلی ریاست بن جائے گا، لیکن پاکستان نے ۲۸۔ مئی کو چھ ایٹمی دھماکے کر کے نہ صرف بھارت کو منہ توڑ جواب دیا بلکہ خطہ میں طاقت کا توازن بھی قائم کر دیا۔ پاکستان دنیا کی پہلی اسلامی نیوکلیائی طاقت بن گیا۔ امریکہ، اسرائیل، بھارت اور اہل مغرب کو شدید جھٹکا لگا کیونکہ یہ قوتیں کسی بھی اسلامی ملک کے پاس ایٹمی طاقت ہونے کا تصور بھی نہیں کر سکتی تھیں۔ جنوبی ایشیاء میں مفادات کی یہ جنگ جاری تھی کہ نائن الیون کا واقعہ پیش آ گیا۔ امریکہ نے بغیر کسی ٹھوس ثبوت کے "القاعدہ" کو نیویارک ورلڈ ٹریڈ سنٹر پر حملوں کا ذمہ دار قرار دیا۔ چونکہ "القاعدہ" کی مرکزی قیادت طالبان حکومت کے پاس افغانستان میں رہ رہی تھی، اس لیے امریکہ نے اپنے اتحادیوں کے ساتھ مل کر افغانستان پر حملہ کر دیا اور چند ماہ کی طالبان مزاحمت کے بعد کابل پر قبضہ کر لیا۔

Marfat.com

۱۹۹۰ء میں کویت پر عراقی جارحیت صدام حسین کی تاریخی غلطی تھی۔ امریکہ اوراس کے اتحادیوں کو خلیج میں اپنے مفادات خطرے میں دکھائی دیے تو انہوں نے عراق پر مشترکہ حملہ کر دیا۔ اس خلیجی جنگ میں عراق کی معیشت کو بہت زیادہ نقصان پہنچا۔ نائن الیون کے واقعہ کے بعد امریکہ اوراس کے اتحادیوں نے افغانستان کو تباہ و برباد کرنے کے بعد عراق کی طرف رخ موڑ لیا۔ درحقیقت سوویت یونین کے زوال کے بعد امریکہ کو نئے حریف کی ضرورت تھی، اور یہ حریف اسے اسلامی ممالک کی صورت میں مل گیا۔ امریکہ نے اس بات کا پروپیگنڈا شروع کر دیا کہ عراق کے پاس وسیع پیمانے پر تباہی پھیلانے والے جوہری ہتھیار ہیں۔ I.A.E.A کے اسلحہ انسپکٹروں نے عراق کا دورہ کیا اوراس بات کی تصدیق کی کہ عراق کے پاس جوہری ہتھیار نہیں ہیں، لیکن اس کے باوجود امریکہ اوراس کے اتحادیوں نے ۲۰۰۳ء میں عراق پر حملہ کر دیا۔ ۱۰۔ اپریل ۲۰۰۳ء کو امریکی اور اتحادی افواج بغداد میں داخل ہوگئیں۔ امریکہ نے صدام حسین کو گرفتار کرنے کے بعد عراق کی کنگرو کورٹ میں ان پر مقدمہ چلایا۔ انصاف کے تقاضوں کو بالائے طاق رکھتے ہوئے کردجج نے امریکی خواہش کے مطابق صدام حسین کو سزائے موت سنادی۔ ۳۰۔ دسمبر ۲۰۰۶ء کو سزا پر عمل درآمد ہوا اوراس طرح عراقی صدر صدام حسین امریکی بربریت کی بھینٹ چڑھ گئے۔

امریکہ نے اپنی دو عمارتوں کے بدلے میں دو مسلم ریاستوں کو تباہ و برباد کر دیا۔ نائن الیون کے واقعہ کے بعد امریکی صدر بش نے مسلمانوں کے خلاف صلیبی جنگ شروع کرنے کا اعلان کیا تھا۔ دہشت گردی کے خلاف جنگ کے نام پر امریکہ نے نہ صرف جنوبی ایشیاء میں اپنا تسلط قائم کر لیا ہے بلکہ عراقی تیل کے ذخائر پر بھی قابض ہو چکا ہے۔ ہاورڈ یونیورسٹی کے پروفیسر سیموئیل پی ہنٹنگٹن نے تہذیبوں کے تصادم کا نظریہ پیش کیا۔ انہوں نے کہا کہ امریکہ اور اہل مغرب کا اسلامی تہذیب اور کنفیوشس تہذیب سے ٹکراؤ ناگزیر ہے۔ افغانستان اور عراق پر قبضہ کے بعد جس طرح امریکہ اپنے مغربی اتحادیوں کے ساتھ پاکستان، ایران، شام، یمن، صومالیہ، نائجیریا اور سوڈان کے گرد گھیرا تنگ کر رہا ہے، اس سے سیموئیل کے تہذیبوں کے تصادم کے نظریہ کو تقویت ملتی ہے۔ گویا امریکہ اسلامی تہذیب سے ٹکراؤ کو فیصلہ کن مرحلے میں داخل کرنا چاہتا ہے۔

نائن الیون کے واقعہ کا ذمّہ دار کون ہے؟ اس کے بارے میں میڈیا کے ذریعے اب تک دو آراء سامنے آچکی ہیں۔ ایک رائے تو امریکہ اور اہل مغرب کی ہے کہ القاعدہ کا سربراہ اسامہ بن لادن ان

Marfat.com

حملوں کا ذمہ دار ہے۔دوسری رائے مسلمانوں کی ہے کہ یہ صیہونی یہودیوں اور عیسائیوں کی کارستانی ہے۔ان میں سے کسی ایک رائے کو تسلیم کرنے کے لیے ہمیں نائن الیون کے نتائج پر غور کرنا ہوگا۔اگر ان حملوں کی ذمہ دار القاعدہ ہے تو القاعدہ نے یہ حملے کیوں کیے؟ سوائے ورلڈ ٹریڈ سنٹر کی تباہی کے وہ امریکہ کو اور کوئی نقصان نہیں پہنچا سکی۔اس کے بدلے میں اسے کیا حاصل ہوا؟ افغانستان اور عراق کی تباہی، جنوبی ایشیاء میں امریکی تسلط، اسلامی ایٹمی طاقت پاکستان میں داخلی انتشار، جہاد جیسے مقدس فریضہ پر دہشت گردی کا لیبل، کشمیر اور فلسطین کی تحاریک آزادی کا نقصان، اسرائیل کی عرب ممالک پر عسکری برتری اور عراقی تیل کے ذخائر پر امریکی قبضہ۔یہ سب نتائج تو امریکہ اور اسرائیل کے حق میں جاتے ہیں، جس سے اس رائے کو تقویت پہنچتی ہے کہ نائن الیون کا واقعہ اسرائیلیوں اور امریکیوں کی مسلمانوں کے خلاف سوچی سمجھی سازش تھی ممکن ہے اس میں C.I.A اور موساد نے کچھ مسلمانوں کو بھی استعمال کیا ہو۔

نائن الیون کے بعد اسرائیل مشرق وسطیٰ میں پہلے سے کہیں زیادہ محفوظ ہو گیا ہے۔عراق کی تباہی، اسرائیل کو تحفظ دینے کے لیے ہی تھی۔اہم عرب ممالک سعودی عرب، شام، لبنان اور مصر اسرائیلی جارحیت کے نشانے پر ہیں۔امریکہ جو حیثیت مشرقِ وسطیٰ میں اسرائیل کو دلوا چکا ہے، وہی حیثیت جنوبی ایشیاء میں بھارت کو دلانا چاہتا ہے۔اس کے لیے وہ بھارت سے سول ایٹمی ٹیکنالوجی کا معاہدہ بھی کر چکا ہے۔طالبان حکومت کے خاتمے کے بعد افغانستان میں بھارت نواز شمالی اتحاد کی حکومت قائم ہو چکی ہے۔پاک افغان سرحد کے ساتھ ساتھ بھارتی قونصل خانے پاکستان مخالف سرگرمیوں کے اڈے بن چکے ہیں۔ان قونصل خانوں سے پاکستان دشمن عناصر کو جدید اسلحہ فراہم کیا جا رہا ہے۔صوبہ سرحد اور صوبہ بلوچستان میں بھارتی مداخلت کے ٹھوس ثبوت ملے ہیں۔بلوچستان میں علیحدگی پسند تنظیم بلوچ لبریشن آرمی، اور ایرانی بلوچستان میں تخریب کاری میں ملوث جنداللہ کے عسکریت پسندوں کو موساد اور را کی طرف سے ہر قسم کی امداد مل رہی ہے۔

نائن الیون کے بعد مسلمانوں کی تحاریک آزادی کو دہشت گردی کا نام دے کر بے دردی سے کچلا جا رہا ہے۔کشمیر، فلسطین، چیچنیا اور اراکان (برما) میں انسانی حقوق کی صریح خلاف ورزی کی جا رہی ہے۔اقوام متحدہ اب تک دہشت گردی کی کوئی واضح تعریف متعین نہیں کر سکی، جس سے دہشت گردی اور تحریک آزادی میں فرق ممکن ہو سکے۔اقوام متحدہ کی قراردادوں کے مطابق مسئلہ کشمیر کے پائیدار حل

Marfat.com

سے ہی جنوبی ایشیاء کو ایٹمی جنگ کی تباہ کاریوں سے محفوظ رکھا جاسکتا ہے۔

امریکہ کے صدارتی انتخابات کے دوران ڈیموکریٹس کے صدارتی امیدوار باراک حسین اوباما کے بیانات سے یوں ظاہر ہوتا تھا کہ وہ ری پبلیکنز کی پالیسیوں کو ختم کر کے امن عالم کے لیے سنجیدہ کوشش کریں گے، لیکن صدر منتخب ہونے کے بعد انہوں نے بھی سابق صدر بش کی پالیسیوں کو برقرار رکھا ،امنِ عالم کے لیے محض اُن کے ذبانی دعوؤں کے صلے میں انہیں ۲۰۰۹ء کے امن نوبل انعام سے نوازا گیا۔امریکی مڈٹرم الیکشن میں ری پبلیکنز کی فتح سے اُن کی سیاسی پوزیشن مزید کمزور ہوگئی ہے۔اپنے ایک اہم دورۂ بھارت میں انہوں نے امریکہ۔ بھارت دفاعی اور معاشی معاہدوں کے علاوہ سلامتی کونسل میں مستقل نشست دلانے کے لیے بھارتی حمایت کا اعلان کیا۔ایک بار پھر امریکہ نے پاکستان کو نظر انداز کرتے ہوئے اوباما کے اس دورے میں پاکستان کو شامل نہیں کیا۔امریکہ جنوبی ایشیاء کے خطے میں بھارت کو پاکستان اور چین کے مقابلے میں اہم فوجی اور معاشی قوت بنانا چاہتا ہے۔تا کہ اس کے ذریعے یہاں اپنے مفادات حاصل کر سکے۔امریکی حکام القاعدہ کی قیادت کے یمن میں موجودگی سے متعلق بیانات بھی دے رہے ہیں،تا کہ یمن پر حملہ آور ہو کر بحیرہ احمر میں بابُ المندب پر مکمل کنٹرول حاصل کر لیا جائے جس کے بعد مسلم علاقوں کے تیل کے ذخائر پر قبضہ کی راہ ہموار ہو سکے گی۔امریکہ ' چین کو پاکستان کی گوادر پورٹ سے دور رکھنے کے ساتھ ساتھ پاکستان کے ایٹمی اثاثوں پر قبضہ کی راہ بھی ہموار کرنا چاہتا ہے،اسی لیے امریکی اور بھارتی حکام کی طرف سے ایسے بیانات تواتر کے ساتھ سامنے آرہے ہیں کہ پاکستان کے ایٹمی ہتھیار غیر محفوظ ہیں اور دہشت گردوں کے ہاتھ لگ سکتے ہیں۔

امریکہ کی افغان پالیسی سے پاکستان کے لیے اندرونی اور بیرونی محاذ پر خطرات بہت بڑھ گئے ہیں، کیونکہ جب تک امریکی افواج افغانستان میں موجود رہیں گی، پاکستان میں ہرگز امن قائم نہیں ہوسکتا۔لزبن میں ہونے والے اہم نیٹو اجلاس میں ۲۰۱۴ء تک آپریشن مکمل کر کے افغانستان سے فوجی انخلاء کا عندیہ ظاہر کیا گیا ہے۔امریکہ کے ڈرون حملوں کے نتیجے میں پاکستان میں خودکش حملوں میں بہت زیادہ اضافہ ہوگیا ہے۔جس سے بے گناہ پاکستانیوں کی جانیں ضائع ہورہی ہیں۔دہشت گرد حکومتی پالیسیوں کا بدلہ بے گناہ اور معصوم شہریوں کا خون بہا کر لے رہے ہیں۔فوجی ہیڈ کوارٹرز، پولیس ٹریننگ سنٹرز،تعلیمی ادارے،اولیاء اللہ کے مزارات ، مساجد، امام بارگاہیں، بازار،غرض کوئی مقام بھی

Marfat.com

دہشت گردوں کی تخریبی کارروائیوں سے محفوظ نہیں۔

اُسامہ بن لادن کی تلاش کے بہانے امریکہ پاکستان کے کسی بھی علاقے پر ڈرون حملوں کا ارادہ ظاہر کر رہا ہے۔ اس نے کوئٹہ پر بھی حملوں کی اجازت مانگی ہے۔ امریکی حکام مسلسل یہ دعویٰ کر رہے ہیں کہ القاعدہ کی قیادت پاکستانی حدود میں پاک افغان سرحد کے علاقوں میں روپوش ہے۔ امریکی حکام کا یہ رویہ پاکستان میں نئے مسائل کو جنم دے رہا ہے۔ پاک فوج نے عسکریت پسندوں کے خلاف خود کارروائی کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ سوات، مالاکنڈ اور جنوبی وزیرستان میں کامیاب فوجی آپریشن ہو چکے ہیں۔ ان فوجی آپریشنز کے تسلسل کو کامیابی سے آگے بڑھانے کے لیے وزیر اعظم یوسف رضا گیلانی نے چیف آف آرمی سٹاف جنرل اشفاق پرویز کیانی کی مدت ملازمت میں تین سال کی توسیع کر دی ہے۔

نیٹو اور ایساف کے ہیلی کاپٹروں نے پاکستانی حدود میں داخل ہو کر پاکستانی چوکی پر بمباری کی، جس پر حکومت پاکستان نے سخت احتجاج کرتے ہوئے نیٹو کی پاکستان کے راستے آئل سپلائی روک دی اور عوام کی طرف سے بھی نیٹو کے آئل ٹینکرز کو حملوں کا نشانہ بنایا گیا۔ نیٹو اور امریکہ نے اپنے مفادات کو خطرے میں دیکھ کر حکومت پاکستان سے باضابطہ معافی مانگ لی ہے۔ امریکہ میں ہونے والے پاک امریکہ سٹریٹجک ڈائیلاگ اختتام پزیر ہو چکے ہیں، جن میں ہونے والے فیصلوں اور معاہدوں کے اثرات مستقبل میں ظاہر ہوں گے۔ امریکہ شمالی وزیرستان میں بھی فوجی آپریشن کے لیے حکومت پاکستان پر دباؤ ڈال رہا ہے۔

مسلم تاریخ کے اس نازک موڑ پر مسلم ممالک کے حکمرانوں کو باہمی اختلافات ختم کر کے ایک ہونے کی ضرورت ہے۔ O.I.C، عرب لیگ اور دوسری مسلمان تنظیموں کو فعال بنانے کی ضرورت ہے۔ NATO کی طرز پر مسلم ممالک بھی اپنی مشترکہ فوج بنا سکتے ہیں تاکہ اسلام دشمن قوتوں کا مل کر مقابلہ کیا جا سکے۔ مسلم حکمرانوں کی مجرمانہ غفلت نے پہلے ہی مسلم اُمہ کو تاریخ کے نازک دوراہے پر لا کھڑا کیا ہے، اب اُمت مزید کسی غفلت کی متحمل نہیں ہو سکتی۔ اگر تہذیبوں کا تصادم شروع ہو ہی چکا ہے تو پورے عالم اسلام کو مل کر تہذیبوں کی یہ جنگ لڑنی چاہیے کیونکہ مراکش سے لے کر انڈونیشیاء تک پھیلی مسلم تہذیب کو شکست دینا امریکہ اور اہلِ مغرب کے بس کی بات نہیں، ضرورت صرف اللہ کی ذات پر کامل یقین اور اپنی صفوں میں اتحاد پیدا کرنے کی ہے، منزل دور نہیں، بہت قریب ہے، بس اُمت دیدہ بینا رکھنے والے کسی رہبر کی منتظر ہے۔

Marfat.com

"گرم دمِ جستجو"

زندہ قومیں اپنے سفرِ حیات میں پُر خار اور نازک راہوں سے گزرتے ہوئے اپنے ملّی وجود کو قائم رکھتی ہیں۔ یہ قومیں سازشوں، فتنوں اور انتشار کے طوفانوں کا ڈٹ کر مقابلہ کرتے ہوئے، کامیابی کے ساتھ اپنا سفر جاری رکھتی ہیں۔ مسلم اُمّہ نے تاریخ کے ہر دور میں خود کو زندہ، توانا اور زندگی کے جذبوں سے بھرپور قوم ثابت کیا۔ انہوں نے اپنے گلشن میں زیادہ دیر تک خزاؤں کے وجود کو برداشت نہ کیا، اور نہ ہی بادِ سموم کو اپنی من مانیاں کرنے کی اجازت دی۔ فاتح ہوئے تو اپنی خود مختاری قائم رکھی، مفتوح ہوئے تو دشمن کے لیے سب سے بڑی مزاحمتی قوّت ثابت ہوئے۔ ہمیشہ اپنی منزل خود متعیّن کی۔ اغیار کی سازشوں، فتنوں یا باہمی نا اتفاقی سے کبھی کمزور پڑ بھی گئے تو جلد ہی جذبوں نے انگڑائی لی اور پھر انقلاب برپا کر دیا۔ رومی ہوں، ساسانی ہوں، صلیبی ہوں یا تاتاری، مسلمانوں سے ٹکرائے تو اپنی قسمت ہی کھوٹی کی۔ مسلمانوں کے مقابلے میں اُن کی طاقت کا سارا نشہ ہرن ہو گیا۔ مسلمانوں سے ٹکرا کر بہت سی سلطنتیں پاش پاش ہوئیں اور بہت سی قومیں اپنی شناخت ہی کھو بیٹھیں۔ اگر کبھی جسد اُمّت پر کوئی گھاؤ لگا تو جلد ہی اس پر مرہم رکھنے کے لیے کوئی بطلِ جلیل میدان میں آ نکلا اور اُمّت کی رہبری کا فریضہ انجام دیا۔

جب قریشِ مکہ نے حضرت محمد ﷺ کے پیغام کی مخالفت کی اور آپ کے پیروکاروں پر دائرہ حیات تنگ کر دیا، تو آپ ﷺ نے اپنے ساتھیوں کو مکہ سے حبشہ کی طرف ہجرت کی اجازت دی۔ صحابہ کرام نے اپنے الگ دینی تشخص اور آزادی کو برقرار رکھنے کی خاطر اپنے گھر بار چھوڑے، اپنا آبائی وطن چھوڑا، اور بحیرۂ احمر کے پانیوں میں سفر کرتے ہوئے حبشہ کو اپنا مسکن بنایا۔

رسول اکرم ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام نے شعب ابی طالب میں محصوری کے دوران ہر طرح کے مصائب و آلام کا مقابلہ کیا۔ ہجرتِ مدینہ کے بعد بھی قریش نے حضرت محمد ﷺ اور آپ کے ساتھیوں کو اپنا محکوم بنانے کے لیے اُن پر جنگیں مسلط کیں، لیکن خائب و خاسر رہے۔ بے سروسامانی کے باوجود حضرت محمد ﷺ نے اپنے صحابہ کرام کے ساتھ مل کر عرب کی متموّل قوم یہود کی سازشوں کا ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ اس وقت کی سپر پاور سلطنتِ روم کی طرف سے مسلمانوں کے خلاف جنگی تیاریوں کی

Marfat.com

اطلاع ملنے پر آنحضور ﷺ اپنے ساتھیوں کے ہمراہ سینکڑوں میل کا سفر طے کر کے دشمن کی سرحد پر پہنچے، لیکن دشمن اتنا مرعوب تھا کہ مقابلے پر نہ آیا۔ حضرت محمد ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے اپنے جس آبائی وطن مکہ کو الوداع کہا تھا، صرف آٹھ سال کے عرصے میں پُر امن انقلاب کے ذریعے اسے فتح کر لیا۔

حضرت ابو بکر صدیق (۵۰ ق ہجری/ ۵۷۲ء۔۱۳ھ/ ۶۳۴ء) کی خلافت کے آغاز میں ہی منکرینِ زکوٰۃ اور جھوٹے مدعیان نبوّت کے فتنہ نے سر اٹھایا، تو مسلمانوں نے ڈٹ کر ان منفی قوتوں کا مقابلہ کیا۔ حضرت عمر فاروقؓ (۴۱ ق ہجری/ ۵۸۳ء۔۲۳ھ/ ۶۴۴ء) کا دورِ خلافت اُمت کے لیے سنہری دور ثابت ہوا، جب مسلم معاشرہ نہ صرف داخلی طور پر مستحکم ہوا بلکہ خارجی طور پر بھی مسلمانوں نے اپنی عسکری برتری ثابت کی۔ مسلمانوں نے اس وقت کی دو سپر طاقتوں کو مختلف محاذوں پر ہزیمت سے دو چار کیا۔ عراق، شام، مصر اور فلسطین کے علاقے فتح کیے۔ سلطنتِ فارس کو مکمل طور پر زیر کیا۔ مسلمانوں کی ان فتوحات سے گھبرا کر اسلام دشمن قوتوں نے سازشوں کے جال بننے شروع کیے۔ خلیفۂ دوم سیّدنا عمر فاروقؓ ایک مجوسی غلام کے ہاتھوں شہید کر دیے گئے۔

حضرت عثمان غنیؓ (۴۸ ق ہجری/ ۵۷۵ء۔۳۵ھ/ ۶۵۶ء) کے دورِ خلافت میں سبائی تحریک نے مسلمانوں میں باہمی انتشار اور فتنہ پیدا کر دیا۔ سبائیوں نے خلیفۂ سوم عثمان غنیؓ کو نہایت بے دردی کے ساتھ شہید کر کے، اُمت میں ایک مستقل فتنہ کی بنیاد رکھ دی۔ قصاصِ عثمانؓ کے مطالبہ پر مسلمانوں کے دو گروہ ایک دوسرے کے مدِّ مقابل آ گئے۔ حضرت امیر معاویہؓ (۶۰۷ء۔۶۸۰ء) نے حضرت علیؓ (۲۲ ق ہجری/ ۵۹۹ء۔۴۰ ہجری/ ۶۶۰ء) کی خلافت کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور حزبِ مخالف کے طور پر سامنے آئے۔ خلیفہ چہارم سیّدنا علیؓ بھی ایک خارجی کے ہاتھوں شہید کر دیے گئے۔ انتشار، فتنہ، بدامنی اور خانہ جنگی کے اس دور میں سیّدنا امام حسنؓ (۳ھ/ ۶۲۴ء۔۴۹ھ/ ۶۶۹ء) اُمتِ مسلمہ کے لیے ایک روشن ستارہ بن کر چمکے۔ آپؓ نے ایک معاہدہ کے ذریعے امیر معاویہؓ سے صلح کر لی۔ امیر معاویہؓ کے دورِ خلافت میں ایک بار پھر فتوحات کا سلسلہ شروع ہوا۔ عقبہ بن نافعؓ (وفات ۶۴ھ/ ۶۸۳ء) شمالی افریقہ کے تمام علاقوں پر اسلام کا پرچم لہراتے ہوئے بحرِ اوقیانوس کے ساحلوں تک پہنچ گئے۔

حضرت امیر معاویہؓ کے ایک سیاسی فیصلہ کی وجہ سے خلافت، ملوکیت میں بدل گئی۔ امیر معاویہؓ

Marfat.com

نے اپنے بیٹے یزید کو اپنا جانشین مقرر کیا تو امام حسینؓ (۵ھ/۶۲۶ء۔۶۱ھ/۶۸۰ء) کی طرح دیگر جلیل القدر صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے بھی یزید کی بیعت سے انکار کر دیا۔ اس موقع پر امام حسینؓ نے اپنا ذمہ دارانہ فرض نبھایا، اور ملوکیت کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ یزید کی موروثی حکومت کے خلاف علمِ حق بلند کرتے ہوئے امام حسینؓ نے شہادت کا رتبہ حاصل کیا۔ نواسۂ رسول ﷺ کی شہادت نے اُمت پر بہت گہرے اثرات مرتّب کیے۔ جس کے گھاؤ آج تک مندمل نہیں ہو سکے۔

امام حسین رضی اللہ عنہ کے بعد اُمویوں کی موروثی حکومت کے خلاف عبداللہ بن زبیرؓ (۱ہجری/۶۲۲ء۔۷۳ھ/۶۹۲ء) میدانِ عمل میں آئے۔ آپؓ نے اُموی حکومت کے مقابلے میں اپنی الگ حکومت قائم کر کے مکہ کو اپنا دارُالخلافہ بنایا۔ عبدالملک بن مروان اُموی کے دور میں آپؓ نے بھی جامِ شہادت نوش کیا۔ عبداللہ بن زبیرؓ کی شہادت کے بعد اُموی خلافت مضبوط بنیادوں پر استوار ہوگئی۔ ولید بن عبدالملک (وفات ۹۶ھ/۷۱۵ء) کے دور میں جیسے ہی مسلمانوں کو باہمی خانہ جنگی سے نجات ملی، انہوں نے ایک بار پھر فتوحات کا سلسلہ شروع کر دیا۔ قتیبہ بن مسلم نے وسطِ ایشیاء، موسیٰ بن نصیر (۱۹ھ/۶۴۰ء۔۹۷ھ/۷۱۶ء) اور طارق بن زیاد نے اندلس اور محمد بن قاسم (۷۴ھ/۶۹۳ء۔۹۶ھ/۷۱۵ء) نے سندھ اور ملتان تک کے علاقوں کو فتح کر کے اسلام کا پرچم سربلند کیا۔

اُمویوں کی موروثی خلافت میں اُمت کو عمر بن عبدالعزیزؒ (۶۳ھ/۶۸۲ء۔۱۰۱ھ/۷۲۰ء) جیسی شخصیت کی رہنمائی میسر آ گئی، جنھوں نے اُمویوں اور ہاشمیوں میں اختلافات کو ختم کروانے کے لیے بھرپور کوششیں کیں۔ آپؒ نے موالیوں (نو مسلموں) اور خوارج سے بھی حسنِ سلوک کی پالیسی اختیار کی۔

اُمویوں کے مقابلے میں عباسیوں اور علویوں نے اتحاد کر لیا اور اپنی خفیہ تحریک کا آغاز کیا، یہ تحریک کامیاب ہوئی۔ جنگِ زاب میں آخری اموی حکمران مروان ثانی (وفات ۱۳۲ھ/۷۴۹ء) کو شکست ہوئی عباسیوں نے کامیاب ہو کر علویوں سے عہد شکنی کی اور اُن کی طاقت کو ختم کرنے کے لیے مظالم کا بازار گرم کر دیا۔ امام نفس ذکیہؒ (شہادت ۱۴۵ھ/۷۶۲ء) جیسی بزرگ ہستیاں شہید کر دی گئیں۔ امام ابو حنیفہؒ (۸۰ھ/۶۹۹ء۔۱۵۰ھ/۷۶۷ء) کو امام نفس ذکیہؒ کی حمایت کی پاداش میں ابو جعفر منصور عباسی (وفات ۱۵۹ھ/۷۷۵ء) نے قید خانہ میں ڈال دیا، جہاں آپ کو زہر دے کر شہید کر دیا گیا۔ عباسیوں اور علویوں کی یہ سیاسی کشمکش مسلسل جاری رہی۔ مامون الرّشید عباسی (۱۷۰ھ/۷۸۶ء۔

Marfat.com

۲۱۸ھ/۸۳۳ء) نے اپنے دورِ خلافت میں ان اختلافات کو ختم کرنے کے لیے سنجیدہ کوشش کی اور اپنے بعد امام علی رضاؒ (۱۴۸ھ/۷۶۵ء۔۲۰۳ھ/۸۱۸ء) کو اپنا جانشین مقرر کر دیا۔ یہ مامون کا بہت ہی اہم تاریخی فیصلہ تھا، لیکن امام علی رضاؒ کو ایک سازش کے ذریعے زہر دے کر شہید کر دیا گیا۔ اس طرح علویوں اور عباسیوں کے درمیان اختلافات کی خلیج مزید وسیع ہو گئی۔

مامون الرشید کے دور میں قیروان کے گورنر زیادۃ اللہ بن ابراہیم نے قاضی قیروان اسد بن فرات کو بحیرہ روم کے اہم جزیرہ صقلیہ (سسلی) کی فتح کے لیے روانہ کیا۔ مسلمان ۸۲۷ء کو صقلیہ کے ساحل پر لنگر انداز ہوئے، قاضی اسد بن فرات دشمن کے خلاف لڑتے ہوئے شہید ہو گئے۔ مسلمانوں نے عیسائیوں کے خلاف جہاد جاری رکھا اور ۲۶۱ھ/۸۳۱ء میں صقلیہ کے دارالحکومت پلرمو کو فتح کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ مسلمان یہاں تقریباً پونے تین سو سال تک حکمران رہے۔ لیکن پھر زوال شروع ہوا تو ایک ایک کر کے علاقے ہاتھ سے نکلتے گئے۔ ۱۰۷۱ء میں پلرمو پر عیسائیوں کا قبضہ ہو گیا۔ ۴۸۴ھ/۱۰۹۱ء میں آخری شہر قصریانہ بھی مسلمانوں کے ہاتھ سے نکل گیا۔ اس طرح شاہِ اٹلی راجر پورے صقلیہ پر قابض ہو گیا۔ صقلیہ کے علاوہ بحیرہ روم کے اہم جزائر قبرص، کریٹ، مالٹا اور سارڈینا بھی مسلمانوں نے فتح کیے۔

مامون الرشید یونانی فلاسفہ سے خاصا متاثر تھا۔ اس کے دور میں مسلمانوں کے عقل پرست گروہ معتزلہ کو خاصا عروج حاصل ہوا۔ معتزلہ کی سرکاری سرپرستی کی گئی۔ امام احمد بن حنبلؒ (۱۶۴ھ/۷۸۰ء۔ ۲۴۱ھ/۸۵۵ء) نے معتزلی عقیدہ 'خلقِ قرآن' کی مخالفت کی پاداش میں بہت زیادہ صعوبتیں برداشت کیں۔ معتزلہ میں علامہ زمخشری مشہور مفسرِ قرآن ہوئے۔ اسی دور میں بابک خرمی (وفات ۲۲۳ھ/۸۳۷ء) نے اسلامی عقائد کو بگاڑنے کے لیے تحریک کا آغاز کیا۔ اس کا اٹھایا ہوا فتنہ بہت بڑی تباہی لایا۔ اس نے ہزاروں بے گناہ مسلمانوں کو تہہ تیغ کیا۔ بالآخر معتصم باللہ عباسی (۱۷۹ھ/۷۹۵ء۔ ۲۲۷ھ/۸۴۳ء) کے عہد میں ایک ترک سپہ سالار افشین حیدر (وفات ۲۲۶ھ/۸۴۱ء) نے اسے شکست دے کر گرفتار کر لیا۔ بعد ازاں اسے قتل کر دیا گیا۔

۲۶۴ھ/۸۷۷ء میں احمد بن طولون نے مصر کے ساتھ ساتھ شام پر بھی قبضہ کر لیا۔ مصر اور شام میں طولونی خاندان کی یہ امارت ۲۹۳ھ/۹۰۶ء تک قائم رہی۔ بابک خرمی کی طرح قرامطہ نے بھی عالمِ اسلام میں انتشار و افتراق پیدا کیا۔ ابو طاہر سلیمان قرمطی (۳۰۱ھ/۹۱۴ء۔۳۳۲ھ/۹۴۳ء) نے

Marfat.com

عراق کو تاخت و تاراج کرنے کے ساتھ ساتھ مکہ میں بھی خون ریزی کی اور حجر اسود کو اٹھا کر اپنے ساتھ عمان لے گیا۔ عباسی خلیفہ المطیع اللہ قرامطہ کی سرکوبی کرتے ہوئے ۲۴ سال بعد حجر اسود مکہ واپس لایا۔ سلطان محمود غزنوی نے اپنے حملوں سے قرامطیوں کی قوت بہت حد تک کم کر دی۔ خلافتِ عباسیہ کی کمزوری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اس دور میں بہت سی خود مختار سلطنتیں وجود میں آ گئیں۔

۲۸۷ھ/۹۰۰ء میں زیدیوں نے جنوبی عرب میں اپنی آزاد ریاست قائم کر لی۔ ۲۹۰ھ/۹۰۳ء میں ترکستان کے حاکم اسماعیل سامانی نے وسط ایشیاء میں دولت سامانی کی بنیاد رکھی۔ یعقوب بن لیث نے ۸۷۲ء میں خراسان کی طاہری سلطنت کا خاتمہ کر کے صفاری حکومت قائم کر لی تھی۔ اسماعیل سامانی نے ۲۹۰ھ/۹۰۳ء میں صفاری خاندان کی امارت کا خاتمہ کر کے خراسان کو بھی دولتِ سامانیہ میں شامل کر لیا۔ المقتدر باللہ عباسی کے عہد کے سال ۲۹۶ھ/۹۰۹ء میں عبید اللہ محمد نے تیونس میں فاطمی خلافت قائم کر لی۔ ساٹھ سال بعد ۳۵۸ھ/۹۶۹ء میں جوہر صقلی نے مصر کو فتح کر کے فاطمی خلافت میں شامل کر لیا۔ یہ فاطمی خلافت ۵۶۵ھ/۱۱۷۱ء تک قائم رہی۔ آلِ بویہ نے یہاں تک طاقت حاصل کر لی کہ خلیفہ مستکفی باللہ (۲۹۲ھ/۹۰۵ء۔ ۳۳۴ھ/۹۴۵ء) کے دور میں وہ بغداد پر قابض ہو گئے اور خلیفہ بغداد اُن کے زیر اثر آ گیا۔ آلِ بویہ نے شیعی عقائد کی بڑے پیمانے پر تبلیغ و تشہیر کی۔ اسی دور میں سلجوقی ترکوں نے الگ اور خود مختار سلطنت قائم کر لی۔ سلجوقی سلطان طغرل بیگ (۴۲۸ھ/۱۰۳۷ء۔ ۴۵۵ھ/۱۰۶۳ء) نے آلِ بویہ کو بغداد سے نکال دیا۔ سلجوقیوں کے دور میں ایک بار پھر سنی مسلک کو عروج حاصل ہوا۔

سلجوقی سلطان، الپ ارسلان (۴۲۰ھ/۱۰۲۹ء۔ ۴۶۵ھ/۱۰۷۲ء) نے اپنی سلطنت کی مضبوطی اور استحکام کے لیے گراں قدر خدمات انجام دیں۔ اس نے رومی قیصر رومانوس دیوجانس کو جنگِ ملاز کرد (۴۶۴ھ/۱۰۷۱ء) میں عبرتناک شکست سے دوچار کیا۔ الپ ارسلان نے مکہ اور مدینہ میں عباسی خلافت کو بحال کروایا اور ایک بار پھر خطبہ میں عباسی خلیفہ کا نام لیا جانے لگا۔ سلجوقی سلطان ملک شاہ (وفات ۴۸۵ھ/۱۰۹۲ء) کے وزیر اعظم، نظام الملک طوسی (وفات ۴۸۵ھ/۱۰۹۲ء) نے مسلمانوں کی علمی ترقی کے لیے نہایت ٹھوس بنیادوں پر اقدامات کیے۔ اس نے بغداد میں مدرسہ نظامیہ کی بنیاد رکھی، جو علم و فضل کا بہت بڑا مرکز تھا۔ امام غزالی (۴۵۱ھ/۱۰۵۹ء۔ ۵۰۵ھ/۱۱۱۱ء) جیسے یگانۂ روزگار، اسی مدرسہ میں بطور معلّمِ اعلیٰ اپنے علمی فیض سے ساری دنیا کو مستفید کرتے رہے۔

Marfat.com

اس وقت تک سلطان محمود غزنوی (۳۶۰ھ/۹۷۱ء-۴۲۱ھ/۱۰۳۰ء) اپنی کامیاب فتوحات کے ذریعے ہندوستان میں اشاعتِ اسلام کے لیے راہیں ہموار کر چکا تھا۔ انہیں راہوں پر چلتے ہوئے شہاب الدین محمد غوری (۵۳۰ھ/۱۱۳۵ء-۶۰۲ھ/۱۲۰۶ء) نے دوسری جنگِ ترائن (۵۸۸ھ/ ۱۱۹۲ء) میں پرتھوی راج کو شکست دے کر برِصغیر میں باقاعدہ اسلامی ریاست کے قیام کی راہ ہموار کر دی۔

اندلس میں بنواُمیہ کی حکومت خاصی کمزور ہو چکی تھی، جس کی وجہ سے اندلس میں بہت سی خود مختار سلطنتیں وجود میں آ گئی تھیں۔ جب اندلس میں مسلمانوں کو اپنا وجود خطرے میں دکھائی دیا تو اشبیلیہ کے حاکم' معتمد بن عباد نے مراکش کے مسلمان فرمانروا' یوسف بن تاشفین (وفات ۵۰۰ھ/۱۱۰۶ء) کو مدد کے لیے بلایا۔ یوسف بن تاشفین مکمل اسلامی جذبے کے ساتھ مراکش سے اندلس آیا اور معتمد کے ساتھ مل کر عیسائیوں کو جنگِ زلاقہ (۴۷۹ھ/۱۰۸۶ء) میں شکست فاش دی۔

اسی دور میں حسن بن صباح (وفات ۵۳۵ھ/۱۱۴۲ء) نے اپنی کارروائیوں سے مسلمانوں کے اتحاد کو پارہ پارہ کر دیا۔ اس نے فدائین کی سرپرستی کی اور انہیں عالم اسلام کی مقتدر ہستیوں کو قتل کرنے کے لیے خصوصی تربیّت فراہم کی۔ ایک فدائی کے حملے میں نظام الملک طوسی جیسے سیاستدان، مدبّر اور ماہرِ تعلیم کو اپنی جان سے ہاتھ دھونا پڑے۔ ہلاکو خان نے جب مسلم علاقوں کو تاخت و تاراج کیا تو اس نے فدائین کا مرکز' قلعہ الموت بھی تباہ کر دیا۔

سلطان سنجر (وفات ۵۵۲ھ/۱۱۵۷) سلجوقیوں کا آخری عظیم حکمران تھا۔ اس کے دور میں خوارزم کے امیر آتسیز نے ۵۳۳ھ/۱۱۴۰ء میں اپنی خود مختاری کا اعلان کر دیا۔ ۱۲۱۰ء میں علاؤالدین خوارزم شاہ نے آخری سلجوقی سلطان رکن الدین طغرل کو شکست دے کر خوارزم شاہی ریاست کی بنیاد رکھ دی۔

گیارہویں صدی کے آخری سال ۴۹۲ھ/۱۰۹۹ء میں عیسائیوں نے کامیاب صلیبی حملوں کے نتیجہ میں مسلمانوں سے بیت المقدس چھین لیا تھا۔ عماد الدّین زنگی (۵۱۷ھ/۱۱۲۳ء-۵۴۱ھ/۱۱۴۶ء) اور اس کے بیٹے نور الدّین زنگی (وفات ۵۶۹ھ/۱۱۷۳ء) نے صلیبی عیسائیوں کے خلاف علم جہاد بلند کیا اور عیسائیوں سے بہت سے مسلم علاقے واپس لے لیے۔ سلطان صلاح الدّین ایوبی (۵۳۳ھ/۱۱۳۸ء-۵۸۹ھ/۱۱۹۳ء) نے جنگِ حطین (۵۸۳ھ/۱۱۸۷ء) میں عیسائیوں کو تاریخی شکست سے دوچار کیا اور صرف ۸۸ سال کے بعد بیت المقدس کو عیسائیوں سے آزاد کروالیا۔ سلطان

Marfat.com

ملک الکامل نے ۶۲۶ھ/۱۲۲۹ء میں ایک معاہدہ کے ذریعے بیتُ المقدس عیسائیوں کے حوالے کر دیا، لیکن ۶۴۱ھ/ ۱۲۴۴ء میں سلطان ملک المعظم نے ایک بار پھر بیتُ المقدس فتح کر لیا۔

تیرہویں صدی کے ابتدائی عشرہ کے سال ۱۲۰۶ء میں سلطان قطب الدّین ایبک (وفات ۶۰۷ھ/۱۲۱۰ء) نے برِّصغیر میں پہلی باقاعدہ اسلامی ریاست کی بنیاد رکھ دی۔ غلاماں، خلجی، تغلق، سیّد اور لودھی مسلم خاندانوں نے یکے بعد دیگرے دہلی پر حکومت کی۔ تیرہویں صدی عیسوی کے دوسرے نصف کے آغاز میں تاتاریوں نے مسلم علاقوں پر حملے شدید کر دیے۔ خلیفۂ بغداد مستعصم باللہ (وفات ۶۵۶ھ/۱۲۵۸ء) کے وزیر ابنِ علقمی اور ہلاکو خان کے دربار سے وابستہ مسلم سائنسدان نصیرالدین طوسی کی سازش کے نتیجے میں ہلاکو خان نے ۱۲۵۸ء میں بغداد پر بھرپور حملہ کیا۔ خلیفۂ بغداد اپنی ناعاقبت اندیشی کی وجہ سے سلطنت کا دفاع نہ کر سکا۔ اس طرح ۱۲۵۸ء میں بغداد میں عباسی خلافت کا خاتمہ ہو گیا۔ تاتاریوں نے بغداد میں خون کی ندیاں بہا دیں اور بے گناہ مسلمانوں کا قتلِ عام کیا۔

قریب تھا کہ وحشی تاتاریوں کا یہ بڑھتا ہوا سیلاب، تمام مسلم علاقوں کو خس وخاشاک کی طرح بہا لے جاتا، لیکن بیبرس (وفات ۶۷۷ھ/۱۲۷۸ء) مسلمانوں کے لیے ایک مسیحا کے روپ میں سامنے آیا۔ بیبرس نے سلطان مظفر الدین قطز کے ساتھ مل کر سقوطِ بغداد کے صرف دو سال بعد عینِ جالوت کے عظیم معرکہ (۶۵۸ھ/۱۲۶۰ء) میں تاتاریوں کو اُن کی زبان ہی میں سبق سکھاتے ہوئے، عبرتناک شکست سے دوچار کیا۔ سلطان بیبرس نے ایک طرف تاتاریوں کا زور توڑا تو دوسری طرف صلیبیوں کے خلاف وہ صلاح الدّین ایوبی کا صحیح جانشین ثابت ہوا۔ اس نے صلیبیوں کے خلاف بہت سے معرکے لڑے۔ ۶۶۷ھ/۱۲۶۸ء میں اس نے عیسائیوں سے انطاکیہ کی اہم ریاست چھین لی۔ ۶۹۰ھ/۱۲۹۱ء میں ملک الاشرف نے عیسائیوں سے عکّہ کی ریاست بھی چھین لی۔ اس طرح صلیبی جنگوں کے اختتام تک مسلمانوں نے عیسائیوں سے اپنے تمام علاقے واپس لے لیے۔

ایشیائے کوچک میں ایک اور مسلمان جرنیل عثمان خان (۶۵۷ھ/۱۲۵۹ء۔ ۷۲۶ھ/ ۱۳۲۶ء) نے ۱۲۸۸ء میں سلطنتِ عثمانیہ کی بنیاد رکھی۔ عثمانی سلاطین نے اپنی سلطنت کو مسلسل وسعت دی۔ سلطان بایزید یلدرم (۷۴۸ھ/۱۳۴۷ء۔ ۸۰۵ھ/ ۱۴۰۳ء) نے بازنطینی سلطنت سے بہت سے علاقے فتح کر کے اپنی سلطنت میں شامل کر لیے۔ ابھی وہ قسطنطنیہ کو فتح کرنے کے منصوبے بنا ہی رہا

Marfat.com

تھا کہ امیر تیمور (۷۳۶ھ/۱۳۳۵ء۔۸۰۶ھ/۱۴۰۵ء) نے دہلی کے ساتھ ساتھ بہت سے علاقوں کو تاراج کرنے کے بعد عثمانی سلطنت سے ٹکر لی۔ مسلمانوں کی تاریخ کے اس نازک موڑ پر دو بڑی مسلم سلطنتیں ایک دوسرے سے ٹکرا گئیں۔ جنگِ انگورہ (۸۰۵ھ/۱۴۰۲ء) میں امیر تیمور نے سلطان بایزید یلدرم کو شکست دی۔ اس شکست سے عثمانیوں کو وقتی طور پر بہت بڑا دھچکا لگا، لیکن وہ جلد ہی سنبھل گئے۔ ۸۵۷ھ/۱۴۵۳ء میں سلطان محمد فاتح (۸۳۳ھ/۱۴۳۰ء۔۸۸۶ھ/۱۴۸۱ء) نے بازنطینی سلطنت کا نہایت اہم شہر قسطنطنیہ فتح کرلیا۔ سلطان سلیم اول نے واحد اسلامی سلطنت کے قیام کے منصوبے کو عملی جامہ پہنانے کے لیے مصر کے مملوک حکمران طومان بائے کو معرکہ وردان ۹۲۳ھ/۱۵۱۷ء میں شکست دے کر مصر پر قبضہ کرلیا۔ وہ مصر سے عباسی خلیفہ متوکل علی اللہ کو اپنے ساتھ استنبول لے گیا۔ متوکل علی اللہ نے خلافت کی عبا سلطان سلیم کو پہنا دی۔ اس طرح خلافت' بنو عباس سے عثمانیوں کو منتقل ہوگئی۔

سلطان سلیمان اعظم قانونی کے دور میں خیرالدین باربروسا نے اپنے بھائی یعقوب اروج کے ساتھ مل کر بحیرۂ روم پر کنٹرول حاصل کرلیا۔ اس نے تیونس اور الجزائر پر مسلمانوں کی حکومت قائم کردی۔

اندلس کے مسلم حکمرانوں کو ہر مشکل وقت میں مراکش کے مرابطین حکمران مدد فراہم کرتے تھے، لیکن محمد ابنِ تومرت (وفات ۵۲۴ھ/۱۱۲۹ء) کی الموحدین تحریک نے مرابطین کی طاقت کا خاتمہ کر دیا۔ مرابطین اور الموحدین کی باہمی لڑائیوں کے اثرات اندلس کی سیاست پر بھی پڑے۔ اندلس کی عیسائی ریاست ارغون کے حکمران' فرڈیننڈ نے اس صورت حال کا بھرپور فائدہ اٹھایا۔ اس نے ۸۹۸ھ/۱۴۹۲ء میں غرناطہ کے حکمران ابوعبداللہ کو شکست دے کر اندلس کی آخری مسلم ریاست بھی چھین لی۔ اس طرح اندلس میں مسلمانوں کے اقتدار کا سورج غروب ہوگیا۔

پندرھویں صدی کے اختتام تک اندلس میں تو مسلمانوں کی حکومت مکمل طور پر زوال پذیر ہوگئی، لیکن سولہویں صدی میں ہندوستان، ایران اور ایشیائے کوچک میں مسلمانوں کی عظیم ترین سلطنتیں قائم ہوگئیں۔ شاہ اسماعیل نے ۱۴۹۹ء میں ایران میں صفوی خاندان کی حکومت قائم کردی۔ اس خاندان میں شاہ اسماعیل، شاہ طہماسپ اور شاہ عباس عظیم حکمران ہوئے۔

پانی پت کی پہلی لڑائی (۹۳۲ھ/۱۵۲۶ء) میں ظہیر الدین محمد بابر (۸۸۸ھ/۱۴۸۳ء۔۹۳۷ھ/۱۵۳۰ء) نے محمد ابراہیم لودھی کو شکست دے کر برصغیر میں مغل حکومت کی بنیاد رکھی۔

Marfat.com

مغل شہنشاہ اکبر (۹۴۸ھ/۱۵۴۲ء۔۱۰۱۴ھ/۱۶۰۵ء) نے اپنی راجپوت پالیسی پر عمل کرتے ہوئے ہندوؤں پر خصوصی نوازشات کیں اور صلح کل کی پالیسی پر عمل پیرا ہوا۔اس نے اسلام سے متصادم نظریات قبول کیے جن میں بادشاہ کو سجدہ تعظیمی اور دیگر غیر شرعی اقدامات شامل تھے۔

نورالدین جہانگیر (۹۷۷ھ/۱۵۶۹ء۔۱۰۳۷ھ/۱۶۲۸ء) کے دور میں حضرت مجدّد الف ثانیؒ (۹۷۱ھ/۱۵۶۳ء۔۱۰۳۴ھ/۱۶۲۴ء) نے مغل حکومت کے اس سرکاری مذہب کے خلاف جہاد کیا اور ان عقائد و نظریات کو اسلامی تعلیمات سے متصادم قرار دیا۔آپ کی مساعی مخلصانہ کے نتیجے میں جہانگیر نے ان عقائد سے توبہ کر لی اور ایک بار پھر مغل حکمران راہِ راست پر آ گئے۔اورنگ زیب عالمگیر (۱۰۲۷ھ/۱۶۱۸ء۔۱۱۱۸ھ/۱۷۰۷ء) کے دور میں برصغیر میں اسلامی فقہ کو خاصا عروج حاصل ہوا۔اورنگزیب کی وفات کے بعد مغل سلطنت کا زوال شروع ہو گیا۔

۱۱۳۴ھ/۱۷۲۲ء میں ایران میں صفوی خاندان کا حکمران شاہ سلطان حسین، میر محمود افغان کے حق میں دستبردار ہو گیا، اس طرح ایران میں صفویوں کی جگہ افغانیوں کی حکومت قائم ہو گئی۔ملک اشرف افغان نے ۱۷۲۵ء سے ۱۷۳۰ء تک کامیابی کے ساتھ حکومت کی۔۱۱۴۲ھ/۱۷۳۰ء میں صفوی خاندان کے ایک شہزادے شاہ طہماسپ نے نادر قلی خان کی مدد سے ملک اشرف افغان سے حکومت چھین کر ایک بار پھر صفوی خاندان کی حکومت قائم کر دی۔شاہ طہماسپ کے بعد اس کا بیٹا شاہ عباس تخت نشین ہوا۔شاہ عباس کی وفات کے بعد نادر قلی خان ایران کا بادشاہ بن گیا۔نادر شاہ نے ۱۷۳۹ء میں مغل حکمران محمد شاہ رنگیلا کو شکست دے کر دہلی میں قتل عام کیا۔

مغلوں کی کمزوری کا فائدہ اٹھا کر مرہٹے خاصی طاقت حاصل کر چکے تھے۔مسلم تاریخ کے اس نازک موڑ پر شاہ ولی اللہؒ (۱۱۱۵ھ/۱۷۰۳ء۔۱۱۷۶ھ/۱۷۶۲ء) نے افغانستان کے حکمران احمد شاہ ابدالی (۱۱۳۶ھ/۱۷۲۳ء۔۱۱۸۷ھ/۱۷۷۳ء) کو ہندوستان آنے کی دعوت دی تا کہ مسلمانوں کو مرہٹوں کے شر سے نجات دلائی جا سکے۔احمد شاہ ابدالی نے پانی پت کی تیسری لڑائی (۱۱۷۴ھ/۱۷۶۱ء) میں مرہٹوں کو شکست دے کر ان کے ہندوستان میں خالص ہندو ریاست قائم کرنے کے خواب کو چکنا چور کر دیا۔برصغیر میں انگریزوں کے بڑھتے ہوئے اقتدار کے خلاف ریاست میسور کا حکمران، سلطان ٹیپو (۱۱۶۲ھ/۱۷۴۹ء۔۱۲۱۳ھ/۱۷۹۹ء) بہت بڑی مزاحمتی قوت ثابت ہوا۔سلطان نے پوری زندگی

Marfat.com

انگریز اقتدار کے خلاف جہاد کیا۔ بالآخر اپنی سرزمین کی حفاظت کرتے ہوئے یہ عظیم مسلم جرنیل سرنگا پٹم کی چوتھی جنگ (۱۲۱۳ھ/۱۷۹۹ء) میں جامِ شہادت نوش کر گیا۔ سیّد احمد بریلوی نے ۱۲۴۶ھ/۱۸۳۱ء میں اپنے ساتھیوں کے ساتھ بالاکوٹ کے مقام پر سکھوں کے خلاف لڑتے ہوئے اپنی جان کا نذرانہ پیش کیا۔ ایران میں ناصرالدین قاچار کے عہد حکومت میں محمد علی باب نے امام مہدی ہونے کا دعویٰ کر کے بابی مذہب کی بنیاد رکھی۔ مشہور شاعرہ قراۃ العین طاہرہ بھی اس کے پیروکاروں میں شامل ہوگئی۔ ناصرالدین قاچار نے سختی کے ساتھ بابیوں کو کچل دیا۔

۱۲۷۳ھ/۱۸۵۷ء میں اہلیانِ ہند نے آخری مغل بادشاہ بہادر شاہ ظفر (۱۱۸۹ھ/۱۷۷۵ء۔ ۱۲۷۹ھ/۱۸۶۲ء) کی قیادت میں انگریزوں کے خلاف جنگِ آزادی شروع کی تو مسلمانوں نے اس جدوجہد آزادی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور قربانیوں کی عظیم داستان رقم کی۔

طرابلس میں سیّد محمد بن علی سنوسی (وفات ۱۲۷۷ھ/۱۸۶۰ء) نے ۱۸۳۰ء کے لگ بھگ سنوسی تحریک کی بنیاد رکھی۔ اگرچہ امام سنوسی تزکیہ نفس پر زور دیتے تھے، لیکن اس تحریک کے پیروکاروں نے جنگ طرابلس میں اطالوی فوجوں کے خلاف بھی سخت مزاحمت کی۔ مراکش، مصر اور سوڈان میں اٹھنے والی تحریکیں سنوسی تحریک سے بہت زیادہ متاثر تھیں۔

مصر میں انگریزوں کے بڑھتے ہوئے اثر و رسوخ کے مقابلے میں اعرابی پاشا نے قوم پرستی کی تحریک شروع کی اور مصریوں کو خواب غفلت سے بیدار کیا۔ توفیق خدیو جیسے سازشیوں کی وجہ سے انگریزوں نے ۱۲۹۹ھ/۱۸۸۲ء میں مصر پر قبضہ کرلیا۔ اعرابی پاشا کو جلاوطن کر کے سیلون بھیج دیا گیا۔

سوڈان میں برطانوی سامراج کے خلاف مہدی سوڈانی (۱۲۴۹ھ/۱۸۳۴ء۔۱۳۰۲ھ/۱۸۸۵ء) نے علم جہاد بلند کیا۔ ۱۲۹۹ھ/۱۸۸۲ء میں مہدی سوڈانی نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ مل کر خرطوم فتح کرلیا، لیکن مہدی سوڈانی کی وفات کے بعد ایک بار پھر برطانیہ نے ۱۳۰۶ھ/۱۸۸۹ء میں سوڈان پر قبضہ کرلیا۔ ۱۳۱۲ھ/۱۸۹۵ء میں ترکستان کے صوفی ایشاں محمد علی نے اپنے ملک کو روسیوں کے تسلط سے نجات دلانے کے لیے جدوجہد کا آغاز کیا اور روسیوں کے خلاف اہم کامیابیاں حاصل کیں۔ لیکن روسیوں نے طاقت کے ساتھ اس تحریک کو دبا دیا۔

صومالی لینڈ میں محمد بن عبداللہ حسن نے ۱۳۱۶ھ/۱۸۹۹ء میں انگریزوں کے خلاف علم حق بلند کرتے

Marfat.com

ہوئے جہاد شروع کیا۔انہوں نے سمالی لینڈ کا بہت سا علاقہ انگریزوں سے آزاد کرا لیا۔۱۹۲۰ء میں ان کی وفات کے کچھ ہی عرصہ بعد انگریزوں نے پورے سمالی لینڈ میں پر قبضہ کر لیا۔

پنجاب کے ایک قصبہ قادیان میں مرزا غلام احمد قادیانی (۱۸۳۵ء۔۱۹۰۱ء) نے مہدی موعود اور نبی ہونے کا دعویٰ کر کے قادیانی (مرزائی) مذہب کی بنیاد رکھی۔مرزا غلام احمد نے جہاد بالسیف کو حرام قرار دیتے ہوئے اپنے پیروکاروں کو انگریزوں کا وفادار رہنے کی تلقین کی۔

مسلمانوں کے اس دور زوال میں سر سید احمد خان (۱۲۳۳ھ/۱۸۱۷ء۔۱۳۱۵ھ/۱۸۹۸ء) جمال الدین افغانی (۱۲۵۴ھ/۱۸۳۸ء۔۱۳۱۵ھ/۱۸۹۷ء) اور محمد عبدہٗ (۱۲۶۵ھ/۱۸۴۹ء۔۱۳۲۳ھ/۱۹۰۵ء) جیسے مصلحین نے مسلمانوں کی رہنمائی کا فریضہ انجام دیا۔مسلمانانِ برصغیر نے کانگرس کے مقابلے میں اپنی الگ سیاسی جماعت آل انڈیا مسلم لیگ کی بنیاد (۱۳۲۴ھ/۱۹۰۶ء) رکھی اور اپنے آئینی حقوق کی خاطر جدوجہد کا آغاز کیا۔

۱۳۳۲ھ/۱۹۱۴ء میں جنگِ عظیم اوّل شروع ہوگئی۔اس جنگ میں ترکی کی سلطنتِ عثمانیہ نے برطانیہ کے خلاف محوری طاقتوں کا ساتھ دیا۔محوری طاقتوں کی شکست کے بعد ترکی کی خودمختاری کے علاوہ مسلمانوں کے مقدس مقامات کو بھی اتحادی طاقتوں سے خطرات لاحق تھے۔برطانیہ نے کرنل لارنس (۱۳۰۶ھ/۱۸۸۸ء۔۱۳۵۴ھ/۱۹۳۵ء) کے ذریعے سازشوں کے جال پھیلا دیئے اور عرب قومیّت کے نام پر عربوں کو ترکوں کے خلاف اکسایا۔شریف مکہ، حسین بن علی (۱۲۷۲ھ/۱۸۵۶ء۔۱۳۵۰ھ/۱۹۳۱ء) نے ترکوں کے خلاف بغاوت کر دی۔اتحادیوں نے ترکوں سے شام چھین کر اسے چار ٹکروں شام، فلسطین، شرق اردن اور لبنان میں تقسیم کر دیا۔

مصطفےٰ کمال پاشا (۱۲۹۸ھ/۱۸۸۱ء۔۱۳۵۷ھ/۱۹۳۸ء) نے ایشیائے کوچک میں اتحادیوں کے خلاف قومی مزاحمت کو منظّم کیا۔ترکوں نے ۱۹۲۱ء میں جنگِ سقاریہ میں یونانیوں کو عبرتناک شکست سے دوچار کیا۔اس کے بعد ترکوں نے مسلسل جدوجہد کے ذریعے اتحادیوں کو ایشیائے کوچک سے نکال باہر کیا۔مصطفےٰ کمال نے ۱۳۴۲ھ/۱۹۲۴ء میں ترک خلافت کے خاتمے کا اعلان کر دیا۔والی حجاز، حسین بن علی نے عالم اسلام کا خلیفہ ہونے کا اعلان کر دیا لیکن فرمانروائے نجد، عبدالعزیز بن سعود (۱۳۰۶ھ/۱۸۸۸ء۔۱۳۷۲ھ/۱۹۵۳ء) اس کا بڑا حریف ثابت ہوا۔عبدالعزیز بن سعود

Marfat.com

نے ۱۳۴۲ھ / ۱۹۲۴ء میں مکۃ المکرمہ پر قبضہ کر لیا۔ کچھ ہی عرصہ بعد ابنِ سعود نے ایک وسیع علاقے پر اپنا اقتدار قائم کر کے ۱۹۳۲ء / ۱۳۵۱ھ میں مملکت سعودی عربیہ قائم کر دی۔

مصریوں کی مسلسل جدوجہد کے نتیجے میں ۱۳۴۱ھ / ۱۹۲۲ء میں برطانیہ مصر کو جزوی آزادی دینے پر رضامند ہو گیا۔ مصر کی مکمل خودمختاری اور آزادی کے لیے سعد زاغلول پاشا (۱۳۰۸ھ / ۱۸۹۰ء۔ ۱۳۴۶ھ / ۱۹۲۷ء) ایک بڑا مصری رہنما بن کر سامنے آیا۔ سعد زاغلول پاشا نے برطانیہ کے خلاف بھرپور آئینی جدوجہد کی۔

۱۳۴۸ھ / ۱۹۲۹ء میں افغانستان میں امیر امان اللہ خان کی جگہ حبیب اللہ المعروف سقہ بچہ برسر اقتدار آ گیا، لیکن جلد ہی جنرل نادر خان نے اسے شکست دے کر تختِ کابل پر قبضہ کر لیا۔

ایک مصری ٹیچر حسن البنا (۱۳۲۴ھ / ۱۹۰۶ء۔ ۱۳۶۸ھ / ۱۹۴۹ء) نے ۱۹۲۸ء میں الاخوان المسلمون کی بنیاد رکھی۔ جلد ہی یہ تنظیم ایک بڑی عوامی اور سیاسی قوت بن گئی، جس نے مصر کی سیاست میں اہم کردار ادا کیا۔ حسن البنا کو ۱۳۶۸ھ / ۱۹۴۹ء میں قاہرہ کے بازار میں قتل کر دیا گیا۔

انڈونیشیا عرصہ دراز تک ولندیزیوں کی نو آبادی رہا۔ دوسری جنگ عظیم میں اس پر جاپانیوں نے بھی قبضہ کر لیا۔ ۱۳۶۴ھ / ۱۹۴۵ء میں انڈونیشی مسلمانوں نے ڈاکٹر احمد سویکارنو (۱۳۱۶ھ / ۱۹۰۱ء۔ ۱۳۹۰ھ / ۱۹۷۰ء) کی قیادت میں جاپانیوں اور ولندیزیوں کے خلاف مسلح جدوجہد کے نتیجے میں اپنے ملک کے لیے آزادی حاصل کی۔

مسلمانانِ برصغیر نے دو قومی نظریہ کی بنیاد پر ایک الگ مسلم ریاست کے قیام کے لیے جدوجہد کی۔ مسلمانانِ ہند کے عظیم رہنما محمد علی جناح (۱۲۹۳ھ / ۱۸۷۶ء۔ ۱۳۶۷ھ / ۱۹۴۸ء) نے انگریزوں اور ہندوؤں کی مشترکہ طاقت کا مقابلہ کیا۔ مسلمانانِ برصغیر کی قربانیاں رنگ لائیں اور بالآخر ۲۷۔ رمضان المبارک ۱۳۶۶ھ / ۱۴۔ اگست ۱۹۴۷ء کو اسلامی نظریاتی ریاست "پاکستان" دنیا کے نقشے پر ظاہر ہوئی۔

قیامِ پاکستان کے ایک سال بعد صیہونی ریاست اسرائیل قائم ہوئی۔ ۱۹۱۷ء میں بالفور ڈیکلیریشن میں یہودیوں کے لیے الگ ریاست بنانے کا اعلان کیا گیا تھا۔ دوسری جنگِ عظیم میں یہودیوں کے قتلِ عام (ہولوکاسٹ) کا سارا الزام تو جرمنی کے ڈکٹیٹر ہٹلر (۱۳۰۶ھ / ۱۸۸۸ء۔

Marfat.com

۱۳۶۴ھ/۱۹۴۵ء) پر لگا، لیکن اس کی سزا فلسطینی مسلمانوں کو دی گئی۔ فلسطین میں مسلمانوں سے اُن کا علاقہ زبردستی چھین کر وہاں صیہونی ریاست اسرائیل قائم کر دی گئی۔

۱۳۷۱ھ/۱۹۵۲ء میں کامیاب فوجی انقلاب کے ذریعے مصر سے بادشاہت کا خاتمہ ہو گیا۔ صدر جمال عبدالناصر (۱۳۳۶ھ/۱۹۱۸ء۔۱۹۷۰ء/۱۳۹۰ھ) نے عربوں میں عرب قومیت کی روح پھونک دی۔ اس نے ایک معاہدہ کے ذریعے ۱۳۷۳ھ/۱۹۵۴ء میں برطانوی فوجوں کو مصر سے نکال دیا۔

۱۹۵۴ء میں الجزائر میں مسلمانوں نے سامراج کے خلاف کامیابی حاصل کی اور اپنے ملک کو آزاد کرایا۔ ۱۳۷۵ھ/۱۹۵۶ء میں عظیم تیونسی مجاہد حبیب بورقیبہ (پیدائش ۱۹۰۳ء) کی قیادت میں تیونس نے فرانس سے آزادی حاصل کی۔ ۱۹۵۶ء میں سوڈان نے بھی آزاد مملکت ہونے کا اعلان کر دیا۔ ۱۹۵۶ء میں ہی سرزمین مراکش سے فرانس کا ۴۴ سالہ قبضہ ختم ہو گیا۔

۱۳۷۷ھ/۱۹۵۸ء میں عبدالکریم قاسم (۱۳۳۲ھ/۱۹۱۴ء۔۱۳۸۳ھ/۱۹۶۳ء) نے عراق میں فوجی انقلاب کے ذریعے شاہ فیصل (۱۳۵۴ھ/۱۹۳۵ء۔۱۳۷۷ھ/۱۹۵۸ء) کی بادشاہت کا خاتمہ کر دیا۔ وزیراعظم نوری السعید کو قتل کر دیا گیا۔ ۱۳۹۹ھ/۱۹۷۹ء میں صدام حسین (۱۳۵۶ھ/۱۹۳۷ء۔ ۱۴۲۷ھ/۲۰۰۶ء) عراق کے صدر بن گئے۔ ۱۳۹۹ھ/۱۹۷۹ء میں ہی آیت اللہ خمینی (۱۳۱۵ھ/ ۱۹۰۰ء۔۱۴۱۰ھ/۱۹۸۹ء) نے کامیاب انقلاب کے ذریعے ایران سے بادشاہت کا خاتمہ کر دیا اور ایران میں ایک نئے جمہوری دور کا آغاز ہوا۔

امریکہ، اسرائیل اور بھارت کی اتحادی تکون نے گٹھ جوڑ اور سازشوں کے ذریعے پاکستان کو دو لخت کر دیا۔ ۱۳۹۱ھ/۱۹۷۱ء میں سقوطِ ڈھاکہ کے بعد پاکستان نے اپنے دفاع کے لیے ایٹمی طاقت کے حصول پر کام شروع کیا۔ ڈاکٹر عبدالقدیر خاں (پیدائش ۱۳۵۵ھ/۱۹۳۶ء) اور اُن کے سائنسدان ساتھیوں کی شبانہ روز محنت کے نتیجہ میں پاکستان کو ایٹمی طاقت حاصل ہو گئی۔ ۱۴۱۹ھ/۱۹۹۸ء میں بھارت کے ایٹمی دھماکوں کے جواب میں پاکستان بھی ایٹمی دھماکے کر کے اسلامی دنیا کی پہلی ایٹمی قوت بن گیا۔

۱۴۱۲ھ/۱۵۔ اکتوبر ۱۹۹۱ء کو بوسنیا ہرزگووینا نے یوگوسلاویہ سے علیحدگی کا اعلان کیا تو سربوں نے بوسنوی مسلمانوں پر ظلم وستم کا بازار گرم کر دیا۔ چند ہی سالوں میں لاکھوں بوسنوی مسلمان قتل کر دیے

Marfat.com

گئے۔ آج بھی بوسنیا کے مختلف علاقوں سے مسلمانوں کی اجتماعی قبریں دریافت ہوتی رہتی ہیں۔ بوسنوی مسلمانوں کے اس اجتماعی قتل پر عالمی انصاف کے علمبرداروں کو سانپ سونگھ گیا اور زبانی دعووں کے علاوہ ذمہ داروں کے خلاف کوئی کارروائی عمل میں نہیں لائی گئی۔

۱۴۱۲ھ/۱۹۹۱ء میں روسی استعمار میں جکڑی ہوئی وسط ایشیاء کی پانچ مسلم ریاستوں ترکمانستان، تاجکستان، کرغستان، ازبکستان اور قازقستان نے آزادی حاصل کر لی۔

۱۴۲۲ھ/۱۱۔ ستمبر ۲۰۰۱ء میں دہشت گردی کی ایک بڑی کارروائی میں امریکی معیشت کی علامت ورلڈ ٹریڈ سنٹر سے جہاز ٹکرا دیے گئے۔ پورا امریکہ لرز اُٹھا۔ امریکہ نے بغیر کسی ثبوت کے القاعدہ کو اس کا ذمہ دار قرار دیا۔ اُس وقت افغانستان میں طالبان کی حکومت تھی اور القاعدہ رہنما' اسامہ بن لادن وہاں ایک مہمان کی حیثیت سے رہ رہا تھا۔ امریکہ نے طالبان سے اُسامہ بن لادن (پیدائش ۱۳۷۶ھ/۱۹۵۷ء) کی حوالگی کا مطالبہ کیا۔ طالبان حکومت کے سربراہ ملاّ عمر کے انکار پر امریکہ نے افغانستان پر جنگ مسلّط کر دی، جس کے نتیجے میں طالبان حکومت ختم ہوگئی۔ امریکہ نے افغانستان میں اپنی مرضی کی حکومت قائم کر کے حامد کرزئی کو افغانستان کا صدر بنا دیا۔

عراق پر خطرناک ہتھیاروں کی تیاری کا الزام لگا کر امریکہ ۱۴۲۴ھ/۲۰۰۳ء میں اپنے اتحادیوں کے ساتھ عراق پر چڑھ دوڑا۔ امریکہ نے صدام حسین (۲۰۰۶ء۔۱۹۳۳ء) کی حکومت کا خاتمہ کر کے وہاں بھی اپنی مرضی کی حکومت قائم کر دی۔ ۱۴۲۷ھ/۳۰۔ دسمبر ۲۰۰۶ء کو صدام حسین کو پھانسی دے دی گئی۔ اس جارحیت کے باوجود امریکہ کو ان دونوں اسلامی ملکوں میں ابھی تک کامیابی حاصل نہیں ہوئی، وہاں اسے سخت مزاحمت کا سامنا ہے۔ امریکہ کی مدد کے لیے نیٹو افواج بھی افغانستان میں داخل ہو چکی ہیں، لیکن وہ نہ تو القاعدہ رہنما اسامہ بن لادن کو گرفتار کر سکی ہیں اور نہ ہی طالبان رہنما' ملاّ عمر کا کوئی سراغ مل سکا ہے۔ طالبان کو افغانستان میں مسلسل کامیابی حاصل ہو رہی ہے، یہاں تک کہ امریکہ کی طرف سے طالبان کے ساتھ مذاکرات اور طالبان رہنماؤں کو افغان حکومت میں شامل کرنے کے اشارے بھی مل رہے ہیں۔ پاکستان کی فوجی حکومت نے طالبان کے خلاف امریکہ کا ساتھ دیا، جس کے نتیجے میں پاکستان میں بھی دہشت گردی کی کارروائیوں میں بہت زیادہ اضافہ ہوا ہے۔ پاکستان کی موجودہ حکومت بھی دہشت گردی کی اس نام نہاد جنگ میں امریکہ کی اتحادی ہے لیکن اس کے جواب

Marfat.com

میں اسے امریکی ڈرون حملوں کے ساتھ ساتھ دہشت گردوں کے خودکش حملوں کا سامنا بھی کرنا پڑ رہا ہے، نتیجہ میں بے گناہ اور معصوم پاکستانیوں کا ہی خون بہہ رہا ہے۔

فلسطین میں حماس (الحرکۃ المقومۃ الاسلامیہ) کی تنظیم اسرائیل کے خلاف عسکری جدوجہد کر رہی ہے۔ اسرائیل نے فلسطینی رہنما احمد یٰسین اور عبدالعزیز رینتی کو دہشت گردی کی کارروائیوں میں شہید کر دیا۔ اس کے باوجود حماس کی مزاحمتی قوت کو کچلا نہیں جا سکا۔ اسی طرح لبنان میں حزبُ اللہ کی تنظیم اسرائیل کے خلاف جدوجہد میں مصروف ہے۔ اسرائیل نے ۱۴۲۷ھ/۲۰۰۶ء میں لبنان پر فوجی کارروائی کی، لیکن حزبُ اللہ نے اسرائیل کو شکست دے کر اس کا غرور خاک میں ملا دیا۔ اسرائیل نے بارہا غزہ میں فوجی کارروائی کر کے ہزاروں بے گناہ فلسطینیوں کو قتل کیا، لیکن وہ فلسطینیوں کے جذبۂ حریّت کو ختم کرنے میں ناکام رہا۔

بھارت نے کشمیری مسلمانوں پر عرصۂ حیات تنگ کر رکھا ہے۔ ۱۳۶۶ھ/۱۹۴۷ء سے کشمیری اپنی آزادی کی جنگ لڑ رہے ہیں۔ لاکھوں کشمیریوں نے اپنا خون دے کر تحریکِ آزادی کو زندہ رکھا ہوا ہے۔ بھارت اپنی بے پناہ فوجی طاقت اور طاغوتی قوتوں کی آشیرباد کے باوجود کشمیریوں کے جذبۂ حریت کو دبا نہیں سکا۔

دنیا کی تمام استعماری طاقتیں مسلمانوں کی مزاحمتی قوت سے خائف ہیں۔ امریکہ دنیا کی واحد سپر پاور ہونے کے باوجود عراق اور افغانستان میں کامیابی حاصل نہیں کر سکا، بلکہ ان ملکوں میں ہونے والی مزاحمت نے اس کی معیشت کو ہلا کر رکھ دیا ہے۔ اسرائیل اور بھارت بہت بڑی فوجی طاقتیں ہونے کے باوجود فلسطینیوں اور کشمیریوں کے جذبۂ آزادی کو کچل نہیں سکیں۔

اس وقت مراکش سے لے کر انڈونیشیا تک، تمام مسلمانانِ عالم استعماری طاقتوں کے خلاف آواز بلند کر رہے ہیں۔ مسلم عوامی طاقت کے سامنے امریکہ نواز حکمران زیادہ دیر تک ٹھہر نہیں سکیں گے۔ مسلم دنیا کے حکمران جتنی جلدی مسلمانوں کے قلبی جذبات کا احساس کر لیں اتنا ہی اُن کے حق میں بہتر ہے اور یہی وقت کا تقاضا بھی ہے۔

نرم دم گفتگو، گرم دم جستجو
رزم ہو یا بزم ہو، پاک دل و پاک باز

Marfat.com

مسلم تاریخ کے دیگر اہم واقعات جن کا تذکرہ ان سے منسلک عنوانات کے تحت کیا گیا

۱۔ ہجرت مدینہ	ہجرت حبشہ، شعب ابی طالب میں محصوری، سفر طائف، بیعت عقبیٰ اولی وثانیہ، میثاق مدینہ، مسجد قبا اور مسجد نبوی کی تعمیر۔
۲۔ صلح حدیبیہ	بیعت رضوان۔
۳۔ غزوہ خیبر	تحویل قبلہ، بنو قینقاع اور بنو نظیر کی جلاوطنی، بنو قریظہ کا قتل، اعلان بالفور۔
۴۔ فتح مکہ	رسول اللہ ﷺ کی طرف سے سلاطین کو خطوط، جنگ موتہ، ابوسفیانؓ کا قبول اسلام۔
۵۔ جنگ یمامہ	رجال بن عنفوہ کا ارتداد۔
۶۔ جنگ قادسیہ	جنگ نمارق، جنگ جسر، فتح مدائن، جنگ نہاوند۔
۷۔ جنگ یرموک	فتح دمشق، فتح حمص، حلب اور انطاکیہ کی فتح، فتح بیت المقدس۔
۸۔ سبائی تحریک	سبائیوں کا مدینہ پر قبضہ۔
۹۔ جنگ جمل	حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ کی شہادت۔
۱۰۔ جنگ صفین	حضرت عمار بن یاسرؓ کی شہادت، تحکیم، جنگ نہروان، حضرت علیؓ کی شہادت۔
۱۱۔ آغاز ملوکیت	حضرت امام حسنؓ اور حضرت امیر معاویہؓ کے مابین صلح نامہ، شمالی افریقہ کی فتح، حملہ قسطنطنیہ، کابل، قندھار اور بلخ کی فتح۔
۱۲۔ سانحہ کربلا	مکہ میں عبداللہ ابن زبیرؓ کی حکومت کا قیام، مسلم بن عقیلؓ کی شہادت۔
۱۳۔ ابن زبیرؓ کے نازک فیصلے	واقعہ حرہ، خانہ کعبہ پر سنگ باری۔
۱۴۔ ابن زبیرؓ کی شہادت	جنگ مرج راہط، جنگ توابین، مصعب بن زبیرؓ کی شہادت۔
۱۵۔ فتح اندلس	قرطبہ، شذونہ، قرمونہ اور اشبیلیہ کی فتح۔

Marfat.com

۱۶۔ فتح سندھ — دیبل، نیرون، سہون، ملتان اور کیرج کی فتح۔

۱۷۔ جنگ ٹورس — جنوبی فرانس پر مسلمانوں کا قبضہ۔

۱۸۔ جنگ زاب — سیاسی اختیارات کی علویوں سے عباسیوں کو منتقلی۔

۱۹۔ امام نفس زکیہؒ کی شہادت — امام ابو حنیفہؒ کا وصال۔

۲۰۔ محمود غزنوی — ملتان سے قرامطہ کا استیصال، برصغیر میں اشاعت اسلام۔

۲۱۔ جنگ ملاز کرد — متوکل علی اللہ کا قتل، آل بویہ کا اقتدار۔

۲۲۔ جنگ زلاقہ — عبدالرحمان الداخل کا اندلس پر بنوامیہ کا اقتدار قائم کرنا۔

۲۳۔ صلیبی جنگیں — عکہ اور یافہ پر عیسائی قبضہ، فتح طرابلس، تحریک استشراق۔

۲۴۔ ترائن کی دوسری جنگ اجمیر کی فتح، برصغیر میں مسلم حکومت کا قیام۔

۲۵۔ سقوط بغداد — برامکہ کا عروج و زوال، نصیر الدین طوسی اور ابن علقمی کی سازش۔

۲۶۔ جنگ عین جالوت — سلطان مظفر کا قتل، عباسی خلافت کا مصر میں احیاء، خلافت کی عباسیوں سے عثمانیوں کو منتقلی۔

۲۷۔ فتح انطاکیہ — سلطان قلاؤن کی منگولوں کے خلاف فتح، فتح عکہ۔

۲۸۔ جنگ انگورہ — جنگ نکوپولس۔

۲۹۔ فتح قسطنطنیہ — درہ دانیال پر ترکوں کا کنٹرول۔

۳۰۔ سقوط غرناطہ — جنگ تلمسان، جنگ الارکوس، جنگ طلوشہ، اندلس سے مسلمانوں کا انخلا

۳۱۔ پانی پت کی دوسری جنگ — پانی پت کی پہلی جنگ، جنگ قنوج، جنگ تالی کوٹہ۔

۳۲۔ جنگ ساموگڑھ — الفیہ تحریک، فتاویٰ عالمگیری

۳۳۔ پانی پت کی تیسری جنگ — بندہ بیراگی کی دہشت ناک کارروائیاں، نادر شاہ درانی کا دہلی پر حملہ، جنگ پلاسی، سیواجی کی سرکشی، دہلی پر مرہٹوں کا قبضہ۔

۳۴۔ سقوط سرنگا پٹم — نپولین کا مصر پر قبضہ۔

۳۵۔ جنگ آزادی — دہلی پر انگریزوں کا قبضہ۔

۳۶۔ سلطنت عثمانیہ کا زوال محاصرہ ویانا میں عثمانیوں کی پسپائی، جنگ سقاریہ، سلطنت سعودیہ کا قیام

Marfat.com

۳۷۔اسلامی نظریاتی ریاست کا قیام	تحریک علی گڑھ، آل انڈیا مسلم لیگ کا قیام، میثاق لکھنؤ، تحریک خلافت، نہرو رپورٹ، جناح کے چودہ نکات، کانگریسی وزارتیں قرارداد لاہور، ویول پلان، انتخابات، کابینہ مشن، تقسیم ہند فارمولا ریڈ کلف ایوارڈ۔
۳۸۔یہودی نظریاتی ریاست کا قیام	بیت المقدس پر انگریزوں کا قبضہ، اعلان بالفور، عرب اسرائیل جنگ، معاہدہ کیمپ ڈیوڈ، معاہدہ اوسلو۔
۳۹۔سقوط ڈھاکہ	لیاقت علی خان کی شہادت، ون یونٹ، ایوب خان کا مارشل لاء، اگرتلہ سازش، شیخ مجیب الرحمان کے چھ نکات، عام انتخابات، آپریشن سرچ لائٹ، پاک بھارت جنگ ۱۹۷۱ء۔
۴۰۔سانحہ نائن الیون	سیٹو، سینٹو معاہدے، سوویت یونین کی افغانستان میں شکست، افغانستان میں طالبان حکومت کا قیام، پاکستان کے ایٹمی دھماکے، صدام حسین کا کویت پر حملہ، افغانستان اور عراق کی تباہی، صدام حسین کی سزائے موت۔

Marfat.com

کتابیات

(۱) قرآن حکیم، سورۃ توبہ، سورۃ بنی اسرائیل، سورۃ فتح

(۲) تفسیر ضیاء القرآن، الازہری، محمد کرم شاہ، پیر، جسٹس، ضیاء القرآن پبلیکیشنز، لاہور، ربیع الثانی ۱۴۰۰ھ

(۳) بخاری شریف، بخاری، محمد بن اسماعیل، امام، مکتبہ رحمانیہ، لاہور۔

(۴) البدایہ والنہایہ، ابن کثیر، عماد الدین، علامہ، مترجم عبد الرشید ندوی، اختر فتح پوری، نفیس اکیڈمی، کراچی، جون ۱۹۸۸ء

(۵) تاریخ طبری، طبری، ابن جریر، علامہ، مترجم محمد ابراہیم ندوی، نفیس اکیڈمی، کراچی، ۱۹۸۴ء

(۶) تاریخ ابن خلدون، ابن خلدون، عبدالرحمٰن، علامہ، مترجم احمد حسن الہ آبادی، حکیم، نفیس اکیڈمی، کراچی، ۱۹۹۰ء

(۷) تاریخ الخلفاء، سیوطی، جلال الدین، مترجم اقبال الدین احمد، نفیس اکیڈمی، کراچی، طبع پنجم، مئی ۱۹۸۳ء

(۸) تاریخ اسلام، ندوی، معین الدین احمد، المیزان ناشران، لاہور۔

(۹) تاریخ اسلام، نجیب آبادی، اکبر شاہ، فرید بک ڈپو، دہلی۔

(۱۰) تاریخ ملت، میرٹھی، زین العابدین، شہابی، انتظام اللہ، ادارہ اسلامیات، لاہور، ۱۹۹۱ء

(۱۱) اردو دائرہ معارف اسلامیہ، محمد عبداللہ، سید، ڈاکٹر، پنجاب یونیورسٹی، لاہور۔

(۱۲) اردو انسائیکلو پیڈیا، فیروز سنز، لاہور، طبع سوم، ۱۹۸۴ء

(۱۳) اسلامی انسائیکلو پیڈیا، مرتبہ سید قاسم محمود، الفیصل ناشران، لاہور۔

(۱۴) اٹلس فتوحات اسلامیہ، دار السلام، لاہور۔

(۱۵) اٹلس سیرت النبی، دار السلام، لاہور۔

Marfat.com

(۱۶)سیرت النبی،شبلی نعمانی،علامہ،ناشران قرآن لمیٹڈ،لاہور،۱۹۲۰ء

(۱۷)ضیاء النبی،الازہری،محمد کرم شاہ،پیر،جسٹس،ضیاء القرآن پبلیکیشنز،لاہور،اگست۱۹۹۴ء

(۱۸)سیرت ابن ہشام،ابن ہشام،علامہ،مقبول اکیڈمی،لاہور۔

(۱۹)الرحیق المختوم،مبارک پوری،صفی الرحمان،المکتبہ السّلفیہ،لاہور،اکتوبر۱۹۹۵ء

(۲۰)محسن انسانیت،نعیم صدیقی،الفیصل ناشران،لاہور،طبع ۳۲،ستمبر۲۰۰۱ء

(۲۱)خلافت وملوکیت،مودودی،ابوالاعلیٰ،اسلامک پبلیکیشنز،لاہور۔

(۲۲)الفاروق،شبلی نعمانی،علامہ،اسلام بک ڈپو،لاہور،۱۹۹۷ء

(۲۳)جہان دیدہ،تقی عثمانی،علامہ،مکتبہ معارف القرآن،کراچی،۲۰۰۶ء

(۲۴)خلافت راشدہ کی جمہوری قدریں،رشید اختر ندوی،ادارہ معارف ملی،لاہور،اپریل۱۹۶۶ء

(۲۵)عثمانؓ اور علیؓ سیاست کی روشنی میں،طہٰ حسین،ڈاکٹر،مترجم عبد الحمید نعمانی،نفیس اکیڈمی، کراچی،۱۹۶۱ء

(۲۶)تاریخ اندلس،ریاست علی ندوی،مکی دارالکتب،لاہور،جنوری۲۰۰۳ء

(۲۷)خلافت اندلس،جنگ بہادر،ذوالقدر،نواب،مقبول اکیڈمی،لاہور،طبع دوم،۱۹۸۷ء

(۲۸)میثاق،اسرار احمد،ڈاکٹر،شمارہ جنوری۲۰۰۵ء،لاہور۔

(۲۹)طبقات ناصری،منہاج الدین سراج،مترجم ممتاز لیاقت،سنگ میل پبلیکیشنز،لاہور،۲۰۰۴ء

(۳۰)تاریخ فرشتہ،فرشتہ،محمد قاسم،مترجم عبدالحی خواجہ،شیخ غلام علی اینڈ سنز،لاہور،طبع دوم،۱۹۷۴ء

(۳۱)تاریخ عالم پر ایک نظر،نہرو،جواہر لال،مترجم طاہر منصور فاروقی،تخلیقات،لاہور،اپریل۲۰۰۱ء

(۳۲)سقوط بغداد سے سقوط ڈھاکہ تک،محمد افضل،میاں،الفیصل ناشران،لاہور،اپریل۲۰۰۳ء

(۳۳)صلیبی جنگیں،ہیرلڈلیم،نگارشات،لاہور،۲۰۰۷ء

(۳۴)صلیبی جنگیں،ٹیری جونز،ایلن اریا،مترجم ڈاکٹر امان اللہ قریشی،تخلیقات،لاہور،۲۰۰۰ء

(۳۵)آب کوثر،محمد اکرام،شیخ،ادارہ ثقافت اسلامیہ،لاہور،طبع ۲۱،جنوری۲۰۰۰ء

(۳۶)رود کوثر،محمد اکرام،شیخ،ادارہ ثقافت اسلامیہ،لاہور،فروری۲۰۰۱ء

(۳۷)شاہجہان نامہ،محمد صالح کمبوہ،مترجم ڈاکٹر ناظر حسن زیدی،مرکزی اردو بورڈ،لاہور،طبع

Marfat.com

اول،۱۹۷۴ء

(۳۸)اورنگ زیب پر ایک نظر،شبلی نعمانی،ایم ثناءاللہ خان پبلیکیشنز،لاہور۔

(۳۹)اورنگ زیب عالمگیر،اوم پرکاش،مرتبہ،مبارک علی،ڈاکٹر،فکشن ہاؤس،لاہور۔

(۴۰)مسلمان یورپ میں،سلیمانی،احسان الحق،مقبول اکیڈمی،لاہور جولائی ۲۰۰۷ء

(۴۱)المیہ تاریخ،مبارک علی،ڈاکٹر،فکشن ہاؤس،لاہور،۲۰۰۵ء

(۴۲)تاریخ کی آواز،مبارک علی،ڈاکٹر،فکشن ہاؤس،لاہور،۲۰۰۵ء

(۴۳)مردمومن ٹیپوسلطان شہید،میر ابراہیم،میجر،ٹیپوسلطان ہاؤس،کیولری گراؤنڈ،لاہور۔

(۴۴)احوال وآثار،ٹیپوشہید نمبر،جون ۹۹ء،لاہور۔

(۴۵)سہ ماہی تاریخ،مبارک علی،ڈاکٹر،جنگ آزادی ۱۸۵۷ء نمبر،فکشن ہاؤس،لاہور،اکتوبر ۲۰۰۷ء

(۴۶)جنگ آزادی ۱۸۵۷ء،محمد ایوب قادری،پاک اکیڈمی،کراچی،جون ۱۹۷۶ء

(۴۷)۱۸۵۷ء،مہر،غلام رسول،شیخ غلام علی اینڈ سنز،لاہور،طبع دوم،۱۹۷۱ء

(۴۸)عرب اور اہل عرب،رچرڈ ایچ سنگر،مکتبہ معین الادب،لاہور۔

(۴۹)جنوبی یمن اور عرب ممالک،محمد حسن الاعظمی،الازہر لمیٹڈ،کراچی،مارچ ۱۹۶۹ء

(۵۰)مقدمہ فتاوی رضویہ،عبدالحکیم شرف قادری،رضا فاؤنڈیشن،لاہور۔

(۵۱)انڈیا ونز فریڈم،ابوالکلام آزاد،مولانا،مکتبہ جمال،لاہور۔

(۵۲)قائداعظم جناح،جی۔الانہ،مترجم رئیس امروہوی،فیروزسنز لمیٹڈ،لاہور۔

(۵۳)مذاہب عالم کا تقابلی مطالعہ،غلام رسول،پروفیسر،علم وعرفان پبلیکیشنز،لاہور،۲۰۰۶ء

(۵۴)اسرئیل کے خوفناک منصوبے،عادل جہانگیری،مکتبہ عادل،فیڈرل ایریا،کراچی،طبع اوّل،۱۹۶۹ء

(۵۵)تاریخ بیت المقدس،ممتاز لیاقت،سنگ میل پبلیکیشنز،لاہور،۱۹۸۸ء

(۵۶)سقوط مشرقی پاکستان،صفدر محمود،ڈاکٹر،میری لائبریری،لاہور،طبع اوّل،۱۹۷۲ء

(۵۷)شہاب نامہ،شہاب،قدرت اللہ،سنگ میل پبلیکیشنز،لاہور،طبع ۲۹،۲۰۰۵ء

(۵۸)میں نے ڈھاکہ ڈوبتے دیکھا،صدیق سالک،الفیصل پبلشرز،لاہور،جون ۲۰۰۰ء

Marfat.com

(۵۹)مشرقی پاکستان کی علیحدگی کی دردناک کہانی،رحمان ظفر،ایشین پبلشرز،لاہور،طبع اوّل،۱۹۷۶ء

(60) The Life of Muhammad,Haikel,M.Hussain,Islamic Litrature Publications,Lahore.

(61)MUHAMMAD,Martin Lings,Suhail Academy,Lahore.

(62)Encyclopedia Bretannica, Willium Benton, Publishers.1968.

(63)A Short History of the Saracens, Ameer Ali,Syed, Islamic Book Service, Lahore.

(64)A History of Medieval Islam, J.J.Saunders.Routledge and Kegan Paul London,1965.

(65)Battle of Manzikert, Wikipedia,Encyclopedia.

(66)Battle of Tours,Wikipedia,Encyclopedia.

(67)Battle of Ain Jalut, Wikipedia, Encyclopedia.

(68)TEMERLANE,Justin Maroozi, DA CAPO PRESS.

(69)Secret Correspondence of Tipu Sultan, Kabir Kousar,National Book House, Lahore,1980.

(70)The Cambridge History of Islam, Cambridge uni.press.

(71)The Struggle for Pakistan, I.H.Qureshi,University of Karachi.

(72)Jinnah and Gandhi, S.K.Majumdar, People's Publishing House,Lahore.

(73)Jinnah of Pakistan,Stainly Wolpert, Oxford Uni.Press

Marfat.com

پروفیسر عبدالجبار شاکر رحمہ اللہ سیرت ایوارڈ

پروفیسر عبدالجبار شاکر رحمہ اللہ نے سیرت النبیؐ، اقبالیات اور مخطوطات کے حوالے سے ایک عظیم الشان لائبریری بیت الحکمت کے نام سے قائم کی۔

سیرت نبویؐ سے اُن کی محبت کی یاد میں اس ایوارڈ کا اجرا کیا جا رہا ہے۔

- اس مقابلے میں سیرت نبویؐ پر شائع ہونے والی نثری، مترجم اور منظوم کتب شامل کی جائیں گی۔
- اس مقابلے میں رواں سال کے دوران شائع ہونے والی کتب شامل ہوں گی۔
- ہر کتاب کی چار عدد کاپیاں ۱۵ محرم تک وصول ہونا چاہییں، بعد میں یا کم آنے والی کتابیں مقابلے میں شامل نہیں ہوں گی۔
- منصفین کا فیصلہ حتمی ہوگا اور اُس کا احترام کیا جائے گا فیصلے کا اعلان ربیع الاوّل میں کیا جائے گا۔

پہلا انعام :-/25000 روپے

دوسرا انعام :-/15000 روپے

تیسرا انعام :-/10000 روپے

کتابیں بھجوانے کا پتہ: بیت الحکمت 109 حبیب پارک بالمقابل منصورہ، ملتان روڈ لاہور

Ph.: 0321-4589419, 0300-9401474

پہلی مرتبہ مکمل تخریج کے ساتھ

سیرۃ البخاری

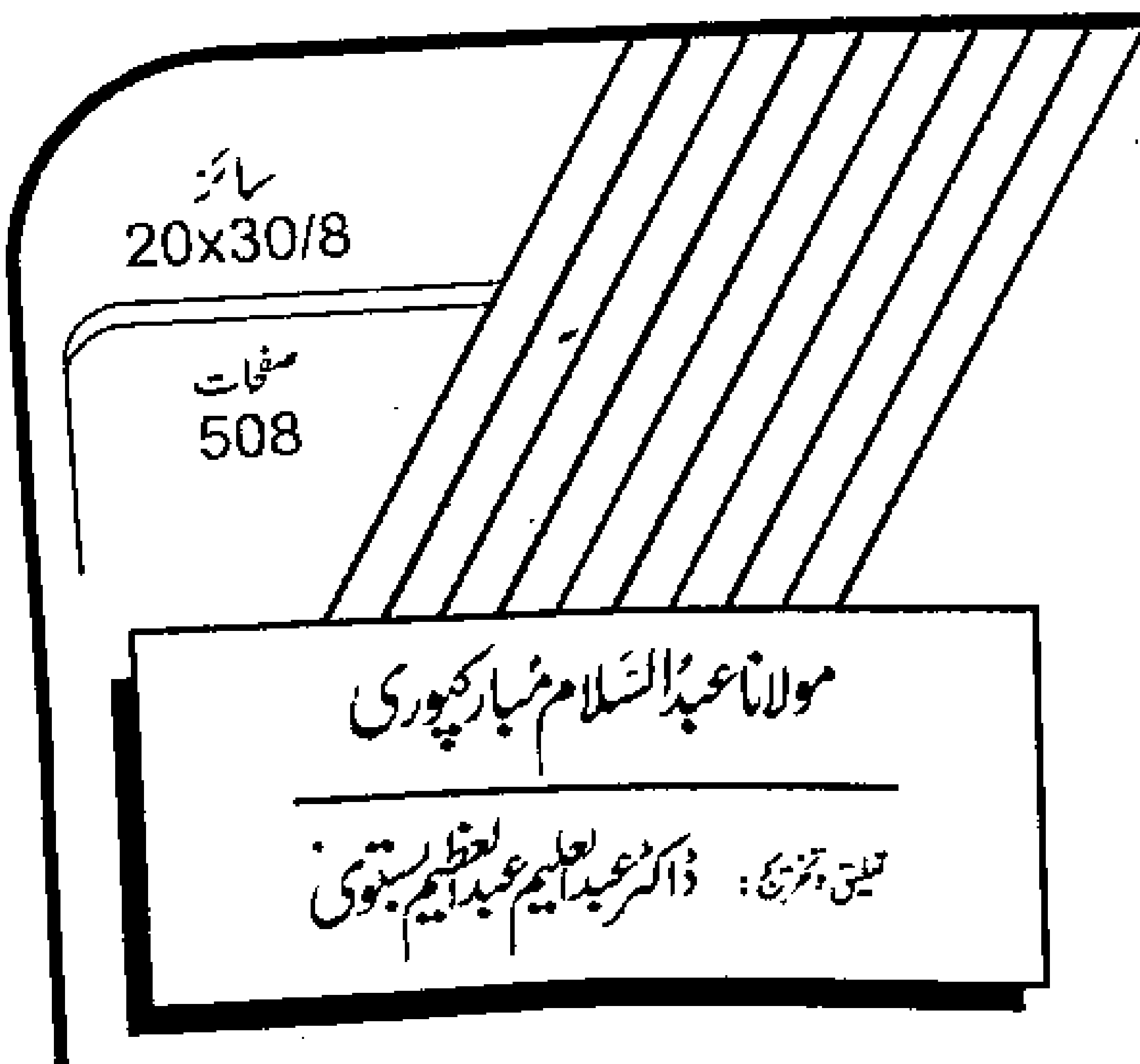

امام المحدثین امام بخاریؒ کی حیات، تصنیفات اور تحقیقات پر مشتمل ایک دائرۃ المعارف

Marfat.com

مسلم تاریخ کے نازک اور فیصلہ کن موڑ

ہجرتِ مدینہ سے سانحہ ۹/۱۱ تک

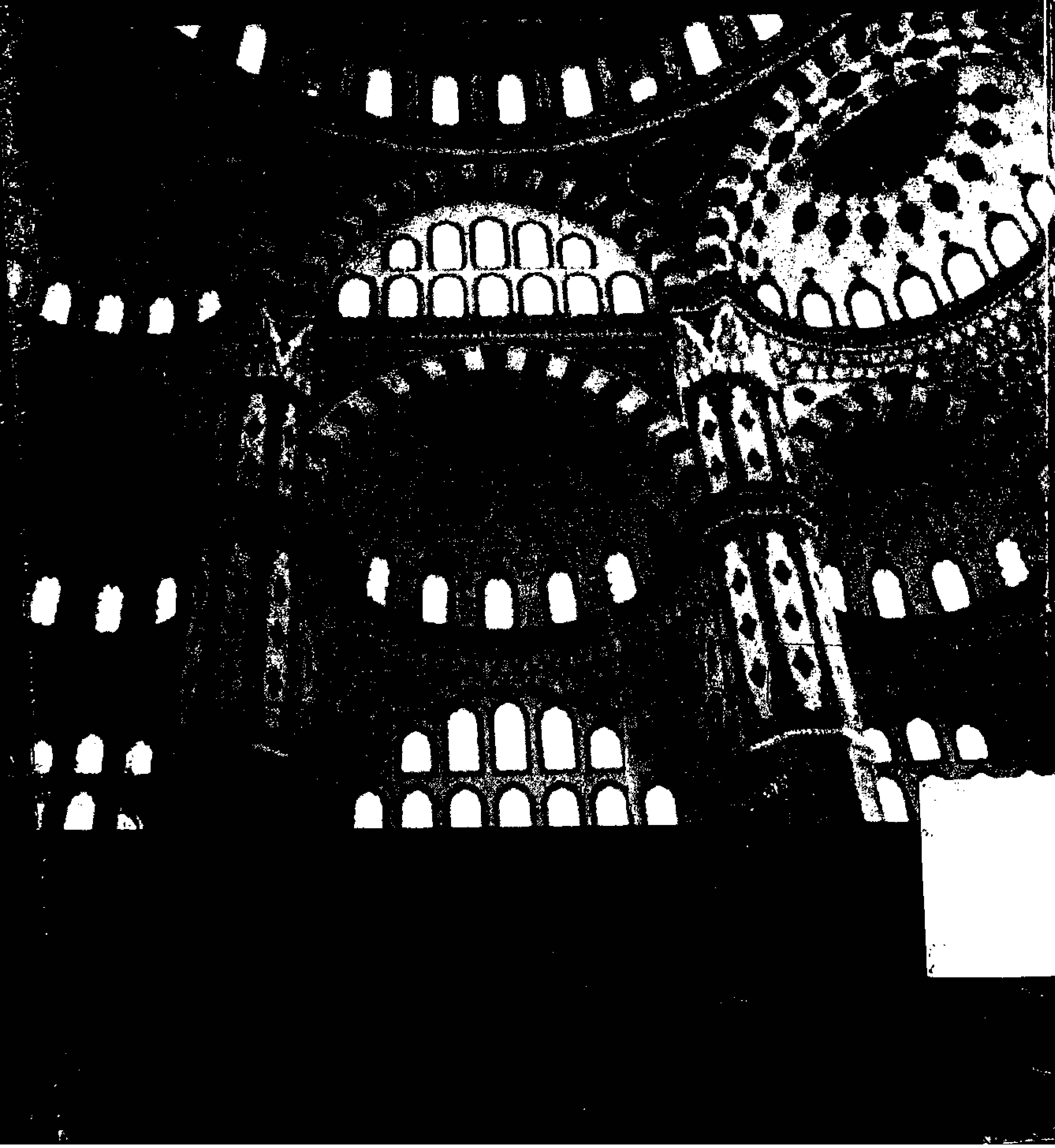

Marfat.com